مُحدِّث

دار التالیف والترجمۃ بنارس الہند
مسلسل ۱۰۸ ● رجب ۱۴۱۲ ● جنوری ۱۹۹۲

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ / ۱ جنوری ۱۹۹۲ء جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ جلد / ۱۰

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوری تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو چکی ہے۔

درسِ قرآن

جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر

مولانا اصغر علی السلفی

یاایہا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ، علیہا ملائکۃ غلاظ شداد لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون۔ (سورۂ تحریم ۶)

اے مؤمنو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر، جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم کیا جائے بجا لاتے ہیں۔

قیامت جو ایک عظیم حقیقت ہے جہنم جو نافرمانوں اور شیطانوں کا ماوی وملجا ہے اور اس پر ہر مؤمن کو یقین کامل ہے، وہ سب سے بری جگہ بہت ہی غم وآلام اور مصائب وشدائد کی جا ہے۔ اس کی تکالیف اور اس کے دردناک عذاب کا بیان کتاب وسنت میں بہت ہی تفصیل سے مذکور ہے مگر حق تو یہ ہے کہ وہ انسانی تصور سے بالاتر ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی ہولناک المناک آگ سے بندۂ مؤمن کو بچنے کی تاکید کی گئی ہے۔ عظیم حکمت اس حکم ربانی میں ہے کہ بندے کو پہلے خود نار جہنم سے بچنے کی تاکید ہے ساتھ ہی آل واولاد خویش واقارب اور اہل خانہ کو اس آگ سے بچانے کا حکم ہے اس طرح گویا مومنوں کو بحیثیت داعی جو صفت دعوت سے متصف ہو پیش کیا گیا ہے، بندہ جب خود اس نار جہنم سے بچنے کے اسباب اور جنت کے فوز وفلاح کے صفات سے متصف نہ ہو تو پھر اہل خانہ اور متعلقین کے لئے اس کا حکم بے اثر اور بے معنی ہے، اس لئے پہلے اسے خود بچنے کا حکم ہے پھر اہل خانہ کے بچانے کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ حکمت ربانی ملاحظہ کیجئے کہ انسان صرف اپنے لئے عمل کر کے کامیاب وکامراں نہیں ہو سکتا ہے اس کے اوپر امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی بھی ذمہ داری حسب المستطاع ڈالی گئی ہے جسے نبھائے بغیر وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، وہ مکلف ہے اپنے گھر والوں اور اپنے متعلقین کی رہنمائی اور ان کو موجبات نار جہنم سے دور رکھنے کا ورنہ وہ اپنے رب کریم کا نافرمان ثابت ہوگا۔ دیکھو تو بھلا تمہارے رب نے تم کو کیا حکم دیا ہے؟ قوا انفسکم واھلیکم خود بچو اور گھر والوں کو بھی بچاؤ۔ یہ کیا ہے کہ تم نے اپنی ذمہ داریاں نہیں سمجھی، اپنے فرائض سے تم غافل ہو گئے، تم نے خود تو نیکیاں کر لیں دوسروں کو محروم رکھا، یہ لائق مدح وستائش ہرگز نہیں۔

حضرت قتادہ مفسر فرماتے ہیں کہ اپنے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دو اور نافرمانیوں سے روکتے رہو
ان پر اللہ تعالیٰ کا حکم قائم رکھو اور انہیں احکام الٰہی بجالانے کی تاکید کرتے رہو نیک کاموں میں ان کی مدد کرو اور بُرے
کاموں پر انہیں ڈانٹو۔ حضرت ضحاک و مقاتل فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رشتے کنبے کے لوگوں کو اور
اپنے لونڈی، غلام اور ماتحتوں کو اللہ تعالیٰ کا فرمان بجالانے کی اور اس کی نافرمانیوں سے بچنے کی تعلیم دیتا رہے۔

(ابن کثیر)

انسان جس حالت میں بھی ہو اس فریضے کو ادا کرتا رہے، گھر میں اولاد اور دوسرے افراد خانہ کی دینی تربیت کا
خیال رکھے ان کو پابند شریعت بنانے کی سعی کرے۔ سفر میں رفقاء سفر کو صلاح و تقویٰ کی تلقین کرے۔

رب کریم نے بعد میں ملائکہ کی صفت بیان فرمائی (جو جہنم کے داروغہ ہوں گے) کہ وہ اللہ کے ایسے مطیع
و فرماں بردار ہیں کہ اپنے رب کے تمام احکام و اوامر کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے ہمیشہ بچتے رہتے ہیں۔
وہ اپنی پوری زندگی اپنے رب کریم کی اطاعت اور فرماں برداری اور اس کی منہیات سے احتراز میں گذارتے ہیں
ان کی زندگی کا کوئی لمحہ اللہ کی اطاعت و عبادت سے خالی نہیں حتیٰ کہ اللہ نے جن بندوں کے بارے میں جہنمی ہونے
کا فیصلہ صادر فرما دیا ہے وہ سخت دل اللہ کے مقرب فرشتے بلا پس و پیش جہنم کی آگ میں جھونک دیں گے، اور
اللہ کی اطاعت و فرماں برداری کا اپنے اس فعل سے ثبوت دیں گے۔

رب العزت نے ان ملائکہ کا ذکر فرما کر انسانوں کو یہ ترغیب دلائی کہ تم بھی اپنے اندر وہی صفات پیدا
کرو جو ایک فرشتہ میں ہوتے ہیں جن اوصاف کی بدولت وہ اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں، ساتھ ہی اللہ نے یہ
بھی واضح کر دیا کہ وہ جہنم جس میں نافرمان انسانوں کو ڈال دیا جائے گا، وہاں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہوگا
کیونکہ وہاں پر ایسے فرشتے متعین ہیں جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں۔ اللہ نے جہاں جس کام کے لئے انھیں
متعین کر دیا ہے اس میں ذرہ برابر بھی تساہل سے کام نہیں لیتے ہیں۔ جہنم کے داروغہ ہونے کی حیثیت سے
ان کا جو کام ہونا چاہیئے اسے کر کے اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کریں گے۔

اللہ ہم کو جہنم سے بچائے اور ہمیں اپنا مطیع و فرماں بردار بنائے۔ آمین!

درس حدیث

جہاد میں فتح ونصرت کے اسباب

اصغر علی امام مہدی السلفی

عن عبد اللہ بن ابی اوفی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : یا ایہا الناس لاتتمنوا لقاء العدو واسالوا اللہ العافیہ فاذا لقیتموہم . فاصبروا واعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف ۔ (البخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے آپ نے صحابۂ کرام کو مخاطب کر کے ایک غزوہ سے پہلے فرمایا تھا، لوگو ! دشمنوں سے ملاقات (جنگ) کی تمنا (اتراتے ہوئے) نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت طلب کرو ! ہاں جب تمہاری مڈبھیڑ ان سے ہو جائے تو صبر سے کام لو اور جان لو کہ جنت تلواروں کے سائے تلے ہے ۔

آپ یہ تعلیم فرمانے کے بعد اٹھ کھڑے ہوئے اور دعا کی کہ اے قرآن کے نازل فرمانے والے اللہ، بدلیوں کو چلانے والے ، لشکروں کو ہزیمت سے دوچار کرنے والے ، ان (طاقتوں) کو ہزیمت سے دوچار کر اور ان کے اوپر ہماری فتح عطا فرما !

ایک حدیث قدسی میں ذکر ہے ، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ : میرا کامل بندہ وہ ہے جو مجھے اس حال میں بھی یاد کرتا رہتا ہے جب وہ اپنے مدمقابل سے دوبدو ہوتا ہے ۔ یعنی جنگ کی ہولناکی کے وقت اس کی راہ میں جسم وجان کو لگانے کے ساتھ اپنے دل سے بھی اس کو ایک پل کے لئے نہیں بھولتا بلکہ اسے یاد کرتا رہتا ہے اور فتح ونصرت کا طلبگار ہوتا ہے ۔

ان احادیث میں جنگ کے آداب سکھائے گئے ہیں ۔ ایک آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے یہ تعلیم دی ہے ۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم

تفشلوا وتذهب ريحكم واصبروا واطيعوا الله ورسوله ۔ الآیۃ۔ یعنی مسلمانو! جب تم کسی گروہ سے جنگ کرو تو ثابت قدم رہو اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو تاکہ تم کامیاب وکامران ہو جاؤ، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف ونفاق نہ پیدا کرو کہ تم بزدل ہو جاؤ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے (اور تمہاری تیزی وقوت سرد پڑ جائے) اور صبر کرو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کئی آداب جنگ سکھائے ہیں اور فتح ونصرت کے کئی اسباب ذکر کئے ہیں۔

۱۔ ثبات قدمی کی تعلیم ہے، جو جہاد میں کامیابی کے لئے اولین شرط ہے، جو قوم میدان جنگ سے بھاگ جاتی ہے اس کی جان ومال عزت وناموس دشمن کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، ثبات قدمی ہی فتح کے لئے جوہری اور بنیادی چیز ہے۔

۲۔ ذکر الٰہی اور اس سے طلب مدد آداب جنگ میں سے ہے انسان قوت وطاقت کے چاہے جس درجہ پر فائز ہو جائے اگر اللہ کی مشیت شامل حال نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت کی دعا اور ذکر واذکار بھی اہم چیز ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو اپنے رب کے ذکر سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے تھے لیکن خاص طور پر جہاد کے وقت آپ کے آہ وزاری اور تضرع الی اللہ اور دعاء کا یہ عالم ہوتا تھا کہ صحابہ کرام آپ کو سجدے سے اٹھاتے اور کہتے کہ آپ نے اپنے رب سے جو طلب کیا اور سرگوشی کی وہ کافی ہے کہ وہ آپ کی سن کر مدد فرمائے۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ آپ طلب نصرت کے لئے اس کثرت سے دعا فرماتے ہیں تو ہمیں اپنی کامیابی کے رب کریم کی درگاہ میں زیادہ سے زیادہ طلب دعا کیلئے جھکنا چاہیئے اور گڑگڑانا چاہیئے۔

مؤمن بندوں کے لئے دعا ہتھیار اور اسلحہ ہے مادی وسائل اور قوت حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اس روحانی اور معنوی اسلحہ سے بھی مسلح ہونا چاہیئے۔ اس آیت کریمہ کا مخاطب مؤمن ہی ہے۔ اعدوا لهم ما استطعتم من قوة ۔ مسلمانو! (ان کفار ومعاندین کیلئے) اپنی مقدور بھر قوت کی تیاری کرو جس سے تم اپنے مقابل دشمنوں کو مرعوب کر لو اور انھیں دھلا دو!

جسطرح دور اول کے مسلمانوں نے حتی المقدور جنگی تیاریاں کیں، تیراندازی، شہ سواری اور اسلحہ سازی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ فرمان خدا اور رسولؐ کے مطابق ذکر واذکار سے قلبی طور پر مزین تھے مادی اور جسمانی طور پر ہر لمحہ تیار تھے اسی طرح آج ہمیں بھی مذکورہ بالا اسلوب کے تحت اپنے آپ کو مطیع، منظم، مسلح رہنا چاہیئے تاکہ خدا ہمارے اعمال کے بموجب معاون ہو۔

افتتاحیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام اور مسالمت و رواداری

رحم و شفقت، صلح و آشتی، بھائی چارگی اور مساوات کا ضابطہ اسلام کے عناصر ترکیبی کا سب سے غالب عنصر ہے، یہ مذہب اس ذات کا بنایا ہوا ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے، پوری کائنات نامعلوم مدت سے اسی کی رحمت و شفقت کے سایہ میں سرگرم عمل ہے، اور کائنات کے مظاہر حقیقت میں ہم انسانوں کے لئے رحمتِ الٰہی کے خزانے ہیں، اسی ذات پاک نے دنیا کی پرآشوب و پرفتن زندگی میں ہمیں اپنی مرضی کے راستہ پر قائم رکھنے کے لئے اپنا جو آخری رسول بھیجا ہے اسے خود اپنے کلام میں رحمۃ للعالمین کہا ہے، تمام اقوام عالم، تمام انسانوں کے لئے رحمت ہی رحمت، اور جو دین و شریعت یعنی اسلام دے کر اپنے آخری رسولِ رحمت سید البشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، وہ ضابطۂ رحمت و عدل کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے، مروت، انسانیت اور مسالمت و رواداری کا حقیقی خمیر جذبۂ رحم و شفقت ہے، اور اسلام زمین کے چپے چپے اور فرد فرد سے لے کر کائنات کی اتھاہ پہنائیوں اور عرش رحمٰن تک سلسلۂ رحم و شفقت و عدل ہی کا نام ہے۔ امام الہند علامہ ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> "رواداری یہ ہے کہ اپنے حق اعتقاد و عمل کے ساتھ دوسرے کے حق اعتقاد و عمل کا بھی اعتراف کیجئے، اور اگر دوسرے کی راہ آپ کو صریح غلط دکھائی دے رہی ہے جب بھی اس کے اس حق سے انکار نہ کیجئے کہ وہ اپنی غلط راہ پر بھی چل سکتا ہے۔"

جس سلسلۂ رحم و شفقت اور عدل کا اوپر ذکر ہوا اس کا تقاضا یہی ہے، اس عالمگیر اور آفاقی اصل کی بنیاد رحمٰن کا یہ کلام ہے۔

لا اکراہ فی الدین، قد تبین دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہے، ہدایت

الرشد من الغی ، فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لا انفصام لہا ، واللہ سمیع علیم ، اللہ ولی الذین آمنوا یخرجہم من الظلمات الی النور ، والذین کفروا اولیٰئہم الطاغوت یخرجونہم من النور الی الظلمات اولٰئک اصحاب النار ھم فیہا خٰلدون

(البقرۃ / ۲۵۶)

گمراہی سے بالکل نمایاں ہوچکی ہے ، پس جو شخص باطل معبودوں سے انکار کرے اور اللہ پہ ایمان لائے تو اس نے یقیناً سب سے مضبوط سہارا تھام لیا ، جو کبھی نہ ٹوٹے گا ، اور اللہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے ، اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے ، وہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالتا ہے ، اور جن لوگوں نے انکار کی راہ اپنائی ہے ان کے دوست شیاطین ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں ، وہی جہنم والے ہیں ، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۔

اللہ تعالیٰ نے جبر و اکراہ کے بجائے مسالمت اور رواداری کی پابندی کا حکم اس حالت میں بھی دیا ہے ، کفر و شرک اور الحاد و بے دینی اسلام کے استیصال کے لئے لشکر لے کر میدان میں اتر آئے ہوں اور لام اپنا لشکر رحمت لے کر مقابلہ اور جہاد کے لئے ٹھیک اس طرح اٹھ کھڑا ہو جیسے ایک طبیب اپنے طبی دہتھیار کے ساتھ کسی مریض کے پھوڑوں پر ضرب لگائے خواہ وہ بلکتا اور تڑپتا ہی کیوں نہ ہو ۔ اس جنگ الت میں بھی ارشاد اور نصیحت کا راستہ کھلا رکھا گیا ہے ، اور جبر و اکراہ کی راہ بند رکھی گئی ہے ۔

کا ارشاد ہے :

وإن احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغہ مأمنہ ذلک بأنہم قوم لا یعلمون ۔

(التوبہ / ۶)

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی ۔ بحالت جنگ ۔ تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو کہ وہ ۔ مسلمانوں کے درمیان ۔ کلام اللہ سنے ، پھر جب وہ جانا چاہے تو اس کے امن کی جگہ اسے پہنچا دو یہ حکم اسلئے ہے کہ یہ بے علم لوگ ہیں ۔ یعنی رحمٰن کا

عطا کیا ہوا حقیقی علم انہیں حاصل نہیں، اس لئے اس رحم ورواداری کے مستحق ہیں۔

ارشاد، موعظت، نصیحت اور تبلیغ اسلام کا نہایت مہتم بالشان ضابطہ اور فریضہ ہے، رحمٰن اور اس کے بتائے ہوئے دین اسلام کے برخلاف جتنی باتیں ہیں سب باطل ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے ہرگز راضی نہیں، ایسے باطل امور کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ اسلام نے گو رواداری کا حکم دیا ہے اور جبر و اکراہ سے روکا ہے لیکن ارشاد و ہدایت اور نصیحت و تبلیغ کی شاہراہ ہمیشہ کھلی رکھی ہے، البتہ حکمت و دانائی، بہترین نصیحت اور سب سے بہتر طریقہ سے گفتگو اور مباحثہ کی راہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے، گویا مسالمت و رواداری، فریضہ تبلیغ اسلام ہی کا ایک حصہ ہے۔ رحمٰن کا ارشاد ہے:

ادع إلى سبيل ربك بالحكمة	اپنے رب کی راہ اسلام کی طرف حکمت و دانائی
والموعظة الحسنة وجادلهم	اور بہترین نصیحتوں کے ساتھ بلاؤ اور سب سے
بالتي هي أحسن، ان ربك	بہتر طریقہ سے ان سے مباحثہ کرو، تیرا رب انکو
هو اعلم بمن ضل عن	خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گئے
سبيله وهو اعلم	اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے
بالمهتدين، وإن عاقبتم	اور اگر ظلم کا بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو
فعاقبوا بمثل ما عوقبتم	جتنا تم پر ظلم کیا گیا ہے۔ اور اگر صبر کرو
به ولئن صبرتم لهو خير	تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت بہتر
للصابرين واصبر وما صبرك	ہے، اور صبر ہی کیا کرو، تمہارا صبر اللہ
الا بالله ولا تحزن عليهم	ہی کی مدد سے ہے، ان کے حال پر رنجیدہ
ولا تك في ضيق مما يمكرون	نہ ہو اور جو مکر و فریب وہ لوگ کرتے
ان الله مع الذين اتقوا و	ہیں، ان سے دل تنگ نہ ہو، اللہ یقیناً
الذين هم محسنون۔	ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقوی شعار اور
(النحل ۱۲۵)	نکوکار ہیں۔

اس حسن کردار کے حسن انجام کی ایک جھلک دنیا ہی میں نمایاں ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ

نے فرمایا :

ولا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم، وما یلقٰھا الا الذین صبروا، وما یلقٰھا الا ذوحظ عظیم۔
(فصلت / ۳۴)

اچھائی اور برائی برابر نہیں۔ اگر کوئی تم سے برائی سے پیش آئے تو۔ اسے نہایت اچھے طریقے سے دور کرو، پھر دیکھو گے کہ وہ شخص کہ تمہارے اور اس کے درمیان عداوت تھی گویا وہ گرم جوش دوست ہے مگر یہ خوبی انہی کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور انھیں کو ملتی ہے جو بڑے نصیب والے ہوتے ہیں۔

مسالمت اور رواداری کا جو ضابطہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں متعین فرمایا، رسولِ اسلام، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات وسیرت طیبہ اس پر شاہد عدل ہے، جزیرۂ عرب پر جس وقت اسلام کا مکمل قبضہ ہوگیا تو رسول اسلام رحمۃ للعالمین نے خطۂ نجران کے غیر مسلم عیسائی باشندوں کو جو امان نامہ تحریر فرما کر دیا وہ اسلامی رواداری کا دائمی منارۂ نور ہے۔ آپؐ نے تحریر فرمایا کہ :

> نجران اور اس کے اطراف وجوانب کے لوگوں کی جانیں، ان کی زمین ان کے مال ان کے موجود اور غیر موجود لوگ، ان کے قافلے اور ان کے اصنام ان سب کے لئے اللہ کی امان اور محمد رسول اللہؐ کی ضمانت ہے، ان لوگوں کی موجودہ حالت، ان کے حقوق اور ان کے اصنام میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، ان کے اسقف اور راہب اپنے موجودہ منصب سے برطرف نہیں کئے جائیں گے، دورِ جاہلیت کے کسی جرم اور خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا، نہ فوجی خدمت لی جائے گی، نہ عشر لگایا جائے گا، نہ کوئی لشکر ان کی زمین کو پامال کرے گا، اللہ اور رسول کی یہ امان وضمانت ہمیشہ قائم رہے گی، جب تک وہ مسلمانوں کے خیر خواہ اور طے شدہ شرائط کے پابند رہیں گے، ظلم کے ساتھ انہیں کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

رسول اسلام کے اس بلند ترین اسوہ کی پیروی آپ ؐ کے اصحاب ؓ نے پورے خلوص و اخلاص کے ساتھ کی جس سے ان کی سیرت کی کتابیں لبریز ہیں، میں بطور نمونہ فاروق اعظم حضرت عمر ؓ کے اس امان نامہ کا خلاصہ درج کر رہا ہوں جو انہوں نے فتح بیت المقدس کے بعد غیر مسلم عیسائیوں کے لئے ان کے رؤسا کے سامنے تحریر کرا کے ان کے حوالہ کیا تھا:

ایلیا ر کے باشندوں کی جانیں، ان کے مال، گرجے، صلیب، ان کے بیمار اور تندرست سب کو امان اور ضمانت دی جاتی ہے، ان کے گرجوں میں سکونت نہ کی جائے گی، نہ وہ منہدم کئے جائیں گے، انھیں اور ان کے احاطوں کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچایا جائے گا، نہ ان کے صلیب اور مال میں کوئی کمی کی جائے گی، نہ مذہب کے متعلق ان پر کوئی جبر و تشدد کیا جائے گا، نہ ان کو کسی نوع کا کوئی ضرر پہنچایا جائے گا۔

(طبری/۳/۱۶۰)

اصحاب رسول کے بعد خلفائے اسلام اور مسلمان ملوک کے اس طرح کے بے شمار مواثیق ہیں جو انہوں نے مختلف غیر مسلم اقوام کے لئے لکھے، اور مجموعی طور پر مسلمانوں کی تاریخ جس رواداری کی امین ہے اقوام عالم کے لئے وہ قابل اتباع ہے، اس امر کی شہادت غیر مسلم علماء و فضلاء کی بہت بڑی تعداد نے دی ہے، ہم مقدمہ تاریخ ہند سے کچھ شہادتیں یہاں نقل کر رہے ہیں، مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر گستاولی بان اپنی مشہور کتاب "تمدن عرب" میں لکھتا ہے:

جس وقت ہم فتوحات عرب پر نظر ڈالیں گے اور ان کی کامیابی کے اسباب کو ابھار کر دکھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا، کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے، اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کرلیا اور بالآخر ان کی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے جدید حاکموں کو ان قدیم حاکموں سے جن کی حکومت

میں اس وقت تک تھے بہت زیادہ منصف پایا، ان کے مذہب کو اپنے
مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا، یہ امر تاریخ سے ثابت ہوچکا
ہے کہ کوئی مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا، جس وقت عیسویوں نے
اندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اس وقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول
کیا لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا، فی الواقع دین اسلام بعوض اس کے
کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ہو محض بہ ترغیب اور بزور تقریر شائع کیا گیا ہے
اور یہی ترغیب تھی جس نے اقوام ترک و مغل کو بھی جنہوں نے آگے چل
کر عربوں کو مغلوب کیا، دین اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا، چین میں بھی
اشاعت اسلام کچھ کم نہیں ہوئی، اس ملک میں بھی اسلام کس قدر جلد پھیلا
اگرچہ عربوں نے چین میں گز بھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا، تاہم اس وقت چین
میں کروڑوں مسلمان ہیں۔

رابرٹس اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے:

وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعت مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری
ملی ہوئی تھی، ایک طرف تو وہ اپنے پیغمبر کے دین کو پھیلاتے تھے، دوسری
طرف ان اشخاص کو جو اسے قبول نہیں اصلی ادیان پر قائم رہنے
دیتے۔

میشور ہبان اپنی کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے:

عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف
اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے، عیسائیوں کو مسلمانوں نے سکھایا
یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے کے مذہب کی عزت کرے اور
کسی کو مذہب کے قبول کرنے پر مجبور نہ کرے۔

یہی مصنف تاریخ جنگ صلیبی میں لکھتا ہے:

جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو انہوں نے عیسائیوں کو مطلق نہیں ستایا برخلاف اس کے جب صلیبیوں نے اس شہر مقدس کو لیا تو انہوں نے نہایت بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور یہودیوں کو جلا دیا۔

اتول چندر چٹرجی " اے شارٹ ہسٹری " میں لکھتے ہیں:

گرد وپیش سے دلچسپی لینا اور ان کو اپنی مخصوص نوعیت کے مطابق نئی صورت دے دینا اسلام کا کمال ہے ... وہ روحانی قوت جس نے معمولی ہاتھ پاؤں کے انسانوں کو ہیبت آفریں اور جانباز بنا دیا تھا، عصر حاضر میں بھی کارہائے عظیم ظہور میں لا سکتی ہے، اسلام کی تعلیم کسی مخصوص جماعت کی ملکیت نہیں، ساری دنیا اس کی مشترک وارث ہے، ہندوستان میں اسلام کی کامیابیوں سے صرف مسلمانوں ہی کو تعلق نہیں بلکہ ساری ہندوستانی قوم کو اس پر فخر ہو سکتا ہے۔

مسلمانانِ بنارس کے لئے ایک شدید آزمائش

۸ / نومبر جمعہ کو کالی کا جلوس نکالیکن خلافِ معمول پٹاخے داغتے ہوئے، مدن پورہ جو فرقہ وارانہ طور پر شہر بنارس کا سب سے حساس علاقہ ہے، یہاں پٹاخے سے ایک مسلم فرد مجروح ہو گیا جس سے کچھ حجت بازی اور ہاتھا پائی تک نوبت پہونچ گئی، لیکن بات رفع دفع ہو گئی جس کی واضح علامت یہ ہے کہ مورتیں صحیح سلامت گنگا میں لے جاکر سیراب کی گئیں، لیکن ہاتھا پائی کے عرصہ میں مدن پورہ روڈ پر کچھ آگے شمال میں گوڈولیہ چوراہے پر مورتیاں توڑنے کی بے بنیاد خبر عام ہو گئی، اور نصف درجن راہ چلتے مسلم افراد جان سے مار ڈالے گئے، اگرچہ اسی مقام پر انسانیت نوازی کے واقعات بھی دیکھے گئے جس سے اندازہ ہوا کہ رحم و شفقت اور مروت بہت بڑا

جذبہ ہے جو انسان کو بھلائی کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ گولیہ چورا ہے پر واقع سنیما ہال کے عملہ نے زنانِ برقع پوشان عاشقان لہو و لعب کی ایک بڑی تعداد کو کشت و خون کے جنونی بلوائیوں کے دست برد سے نہ صرف بچایا بلکہ بحفاظت انہیں ان کے گھروں تک پہونچایا، پھر غیر معینہ مدت کیلئے کرفیو لگ گیا اس عرصہ میں مدن پورہ وغیرہ میں انتظامیہ کی طرف سے تلاشی بھی ہوئی لیکن کچھ برآمد نہ ہوا۔ پھر ۱۳ر نومبر کو کرفیو میں ڈھیل کے دوران ۳ر بجے سے دس منٹ پہلے دن میں پانڈے حویلی، جنگم باڑی اور مدن پورہ میں روڈ پر پھر سے تشدد پھوٹ پڑا، اور دس منٹ میں آٹھ انسانی جانیں چلی گئیں۔ ۸ر تاریخ کو جس طرح بہت سے مسلمانوں کی جانیں ہندوؤں نے بچائی تھیں، ۱۳ر تاریخ کو بہت سے مسلمانوں نے ہندو مردوں عورتوں اور بچوں کو اپنے گھروں میں پناہ دے کر ان کی حفاظت کی تھی، لیکن ہندی صحافت نے محبت و شفقت اور انسان دوستی کی اس متاع کمیاب کو یہ عنوان دیا کہ فلاں فلاں مسلمانوں کے قبضہ سے اتنے اتنے ہندو مرد، عورتیں اور بچے برآمد کئے گئے۔ اس موقع پر نہایت شدت سے یہ احساس ہوا کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے صحافت کی ذمہ داری کتنی بڑی ہے اور اس کو کتنا بلند کردار ہونا چاہئے۔

۱۳ر تاریخ کو دوبارہ فساد بھڑک اٹھنے کے بعد نہایت سختی کے ساتھ پورے شہر پر کرفیو نافذ کر دیا گیا اور خصوصیت سے مدن پورہ کو بالکل سیل کر دیا گیا، پھر پولیس اور پی۔ اے۔ سی نے تلاشی اور گرفتاری کا سلسلہ شروع کیا اور چند ایام میں شہر کے مختلف حصوں سے کچھ کم ساڑھے چھ سو افراد گرفتار کئے گئے، گھروں کے دروازے توڑ ڈالے گئے، لوگوں کو نہایت بے دردی سے مارا پیٹا گیا، ایک بڑی تعداد پر اقدام قتل اور قتل کی دفعات لگائی گئیں، مسلمان عمومی طور پر اور جامعہ سلفیہ کے بہت سے ارکان اور منتظمین خصوصی طور پر اس زبردست پولیس ایکشن کی زد میں آئے، اور تادم تحریر بہت سے ارکان و منتظمین جیل کی سلاخوں کے پیچھے زخم خوردہ حالت میں مصائب اور سختیاں جھیل رہے ہیں۔ (۳ر دسمبر ۱۹۹۱ء)

اسلام اور احترامِ انسانیت

از ڈاکٹر مقتدیٰ حسن یاسین ازہری

ہمارے ملک میں اور پوری دنیا میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ان پر نظر ڈالنے سے ایسا احساس ہوتا ہے کہ انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں، تمام اشیاء کی قیمتیں چڑھتی جارہی ہیں، لیکن انسان کا خون ارزاں سے ارزاں تر ہوتا جارہا ہے ۔ بغیر قصد و ارادہ حوادث کا شکار ہو کر جو اموات واقع ہوتی ہیں ان کے اندر بھی عبرت ونصیحت کے بہت سے پہلو ہیں، لیکن فی الحال موضوع سخن صرف وہ اموات ہیں جو قصد و ارادہ سے ظلم وتعدی کے نتیجہ میں واقع ہوتی ہیں ۔

معمولی انسان کا قتل ہوتا ہے تو بہت کم لوگوں کو خبر ہوپاتی ہے، لیکن بڑے لوگ مارے جاتے ہیں تو تہلکہ مچ جاتا ہے، اور ذرائع ابلاغ دنیا سر پر اٹھا لیتے ہیں ۔

اگر تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ قتل کی وارداتیں ہر ملک میں اور ہر مذہب کے لوگوں کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتی ہیں، اسی طرح قاتلوں اور مقتولوں کی مالی حالت سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

ایسی صورت میں جو سوال ابھر کر سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح کے ناخوشگوار واقعات کیوں پیش آتے ہیں ؟ اور کون لوگ اس کا سبب بنتے ہیں ؟ اور ان واقعات سے انسانی معاشرہ کو بچانے کے لئے کون سی راہ اختیار کی جاسکتی ہے ؟

ان سوالات کا تشفی بخش جواب دینے کیلئے تفصیل کی ضرورت ہے اور جواب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لئے دل کی وسعت اور نظر کی گہرائی مطلوب ہے، اس لئے ہم اجمالی طور پر کچھ اشاروں پر اکتفا کرتے ہیں، ہمارا اصل مدعا یہ ہے کہ اسلام کی وہ رہنمائی ہمارے معاشرہ کے سامنے آئے جو اس نے انسانی جان کی توقیر

اور اس کے تحفظ کی ضرورت کے سلسلہ میں پیش کی ہے، کیونکہ آج کا انسان جس طرح عام اصولوں سے بیگانہ ہوگیا ہے، اسی طرح مذہب کی صحیح اور سچی تعلیم سے بھی متنفر ہے اور اس کا یہی رویہ اس کی تمام بدبختیوں کا سرچشمہ ہے۔

آزادی کے بعد ہمارے ملک کو جن سنگین مسائل کا سامنا رہا ہے ان میں انسانی جان کی ہلاکت کا مسئلہ بیحد نازک اور پیچیدہ ہے، انسان کا خون اتنا ارزاں ہوگیا ہے کہ انسانیت کے مستقبل کے بارے میں اندیشے پیدا ہونے لگے ہیں، ملک کے ذمہ داروں کا ایک طبقہ اس الجھن کو مزید الجھانے کے سامان پیدا کررہا ہے جس سے اس ملک میں انسانیت کا مستقبل تاریک سے تاریک تر ہوتا جارہا ہے، ہمارے معاشرہ میں انسانی جان کی تباہی و بربادی کا جب کوئی بڑا واقعہ پیش آتا ہے تو ذہنوں میں سوالات پیدا ہوتے ہیں، لیکن جب واقعہ پرانا ہوجاتا ہے تو پھر اس پہلو پر سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کی جاتی۔ ہندوستانی عوام میں جان و مال کی آزمائش کا بڑا نشانہ یہاں کی مسلم اقلیت بھی ہے، اس لئے بہت کم لوگ یہ سوچتے ہوں گے کہ اسلام میں اس مسئلہ کا کوئی حل موجود ہے، اس کے برخلاف کچھ لوگ اس مذہب کا رشتہ تنگ نظری و تشدد سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس پس منظر میں اسلام کی بعض تعلیمات کا جائزہ مفید معلوم ہوتا ہے۔

اسلام کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں زندگی اور زندگی میں امن و سلامتی ہر انسان کا حق ہے، اور اس حق کے تحفظ کے لئے اس کو اختیار دیا گیا ہے، جو لوگ اپنے لئے اور دوسروں کے لئے اس حق کا تحفظ کرتے ہیں وہ قابلِ تعریف ہیں، اور جو لوگ انسان بلکہ کسی بھی جاندار کے اس حق کو ضائع کرتے ہیں ان کا جرم بیحد سنگین ہے ایک حدیث میں مذکور ہے کہ ایک عورت محض اس لئے جہنم کی آگ کا ایندھن بنادی گئی کہ اس نے ایک بلی کو گھر میں بند کردیا اور وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اور ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ ایک آدمی اس لئے بخش دیا گیا کہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلاکر اس کی جان بچادی۔ اسلام میں اس طرح کے واقعات کو ذکر کرکے یہ واضح کیا گیا ہے کہ جان کی قیمت بہت زیادہ ہے، اور کسی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی جاندار کو زندگی کے حق سے محروم کرے۔

جان کے تحفظ کی یہ اہمیت جانوروں کے لئے ہے، اس سے ہم سوچ سکتے ہیں کہ اسلام کی نظر میں انسانی جان کی قیمت و اہمیت اور اس کا اکرام و احترام کیا ہوگا۔ سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد

ہے کہ: جو شخص قصاص یا زمین میں فساد کے بغیر کسی شخص کو قتل کرتا ہے تو یوں سمجھو کہ اس نے پوری انسانیت کا خون کیا ہے، اور جو شخص کسی کے لئے زندگی کا سبب بنتا ہے تو یوں سمجھو کہ اس نے پوری انسانیت کو زندگی دی۔

اس آیت کریمہ کی بلاغت و معنویت پر غور کیا جائے تو انسانی جان کے تحفظ اور اس کے لئے امن و سلامتی کی ضرورت سے متعلق آج کی متمدن دنیا کے تمام قوانین اور ان کی فلسفیانہ موشگافیاں بے وقعت نظر آتی نہیں، قرآن کریم نے انتہائی فیصلہ کن انداز میں انسانی جان کے تحفظ کو ضروری قرار دیا ہے، اور کسی جائز وقانونی سبب کے بغیر جو لوگ کسی انسانی جان کے ضیاع کا سبب بنتے ہیں ان کو پوری انسانیت کے ضیاع کا مجرم قرار دیا ہے۔

یہ ہے تہذیب وتمدن کی ترقی کے لئے اسلام کی رہنمائی، لیکن آج کا انسانی معاشرہ تہذیب وتمدن کا مدعی ہوتے ہوئے بھی وحشت وبربریت کے ایسے مقام پر پہونچ گیا ہے کہ اس کا تصور مشکل ہے، ہمارے معاشرہ کی یہ بدقسمتی ہے کہ فسادات میں جب بے شمار انسانی جانیں ضائع ہوجاتی ہیں تو ہم سامنے آکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس کی ذمہ داری ہمارے سر نہیں بلکہ فلاں کے سر ہے اسی طرح اپنی مقصد برآری کے لئے ہم ایسا ماحول پیدا کرتے ہیں کہ قتل وخوں ریزی کا بازار گرم ہو، اور بے گناہ افراد موت کا شکار ہوں، ہماری انسانی غیرت وحمیت مرچکی ہے، دکھا دے کے لئے ہم صرف بعض موتوں پر افسوس کا اظہار کر دیتے ہیں لیکن عام طور پر جب معصوم انسانوں کا خون ہوتا ہے تو اس کے لئے وجہ جواز فراہم کرتے ہیں، انسان ہونے کے ناطے ہمارا فرض تھا کہ سچے دل سے انسانی جان کی قدر کریں اور اس کے تحفظ کے لئے ہر ممکن راہ اختیار کریں، اور اگر ضرورت پڑے تو اس مقصد کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کریں، انسانی معاشرہ قتل وخونریزی کے جس بھیانک راستہ پر چل رہا ہے اس سے اس کو ہٹانے کے لئے اخباروں کے بیانات اور جلسوں کی تقریریں وقرار دادیں کافی نہیں ہیں، بلکہ اس کے لئے قربانی اور واقعیت پسندی کی ضرورت ہے، اور سب سے بڑی قربانی نظریات وخواہشات کی ہے، غلط نظریات کو صحیح کرنے اور بیجا خواہشات کو چھوڑنے کے لئے قربانی ضروری ہے، اس کے بغیر ہم انسانی معاشرہ کا تحفظ نہیں کرسکتے۔ اسی طرح واقعیت پسندی بھی ضروری ہے، یعنی تاریخ کے جھروکوں میں جھانک کر دیکھنے کی ضرورت ہے کہ ملک کی سرزمین پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد دوسرے

لوگوں نے جان و مال کے تحفظ کے لئے کیا مثالیں قائم کی ہیں۔ اسی ملک میں انسانی آنکھوں نے ایسا دور دیکھا ہے کہ قتل و غارت گری کے واقعات نہ ہونے کے برابر تھے، لیکن آج یہ حال ہے کہ شاید ہی کوئی گھنٹہ اس طرح کے واقعات سے خالی گذرتا ہو۔ ہم نے آزادی کی لڑائی میں "عدم تشدد" کا نعرہ بلند کیا تھا، لیکن اس وقت ہمارے ملک میں تشدد کی ایسی گرم بازاری ہے کہ اس کی زد سے نہ تو خواص محفوظ ہیں نہ عوام۔ اور ہمارے نفاق کا یہ حال ہے کہ بعض مرنے والوں پر چند آنسو بہا کر پھر وحشت و بربریت کی اسی زندگی کی طرف لوٹ جاتے ہیں جس کی ہلاکت آفرینیوں کا شکوہ کرتے ہیں۔

اس دور میں انسانیت دشمنی کا ایک بھیانک رجحان یہ دیکھا جا رہا ہے کہ کسی طبقہ کا جانی نقصان معاشرہ کے لئے تشویش کا باعث ہوتا ہے اور کسی طبقہ کا نہیں، انسانی جانوں کے مابین امتیاز و تفریق کا یہ تصور نہیں جہاں سے بھی ملا ہو قابلِ مذمت ہے، یہی ہمارے معاشرہ کی تباہی کا سبب بنے گا اور اسی سے ہم دنیا میں بدنام ہوں گے۔ اسلام جس دور میں اپنا پیغام رحمت و سلامتی لے کر آیا تھا اس دور کا معاشرہ بھی اسی طرح کی تفریق و عصبیت کا شکار تھا، لیکن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رجحان کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے اسے سختی سے کچل دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک خون آشام معاشرہ نہ صرف یہ کہ مہذب و متمدن بن گیا، بلکہ اس نے دنیا کو تہذیب و تمدن کا سبق دیا، اور انسانی جان نیز عزت و آبرو کے تحفظ کی ایسی مثال قائم کی جو آج بھی ساری انسانیت کے لئے باعثِ فخر ہے۔

اسلام میں ذمیوں کے مسئلہ کو اٹھا کر اسے بدنام کرنے کی ناروا کوشش کی گئی، لیکن معاشرہ کے اس طبقہ کو اسلامی شریعت نے جو غیر معمولی عزت و تحفظ فراہم کیا ہے اسے متعارف کرانے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ذمی معاہد کو قتل کرنے والا جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔ ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ: اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔

قرآن کریم کی بلیغ تعبیر میں قصاص یعنی جان کے بدلے جان کے اصول کو "زندگی" کہنے کا سبب یہی ہے کہ اتنی سخت سزا کے تصور سے مجرموں کا ایک بڑا طبقہ قتل جیسے سنگین جرم سے باز رہے گا، اور اس طرح قصاص کا یہ اصول جس میں بظاہر گردن ماری جاتی ہے، معاشرہ کے لئے زندگی و سلامتی کا سبب بنے گا۔

ہماری آنکھوں پر نفرت وعصبیت کی عینک چڑھی ہوئی ہے، ورنہ اس دور میں بھی ہم دنیا کے بعض ملکوں میں یہ نمونہ دیکھ سکتے ہیں کہ اسلامی قوانین کی پابندی کے نتیجہ میں کس طرح انسانی جان و مال کا تحفظ ہو رہا ہے، اور لوگ امن وسکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ہمارا معاشرہ عبرت ونصیحت کے بہت سے مواقع کھوتا رہتا ہے، پھر بھی توقع کی جاسکتی ہے کہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے صدر کی دردناک موت سے وہ کوئی سبق لے گا، اور ان اصولوں کی طرف پلٹے گا جن کی پابندی انسانی جانوں کے تحفظ کی ضامن ہے۔

امام احمد بن حنبل

کی عظمت وجلالت اوران کے مسند کا مقام ومرتبہ

از مولانا عبدالرؤف رحمانی رجھنڈانگری

میں مسند احمد بن حنبل کا نام تیسری اور چوتھی جماعت میں پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا حتی کہ جب
دارالحدیث رحمانیہ دھلی میں ساتویں جماعت میں میرا داخلہ ہوا تو اسوقت مسند احمد بن حنبل کی زیارت نصیب ہوئی
وہاں بڑا کتب خانہ تھا وہاں بعض کتابوں کے ضمن میں یہ کتاب بھی نظر آگئی، مقدمہ ابن الصلاح میں کسی جگہ غالباً
پر یہ لکھا ہوا ہے کہ بخاری ومسلم پڑھ کر دھوکے میں نہ آجاؤ کہ ہم مولانا ہوچکے بلکہ ان کتابوں کے پڑھنے والوں کے لئے
ضروری ہوگا کہ امہات کتب مسند احمد بن حنبل اور تاریخ خطیب بغدادی تاریخ ابن عساکر دمشقی وغیرہ کا بھی مطالعہ
کرے اس سے ان کے علم میں زیادتی اور نظر میں گوناگوں وسعت پیدا ہوگی، بنابریں جب میں مدرسہ جھنڈانگر
واپس آیا تو مسند احمد بن حنبل کا اشتیاق غالب تھا، ہمارے مدرسہ میں ہمارے استاذ مکرم مولانا عبدالرحمن صاحب
بجوا کے رہنے والے تھے وہ اپنی کسی خانگی ضرورت کے سبب مسند احمد بن حنبل اور کنز العمال کو بیچ رہے تھے، میں
نے مولانا سے ان کے مانگے ہوئے دام پر خریداری کرلی اور میں نے مسند احمد بن حنبل کے چھ جلدوں اور کنز العمال
کا مطالعہ کیا۔ یہ میرے بڑے فارغ البالی کا وقت تھا۔ والد صاحب کا مبارک سایہ سر پر موجود تھا، ان کے ظل عاطفت
میں ان چھ جلدوں اور کنز العمال کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا اور میں نے بعض بعض مباحث ومطالب کو چھ کاپیوں
میں نوٹ کرلیا یہ کاپیاں اب تک موجود ہیں، لیکن اس کے بعد میں بنارس کسی سفر میں گیا تو مسند احمد بن حنبل
پر علامہ احمد بن محمد شاکر نے جو تعلیق اور حاشیہ لکھا اس کا بڑا چرچا سنا تو مجھے بھی اس کتاب کے خریدنے
کا شوق پیدا ہوا۔ بنارس کے محلہ مدنپورہ میں ایک بڑے صاحب خیر ہستی بھائی محمد فاروق صاحب کی تھی جو
اہل علم وعلماء کے بڑے قدردان تھے۔ جاڑوں میں یتیموں اور فقیروں کے لئے جاڑے سے بچنے کا سامان واسباب

دیتے تھے، علماء کو اچھے اچھے کپڑے شیروانی کے لئے دیتے تھے، محلے میں ہر دلعزیز و محبوب خلائق تھے ان کے اوصاف کا مجھے بھی علم تھا، بنا بریں میں نے ایک عریضہ لکھا کہ مجھے مسند احمد کے تعلیق کی ضرورت ہے جو اس وقت نو جلدوں تک پہونچ چکی تھی، اور اب (اس کی ۲۳ جلدیں ہیں) انھوں نے میرے معروضہ کو قبول کیا اور اس کو عرب جانے والے دوستوں کے ذریعہ منگوایا۔ مجھے نو جلدوں کے حاصل کرنے کے وقت بے انتہا خوشی ہوئی، اور میں نے بے انتہا دعائیں کیں۔ اللہ مرحوم مغفور بھائی محمد فاروق صاحب کی بال بال مغفرت فرمائے، اور ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین!

جب میں تعلیق مسند احمد بن حنبل کو پاگیا تو اس کا بھی بالاستیعاب مطالعہ کیا، تمام حاشیہ و تعلیق کو پڑھا۔ علامہ احمد ابن شاکر کا علم کس قدر وسیع و ہمہ گیر تھا، اور کتنی ان کو تبحر و مہارت حاصل تھی کہ کبھی حاشیے میں حافظ ابن حجر پر جرح کر رہے ہیں، کبھی ابن کثیر پر تنقید کر رہے ہیں، کبھی امام دارقطنی کی کوئی غلطی دکھا رہے ہیں۔ میں ان کی وسعت نظر علم و تاریخ پر عبور کا قائل و معترف ہوگیا، میں نے اپنے بعض صوفی اخوان سے سنا ہے کہ ان کی علمی وجاہت کا اتنا احترام تھا کہ جب سلطان عبدالعزیز بن آل سعود کے دربار میں جاتے تو بادشاہ اپنے مسند سے اٹھ کر ان کی پذیرائی کرتا اور تخت شاہی پر اپنے پاس بٹھاتا تھا، مجھے سعودیہ جانے پر ان کا دیکھنا نصیب نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے، اور ان کے قبر کو انوار سے منور کرے، آمین!

اب میں آنے والے سطور میں مسند احمد کے متعلق ائمہ دین نے جو کلمات اور فقرے لکھے ہیں، ان کی ترجمانی کر رہا ہوں، ان ائمہ دین کے فیصلوں سے آپ کو مسند احمد بن حنبل کی اہمیت معلوم ہو جائے گی۔

۱۔ قال الشافعی لاحمد انہ اعلم بالاخبار الصحیحۃ منا فاذا کان خبر صحیح فاعلمونی حتی اذهب الیہ کوفیا کان او بصریا او شامیا حکاہ ابن الہمام۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴۸)

امام شافعی نے امام احمد کی بابت فرمایا کہ وہ اخبار صحیحہ کے ہم سے بڑے عارف ہیں پس جب کوئی صحیح حدیث ہو تو مجھے بتلاؤ تاکہ ان کے پاس جاؤں وہ حدیث کوفی ہو یا بصری ہو یا شامی ہو اس سے امام احمد بن حنبل کا مقام معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ مقدمہ مسند احمد میں طبقات کبریٰ لابن السبکی کے حوالہ سے منقول ہے کہ امام احمد نے خود فرمایا،

عملت ھذا الکتاب اماما اذا اختلف الناس فی سنۃ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجع الیہ (مقدمہ مسند ص۶)

میں نے اس کتاب کو امام بنایا ہے جب لوگ کسی سنت کے بارے میں اختلاف کریں گے اس کی جانب مراجعت ہوگی۔

۳۔ امام حافظ ابوموسیٰ مدینی نے فرمایا: جعل ھٰذا الکتاب یعنی مسند الامام احمد اماما ومعتمدا وعند التنازع ملجأ ومسندا (ایضاً خصائص المسند ص۱۲)

اس کتاب یعنی مسند امام احمد بن حنبل کو امام اور اعتماد کے قابل بنایا لیکن اگر کسی حدیث میں اختلاف ہو تو احمد ہی کی روایت کو پیشوا اور سند قرار دیا جائے گا اور اسی پر اعتماد ہوگا، اور تنازع کے وقت ملجاء ومسند۔

۴۔ قال الامام احمد ھذا الکتاب قد جمعتہ وانتقیتہ من اکثر من سبع مائۃ وخمسین اُلفا فما اختلف المسلمون من حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فارجعوا الیہ فان کان والا فلیس بحجۃ (ص۷)

امام احمد نے فرمایا میں نے اس کتاب کو ساڑھے سات لاکھ احادیث سے منتخب کرکے جمع کیا ہے پس جس حدیث کے بارے میں مسلمان اختلاف کریں اس کی تحقیق کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کریں، اگر اس میں موجود ہو تو بہتر ہے ورنہ وہ روایت حجت نہیں ہے

سند ومتن احادیث کی صداقت وحجت

۵۔ قال ابوموسی المدینی ولم یخرج إلا عمن ثبت عندہ صدقہ ودیانتہ دون من طعن فی امانتہ۔ (ص۶)

امام ابوموسیٰ نے فرمایا امام احمد نے صرف انھیں شیوخ سے روایت کیا ہے جن کی صداقت و دیانت ان کے نزدیک ثابت شدہ تھی، ان لوگوں سے روایت نہیں کی ہے جن کی امانت داری مطعون ہے۔

۶۔ قال ابوموسی وان ما اودعہ الامام احمد فی مسندہ احتاط فیہ اسنادا ومتنا ولم یورد فیہ الا ما صح سندہ۔ (ص۶)

امام احمد نے جن روایات کو مسند کے اندر درج فرمایا ہے، ان کے متن و سند کے بارے میں بڑی احتیاط برتی ہے، صرف انھیں روایات کو درج کیا ہے جن کی سند صحیح ہے۔

۷ ۔ حافظ ابن حجر کا مقولہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں نقل کیا ہے کہ مسند احمد میں صرف چار احادیث واہیہ غیر ثابتہ ہیں، باقی سب مستحسن اور لائق احتجاج ہیں۔

۸ ۔ مسند احمد میں اغلب حصہ حضرت امام احمد بن حنبل کا مدون و مرتب کیا ہوا ہے، دوسرا اور قلیل حصہ امام عبداللہ بن امام احمد بن حنبل جسے زیادات عبداللہ کہا جاتا ہے۔ تیسرا حصہ علامہ ابوبکر قطیعی کا ہے جو سب سے قلیل تر ہے، اسے زیادات قطیعی سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کے متعلق امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: احادیث مسنده غالبها وجمهورها احاديث جيدة يحتج بها وهي أجود بكثير من احاديث سنن أبي داؤد۔ (منهاج السنة ج ۴ ص ۱۶۱)

مسند کی اکثر و غالب حصہ عمدہ ہے اور لائق احتجاج ہے اور وہ سنن ابی داؤد کی بہت سی روایتوں سے کہیں عمدہ ہیں۔

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: شرط في المسند ان لا يروي عن المعروفين بالكذب عنده وان كان في ذلك ما عنده ضعف۔ (منهاج السنة ج ۴ ص ۴۷۴)

مسند احمد میں التزام کیا ہے کہ معروف بالکذب یعنی جن کا جھوٹ مشہور ہے راویوں سے نہیں روایت کریں گے گرچہ اس میں بعض ضعیف روایتیں موجود ہیں۔

۹ ۔ صاحب منتخب کنز العمال ہمارے ہندوستان صوبہ گجرات کے زبردست علامہ علی بن حسام الدین جو علی متقی سے مشہور ہیں، منتخب کنز العمال میں لکھتے ہیں: وكل ما كان في مسند احمد فهو مقبول فان الضعيف الذي فيه يقرب من الحسن۔ (مقدمة منتخب كنز العمال على حاشية مسند احمد۔ ص ۹)

یعنی مسند احمد میں جو کچھ ہے سب مقبول ہیں۔ اس کی ضعیف مرویات بھی درجۂ حسن کے قریب ہیں۔

۱۰ ۔ ساتویں صدی ہجری کے نامور محدث حافظ ابوالحسن بن محمد بعلبکی (المتوفی سنہ ۷۰۱ھ) سے سوال کیا گیا کہ آپ کو صحاح ستہ حفظ ہے جواب دیا یاد بھی ہے اور انہیں بھی پوچھا گیا یہ کیسے جواب دیا: ان احفظ مسند

احمد ما یفوت المسند من الکتب الستة الا قلیل ۔ (المصعد الاحمد ص۳۲)

یعنی مجھ کو مسند احمد یاد ہے، اور مسند احمد میں صحاح ستہ کی تقریباً سب روایتیں ہیں اس لئے گویا سارا صحاح ستہ یاد ہے۔

ساڑھے سات لاکھ احادیث سے مسند احمد بن حنبل کا انتخاب

امام احمد نے فرمایا: ان ھذا الکتاب قد جمعته وانتقیته من اکثر من سبعمائة وخمسین الفا۔ یہ کتاب میں نے جمع کی ہے، اور ساڑھے سات لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے۔ (خصائص المسند ص۱۷۴)

مسند احمد کا اعلیٰ مقام

۱۱۔ علامہ جزری لکھتے ہیں: ھو کتاب لم یری علی وجه الأرض کتاب اعلیٰ منه ۔ (المصعد الاحمد ص۱۲۹)

یعنی یہ کتاب ایسی اعلیٰ درجہ کی ہے کہ روئے زمین پر اس طرح کی کتاب جو اپنے موضوع کے اعتبار سے جامع ہے دیکھنے میں نہیں آئی۔

مسند احمد کو کبار ائمہ نے پڑھا

امام احمد سے عبداللہ بن احمد نے سماع کیا اور عبداللہ بن احمد سے ابوبکر قطیعی نے اور ان سے ابن المذھب نے اور ان سے ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن الحصین نے اور ان سے حنبل بن عبداللہ نے اور ان سے حافظ علی ابوالحسنؒ جو ابن البخاری سے مشہور ہیں، کیونکہ ان کے والد بخارا شہر چلے گئے تھے، اور ان سے یعنی حافظ علی ابوالحسن ابن البخاری سے حافظ منذری حافظ ابوالحجاج مزی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ جیسے رفیع الشان ائمہ نے درست حدیث لیا۔ (المصعد الاحمد ص۴۶ تا ص۵۰)

نوٹ: حافظ ابوبکر قطیعی ابن المذھب ابن الحصین حافظ حنبل بن عبداللہ حافظ ابوالحسن ابن البخاری کے مکمل و مفصل حالات و کمالات علمیہ کا تذکرہ المصعد الاحمد اور البدایۃ والنہایۃ اور تاریخ خطیب بغدادی میں موجود ہیں۔

امام ابوداؤد سجستانی کا امام احمد بن حنبل سے تلمذ

احمد بن حنبل ابوداؤد کے استاذ تھے، اور ان کی زندگی پر سب سے گہری چھاپ امام احمد بن حنبل کی پڑی تھی۔ امام ابوداؤد امام احمد بن حنبل سے حدیث و فقہ میں اور جرح و تعدیل کے مسائل میں بہت سے استفسار

فرماتے رہتے تھے ، انہوں نے مسائل احمد بن حنبل کے عنوان سے ایک مستقل کتاب بھی تالیف کی ہے ۔ آپ امام احمد بن حنبل کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ، ان کی مجلس میں ایک مدت تک انہوں نے حاضری دی ہے ۔ بہت سے نازک وپیچیدہ وفروعی واصولی مباحث میں ان سے سوالات کرتے رہے ۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۱۵)

امام ذہبی نے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی شخصیت سے ابو داؤد کو گہری النسیت اور تعلق خاطر تھا تاآنکہ میں یہاں تک لکھا گیا ہے کہ سیرت وعادات اور چال ڈھال میں ان کو امام احمد بن حنبل سے تشبیہ دی جاتی تھی ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج ۲ ص ۵۹۲ البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۵۵)

امام ابو داؤد نے ایک بار اپنے شیخ امام احمد بن حنبل کو ایک غریب حدیث سنائی جس سے امام صاحب واقف نہ تھے ، چنانچہ امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو ان کے واسطے سے قلم بند کیا ، امام ابو داؤد اسے اپنے لئے بڑے اعزاز وفخر کی بات سمجھتے تھے ۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۱۳ ص ۲۱۱)

احمد بن حنبل کے احادیث کا مرتبہ

کتاب المسند یحتوی علی نیف واربعین الف حدیث ۔ (فہرست ابن الندیم) اس سے معلوم ہوا کہ مسند احمد میں چالیس ہزار سے زائد احادیث درج ہیں ۔ اس فہرست میں ۳۷۷ھ تک ہر قسم کی لکھی گئی کتابوں کا تذکرہ ہے ، چنانچہ علامہ محمد اسحاق صاحب الندیم نے کتاب الزہد سمیت امام احمد کی ۱۲ کتابوں کا ذکر کیا ہے ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسند احمد بن حنبل کے متعلق لکھا ہے : وجعل مسندہ میزانا یعرف بہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما وجد فیہ ولو بطریق واحد فلہ اصل والا فلا اصل لہ ۔ (حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۱۴۱)

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند کو میزان بنایا ہے جس سے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شناخت ہوتی ہے ، پس جو حدیث مسند کے اندر موجود ہو خواہ وہ ایک ہی سند سے مروی ہو اس کی ضرور اصلیت ہے ورنہ اس کی اصلیت نہیں ۔

امام احمد بن حنبل کا ابتلاء اور مصائب پر صبر و استقامت

امام احمد بن حنبل کے حالات وسوانح حیات پر بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں ، ان

میں سے کتاب المناقب لابن الجوزی میں نے مکمل پڑھی، اور " مرأة الجنان اتحاف النبلاء اور صفة الصفوة اور تاریخ الاسلام للذهبی وغیرہ میں بھی ان کے مرتبے کا تعارف و تذکرہ کیا گیا ہے۔

انہوں نے قرآن کو کلام اللہ کہہ کر مخلوق نہ کہنے پر بڑی سزائیں اٹھائیں اور ڈھائی برس تک دُرّے اور کوڑے کی سزا پاتے رہے۔ ڈھائی برس کے بعد انھیں اس وقت کے خلیفہ نے آزاد کیا۔ اس وقت اسلامی حکومت نے جارحانہ کارروائی کر رکھی تھی، اور یہ کڑی سزائیں ان کو دی جارہی تھیں۔ آج کی جمہوری یا شخصی حکومتوں میں آج کے چوٹی کے علماء کو ایسی سزائیں دی جائیں تو عالم اسلام سے چیخ و پکار اور صدائے احتجاج بلند ہونے لگے۔ مشہور زمانہ عالم مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ پر یا مولانا ابوالحسن علی ندوی پر اس طرح کی ظلم و زیادتی اور قید و بند اور کوڑوں کی سزائیں اگر خدا نخواستہ کسی ظالم حکومت کی طرف سے ہونے لگے اور اسی کلمہ حق کے اعلان کے سبب اس طرح کے عتاب و عقاب کے تختۂ مشق بنیں تو کیا اس زمانے کے علماء و فقہاء اور عوام و خواص اس کو برداشت کرسکیں گے، پوری دنیا عالم عرب بھی اور عالم عجم بھی صدائے احتجاج بلند کریں گے؛ امام احمد بن حنبل نے جو اسلامی حکومت سے قید و بند اٹھائی ہے، وہ ایک کلمۂ حق کے اظہار کے سبب اٹھائی ہے۔ کیا آج بھی اسی طرح کلمۂ حق کہنے کے لئے لوگ تیار ہیں ؟ ۔

یعنی امام احمد بن حنبل کی شہرت روایات مسند کی وجہ سے جتنی زیادہ ہے اس سے کہیں زیادہ ایک کلمہ حق کی خاطر قیدو بند اور محنت و مشقت برداشت کرنے کے واقعات کی وجہ سے بھی ہیں۔ تاریخ کو یاد ہے کہ حافظ ابن حجر نے " درر کامنہ" میں لکھا ہے کہ ان کو قرآن کے فتنے میں اس قدر زوردار کوڑے برسائے گئے کہ " لوضرب به الفيل لهرت "، یعنی ایسے سخت کوڑے ہاتھی پر برسائے جاتے تو ہاتھی بھاگ جاتا۔ یہ امام احمد بن حنبل کا بلند و بالا مقام تھا، ہمارے تصورات سے بھی بڑی سے بڑی اور اونچی شخصیت تھی جسکی نظیر و تمثیل پیش کرنے سے یہ زمانہ قاصر ہے۔ آپ کے متعلق اسلامی تاریخ میں یہ جملہ محفوظ ہے کہ آپ ناصر سنن وصابر محن تھے یعنی آپ نے سنتوں کی روایت کی اور اسکی نصرت کا حق ادا کیا، اور محنتوں مشقتوں اور آزمائشوں میں اور کوڑے برسائے جانے کے زمانے میں آپ نے ہر طرح کے صبر و استقامت کا عملی مظاہرہ کیا اور بہتر نمونہ پیش فرمایا۔

مضت الدهور وما اتين بمثله

ولقد اتى فعجزن عن نظرائه

امتیاز احمد سلفی

رواداری کا فقدان

اسلام کی تعلیمات میں ایک تعلیم یہ ہے کہ اپنی رائے اور فہم پر بہت زیادہ پھولنا نہیں چاہئے، بلکہ دوسروں کی رائے کو بھی وزن دینا چاہیئے، اور ان کے کلام کو مناسب صورت پر محمول کرنا چاہئے تاکہ فکری توانائی ردوکد میں صرف ہونے کی جگہ تعمیری کاموں پر صرف ہو، اور صاحب فکر کو اس کی فکر سے فائدہ مل سکے، اعجاب المرء برأیہ یعنی اپنی سوچ پر پھولنے کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے، اور اس سے فکری رواداری ختم ہو جاتی ہے۔

موجودہ دور کے اہل قلم حضرات میں جناب وحید الدین خان صاحب کی طبعی افتاد کچھ اس طرح کی ہے کہ ہر کسی کے بالمقابل اپنی رائے اور فہم کی برتری ثابت کرتے ہیں اور اس طرح دوسروں کی "غلطیوں" پر اپنی "صحت" کی بنیاد رکھتے ہیں۔ موصوف اس سلسلہ میں اپنے معاصرین تک محدود نہیں ہیں، بلکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے لے کر آج تک کے متعدد جلیل القدر علماء وائمہ تک پر انہوں نے کچھ اس انداز میں اظہار خیال کیا ہے کہ گویا ان کے مقابلہ میں خود کو "زیادہ صحیح" باور کراتے نظر آتے ہیں۔ اسی افتاد کی وجہ سے موصوف کا جواب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک استاد کی طرف سے دیا گیا اور اسے "فکری غلطی" کے عنوان سے معنون کیا گیا۔ ندوۃ العلماء عام طور پر مناظرانہ انداز اور سرگرمیوں سے دور رہتا ہے، لیکن جب فکری غلطی حد سے بڑھ جاتی ہے تو بہت سے "اثبات پسند" حلقے بھی اپنے اصول کے خلاف عمل پر مجبور ہوتے ہیں۔

عربی رسالہ "صوت الأمۃ" فروری ۱۹۹۱ء میں ریاض کے مشہور ہفت روزہ "الدعوۃ" سے ایک صفحہ کا ایک مضمون نقل کیا گیا تھا جس کی سرخی تھی "افیقوا من النوم أیہا المسلمون!" اس سرخی کے ضمن

میں جو مضمون مذکور ہے اس میں بے حد سنجیدہ طور پر براعظم افریقہ میں نصرانی تنظیموں اور ویٹیکن حکومت کی مشنری سرگرمیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور مختلف اعداد و شمار پیش کر کے مسلمانوں اور بالخصوص ذمہ دار اداروں اور حکومتوں کو متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ افریقی باشندوں کی غربت اور پسماندگی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنے والے نصرانی مبلغین کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں، اور خود بھی براعظم افریقہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے کوشش کریں۔

نصرانیت کی اشاعت کے لئے علانیہ اور خفیہ جو خطرناک وسائل اختیار کئے جاتے رہے ہیں ان کے پیش نظر مذکورہ عنوان میں " افیقوا من النوم " یعنی نیند سے بیدار ہو جاؤ کا جملہ استعمال کیا گیا ہے، اس میں نہ تو کوئی مبالغہ ہے نہ جذباتیت، صرف ایک اہم واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، لیکن خاں صاحب کو اس عنوان میں جذباتیت نظر آتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ: " اس کا عنوان جذباتی طور پر یہ تھا الخ" (الرسالہ، دسمبر ۹۱ء)۔

خاں صاحب جس جملہ بلکہ لفظ کو جذباتیت پر محمول کر رہے ہیں اس کی وہ صحیح تاویل بھی کر سکتے تھے، لیکن ایسا کرنے میں اپنی فکری برتری نہ تھی، اس لئے مذکورہ سرخی کو جذباتی قرار دے کر اپنی فکری اصابت کا تصور پیدا کرنا چاہا۔ مذکورہ جملہ کی صحیح تاویل یہ ہو سکتی تھی کہ مضمون نگار بطور استعارہ قارئین کو متوجہ کرنا چاہتا ہے نہ کہ برانگیختہ کرنا۔ خود خاں صاحب اپنی بات کی توجیہ کے لئے استعارہ کا سہارا لے رہے ہیں، چنانچہ مذکورہ شمارہ ہی کے ص ۴۵ پر فرماتے ہیں کہ: " اس قسم کی ہر بات مجازی معنوں میں کہی جاتی ہے نہ کہ حقیقی معنوں میں الخ " اس اصول کے ماتحت خاں صاحب " افیقوا من النوم " سے جذباتیت کے بجائے تذکیر و تنبیہ کا مفہوم سمجھتے تو کیا خرابی پیدا ہو جاتی ؟

خاں صاحب معلوم نہیں کیوں جذباتیت کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہیں، حالانکہ یہ صفت مطلقاً مذموم نہیں، زندگی میں کہیں کہیں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے، غزوۂ بدر کے لئے نکلنے سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا تھا، مہاجرین و انصار دونوں نے اپنی فداکاری و جاں نثاری کا اظہار فرمایا، انصار میں سے سعد بن معاذ نے اس موقع پر کہا تھا کہ: " لو استعرضت بنا ھذا البحر فخضتہ لخضنا معک، ما تخلف منا رجل واحد الخ "، کیا موصوف اس جواب کو بھی اپنے اعتراض کا نشانہ بنائیں گے ؟ مدنی زندگی کے

ادہ مکی زندگی میں بھی عزم وہمت اور جاں نثاری وفداکاری کے ایسے بہت سے واقعات ملیں گے۔

خود خان صاحب کو اپنی دعوت کے سلسلے میں شاید اسی " جذباتیت " کی ضرورت محسوس ہوتی ہے
انچہ مذکورہ شمارہ کے ص ۴۱ پر فرماتے ہیں ،

" الرسالہ نبأعظیم کا نقیب ہے ، اس کے قافلہ میں صرف وہ روحیں شریک ہو سکتی ہیں جو قیامت
ے پہلے اپنے آپ کو قیامت کے میدان میں کھڑا ہوا دیکھیں ، جن کی حساسیت کا یہ حال ہو کر حقیقی بھونچال تو در کنار
نہ کا کھڑکنا اور سواری کا ہلنا بھی ان کے لئے زلزلۃ الساعۃ کی پیشگی خبر بن جائے ، ایسے ہی لوگ الرسالہ کا ساتھ
یں گے ، اور امکانی طور پر آج بھی ایسے بے شمار لوگ خدا کی دنیا میں موجود ہیں ۔"

اسی صفحہ پر ایک دوسرے صاحب کا یہ جملہ بھی پڑھئے : " اصل بات یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر زلزلہ
انے کے لئے تیار نہیں ، اسی لئے وہ الرسالہ کا ساتھ دینے کے لئے بھی تیار نہیں ۔"

الرسالہ کے سرپرست زیادہ تر الفاظ کی بازی گری اور تعبیر کی الٹ پھیر سے کام لیتے ہیں ، حالانکہ
خود ان کو اس رویہ کی شکایت ہے ، چنانچہ ص ۲۹ پر لکھتے ہیں :

" یہ ایک مثال ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آدمی اگر چپ ہونا نہ چاہے تو کسی بھی دلیل سے اس کو
چپ نہیں کیا جا سکتا ، وہ ہر دلیل کے جواب میں الفاظ کا ایک مجموعہ بولتا رہے گا ، یہاں تک کہ آپ خود ہی
چپ ہو جائیں ، حقیقت یہ ہے کہ دلیل کو ماننے کے لئے سنجیدگی کی ضرورت ہے ، غیر سنجیدہ آدمی کو کسی بھی دلیل
سے قائل کرنا ممکن نہیں ۔"

خان صاحب کی یہ تحریر دوسروں سے زیادہ خود ان ہی پر منطبق نظر آتی ہے ، موصوف دلیل کو سمجھنے
کے لئے جس سنجیدگی کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں اگر اس کے تھوڑے سے حصہ سے کام لے کر وہ انیقوا من النوم
کے جملہ پر غور کرتے تو بات بن جاتی اور جذباتیت کا الزام عائد کرنے کی زحمت پیش نہ آتی ۔ موصوف فرماتے
ہیں کہ :

" مسئلہ یہ نہیں کہ لوگ سو رہے ہیں ، انہیں جگایا جائے ، اصل مسئلہ یہ ہے کہ لوگ بے فائدہ سمتوں
میں دوڑ رہے ہیں ، اور ضرورت ہے کہ ان کو غلط سمت سے موڑ کر صحیح سمت میں سرگرم سفر کیا جائے ۔ مسئلہ
غلط رخ پر عمل کرنا ہے نہ کہ سرے سے عمل نہ کرنا ۔"

استعارہ کا جو قاعدہ خاں صاحب نے پہلے ذکر کیا ہے اس سے کام لے کر اگر وہ دیکھتے تو مذکورہ جملہ ہی سے وہ مفہوم نکل آتا جسے انہوں نے اپنی طویل عبارت میں بطور دریافت پیش کیا ہے۔ الدعوۃ کا مضمون نگار خدانخواستہ ایسا بے خبر نہیں کہ مسلمانوں کو عمل کرتے ہوئے نہ دیکھتا ہو، نیند سے جاگنے کی بات وہ لوگوں کو بھڑکانے کے لئے نہیں بلکہ صحیح رخ پر لانے ہی کے لئے کہہ رہا ہے، اور اس جملہ سے یہی بات سمجھی بھی جاتی ہے۔

اور جہاں تک رخ کے صحیح اور غلط ہونے کی بات ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ اس کا تعین قدرے مشکل ہے، خود جناب وحیدالدین صاحب ایک عرصہ تک جماعت اسلامی کے ساتھ تھے، اس وقت اس کی تغلیط نہیں کی، جب نکلے تو اس کی تغلیط شروع کی، اور اب جو سمت سفر اپنے لئے متعین کی اس کو دوسرے لوگ غلط کہہ رہے ہیں، اس سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ اسلوب اور طریقہ کار کی یکسانیت پر اصرار غلط ہے۔ اصل مقصود و مدعا کو دیکھتے ہوئے کسی بھی کلام اور موقف پر حکم لگانا چاہئے۔ خان صاحب رواداری و تحمل کی دعوت ضرور دیتے ہیں، لیکن ہمیشہ کسی نہ کسی کو نام لے لے کر نشانہ بناتے ہیں، اور دوسری طرف اپنے مشن اور پرچہ کی تعریف خود نشر کرتے ہیں، موصوف کو سوچنا چاہئے کہ اس طرح کی ستائش صرف ان کے ساتھ مخصوص نہیں، دوسروں کو بھی قارئین کی طرف سے اس طرح کے خطوط موصول ہوتے ہیں، لیکن ان کے اندر اپنی راست روی کا وہ تصور نہیں پیدا ہوتا جس کا شکار خاں صاحب ہو جاتے ہیں۔

جناب وحیدالدین خان صاحب اپنے تفلسف اور عقلیت پسندی کا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کی باتوں میں اکثر تضاد ہوتا ہے، اور حقیقت اس کے برخلاف ہوتی ہے، لکھتے ہیں:

"نتیجہ کے فقدان کو لوگ عمل کے فقدان پر محمول کر کے ان سے (یعنی عربوں اور مسلمانوں سے) شکایت کر رہے ہیں۔"

مسلمانوں سے عمل کے فقدان کی جو شکایت کی جا رہی ہے وہ بالکل صحیح ہے، یہ الگ بات ہے کہ خان صاحب عمل سے کون سا عمل مراد لے رہے ہیں، مسلمانوں کی بے عملی آج سب سے بڑا المیہ ہے، اگر ارکان اسلام ہی کی حد تک دیکھا جائے تو واضح طور پر معلوم ہوگا کہ دعویٰ اسلام کے بعد مسلمانوں کی اکثریت بنیادی ارکان کی بجا آوری سے غافل ہے، لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ نتیجہ کے فقدان کو عمل کے فقدان پر محمول کیا جا رہا ہے۔ خانصاحب کو دوسروں کی بات سمجھنے کے لئے دل کو وسیع کرنا چاہئے، مسلمان شریعت کے بعض مسائل میں بلاشبہ عمل کے

خاطر خواہ نتیجہ سے محروم ہیں لہذا ان کو اپنے عمل کی حیثیت درست کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن شریعت کے بہت سے مسائل ایسے بھی ہیں جن پر عمل کے سلسلہ میں وہ بہت پیچھے ہیں، ان کے سلسلہ میں بلا شبہ مسلمانوں کی قوتِ عمل ہی کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

الرسالہ کے سرپرست مسلمانوں کے مابین ایک نئے گروہ کی تشکیل کے لئے کوشاں ہیں، امت کی پچھلی تاریخ پر نظر کرتے ہوئے یہ تعجب انگیز بات نہیں، نہ اس پر اعتراض کا کسی کو حق ہے، جو شخص جس طرح کا گروہ یا فرقہ چاہے تشکیل دے، لیکن وحید الدین صاحب جس مقصدیت اور سلامت پسندی کا اظہار کرتے ہیں اور جس طرح مناظرانہ فضاء سے دور رہنے کی اپنی خواہش کا اظہار کیا کرتے ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ دوسروں سے الجھے بغیر وہ اصول ونظریات پر گفتگو کریں، اور اپنے نظریہ کو طنز و تعریض کے بغیر پیش کریں، یہ رویہ ان کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہوگا۔ لیکن اگر اپنی رائے اور فکر پر غیر معمولی بلکہ بے جا اعتماد کے نتیجہ میں وہ ہر چیز کو "صحیح" کرنے کی کوشش کریں گے تو اس سے وہی خرابی پیدا ہوگی جس سے بچنے کے لئے وہ اپنے مشن کو قائم کرنے کا دعوی کر رہے ہیں۔

آخری گذارش یہ ہے کہ "انتبھوا ایھا النوم" کا مضمون عربی پرچہ میں شائع ہوا تھا، اس کی تصحیح وتنقید کے لئے خان صاحب کو عربی ہی میں لکھ کر الدعوۃ، ریاض میں بھیجنا چاہئے تھا، اردو داں قارئین کو ان کے تبصرہ سے کیا فائدہ پہونچے گا؟ "وضع الشئ فی غیر محلہ" سے مفکرین کو بچنا چاہئے۔ ...

جہاد
فرضِ عین کب ہوتا ہے؟

تحریر
عبدالرحمٰن عبدالخالق حفظ اللہ / مجلہ " الفرقان، کویت

ترجمہ
عبدالمنان محمد شفیق السلفی / جامعہ ام القریٰ، مکہ مکرمہ

راہِ خدا میں جہاد کے لئے نکلنا ہر اس قادر بالغ اور عاقل مسلمان پر لازم ضروری اور فرض ہے جو اس کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہے کیونکہ ارشاد ربانی ہے :

کتب عَلیکم القتال وھو کرہ لکم ۔ پارہ ۲ سورۂ بقرہ آیت ۲۱۶	جہاد کا فریضہ تمہارے اوپر عائد کر دیا گیا ہے اگرچہ یہ تمہاری پسند کے ناموافق ہے ۔

لیکن مریض نابینا اور اپاہج اس حکم میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

لیس علی الاعمی حرج ولا علی الاعرج حرج ولا علی المریض حرج ۔ پ ۱۸ سورۂ نور آیت ۶۱	نابینا کے لئے جہاد میں شرکت نہ کرنے پر کوئی مضائقہ نہیں ہے اور نہ ہی اپاہج اور مریض کے لئے جنگ میں عدم شمولیت پر کوئی مضائقہ ہے ۔

لیکن مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ ان کی کل تعداد ایک ساتھ جنگ میں بصورت جماعت واحد شریک ہو سکتی ہے، یعنی تمام مسلمان ایک ساتھ ایک جماعت کی شکل میں شریک قتال ہوں، جیسا کہ نبی کریمؐ احد، خندق اور تبوک میں ایک ساتھ تمام مسلمانوں کو لے کر شریک ہوئے تھے، یا ان کی شرکت جماعت در جماعت، گروہ در گروہ کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ رسول کریمؐ بدر اور ذی قرد میں مسلمانوں میں سے چند کے ساتھ نکلے یا ان کی شرکت سریہ اور چھوٹی جماعت کی

شکل میں ہو سکتی ہے، اس پر دال اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یایہا الذین آمنوا خذوا حذرکم فانفروا ثبات او انفروا جمیعا۔ پ۵ سورہ نساء آیت ۷۱	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مقابلہ کے لئے تیار رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔

جہاد کا لزوم امت مسلمہ کے ہر فرد پر تین صورتوں میں ثابت ہو جاتا ہے۔ ابن قدامہ نے بھی اپنی کتاب "المغنی" میں تین حالات میں جہاد کا لازم ہونا بتلایا ہے۔

۱۔ جب دو جماعتوں کا آمنا سامنا ہو جائے اور دو قوموں میں مڈبھیڑ ہو جائے ایسی صورت میں اس جگہ پر موجود افراد کے لئے فرار کی راہ اختیار کرنا حرام ہو جاتا ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کے اوپر دشمن سے مقابلہ کرنا اور ان کے بالمقابل ثابت قدم رہنا فرض ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا۔ پ۱۰ سورہ انفال۔ آیت ۴۵	اے ایمان والو جب تمہارا آمنا سامنا کسی جماعت سے ہو تو تم اس کے مقابل میں ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یا ایہا الذین آمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار، ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الیٰ فئۃ فقد باء بغضب من اللہ۔ پ۹ سورہ انفال آیت ۱۵-۱۶	اے ایمان والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری (علاوہ اس کے کہ جنگی چال کے طور پر ایسے کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے) تو وہ اللہ کے عذاب میں گھر جائے گا۔

۲۔ کفار کے کسی اسلامی مملکت پر حملہ آور ہونے کی صورت میں اس کے باشندوں پر ان سے قتال کرنا اور ان کو وہاں سے نکال دینا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔

۳۔ اور جب امام وقت کسی قوم سے جہاد میں نکلنے کا مطالبہ کرے تو ان پر امیر کی معیت میں جنگ

ں شرکت کی مقصد سے خروج فرض ہوجاتا ہے ، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

یا ایہا الذین آمنوا ما لکم	اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہیں کیا ہوگیا ہے
اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ	جب تم سے اللہ کی راہ میں خروج کا مطالبہ
اثاقلتم إلی الأرض ۔	کیا جاتا ہے تو تم زمین کے لئے بوجھ بن
پ ۱۰ سورۂ توبہ ، آیت ۳۸	جاتے ہو ۔

اور نبی کریمؐ کا حکم ہے : "واذا استنفرتم فانفروا" یعنی جب تم سے جہاد ں نکلنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس کے لئے نکل پڑو ۔

اجازتِ والدین

جہاد کے فرض ہونے کے بعد والدین کی اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی ہے ، لیکن افضل یہی ہے کہ ان سے اجازت حاصل کرلی جائے خصوصاً اس صورت میں جبکہ جہاد جہادِ ستحب ہو اس پر (من حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ان رجلا قال یا رسول اللہ أرید ن أجاهد) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت دلالت کرتی ہے ، وہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریمؐ کے پاس شریف لایا اور اس نے کہا کہ اے اللہ کے رسول میرا ارادہ جہاد کا ہے اس پر آپ نے اس سے دریافت کیا کیا تمہارے (فقال له أحی والداك قال نعم قال ففیہما فجاهد) والدین احیات ہیں اس نے اثبات میں جواب دیا یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور انھیں دونوں میں جہاد کرو ۔

(بخاری نسائی ترمذی)

ایک دوسری روایت میں ہے : " أن رجلا هاجر الی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الیمن فقال هل لك أحد بالیمن قال ابوای قال أذنا لك ؟ قال ل قال ارجع الیہما فاستئذنہما فان أذنا لك فجاهد والا فبرهما " قال ناصر الدین اخرجه ابوداؤد والحاکم وکذا ابن الجارود وابن حبان واحمد ۔

ایک شخص یمن سے ہجرت کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا یمن میں تمہارا کوئی عزیز ہے ؟ اس کا جواب تھا کہ میرے ماں اور باپ یمن میں ہیں ، آپ نے پوچھا کہ کیا تم نے ان سے اجازت حاصل کرلی ہے ، اس کا جواب نفی میں تھا اس پر آپ نے اس کو حکم دیا کہ لوٹ کر کے ان کے پاس

جاؤ اور اجازت طلب کرو اگر وہ اجازت دے دیتے ہیں تو جہاد کرو ورنہ ان دونوں کی خدمت میں لگے رہو۔ ناصر الدین کا کہنا ہے کہ اس حدیث کی تخریج ابوداؤد، حاکم، ابن جارود، ابن حبان اور حاکم نے کی ہے، اور یہ حدیث اپنے تمام اسناد کے ساتھ صحیح ہے۔

اور اس حدیث کے ذیل میں ابن قدامہ نے اپنی کتاب المغنی میں لکھا ہے کہ جب والدین مسلمان ہوں تو ان کے اجازت کے بغیر نفلی جہاد نہیں کیا جا سکتا ہے، یہی حضرت عمر اور حضرت عثمان سے بھی مروی ہے، اور یہی مالک، اوزاعی، ثوری، شافعی اور تمام اہل علم کا قول ہے۔

لیکن فرضیت جہاد کے بعد والدین کی اجازت کوئی معنی نہیں رکھتی ہے اور نہ ہی اس کا اعتبار رہو گا، کیونکہ اس صورت میں اللہ کے حکم کو بجالانا فرض ہے جو کہ بہرصورت اطاعت والدین پر مقدم ہے، اس پر دلیل نبی کریم کا یہ فرمان ہے: "لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق" کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ یعنی اگر والدین، اعزہ واقربار کی اطاعت میں اللہ تعالیٰ کی احکام عدولی ہوتی ہے تو ان کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کرنا قطعاً جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے۔

اور جہاد لازم کی مثال، جمعہ جماعت، حج، روزہ واجب اور دیگر فرائض کے مثل ہے۔ جس طرح ان عبادات میں ماں باپ کی اجازت، رضامندی اور خوشنودی کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی اعتبار ہوتا ہے بلکہ مکلف کے لئے بہرصورت ان امور کا بجالانا فرض ہوتا ہے اسی طرح جہاد واجب کا بھی یہی حکم ہے، اور مغنی کا بھی کہنا ہے کہ جب جہاد کا عام اعلان کر دیا جائے اس صورت میں والدین سے اجازت نہیں طلب کی جائے گی اور یہی حکم بقیہ فرائض کا بھی ہے۔

بلا اجازت امیر کے کسی واقعہ یا خبر کو بیان کرنا

قتال میں نکلنے والے کسی بھی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ کوئی معمولی سے معمولی یا بڑا سے بڑا واقعہ یا خبر بلا اجازت امیر کے لوگوں سے بیان کرتا پھرے اس پر یہ آیت دلالت کرتی ہے:

انما المؤمنون الذین آمنوا	مومن تو اصل میں وہی ہیں جو اللہ اور اس
باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ	کے رسول کو دل سے مانیں، اور جب کسی اجتماعی
علی امر جامع لم یذھبوا	کام کے موقع پر رسول کے ساتھ ہوں تو اس

حتی یستاذنوہ۔ پ۱۸ سورۂ نور آیت ۶۲ — سے اجازت لئے بغیر نہ جائیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

قد یعلم اللہ الذین یتسللون منکم لواذا فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ پارہ ۱۸، سورۂ نور آیت ۶۳	اللہ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں ایسے ہیں کہ ایک دوسرے کی آڑ لیتے ہوئے چپکے سے کھسک لیتے ہیں، رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے۔

یتسللون لواذا کی تفسیر میں مفسرین کا کہنا ہے کہ وہ لشکر سے دیوار، عمارت، درخت، حیوان یا کسی بھی ساتر شئے کے پیچھے چھپ کر نکل لیتے ہیں تاکہ وہ آپ کی نگاہوں سے بچ جائیں اور اس امر میں شک و شبہ کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ یہ حکم نبی کریمؐ کی بابت ہے لیکن آپ کے علاوہ کا بھی یہی حکم ہے اگر وہ جنگ میں آپ کا قائم مقام یعنی امیر فوج ہے اس پر درج ذیل آیت واضح طور پر دلالت کرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر واضح کر دیا ہے کہ ان کے ہزیمت اور شکست کی خاص وجہ آپ کی عدم اتباع تھی جیسا کہ ارشاد ہے۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرۃ۔ پارہ ۴ آل عمران آیت ۱۵۲	اللہ نے (تائید و نصرت) کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا اور جوں ہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (یعنی مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے اس لئے کہ تم میں سے کچھ

لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔

اس آیت کی ذیل میں ابن قدامہ نے المغنی میں لکھا ہے کہ اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے کہ جب مسلمانوں کا امیر غزوہ میں ان کے ساتھ شریک ہو تو کسی کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ بلا اجازت امیر اپنے جانور کے لئے چارہ حاصل کرنے، لکڑی اکٹھا کرنے یا کسی کافر سے مقابلہ کرنے کے لئے نکل جائے اور اس کے لئے درست ہے کہ امیر سے اجازت لئے بغیر گھر کی طرف کوچ کرے، نہ ہی کوئی چھوٹا یا بڑا واقعہ اس کی اجازت کے بغیر بیان کرے۔

ایک ضروری وضاحت

"محدث" شمارہ نومبر ۹۱ء میں باب الفتاویٰ کے سوال نمبر ۸ کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ:

" ایسی دوکان پر زکاۃ واجب ہے " اس جواب کی بابت یہ وضاحت نوٹ کرلی جائے:

" یعنی اس دوکان میں جو مالِ تجارت ہے اس کی قیمت ومالیت پر حولانِ حول (ایک سال گذرنے) پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔"

یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ مبادا کوئی یہ سمجھ لے کہ نفس دوکان (مکان و فرنیچر) پر زکوٰۃ واجب قرار دی گئی ہے۔

(احمد مجتبیٰ سلفی)

کبھی اے نوجواں مسلم.....!

اصغر علی امام مہدی السلفی

تاریخ عالم کے مطالعہ کرنے والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ سب سے مکار، دغاباز، فریبی اور شاطر قوم قوم یہود ہے، ہٹ دھرمی، دہشت گردی، انتہا پسندی اور مجرمانہ ذہنیت میں اس قوم کی مثال نہیں ملتی تاریخ عالم میں اس کے جرائم کی فہرست بہت طویل ہے، اور اس کی اولاد اور حاشیہ بردار تاریخ اسلام میں قوم رافضی ہے جو اپنی ہٹ دھرمی اور خبث میں اپنی مثال آپ ہے۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور انہیں فریب دینے میں جو مہارت اس قوم کو ہے یہودیوں کے سوا کوئی اور قوم اس کا شریک نہیں۔

اسلام کے نام پر شیعوں نے جتنا اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچایا کسی اور نے نہیں پہونچایا درحقیقت یہ یہودیوں کی ہی ٹولی تھی جو میدان جنگ میں مسلمانوں کو شکست نہ دے سکی، اس کی سازشیں بیکار ہو گئیں، اور پھونکوں سے اسلام کے چراغ کو بجھا نہ سکے تو اسلام کے صف میں داخل ہو کر مسلمانوں کو زک دینے کی کوشش کی۔ اسلام کے رکن اول اور اساس عقیدہ توحید پر سب سے پہلا حملہ کیا، عبداللہ بن سبا یہودی نے مسلمان کا روپ دھار کر سب سے پہلے حضرت علی کے وصی ہونے کا دعوی کیا اور چند سادہ لوح مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے بعد ان کی الوہیت کا پرچار کرنے لگا، عقیدۂ توحید پر یہ سب سے پہلا حملہ تھا۔ یہودیوں کی طرح حضرت جبرئیل جیسے مقدس امین فرشتے سے بیزاری کا اظہار کیا، اور خیانت کا الزام لگایا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی آخر الزماں کی نبوت میں تشکیک پیدا کرنے کی کوشش کی، قرآن مجید کے تقدس کو تحریف اور تبدیل کا شوشہ چھوڑ کر پامال کرنے کی مجرمانہ حرکت کی۔ شریعت اسلامیہ کے صاف اور روشن چہرے کو داغدار کرنے کی کوشش کی، اس کے احکام وتعالیم میں تحریف کو اپنا وطیرہ بنایا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل ترین صحابۂ کرام یہی نہیں کہ ان کے دلوں میں کھٹکتے ہیں اور یہ ان

کی شان عالی میں گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں، بلکہ اس دور کے برگزیدہ ہستیوں پر غلط الزام تراشیوں کے ذریعہ ان کی عدالت وثقاہت میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی سعی نامسعود کرتے ہیں۔ دین اسلام کے ان اولین مبلغین اور امت تک دین حق کو پہنچانے والے اس مقدس جماعت کو موردِ الزام ٹھہرا کر شریعت سے برگشتہ کرتے ہیں۔ حضرت امام ابوذرعہ رازی کہتے ہیں کہ شیعہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جرح کرکے ہمارے اولین رواۃ حدیث کو مجروح ومطعون قرار دیتے ہیں۔ اس کے پیچھے ان کے مکروہ اور خبیث اغراض پوشیدہ ہیں، وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ جو صحابہ کرام کے واسطے سے امت تک پہنچی ہے وہ مشکوک ومتروک ہوجائے، دراصل یہی ملحد وزندیق ہیں۔

امام ابوذرعہ رازیؒ کا یہ فیصلہ کہ یہی دراصل بے دین اور زندیق ہیں صد فیصد صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بیت اللہ شریف اور حرم مکہ کے بارے میں ارشاد ہے: من یرد فیہ بالحاد بظلم نذقہ من عذاب الیم (الحج)۔ قرامطہ اور فاطمیوں کا ذکر چھوڑیئے، دور حاضر میں شیعوں نے جس طرح سے حرمین شریفین کو پامال کرنے کی کوشش کی، اس کے تقدس کو ختم کرنے کے درپے ہوئے اور اس کے اندر الحاد وفساد کو برپا کیا اور ہمہ وقت اس کو کھلا شہر قرار دینے اور اسلام دشمن قوتوں کے ہاتھوں میں اسے کھیلواڑ بنانے کی جو سعی مذموم کرتے ہیں وہ ان کے ملحد اور زندیق ہونے کی بین ثبوت ہے۔ دنیا کے ہر مسلمان کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ وہ دیار مقدس کی زیارت کرے اور اس کی روح پرور فضاؤں میں زندگی کے اہم ترین لمحات عبادت الہٰی میں گذار کر نجات اخروی کا سامان کریں، مگر شیعوں کی یہ بدبختی ہے کہ وہ اس عظیم فرصت اور نعمت کو فساد والحاد کے لئے وقف کرتے ہیں۔

یوں تو شیعوں کی پوری تاریخ ہی یہود کے ساتھ ساز باز میں گذری ہے۔ لیکن دور حاضر میں وہ مسلمانوں کو اور زیادہ چاک وچوبند ہوکر نقصان پہونچانے کے درپے ہیں۔ قبلۂ اول کے لئے ہر مسلمان خون کا آنسو بہا رہا ہے یہودی وصہیونی جارحیت اور بیت المقدس پر اس کے بے جا قبضے پر ہر مسلمان نالاں ہے، اور شیعہ فرقہ جو اسلام اور حکومت الہیہ کے قیام کا دعوے دار ہے یہودیوں کے ساتھ گہری دوستی کئے ہوا ہے۔ مسلمانوں کے خلاف ان سے اسلحے کا سودا کرتا ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے اس دسیسہ کاری میں اتنا شاطر ہے کہ اس ظہور ووضوح کے باوجود عالم اسلام اور نوجوانانِ اسلام کو اندھیرے میں رکھنے کے لئے کذب اور غلط بیانی پر تقیہ کا لبادہ ڈال کر

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو فروغ دے رہا ہے۔ مشہور شیعہ لیڈر خمینی کی سازشوں اور خانۂ کعبہ کے خلاف ان کے خطرناک منصوبوں کو جاننے کے لئے دیکھئے ڈاکٹر عبداللہ الغفاری کی کتاب " بروتکولات خمینی و آیات قم حول الحرمین المقدسین "۔

اس میں شک نہیں کہ ہر قوم کے نوجوان اس قوم کا سرمایہ ہوا کرتے ہیں، یہ سرمایہ اس وقت اور زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے جب اس کے اندر کچھ کر گذرنے کا حوصلہ و جذبہ ہو، لیکن اس جوش و جذبے اور حوصلے کو اگر صحیح رخ سے موڑ کر کسی غلط رخ پر ڈال دیا گیا تو قوم کا عظیم خسارہ اور بیحد نقصان ہوتا ہے۔ بیحد خوشی کا مقام ہے کہ اس وقت امت کے نوجوانوں کی ایک خاصی تعداد جوش و جذبہ اور حوصلے سے سرشار ہے اور پروانہ وار کچھ کر گذرنے کے لئے تیار رہے، مگر افسوس کا مقام ہے کہ اس نے حقائق سے دور کا راستہ ناپنا شروع کر دیا ہے اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اپنے دوست نما دشمنوں کی پشت پناہی ہی نہیں جوش جنوں میں اس کی مکمل حمایت کرتا ہے۔ نوجوانوں کو کیا چاہئے خصوصاً جبکہ عقیدہ و عمل اور عقل و خرد کی ناپختگی اسلاف کے مسلک و منہج سے لاعلمی ہو تو اس کو ہر بلند و بانگ دعویٰ جو اسلام کے نام پر کیا گیا ہو اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی حمایت و اشاعت کے لئے میدان میں نکل آتا ہے۔

یہی حال عصر حاضر میں ہمارے بعض نوجوانوں کا ہے، ایران کی نام نہاد، مسلم کش، اسلام دشمن اور یہود نواز ڈکٹیٹر نے جب حکومت الٰہیہ کے نام پر ایک شیعی اور رافضی حکومت کی بنیاد رکھی تھی تو پر جوش نوجوانوں نے حقیقت حال سے بے پرواہ ہو کر اس کی تائید و وکالت شروع کر دی، جس میں بعض بزرگوں کی خوش فہمیاں کوتاہیاں اور حقائق سے چشم پوشی بھی کار فرما ہے۔

اور پھر حقیقت حال مکمل طور پر واضح ہو جانے کے بعد اس کی کما حقہ تردید اور اسی پیمانے پر اس کی پردہ دری اور نوجوانوں کو ان کی اپنی صحیح منزل کی طرف واپسی کے لئے جدوجہد میں کوتاہی بھی شامل ہے جس کی تلافی مشکل ہے، تاہم بڑے وسیع پیمانے پر شیعوں کی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت ہے، ایک سچا مسلمان جو شیعی عقائد و نظریات کو جانتا ہے اسے یقین ہے کہ شیعہ اسلام سے دور ہی نہیں اسلام کے دشمن ہیں، اسلامی تعلیمات سے ان کو بیزاری ہے، اور وہ مجوس ایران کے عقائد باطلہ کو امت مسلمہ کے اندر فروغ دینا چاہتے ہیں، اور مجوسی حکومت عظمیٰ کا خواب دیکھ رہے ہیں، اور اس کے لئے حکومت الٰہیہ کا نام لے کر سادہ لوح مسلمانوں کو راہ حق سے بھٹکا کر اپنے

مقصد برآری کے لئے کوشاں ہیں۔

ہم یہاں شیعوں کی سب سے مقدس اور صحیح ترین کتاب الکافی اور خمینی لیڈر کی کتاب کشف الاسرار سے صرف دو باتیں پیش کر کے اپنے ان بھائیوں سے پوچھتے ہیں جو خمینی کے اسلامی انقلاب کی تعریف کرتے نہیں تھکتے اور اس انقلاب کا دائرہ پوری دنیائے اسلام میں وسیع کر دینا چاہتے ہیں۔

۱۔ الکافی کا مصنف قرآن کو محرف باور کرانے کے لئے حضرت جعفر صادق کے حوالہ سے کہتا ہے:

عن عبد الله (جعفر الصادق) قال: ان القرآن الذی جاء به جبرئیل الی النبی صلی الله علیه وسلم سبعة عشر الف آیة۔ (الکافی ۲/۶۳۴) یعنی حضرت جعفر صادق نے فرمایا کہ جو قرآن جبرئیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے اس میں ۱۷ ہزار آیتیں تھیں۔ حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قرآن میں کل چھ ہزار دو صد تر سٹھ آیتیں ہیں گویا کہ دو تہائی قرآن غائب ہے، جس کے بارے میں شیعوں کا زعم باطل ہے کہ ان کے امام غائب (اسکو لیکر غائب ہیں) پھر دوبارہ لائیں گے۔ یہ قرآن میں تشکیک پیدا کرنے اور اس کو محرف قرار دینے کی ان کی مذموم سعی ہے، وہی قرآن جس کے بارے میں خود ارشاد باری ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون۔ وہی قرآن جس کا ایک ایک حرف تا قیامت محفوظ رہے گا اور امت کے لئے ہر دور میں باعث ہدایت رہا ہے اور رہے گا۔ اس میں کسی باطل و محرف کی پیش نہیں جائے گی۔ لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه۔

۲۔ خمینی صاحب یوں تو باستثنائے چند صحابۂ کرام کے سب کو مرتد قرار دیتے ہیں مگر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پر افترا پردازی اور دشنام طرازی میں زیادہ تیز نظر آتے ہیں۔ لکھتے ہیں: ....وهذا یؤکد ان هذه الفریة صدرت من ابن الخطاب المفتری .... کلمات ابن الخطاب القائمة علی الفریة النابعة من اعمال الکفر والزندقة والمخالفات لآیات ورد ذکرها فی القرآن الکریم۔ (کشف الاسرار نقلا عن شهادة الخمینی فی اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم تالیف محمد ابراهیم شقره)

یہ دو حوالے مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ہے ورنہ خمینی کی تمام کتابیں اور شیعوں کا سارا دین اہلسنت کی مخالفت اور توہین میں ہیں ہم اسکی روشنی میں نوجوانان اسلام سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ کبھی لئے نوجوان مسلم تدبر بھی کیا تو نے! کہ یہ خمینی کون ہیں اور ان کا اسلامی انقلاب کیا ہے انکا اسلام وہی ہے جسے اللہ نے محمد کو دیکر بھیجا تھا یہ کسی اور ہی اسلام کے علمبردار ہیں ع ہونگے کسی اور اسلام کے بانی۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

باب الفتاویٰ

انتخاب / محفوظ الرحمٰن سلفی

زندگی سے متعلقہ مسائل و مشکلات کو کتاب و سنت کی روشنی میں حل کرنے کے لئے جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس میں شروع سے شعبۂ افتاء قائم ہے جس میں جامعہ کے اساتذۂ کرام موصولہ سوالوں کے جوابات کتاب و سنت کی روشنی میں دیتے ہیں، ذیل میں شعبہ افتاء کے ذخیرۂ فتاویٰ سے بعض یہاں شائع کئے جا رہے ہیں۔

سوال نمبر ۱: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسئلہ میں ؟
جب کہ لڑکے کا عقیقہ ہو چکا ہے اور ختنہ باقی ہے، اب اس کا ختنہ ہونے والا ہے، کیا ختنہ کرانے کے موقع پر ضیافت کی جا سکتی ہے ؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے ؟ قرآن و سنت سے ثابت شدہ عمل کی تحقیق مع ثبوت تحریر فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

سائل
محمد سلیمان شاکر
تامل ناڈو مدراس۔

الجواب بعون اللہ الوہاب !

ختنہ کرانے کے موقع پر ضیافت کرنے کا ثبوت نہیں ہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الرحمٰن صاحب مبارکپوریؒ دعوت کی قسمیں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وفی مسند أحمد من حدیث عثمان بن أبی العاص فی ولیمة الختان لم یکن یدعیٰ لہا" انتہی (تحفۃ الأحوذی ج ۴ ص ۳۱۶)۔
(یعنی مسند احمد میں ختنہ کی دعوت کے سلسلے میں حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس کے

لئے دعوت نہیں دی جاتی تھی)

اس سے معلوم ہوا کہ ختنہ کے موقع پر لوگوں کو دعوت دے کر اکٹھا کر کے ان کی ضیافت نہیں کرنی چاہیئے ۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم
نعیم الدین محمد ابراہیم
جامعہ سلفیہ، بنارس

الجواب صحیح
محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ، بنارس

سوال نمبر ۲ : کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مندرجہ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ؟

مسجد کے لئے کچھ زمینیں للہ دی گئیں تقریباً آج سے ساٹھ سال قبل، پھر وقف کرنے والے حضرت دنیا سے چل بسے، اب اس زمین کو مدرسہ وغیرہ میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب :

مسجد کے لئے جو زمین وقف کی گئی ہے مدرسہ میں اس میں سے کچھ بھی دینا جائز نہیں ہے ۔

وقف کے بارے میں بخاری شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : " لا یباع ولا یوھب ولا یورث "

" یعنی نہ کسی کو نہ کہیں اس کو دے سکتے ہیں نہ کوئی اس کا وارث ہوگا "

مسجد کے متولی و منتظم اگر نہ ہوں تو مشورہ سے اچھے اور مناسب ایک یا دو آدمی کو بنا لیا جائے، اور زمین کی آمدنی مسجد کے مد میں خرچ کریں ۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

عابد حسن رحمانی
جامعہ سلفیہ، بنارس۔

ہماری نظر میں

امتیاز احمد سلفی

نام کتاب ۔ ——— تمباکو، زہر قاتل ۔

تمہید و ترتیب ۔ ——— عبدالرحمن کوندو حفظہ اللہ ۔

قیمت بیس روپے ——— ملنے کا پتہ ۔ مکتبہ قاسمی ۱۸۴۶۔ کلاں محل، دریا گنج، نئی دہلی ۲ ۔

تمباکو اور سگریٹ نوشی کے استعمال سے نت نئی بیماریوں میں مبتلا ہونے والوں کے اعداد و شمار اور روزمرہ پیش آنیوالے واقعات سے اس کی ہلاکت خیزی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ ضرر رسانی کی معمولی سی جھلک فی زمانہ اخبارات میں شائع ہونے والی خبریں اس کی منہ بولتی تصویر ہے ۔

کبار علماء اور اطباء اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ شریعت سے قطع نظر عقلی نقطۂ نگاہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ تمباکو اور سگریٹ کا استعمال بے حد مضر ہے، حفظان صحت کے لئے اس سے اجتناب ازبس ضروری ہے ۔

یہ رسالہ انتہائی بیش قیمت اور پُر از معلومات ہے، اس موضوع پر اس کتاب کی حیثیت سنگ میل کی سی ہے، کتاب کا مطالعہ یقیناً سماج و معاشرہ کی اصلاح میں ایک اہم رول ادا کریگی، ان شاء اللہ! مسئلہ تمباکو اور سگریٹ نوشی کے عنوان پر منفرد، جامع اور تحقیقی تحریر ہے، اس میں تمباکو اور سگریٹ کی شرعی حیثیت و حقیقت، سماج میں اس کے برے اثرات و نتائج کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے ۔ علاوہ ازیں عرب و عجم کے چوٹی کے علماء، مفتیان کرام اور جدید و قدیم اطباء کے بصیرت افروز مقالات و خیالات کا ایک حسین مرقع ہے، اور یورپ و امریکہ کے ماہرین تجربہ کار ڈاکٹروں کی تحقیقات اور اس سے پیدا ہونے والے لاعلاج امراض کے اسباب و وجوہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مذکورہ اشیاء کا استعمال انسانی صحت کے لئے زہر ہلاہل ہے ۔

محترم عبدالرحمن کوندو صاحب قابل صد مبارکباد ہیں اور ان کا یہ عمل لائق تبریک و تحسین ہے کہ موصوف نے اس حساس موضوع پر قلم اٹھایا، آپ کے دل میں ملت کا درد اور غم ہے، یہی وجہ ہے کہ لائق مصنف قوم کے اخلاق و معاشرہ کی اصلاح کے موضوع پر برابر لکھتے رہتے ہیں، دعا ہیکہ اللہ تعالیٰ اسے قبول عام سے نوازے اور مصنف کیلئے زاد آخرت کا ذریعہ ثابت فرمائے ۔ اعلیٰ کتابت و طباعت اور دیدہ زیب سرورق سے کتاب آراستہ ہے ...

جامعہ سلفیہ کی عالمی سیرت کانفرنس کی

قرارداد و تجاویز

بحمداللہ جامعہ سلفیہ کی دوروزہ سیرت کانفرنس مورخہ ۲۸/اکتوبر ۶۹۱ء کو ساڑھے سات بجے شب میں بخیر وخوبی اختتام پذیر ہوئی۔

کانفرنس کا افتتاحی اجلاس رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے جوائنٹ سکریٹری جنرل عزت مآب شیخ محمد بن ناصر العبودی کی زیر صدارت منعقد ہوا، جس میں دارالافتاء ریاض سے ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے، وزارت تعلیم ریاض سے شیخ عبدالعزیز البعیمی نے، متحدہ عرب امارات کی وزارت اوقاف سے شیخ رحمت علی رحمت اور شیخ عبدالرحیم صالح نے شرکت فرمائی۔ ان کے علاوہ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی اور مدارس اسلامیہ کے علماء، اساتذہ اور محققین کی ایک بڑی تعداد نے اپنے مقالات کا خلاصہ پیش کیا، اور علماء کرام نے تقریریں فرمائیں۔

کانفرنس نے علماء ومحققین کے سامنے سیرت نبویہ سے متعلق کل ۵۲ عنوانات پیش کئے تھے جن پر پیش کئے جانے والے مقالات کی تعداد تقریباً پچاس ہے۔

افتتاحی اجلاس کے صدر شیخ محمد العبودی کی صدارتی تقریر کو خصوصیت کے ساتھ علماء اور دانشوروں نے بیحد پسند کیا۔ موصوف نے پرامن بقائے باہم کے اصول کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہندوستان میں جب سے اسلام آیا اسی وقت سے دو مختلف تہذیبیں دوش بدوش چلتی رہیں لہذا کوئی وجہ نہیں کہ آج یہ دونوں تہذیبیں ایک ساتھ زندہ نہ رہ سکیں۔

عالمی سطح پر اسلام کی اشاعت کے سلسلہ میں موصوف نے فرمایا کہ اسلام کے بزور شمشیر پھیلنے کی بات اس لئے بے بنیاد قرار پاتی ہے کہ جن علاقوں میں کبھی بھی اسلامی اقتدار قائم نہیں ہو سکا وہاں بھی مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود ہے، اسی طرح یہ الزام بھی بے بنیاد ہے کہ اسلام غیر متمدن مذہب ہے، اور ایسے پڑھا لکھا مہذب طبقہ قبول نہیں کرتا، کیونکہ آج یورپ و امریکہ کے اعلیٰ متمدن علاقوں میں اسلام کو ماننے والے موجود ہیں جو اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ و مہذب مانے جاتے ہیں۔

دوسرے دن ۲۸/اکتوبر ۱۹۹۱ء کے صباحی اجلاس میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر جناب سید حامد صاحب نے اپنے تاثراتی بیان میں فرمایا کہ سیرت طیبہ کا یہ پہلو بہت زیادہ غور طلب ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ۲۳ برس کی مختصر مدت میں ایسا عظیم انقلاب برپا کر دیا جسکی مثال دنیا کی تاریخ میں موجود نہیں۔

مسلمانوں کے دور عروج و دور زوال کے مابین تقابل کرتے ہوئے فرمایا کہ اسلام کی صداقت کے دو ثبوت بیحد واضح ہیں، ایک ثبوت مثبت ہے، یعنی مختصر مدت میں اسپین سے انڈونیشیا تک اسلام کا اقتدار و تسلط۔ اور دوسرا ثبوت منفی ہے، یعنی جب مسلمانوں نے اسلامی تعلیمات سے کنارہ کشی اختیار کی تو کثرت تعداد کے باوجود وہ ذلت و رسوائی اور مشکلات و مصائب میں گرفتار ہو گئے۔ ان دونوں واقعات سے اسلام کی صداقت و حقانیت ثابت ہوتی ہے، اگر اسلام سچا دین نہ ہوتا تو اس کے ماننے اور چھوڑنے والوں کی یہ کیفیت ہرگز نہ ہوتی۔

اختتامی اجلاس میں سید حامد صاحب نے اپنا مفصل مقالہ پیش کیا جس کا عنوان تھا: رسول اکرمؐ کی سیرت میں تدبیر و تنظیم کے عناصر۔ اس مقالہ کو سننے کیلئے حاضرین کی بڑی تعداد ہمہ تن گوش تھی، سید حامد نے نبی اکرمؐ کی مکی و مدنی زندگی کے مختلف واقعات کو ذکر کرتے ہوئے واضح فرمایا کہ آنحضرت کی مبارک زندگی میں ہمیں کہیں توکل کا وہ غلط مفہوم نظر نہیں آتا جو دور انحطاط میں مسلمانوں کے یہاں دیکھا جاتا ہے، آپ نے ہمیشہ ہر معاملہ کے لئے بڑے حزم و احتیاط سے تدبیر کی راہ اختیار فرمائی، اور مسلمانوں کی طاقت کو منظم کرنے کیلئے پورا جتن فرمایا۔ آپ کی مبارک زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر ہمیں جذباتیت اور اشتعال کا کوئی اقدام نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کیلئے سیرت طیبہ کے اس پہلو میں بڑی نصیحت و عبرت ہے۔

۲۸/اکتوبر کے دونوں اجلاسوں میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے صدر شعبۂ عربی اور صدر شعبۂ دراسات غرب ایشیا کے علاوہ متعدد محققین نے اپنے مقالے پیش کئے، اور اختتامی اجلاس کے اختتام پر درج ذیل تجاویز و قرارداد منظور کی گئیں۔:

تجاویز

۱۔ عالمی سیرت کانفرنس منعقدہ جامعہ سلفیہ بنارس ۲۷-۲۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء تمام مسلمانوں سے بالعموم اور اہل علم وعلماء سے بالخصوص یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی کو سیرت طیبہ کے سانچے میں ڈھالیں اور اپنے بچوں کو، اپنے گھر والوں اور اپنے تمام ربط وتعلق والوں کو سیرت طیبہ کے مطابق زندگی گذارنے کا سبق سکھائیں۔

۲۔ مسلمانوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اپنا رسول ورہنما سمجھ کر آپ کے عالمی پیغام کو دنیا کی قوموں کے سامنے خاص کر ہندوستان کی مختلف قوموں اور ملتوں کے سامنے صحیح طریقہ سے نہیں پیش کیا ہے اس لئے یہ کانفرنس تمام مسلم اداروں، جماعتوں اور افراد واشخاص سے بڑی ہمدردی اور ادب کے ساتھ درخواست کرتی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو ان کے صحیح تناظر میں سلیس زبان میں تمام ہندوستانیوں کے سامنے پیش کریں۔

۳۔ اس مقصد کے جلد حصول کے لئے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر چھوٹے چھوٹے رسالے اور کتابچے، اردو کے علاوہ ہندی زبان میں خاص کر چھاپے جائیں، اس کے علاوہ غیر مسلم بھائیوں کو خاص سیرت کانفرنس اور مجالس میں بلایا جائے تاکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے بارے میں صحیح خیالات پروان چڑھیں۔

۴۔ علماء کرام اور جدید دانشوران گرامی دونوں طبقات سے کانفرنس بصد ادب گذارش کرتی ہے کہ وہ سیرت طیبہ پر عالمی معیار کے مطابق تحقیقی مقالے اور کتابیں تحریر کرکے سیرتی ادب کو مالا مال کریں۔

۵۔ سیرت طیبہ کے ماہرین علماء اور اساتذہ سے یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ وہ دور جدید بالخصوص ہندوستان کی تہذیبی وسماجی حالت اور مسلمانان ہند کی مجموعی حالت کو مدنظر رکھ کر ایسی کتابیں اور رسالے لکھیں جن سے موجودہ حالت میں ان کی عملی رہنمائی ہوسکے۔

۶۔ طلبہ واساتذہ کی تعلیم وتربیتِ اسلامی کے لئے یہ ضروری ہے کہ سیرت طیبہ کے تاریخی مطالعہ کے ساتھ تبلیغی و اصلاحی اور عملی مطالعہ کو نصاب تعلیم کا جزو بنایا جائے۔

۷ ۔ روایتی میلاد نبوی کی مجلسوں کے مضر اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ صحیح عقیدہ اور فکر کے علماء اور ادارے سالانہ یا وقتاً فوقتاً سیرت طیبہ پر مجالس ، مذاکرے اور مباحثے برپا کریں اور ان میں سیرت طیبہ کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کریں۔

۸ ۔ مساجد کے ائمہ کرام اور خطباء حضرات سے یہ ہمدردانہ التماس ہے کہ وہ کم از کم ہفتہ میں ایک بار عوام کے سامنے سیرت نبوی کے کسی ایک پہلو پر عبرت و موعظت کے انداز میں مختصر تقریر ضرور کیا کریں ، اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ان پہلوؤں پر تیاری کے ساتھ روشنی ڈالیں جو روزمرہ کی زندگی کو سنت صحیحہ کی راہ پر ڈال دیں۔

۹ ۔ حکومت کے ذمہ داروں ، انتظامیہ کے کارگذاروں اور دوسرے منتظموں کو صحیح سیرتِ نبوی سے روشناس کرنے اور سنت نبوی کے مطابق عوام کی خدمت کرنے کا طریقہ سکھانے کے لئے وقتاً فوقتاً ان کو چھوٹے چھوٹے مختصر اور سلیس زبان میں کتابچے اور پمفلٹ بھیجے جائیں۔

۱۰ ۔ سیرت نبوی کے اہم مخطوطات اور نصوص کی تالیف و ترتیب اور صحیح کتابوں کی نشر و اشاعت کے لئے ایک سیرت اکیڈمی قائم کی جائے ، جامعہ سلفیہ کے مخلص کارگذاروں سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ اس اہم بار گراں کو اٹھا کر اپنے ادارے کے علماء کرام اور دوسرے اداروں کے اساتذہ و علماء سے سیرت کی تالیف تیار کرائے ۔

۱۱ ۔ مسلم اداروں خاص کر جامعات و دار العلوموں سے گذارش کی جاتی ہے کہ وہ باہمی مشورہ و تعاون سے سیرت نبوی پر ایک خاص رسالہ / مجلہ نکالیں ، جو تحقیقی و اصلاحی دونوں پہلو رکھتا ہو ، وہ آسانی کی خاطر سہ ماہی / ششماہی نکالا جا سکتا ہے ۔

۱۲ ۔ اہم عربی تالیفات سیرت کو اردو اور انگریزی میں منتقل کیا جائے اور ان کے خلاصے ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں پیش کئے جائیں تاکہ ہمارے نوجوان مسلم بچے اور دوسرے ہندی داں ان سے مستفید ہو سکیں۔

۱۳ ۔ جدید تعلیمی نظریات کے مطابق بچوں اور طالب علموں کے لئے درسی کتب اردو انگریزی اور ہندی میں تیار کی جائیں اور پھر ان کے علاقائی زبانوں میں تراجم بھی ان کے جاننے والوں کیلئے پیش کئے جائیں۔

۱۴ ۔ اہل خیر حضرات سے مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ سیرت نبوی پر چھوٹی چھوٹی کتابیں اور مختصر کتابچے

اور رسالے چھپوا کر فی سبیل اللہ تمام لوگوں میں تقسیم کریں، خاص کر غیر مسلم پڑوسیوں میں اور عمدہ تالیفات اور تحقیقات کی تالیف واشاعت میں سیرت اکیڈمی اور جامعہ سلفیہ جیسے اداروں کی ہر طرح کی مدد کریں۔

۱۵ - جامعہ سلفیہ کے محترم منتظمین، مکرم اساتذہ، عزیز طلبہ، اور مخلص کارکنوں نے جس محبت و اخلاص اور دل سوزی کے ساتھ تمام مہمانوں، مندوبوں اور مقالہ نگاروں کی خاطر تواضع کی اور جس طرح ان کی دیکھ بھال کی، اعتراف نعمت اور اظہار تشکر کی، سنت نبوی کی پیروی میں یہ کانفرنس شکریہ کی قرارداد منظور کرتی ہے، اور بارگاہ رب العزت میں عاجزانہ دعا کرتی ہے کہ وہ جامعہ سلفیہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، اس کو ہر قسم کی آفات و بلیات سے محفوظ رکھے، اور اس کے استاذوں، منتظموں اور طالب علموں اور کارکنوں کی عمر و علم میں برکت عطا فرمائے اور ان کو ذاتی اور اجتماعی زندگی میں مسرت وانبساط سے ہمکنار کرے۔

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۲	فروری ۱۹۹۲ء	شعبان ۱۴۱۲ھ	جلد ۱۰

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دار التالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب، وارانسی ۲۲۱۰۱۰۔

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

اس شمارہ میں

درسِ قرآن

اصغر علی امام مہدی السلفی

باطل کے مقابلے میں اہل حق کی ذمہ داری

یریدون أن یطفئوا نور اللّٰہ بأفواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون۔ (سورہ صف) (کافر و مشرک) چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں، اور اللہ تعالیٰ کافروں کے علی الرغم اپنے نور پورا کرنا چاہتا ہے۔

اسلام ہی دین حق ہے، وہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے، جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا نور ہے جس کی روشنی سے ظلم وجہالت اور شرک وبت پرستی کی تاریکیاں کافور ہوجاتی ہیں۔ لیکن ظالم و باغی کبھی نہیں چاہتا کہ نور الٰہی کی ضیاپاشیاں چہار دانگ عالم کو روشن کریں کیونکہ اسے روشنی سے بیر ہے، اسی لئے وہ اس نور حق کو مٹانے کے لئے اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ حق کے مقابلے میں آکھڑا ہوتا ہے، اور اس روشنی کو بجھا دینا چاہتا ہے، کفر و باطل کی سخت آندھیاں اور بلاخیز طوفان مشرق و مغرب اور شمال و جنوب ہر چہار جانب سے اس شمع حق کو بجھانے کے درپے ہوجاتی ہیں کہ۔ الکفر ملۃ واحدۃ۔ مگر وعدۂ ربانی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور پورا ہوکر رہے گا اور مخالفت کی ساری آندھیاں اور زور آزمائیاں بیکار ہوجائیں گی، کفر و شرک اور ظلم و قہر کے طوفان تھوڑی دیر تک اہل حق کے لئے باعث ابتلاء و آزمائش بن جائیں، مگر انجام کار کے طور پر سربلندی و سرخروئی اہل حق ہی کو حاصل ہوتی ہے، اور باطل کو منہ کی کھانی پڑتی ہے، نور الٰہی کو بجھانے کے لئے ان کی مثال ویسے ہی ہے جیسے کوئی اپنی پھونکوں سے شمس و قمر کی روشنی کو بجھا دینا چاہتا ہے۔ ظاہر بات ہے اس کی اس کوشش کا انجام نامرادی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہ۔ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حق وباطل کی کشمکش کی تاریخ بہت قدیم ہے اور طویل بھی، باطل کی جد وجہد حق کے خلاف اور اہل حق کا جہاد کفر وشرک کے خلاف ایک مسلسل امر ہے قوم نوح کی غرقابی کا واقعہ ہو یا قوم لوط کی بستیوں کا الٹنا، بنی اسرائیل کے خلاف فرعون کی ظلم وزیادتی اور نسل کشی یسومونکم سوء العذاب ویذبحون ابناءکم ویستحیون نساءکم قرآن کریم کا بیان اس پر شاہد عدل ہے مگر اس میں جہاں باطل کی زیادتیوں کا انجام بد معلوم ہے وہیں اہل ایمان کی دور ابتلاء وآزمائش سے گذرنے کا واقعہ بھی ہے۔ وفی ذلك بلاء من ربکم عظیم۔

یہ سچ ہے کہ باطل طاقتیں اپنے زور بازو سے نور حق کو مٹا نہیں سکتی بلکہ وہ پورا ہو کر رہے گا، اور اس کی ضیاء پاش کرنیں عالم کی تاریکی کو مٹا کر اس کو بقعۂ نور بنا دیں گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحابۂ کرام کی ایک چھوٹی سی جماعت نے جب ایمان وعمل سے سرشار ہو کر اس کی حفاظت اور اس کے نشر واشاعت کا بیڑا اٹھایا تو دیکھتے ہی دیکھتے مشرق ومغرب کی تاریکیاں چھٹ گئیں اور ہر سو نور حق پھیل گیا، لوگ اس نور سے فیضیاب ہو کر عزت ورفعت کی بلندیوں کی انتہا کو پہونچ گئے، اور اس کو ٹھکرانے والے ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار ہو گئے۔

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ضرور یہ دین ہر جگہ پھیل جائے گا، کوئی بھی گھر چاہے وہ گارے مٹی کا بنا ہو یا گھاس پھوس کا، اللہ تعالیٰ اس میں بھی اس دین کو پہونچا دے گا۔ عزت دار لوگ عزت پا جائیں گے اور ذلیل لوگ رسوا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اسلام کو عزت بخشے گا اور کفر کو ذلیل وخوار کرے گا۔

حضرت تمیم داری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے اہل خانہ پر خوب صادق آئی ان میں سے جو لوگ مسلمان ہو گئے ان کو عزت وشرف اور خیر وبرکت حاصل ہو گئی، اور جو لوگ کفر پر اڑے رہے وہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہوئے اور ذلیل بن کر جزیہ ادا کرنا پڑا۔ (احمد)

اب اگر اہل ایمان کو اس عزت ورفعت کے علاوہ کسی اور چیز سے سابقہ ہے تو ان کو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہئے۔ ایسا تو نہیں کہ ہم باہمہ دعوائے ایمان ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

درسِ حدیث

اصغر علی امام مہدی السلفی

جھوٹ منافق کی علامت ہے

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: آیۃ المنافق ثلاث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان۔ (رواہ البخاری)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: منافق کی تین علامتیں ہیں، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

صحیح اسلامی تربیت، اخلاق کریمانہ، بہترین صفات اور اچھی خصلتوں سے قومیں پروان چڑھتی ہیں صالح معاشرہ وجود پذیر ہوتا ہے، اور تہذیب وتمدن کی گاڑی آگے بڑھتی ہے، اور انسان باسعادت وپرسکون زندگی گذارتا ہے اور ہر قسم کے شر وفساد سے دور رہتا ہے۔

اسی لئے نبی کریمؐ نے اخلاق فاضلہ اور بہترین تعلیم وتربیت حکیمانہ فرمودات وارشادات اور بیش بہا قیمتی نصائح کے ساتھ اس دنیا میں تشریف لائے اور انسانیت کو تمام رذائل سے نکال کر فضائل کے اعلیٰ درجہ پر فائز کیا، آپ کا فرمان ہے" انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق " میں مکارم اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

آپ خود مکارمِ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز تھے۔ انک لعلیٰ خلق عظیم۔ اور آپ نے عملی وتربیتی طور پر اس کی تعلیم دی، ہر وہ چیز جو اخلاق سے گری ہوئی ہو، حیا سوز اور انسانیت کے منافی ہو آپ نے اس سے روکا، اور اسکی قباحتوں سے بیان فرمایا، اسلئے آپ کے زمانہ میں جو صالح معاشرہ پروان چڑھا دنیا نے ویسا معاشرہ پھر نہ دیکھا، اگر کہیں اسکی جھلک نظر آئی تو آپ کی تعلیمات کو اپنانے سے ہی۔

یوں تو نفاق کی اور بھی بہت سی علامتیں ہیں جس کو آپ نے بیان فرمایا ہے مگر مذکورہ حدیث میں تین علامتیں

ں ہیں جن کا وجود کسی بھی معاشرہ کو برباد اور شر و فساد سے بھر دینے کیلئے کافی ہے، درحقیقت ان کو
اق اس لئے کہا گیا کہ تینوں خصلتیں سراسر ایمان کے منافی ہیں، ان بری خصلتوں کے ہوتے ہوئے
بیت کے وجود اور معاشرے کی سدھار اور سکون و راحت کی توقع نہیں کی جاتی ہے، یہی نہیں بلکہ اگر
ں میں سے اگر ایک بات بھی کسی انسان کے اندر پائی جاتی ہے تو گویا کہ وہ نفاق کی علامتوں میں سے
ت سے متصف ہے، اور جب تک اسے ترک نہ کر دے نفاق کا داغ اس سے دھل نہیں سکتا، اور
ملاح کی امید کی جا سکتی ہے ۔ اس میں سب سے پہلی چیز جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا
بیانی و دروغ گوئی ہے، کذب کہتے ہیں حقیقت کے خلاف بات کہنے یا واقع کے خلاف بات کرنے کو ۔
خصلت اور عادت ہے جو کسی طرح بھی کسی قسم کے مسلمان کے شایان شان نہیں، اللہ کے جس بندے کے
خوف خدا ہوگا وہ ان بری خصلتوں سے ہمیشہ دور رہے گا کیونکہ جھوٹ سراپا رذالت ہے جو انسان کے فساد
باطنی کا غماز ہوتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کے اخلاقی پستی اور ذہنی گراوٹ کی دلیل ہے. نفاق کی اصل
ٹ ہے اسلئے مؤمن صادق ممکن نہیں کہ کذاب ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "انما یفتری الکذب
ومنون بآیات اللہ واولئک ھم الکاذبون" جھوٹ وہی لوگ گڑھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں
ں رکھتے، اور حقیقت میں یہی لوگ جھوٹے ہیں ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دریافت کیا گیا کہ کیا
ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں: پوچھا گیا کیا مومن بخیل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں! پوچھا گیا کیا مؤمن جھوٹ
؟ فرمایا: نہیں! معلوم ہوا کہ جھوٹ ایمان کے منافی ہے، اور جو مسلمان ہوتے ہوئے دروغ گوئی کرے
ے ۔ اس آیت اور حدیث کی روشنی میں منافق ہے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم کو جھوٹ
تھی کہ اس سے بڑھ کر مبغوض چیز آپ کی نظر میں کوئی دوسری چیز نہ تھی، اگر کوئی آپ کے پاس ایک جھوٹ بولتا
میں یہ بات بیٹھ جاتی تا آنکہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ اس شخص نے توبہ کر لی ہے، جھوٹ ایک عظیم خیانت ہے
رمایا اس سے بڑھ کر اور کیا خیانت ہو سکتی ہے کہ تم اپنے کسی بھائی سے کوئی بات کہو وہ تم کو سچا سمجھے حالانکہ تم
مختصر یونکہ جھوٹ منافقت کی نشانی ہے، اس سے خبیث حرکت کوئی ہے ہی نہیں! اسی لئے عرب کہتے ہیں رأس الآثام
م گناہوں کی جڑ جھوٹ ہے۔
رتعالیٰ ہر انسان کو کذب و دروغ گوئی سے محفوظ رکھے، اور دل و زبان کی اصلاح فرمائے ۔ آمین ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

اسلام اور عدل

عدل اور ظلم دو متضاد اوصاف ہیں، نوع انسانی کا ہر معاشرہ اور ہر ہر فرد ان کا معنی جانتا ہے، بلکہ بچے بھی ان کے معنی کا صاف احساس رکھتے ہیں، اور وہ اپنی زبان میں کہا کرتے ہیں۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

اور عدل کا معاملہ اس کا الٹا ہے، یعنی عدل کی ٹہنی ہمیشہ پھلتی ہے اور عدل کی کشتی ہمیشہ چلتی ہے عدل اور ظلم کے متعلق انسان کے اس عام احساس و شعور کی وجہ یہ ہے کہ عدل انسان کی فطرت اور خلق میں داخل ہے اور ظلم سے نفرت اس کی طبیعت کا خاصہ ہے، بلکہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ " ان العدل نظام کل شئ " عدل کائنات کی ہر شئ کا نظام و قوام ہے اور اسی کے سہارے قائم و دائم ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: " والسماء رفعها ووضع الميزان ان لاتطغوا فی المیزان " اللہ نے آسمان کو بلند کیا اور ہر شئ کے لئے نظام عدل قائم کیا اور انسان کو حکم دیا کہ تم عدل میں راہ سے نہ ہٹو، گویا اتھاہ پہنائیوں والے آسمان کے اجرام ہوں یا زمین کے نباتات وحیوانات، سب کا وجود و قیام عدل کے نظام پر ہے اور اللہ اور اس کے رسول خاتم الانبیاء والرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید اور احادیث میں نوع انسانی کو عدل کے میزان پر ٹھیک ٹھیک قائم رکھنے کے لئے اعمال کا جو ایک دائمی اور اٹل نظام دیا ہے وہ اسی کائناتی نظام عدل کا ایک حصہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق انسان کو جو ضابطہ اختیار کرنا ہے وہ توحید کا ضابطہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی صفات اور اس کے افعال میں اللہ کو یکتا و بے مثل مانا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے، یہ کائناتی نظام عدل کا اصل الاصول ہے، چنانچہ ضابطۂ توحید پر عمل نہ کرنے اور شرک کرنے کو

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا "انّ الشرک لظلم عظیم" یقیناً شرک سب سے بڑا ظلم ہے اسی طرح اسلام کے وہ تمام ضابطے اور اصول جن کا تعلق انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کی اصلاح سے ہے سب عدل ہی عدل ہیں اور ان کے خلاف جو ضابطہ اور جو راستہ بھی ہے وہ ظلم ہے، چنانچہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں ایسے تمام کاموں کو جو اسلامی اصولوں کے خلاف انجام دیئے جاتے ہیں فسق، فساد، عدوان اور ظلم جیسے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے، جن کے معنی علی الترتیب، عدل واعتدال سے نکل جانا، حد اعتدال سے گذر جانا، اور کسی چیز اور کسی کام کا جو مقام ہو اس کے بجائے دوسرا مقام ان کو دینا۔

عدل پوری کائنات، کائنات کی ہر شئی کا نظام وقوام ہے، اسلام جس ضابطہ کا نام ہے وہ عدل ہی عدل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ انسانی معاشرہ کو فساد اور ظلم وعدوان سے بچانا چاہا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس سلسلہ میں اپنا حکم اس طرح بیان فرمایا ہے۔

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتائی ذی القربی، وینھیٰ عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ (النحل ۹۰)	اللہ حکم دیتا ہے عدل کرنے کا اور احسان کرنے کا اور قرابت داروں کو دینے کا اور بے حیائی اور ناپسندیدہ کام اور ظلم کرنے سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

اللہ کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ کے حکم سے مکہ فتح کیا اور اسے بتوں اور مورتوں سے پاک کیا تاکہ مرکز ارضی میں توحید اور عدل کا جھنڈا لہرایا جائے اس موقع پر آپ کلام اللہ کی یہ آیت پڑھ رہے تھے

وتمت کلمۃ ربک صدقا وعدلا، لامبدل لکلمتہ، وھو السمیع العلیم۔ (الانعام ۱۱۵)	تیرے رب کے کلمات (قرآن واحکام شرع) صدق اور عدل سے کامل ہیں، اس کے کلمات کو کوئی بھی بدل نہیں سکتا، وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

قرآن مجید میں اس موقع پر بھی عدل کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی تاکید کی گئی ہے، جب مومنین کو کسی قوم سے عداوت کے احوال درپیش ہوں، چنانچہ ارشاد ہے:

یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین	اے ایمان لانے والو! اللہ کے لئے کھڑے ہو جایا
للہ شہداء بالقسط، ولا یجرمنکم	کرو انصاف کی گواہی دینے کے لئے، اور کسی قوم
شنآن قوم علیٰ أن لا تعدلوا،	کی عداوت تمہارے لئے اس بات کی باعث نہ
اعدلوا، ھو اقرب للتقویٰ، واتقوا	ہو کہ تم عدل نہ کرو، ہر حال میں عدل کرو، یہی
اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون ۔	تقویٰ سے قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو،
(المائدہ ۸)	تم جو کچھ کرتے ہو اللہ یقیناً سب کے حقائق جانتا ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے نہایت صفائی سے آگاہ فرمایا ہے کہ جب عدل کو چھوڑ کر ظلم اختیار کیا جاتا ہے تو سب سے زیادہ سرعت سے انسان کو اس کی سزا ملتی ہے ۔ آپؐ نے فرمایا :

لیس ذنب اسرع عقوبة من	ظلم اور قطع رحمی سے زیادہ جلدی کسی اور گناہ
البغی وقطیعة الرحم ۔	کی سزا انسان کو نہیں ملتی ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مخزومی عورت نے جس کا نام فاطمہ تھا چوری کی قریشی شرفاء نے آپؐ کے محبوب صحابی اسامہ بن زیدؓ کو آپ کی خدمت میں سفارشی بنایا کہ عورت چوری کی سزا سے بچ جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر لوگوں میں خطبہ دیا اور فرمایا :

یا ایہا الناس انما ضل من کان	لوگو! تم سے پہلے کے لوگ راہ راست سے بھٹک
قبلکم، انہم کانوا اذا سرق الشریف	گئے، جب کوئی شریف چوری کرتا تو وہ اسے
ترکوہ واذا سرق الضعیف	چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور چوری
فیہم اقاموا علیہ الحد وایم	کرتا تو اسے سزا دیتے، اللہ کی قسم ہے اگر
اللہ لو ان فاطمة بنت محمد سرقت	فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرتی تو محمدؐ اس کا
لقطع محمد یدھا ۔ (فتح الباری ۱۲/۸۷)	ہاتھ کاٹتے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دور میں عبداللہ بن سہلؓ نام کے ایک صحابی خیبر میں قتل کر دیئے گئے ان کی لاش ایک گڈھے میں پھینک دی گئی تھی ان کے چچازاد بھائی محیصہؓ اور حویصہؓ وغیرہ نے آپؐ کی خدمت میں اس کا مقدمہ پیش کیا، آپؐ نے ان لوگوں سے فرمایا :

تاتون بالبینة علی من قتله ، قالوا مالنا بینة ، قال : فیحلفون قالوا لانرضی بأیمان الیهود ، فکره رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یبطل دمه فوداه »

(فتح الباری ۱۲/ ۲۳۰)

جس نے انہیں قتل کیا ہے اس کے خلاف دلیل لاؤ، ان لوگوں نے کہا : ہمارے پاس دلیل نہیں ہے، آپ نے فرمایا پھر خیبر کے یہود سے قسم لی جائے گی ، انہوں نے کہا ہم یہود کی قسم سے راضی نہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا کہ ان کا خون رائیگاں جائے چنانچہ ان کا خون بہا آپ نے خود ادا فرمایا ۔

اس طرح شہادت نہ ہونے کی بنا پر آپؐ نے یہود سے بدلہ نہیں لیا جب کہ خیبر میں یہود کے سوا کوئی اور آباد نہ تھا اسلئے قاتل ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا، اسلام کے اس مثالی عدل میں یہ بات خاص طور سے نظر میں رکھنے کی ہے کہ معاملہ ایک مسلمان اور غیر مسلم کا ہے لیکن عدل کو ہر حال میں قائم رکھا گیا ہے ۔

انسانی حقوق و معاملات میں عدل اسلامی کی ایک نہایت جرأتمندانہ مثال عمر فاروقؓ کے دور کا ایک واقعہ ہے ، فاتح مصر اور اسکے گورنر عمروؓ بن العاص کے صاحبزادے محمد نے شہسواری کے ایک مقابلہ میں ایک قبطی اور اسکے گھوڑے کو کوڑا رسید کر دیا کہ میں شریف زادہ ہوں مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش مت کرو ، قبطی نے دربار فاروقی میں اس کی شکایت کی، عمر فاروقؓ نے مصر کے گورنر اور انکے صاحبزادے کو طلب فرمایا پھر قبطی کو بلا کر اس کے ہاتھ میں کوڑا تھمایا اور فرمایا کہ اس شریف زادے نے جیسے تمہارے سر پر مارا تھا ویسے ہی تم بھی مارو ۔ (تاریخ عمر بن الخطاب ۱۱۸)

ایک واقعہ جس کا تعلق خود فاروق اعظمؓ سے ہے ، احنف ابن قیسؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عمر فاروقؓ سے ایک شخص کے ظلم کی شکایت کی اور اس کا بدلہ چاہا ، امیر المؤمنین عمرؓ نے اسے یہ کہہ کر ایک درہ رسید کر دیا کہ جب امیر المؤمنین فارغ ہوتے ہیں تب نہیں آتے اور جب امور خلافت میں مشغول ہوتے ہیں تو آ آ کر شکوہ کرتے ہو ، پھر وہ شخص چلا گیا تو اسے امیر المؤمنین نے طلب فرمایا اور کہا کہ میرے حکم پر عمل کرتے ہوئے تم مجھے ویسے ہی مارو جیسے میں نے تمہیں مارا تھا اس شخص نے کہا میں نے اللہ کیلئے آپ کو چھوڑ دیا ، پھر اپنے گھر تشریف لائے ، ہم لوگ ان کے ساتھ تھے دو رکعت نماز پڑھی اور کہنے لگے :

یا ابن الخطاب کنت وضیعا فرفعک اللہ وکنت ضالا فہداک اللہ ، وکنت ذلیلا

اے ابن خطاب تم پست تھے ، اللہ نے تمہیں بلند کیا تم گمراہ تھے اللہ نے تمہیں ہدایت دی، تم ذلیل تھے

فاعزک اللہ ثم حملک علی رقاب الناس، فجاءک رجل یستعدیک فضربتہ ماتقول لربك غداً اذا أتیتہ ۔ (التاریخ الاسلامی ۳ ۲۰)	اللہ نے تمہیں عزت دی پھر تمہیں حاکم بنایا اب ایک آدمی تمہارے پاس ظلم کا بدلہ چاہنے کیلئے آیا تو تم نے اسے مارا، کل جب تم اپنے رب کے پاس جاؤ گے تو اس کو کیا جواب دو گے ۔

دور نبوت اور خلفاء راشدین کا زمانہ تمام پہلوؤں سے عدل اسلامی کا کامل ترین دور تھا جسے سامنے رکھ کر دنیا کی کوئی بھی قوم کسی بھی زمانہ میں اللہ کی رضا اور شرف انسانیت کی بلندیاں حاصل کر سکتی ہے، ساتھ ہی مسلم ملوک وحکام حقوق ومعاملات انسانی میں عدل گستری کے لئے مجموعی طور پر دیگر اقوام کے حکمرانوں کے مقابلہ میں زیادہ نیک نام ہیں، تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے اور وسیع القلب غیر جانب دار غیر مسلم علماء بھی اسکی شہادت دیتے ہیں تھوڑی مدت میں قلیل انسانی جانوں کے ضیاع کے ساتھ دنیا کے بہت بڑے خطے پر مسلمانوں کی حکمرانی میں عدل و انصاف اور مساوات کا بہت بڑا دخل تھا، خود ہندوستان میں مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال حکومت کی ہے، اس عرصہ میں مسلم حکمرانوں کے عدل وانصاف اور مساوات کے زیر سایہ ہندو قوم تاریک دور سے نکل کر علم وثقافت اور تہذیب وتمدن کے روشن دور میں داخل ہو کر نہایت امن وراحت کی زندگی گذارنے لگی، لیکن عیسائی حکمرانوں کا عدل وانصاف ملاحظہ کیجئے کہ اندلس میں انہوں نے ایک مسلمان بھی باقی نہ چھوڑا جہاں انکی بہت بڑی تعداد صدیوں سے آباد تھی ۔

کسی بھی انسانی معاشرہ میں حقوق ومعاملات انسانی میں عدل وانصاف اور مساوات کو جوہری اہمیت حاصل ہے کہ ان کے قیام پر معاشرہ کا قیام اور انکے فقدان پر معاشرہ کا فنا ہو جانا لازم ہے۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ " دنیا میں انسانی امور ایسے عدل کے ساتھ کہ جس میں گناہوں کے بہت سے اقسام کا اشتراک ہو، حقوق انسانی میں ظلم کی نسبت زیادہ درست رہتے ہیں گو کسی گناہ میں اس کا اشتراک نہ ہو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ: اللہ عدل پرور حکومت کو قائم رکھتا ہے گو وہ کافر ہو اور ظالم حکومت کو قائم نہیں رکھتا گو وہ مسلمہ ہو، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "دنیا عدل اور کفر کے ساتھ باقی رہے گی لیکن ظلم اور اسلام کے ساتھ باقی نہیں رہیگی لہذا جب دنیا کے معاملات عدل کے ساتھ قائم کئے جائیں گے تو دنیا قائم رہیگی گو اس حکمراں کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو، اور جب دنیا کے معاملات عدل کے ساتھ قائم نہیں کئے جائیں گے تو دنیا قائم نہیں رہے گی گو اس کا حکمراں ایسا صاحب ایمان ہو کہ آخرت میں اسے اس کی جزا ملے" ...

جامعہ سلفیہ کی سیرت کانفرنس اور بعض شرکاء کے تأثرات

از : مقتدیٰ حسن ازہری

تأثرات کا تنوع

جامعہ کی سیرت کانفرنس پر متعدد حلقوں کی طرف سے مختلف تأثرات کا اظہار کیا گیا ہے جسے کانفرنس کے منتظمین نیک نیتی پر محمول کرتے ہوئے اظہار خیال کرنے والوں کے شکرگذار ہیں اور حوصلہ رکھتے ہیں کہ آئندہ پروگراموں میں مثبت تنقید وتجویز سے استفادہ کریں گے۔ جس طرح ہر تحریر لکھنے والے کے ذہن ومزاج کی عکاس ہوتی ہے، اسی طرح سیرت کانفرنس پر شائع ہونے والے تبصرے بھی اپنے مبصرین کے مزاج اور افتاد طبع کے ترجمان ہیں۔ بعض مبصرین نے مدح کے پہلو کو اجاگر کیا ہے، اور بعض نے نقص کو اہمیت دی ہے، اور بعض رسمی طور پر ستائش کرکے گذر گئے ہیں۔ اس طرح کے ردعمل ہر کام پر متوقع ہیں، اسلئے ان کے کسی خاص جواب یا توجیہ کی حاجت نہیں، پھر بھی ان تبصروں میں بعض باتیں اس انداز کی آگئی ہیں جن پر کچھ عرض کردینے سے کانفرنس کے منتظمین کا نقطہ نظر اور ان کی بعض مجبوریاں سامنے آجائیں گی جس کے نتیجہ میں کچھ تنقیدیں اور تجویزیں خود بخود ختم ہوجائیں گی۔

کانفرنس کا ماحول

کہتے ہیں کہ ساحل سے دریا کے تلاطم کا نظارہ کچھ اور ہے، اور دریا میں اتر کر موجوں کے تھپیڑے کھانا کچھ اور۔ یہی فرق کسی کام کے کرنے اور اس پر رائے زنی کرنے والے کے مابین ہوتا ہے، پھر بھی ہر رائے کی قیمت اور وزن مسلم ہے۔ سیرت کانفرنس پر تبصرہ کرنے والوں کی بعض باتیں اسی قبیل کی ہیں کہ انہوں نے کانفرنس سے پہلے کے حالات کا دقت پسندی سے اندازہ کئے بغیر رائے کا اظہار کر دیا ہے جس

ٰ وجہ سے اس کا وزن کم ہوگیا ہے ۔

ان حالات میں سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ جامعہ سلفیہ کے قیام سے لے کر نومبر ۱۹۸۹ء تک مولانا عبدالوحید سلفی رحمہ اللہ اس کے ناظم اعلیٰ تھے اور ان ہی کی نگرانی و مشورہ سے اس نوعیت کے تمام پروگرام انجام پذیر ہوتے تھے ، ان پروگراموں میں جو نشیب و فراز سامنے آتے تھے ان کا بعد کے پروگراموں میں موصوف لحاظ کرتے تھے ۔ سیتیر کانفرنس موصوف کی وفات کے بعد پہلا بڑا پروگرام تھا جس کو ان کے جانشینوں نے ان کے طرز پر انجام دینے کی کوشش کی ، اور اللہ کے فضل و کرم سے ان کو کامیابی حاصل ہوئی ۔ پچھلے پروگراموں میں بعض امور قابل توجہ نظر آئے تھے ، اس پروگرام میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں کہا جاسکتا ، سب لوگوں کو اطمینان اس بات کا ہے کہ جامعہ کے سابق ناظم اعلیٰ نے جامعہ کی ترقی کے لئے جو خطوط متعین کئے تھے ان پر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ذمہ داران آگے بڑھ رہے ہیں ۔

دوسری چیز شہر اور صوبہ کے غیر یقینی حالات تھے منتظمین نے موسم کے اعتدال کو اہمیت دی ، لیکن ان کی نظر اس بات کی طرف نہیں گئی کہ بابری مسجد سے متعلق دشمنوں کی سازش کے بعد اب ہر سال اکتوبر و نومبر کے مہینے مخدوش ہوگئے ہیں ۔ کانفرنس کے لئے دعوت ناموں کے اجراء کے بعد بعض امور سامنے آئے تو اندیشہ بڑھنے لگا کہ کانفرنس متاثر ہوسکتی ہے ، لہذا منتظمین نے دانستہ طور پر اعلان و اشتہار کا عمل محدود کردیا ، جس کی مخلصین نے شکایت کی ، اور بعض لوگوں نے اسے تجربہ کی کمی یا ناواقفیت پر محمول کیا ، لیکن حقیقت یہ نہ تھی ۔ دعوت ناموں کے اجراء کے بعد منتظمین کو حالات کی ناہمواری کا احساس ہوا تو اب ان کے پیش نظر صرف یہ بات تھی کہ کانفرنس کسی طرح اعلان شدہ تاریخوں میں منعقد ہوجائے خواہ شایان شان نہ ہو ۔

جب تاریخ انعقاد زیادہ قریب آگئی تو منتظمین کے سامنے ایک بالکل غیر متوقع صورت آگئی جس نے ان کے عزم و احساس کو سخت دھچکا لگایا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو منتظمین حوصلہ ہار دیتے اور ان کی جگہ جو بھی ہوتا اس کا یہی حال ہوتا ۔ ہوا یہ کہ کانفرنس کی صدارت کے لئے حرم مکی کے امام شیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ کے نام کی تجویز تھی ، اور موصوف محترم نے اس کی باقاعدہ منظوری دیدی تھی ، خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز ایدہ اللہ کی طرف سے بھی ان کی شرکت کی منظوری مکمل تھی ، چند روز ذمہ دار حضرات کی طرف سے فون کے ذریعہ منتظمین کو یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ امام موصوف بذریعہ خصوصی طیارہ

ارس پہونچیں گے، سب لوگ سراپا شوق تیاریوں میں مصروف تھے، لیکن انعقاد کا وقت جوں جوں قریب آتا گیا یہ شوق سی میں تبدیل ہونے لگا، اور اخیر میں یہ خبر ملی کہ دونوں حکومتوں کے مابین امام موصوف کی آمد سے متعلق اتفاق یں ہو پارہا ہے، پھر بھی یہ ممکن ہے کہ کسی بھی وقت امام صاحب بنارس پہونچ جائیں۔ کانفرنس اتوار کو شروع ہونے لی تھی، سنیچر تک منتظمین امید و یاس کی کشمکش میں گرفتار رہے، اور جو آرزو تقریباً ایک ہفتہ سے ان کے ں میں جوان تھی، وہ بالکل آخری لمحات میں شکست وریخت سے دوچار ہوتی نظر آرہی تھی، اس صورت حال بہت سخت اثر کانفرنس کے جملہ پروگراموں پر ہوا، اور جن لوگوں نے بھی کوئی خدمت انجام دی بجھے بجھے دل سے جام دی۔ ہم ہندوستانیوں کے لئے یہ چیز بیحد تعجب انگیز اور افسوسناک تھی کہ ایک خالص مذہبی پروگرام میں شرکت کے لئے حرم شریف کے امام کو اجازت نہ ملے۔ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ متعدد بیرونی مندوبین کی طرف ے یہ اطلاع بھی ملی کہ ان کو ہندوستان آنے کے لئے اجازت نہیں مل پارہی ہے، اور جو چند حضرات آگئے ہیں وہ ش قسمت ہیں، اور ان سے خوش قسمت کانفرنس کے منتظمین ہیں کہ ان کا پروگرام عرب علماء کے وجود سے کلی طور پر روم نہ رہا ورنہ ہماری حکومت کے ذمہ داروں نے معاملہ کو جس نظر سے دیکھا تھا اس کے بعد کسی بھی بیرونی مندوب ا پہنچنا مشکل تھا۔

یہ ہیں وہ چند امور جن کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمیں یقین ہے کہ ان بہت سی تجاویز اور تاثرات کا رخ خودبخود دل جائے گا، اور جو کچھ کانفرنس کے اسٹیج پر ہوا اس کے لئے معقول وجہ جواز مل جائے گی، پھر بھی ذیل میں چند امور ی وضاحت ضروری ہے۔

اخباری نمائندے

ایک تبصرہ نگار نے کانفرنس میں اخبارات کے نمائندوں اور نشر و اشاعت کی کی کمی کا شکوہ کیا ہے۔

کسی عوامی اجتماع کے لئے پریس کے نمائندگان اور نشر و اشاعت کی اہمیت کسی سے مخفی نہیں، لیکن جب کئی مصیبتیں سامنے ہوں تو انسان چھوٹی مصیبت جھیل کر بڑی مصیبت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، دینی اجتماعات میں پریس والوں کا کردار جیسا کچھ ہوتا ہے اس سے اکثر لوگ واقف ہیں، خود جامعہ کے ذمہ داروں کو اخباری نمائندوں کا جو تجربہ ہے اس سے واقفیت کے بعد ہر باہوش آدمی یہی فیصلہ کرے گا کہ اس طرح کے خالص مذہبی اجتماعات سے یہ طبقہ جس قدر دور رہے بہتر ہے۔ البتہ اگر اعلان و اشتہار کی ضرورت محسوس کی جائے

تو اس کے لئے اپنی مرضی کے مناسب وسائل اختیار کرلئے جائیں۔ نشر واشاعت کے میدان میں جو کمی ہمارے بعض مبصرین کو نظر آئی ہے اس کا ایک سبب وہ بھی تھا جس کی طرف ہم نے سابقہ سطور میں اشارہ کیا ہے۔۔

لہذا پریس رپورٹوں کی قلت یا نشر واشاعت کی کمی ایسا کوئی مسئلہ نہیں جس پر توجہ دلائی جائے اس سلسلہ میں کانفرنس کے منتظمین نے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر ایک راہِ عمل متعین کی تھی، اور اسی کے مطابق انہوں نے اپنے پروگرام کو انجام دیا، اس سلسلہ میں ان کے سامنے کوئی غیر متوقع صورت نہیں آئی کہ انھیں اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہو۔

بیرونی علمار کی شرکت

ایک رائے یہ ہے کہ پہلے کے عربی مدارس ہندوستان سے باہر کے علماء کو مدعو نہیں کرتے تھے، اور بڑی خاموشی سے اپنے جلسے یا علمی مذاکرے منعقد کرتے تھے۔

ہر دور کے حالات یقیناً الگ ہوتے ہیں، جلسوں کو خاموشی سے منعقد کرنا مفید نہیں، البتہ اعلان کے وسائل مناسب ہونا چاہیے، پہلے جس قدر وسائل فراہم تھے ان کے مطابق پورا اشتہار دیا جاتا تھا، پرانے جرائد و مجلات سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔

جلسوں میں عرب علمار کی آمد کا جہاں تک مسئلہ ہے تو پہلے ہندی مسلمانوں کے باہر کے تعلقات اس حد تک پختہ نہیں تھے کہ وہاں کے علمار کو جلسوں میں بلائیں، اور خود وہ علمار بھی شاید اس مقصد سے آنے کا جذبہ نہیں رکھتے تھے، لیکن عرب دنیا میں علمی و دینی ترقی عمل میں آئی تو وہاں کے ذمہ دار حضرات نے تعلیم و تبلیغ کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے امکانات کے مطابق باہر بھی کام کا منصوبہ بنایا اور اس کے اچھے نتائج سامنے آئے، تعلقات کی اس استواری میں نمایاں پہلو تو مادی رنگ رکھتا ہے، لیکن غور سے دیکھا جائے تو اس کا علمی و روحانی پہلو بھی غالب و مضبوط ہے، پہلے کے مدارس جن حالات میں سمٹ کر کام کرتے تھے اس کے لئے وہ قابل تعریف ہیں، اور آج کے مدارس اپنے پروگراموں کی توسیع کا جو حوصلہ رکھتے ہیں وہ بھی اچھا ہے، البتہ ضروری ہے کہ دینی اداروں میں معنویات پر توجہ زیادہ رہے، اور ظاہری شان و شوکت کو اہمیت نہ دی جائے۔

قیام وطعام کا مسئلہ

سیرت کانفرنس کے لئے قیام وطعام کا جو انتظام ذمہ داروں نے سوچا تھا اسی کے مطابق عمل کیا ، اور اسی طرح کا انتظام سابق ناظم اعلیٰ ؒمہ اللہ کے عہد میں بھی کئی پروگراموں میں تھا ۔ کانفرنس کے منتظمین کو اطمینان تھا کہ چونکہ جامعہ مرکزی ادارہ ہے ، اور جماعت کو اس سے لگاؤ ہے اس لئے اپنے مرکزی ادارہ کے لئے حاضرین کرام انتظام کی یہ صورت گوارا رالیں گے ، لیکن تجربہ یہ ہوا کہ ابھی لوگ اس قربانی کے لئے تیار نہیں ہیں ، لہذا جامعہ سلفیہ کے منتظمین کو آئندہ ھر اسی صورت حال سے دوچار ہونا ہوگا جو ۱۹۸۰ء کی دعوت وتعلیم کانفرنس میں پیش آئی تھی ۔

تبلیغی اجتماعات سے ملت وجماعت کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور جماعت کے مرکزی ادارہ کے لئے ں کی کوئی اہمیت ہے تو پھر افراد جماعت کو سوچنا چاہیئے کہ کھانے کی انتظام کی ذمہ داری ادارہ پر ڈالنے کے لئے صرار کس حد تک مناسب ہے ؟ ۔

اس سلسلہ میں ایک تجویز یہ آتی ہے کہ جلسہ گاہ کے قرب وجوار میں ہوٹلوں کا انتظام ضرور ہونا چاہیئے اکہ لوگ پریشان نہ ہوں ۔ اس تجویز پر عمل کی جو دشواری ہے وہ شاید نظر میں نہیں ۔ جامعہ سلفیہ کے ایک سمت شرک دوسری سمت ایسے افراد کی آبادی جو کسی بھی معاملہ میں جامعہ کے ساتھ تعاون نہیں کرسکتے ، بقیہ دو سمتوں ہیں قبرستان ہے اور اندر اتنی گنجائش نہیں کہ جلسہ کے علاوہ کوئی اور کام ہوسکے ، اب ایسی صورت میں ہوٹل کا انتظام کہاں کیا جائے کہ شرکاء کی پریشانی ختم ہو ؟

اس معاملہ کا ایک رخ ہوٹل والوں کی آمادگی کا ہے ، انہیں جب یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ کسی اجتماع کے لئے ہوٹل کا انتظام کرنا ہے تو وہ اس نوعیت کی شرطیں پیش کرتے ہیں جو ناقابلِ قبول ہوتی ہیں ، اور ان کا انتظام کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ شکایتوں کے جس ریلے سے بچنے کے لئے یہ انتظام ہوتا ہے وہ کسی اور شکل میں سامنے آجاتا ہے ۔

ہماری نظر میں یہ بات متعین ہے کہ دعوتی وعلمی پروگراموں میں منتظمین پر اگر کھانے کے انتظام کی ذمہ داری بھی ڈالی جائے گی تو اس کے نتائج کبھی خوشگوار نہ ہوں گے ، خواہ شرکاء کو سہولت ہو یا تکلیف ۔

افتتاحی اجلاس

کسی کانفرنس یا علمی مذاکرہ کے لئے جو دعوت نامے جاری کئے جاتے ہیں، ان میں یہ تخصیص نہیں ہوتی کہ افتتاحی اجلاس میں شرکت کی دعوت ہے، البتہ جو لوگ معروف ہوتے ہیں وہ خاطر داری کے لئے افتتاحی اجلاس میں شرکت پر اکتفا کرتے ہیں، افتتاحی جلسوں کے لئے کچھ ایسے لوگ ضرور بلائے جاتے ہیں جو ظاہری طور پر جاہ و دبدبہ والے ہوتے ہیں ورنہ جملہ مدعوین ذمہ داری ہوتے ہیں۔ افتتاحی اجلاس کو بقیہ پروگراموں کی تمہید کہہ سکتے ہیں لیکن تعارف نہیں، کیونکہ بعد کے پروگراموں کا علمی و دعوتی رنگ افتتاحی پروگرام میں نہیں ہوتا بلکہ اس میں زیادہ تر ظاہرداری ہوتی ہے۔

جہاں تک افتتاحی اجلاس کے لئے وقت کی تعیین کا مسئلہ ہے تو یہ اختیاری امر ہے، اس کے لئے کسی عرف یا دستور کا حوالہ نہیں دیا سکتا۔ سیرۃ کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں جو بات ملحوظ تھی وہ یہ کہ عرب وفود عام طور پر نہیں پہونچ سکے، اور جو لوگ آئے ہیں وہ مختلف ملکوں اور اداروں کی نمائندگی کرتے ہیں، اس لئے مناسب ہوگا کہ انہیں افتتاحی اجلاس پانچ پانچ منٹ کا وقت دیدیا جائے۔ اگر عرب وفود زیادہ ہوتے تو منتظمین کو اختصار کا موقع آسانی سے مل جاتا۔ ایک یا دو مہمانوں کے علاوہ سب نے اس کی پابندی بھی کی۔ طول کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ صدر اجلاس شیخ عبودی صاحب اجلاس کے بعد رخصت ہونے والے تھے، لہذا ان کو زیادہ وقت دینا پڑا، ان کی تقریر کے ترجمہ میں بھی وقت لگا، اور ایک وجہ یہ بھی کہ شیخ عبدالصمد الکاتب حفظہ اللہ ایک پرجوش مبلغ ہیں، ان کی نظر میں رسمیات کی اہمیت نہیں، وہ کیرالا سے کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، ان کو جامعہ نے مدینہ منورہ کے پتہ پر دعوت نامہ بھیجا تھا، لیکن چھٹی کی وجہ سے انہیں نہیں ملا جس کا انہوں نے تذکرہ بھی کیا۔ موصوف جب کھڑے ہوئے، سلفی ادارے میں بڑا اجتماع دیکھا اور سیرت کے موضوع پر کانفرنس کے انعقاد کو ملحوظ کیا تو ان کی زبان رواں ہوگئی، اور جوش میں دیر تک بولتے رہے سیرت کے موضوع پر موصوف کا مطالعہ بھی گہرا ہے اس لئے انہیں وقت کا احساس نہیں ہوا، اور اگر ہوا بھی تو اس کی انہوں نے پرواہ نہ کی، دعوتی و علمی اجتماعات میں دو گھنٹے تین گھنٹے کی بات نہیں بلکہ " لذیذ بود حکایت دراز ترگفتیم" والی بات ہے۔

مستقبل کے مشاریع

عرب دنیا سے دینی مدارس کے تعلقات استوار ہونے کے بعد مدارس کو اپنا دائرہ عمل وسیع کرنے کا موقع ملا، اس سلسلہ میں تعمیری ترقی بھی ہوئی، اور

تعلیمی بھی۔ اس صورت حال سے فائدہ اٹھانے کے لئے چھوٹے چھوٹے مدرسوں نے بڑے بڑے منصوبوں کا تذکرہ شروع کر دیا جن کی نہ تو ضرورت تھی نہ ان کی تکمیل کے لئے ان میں قدرت تھی، مقصد یہ تھا کہ اس طرح معاونین کو مائل کیا جائے۔ جامعہ سلفیہ نے خیالی منصوبوں کے تذکرہ سے ہمیشہ احتراز کیا، اور جن منصوبوں کا تذکرہ کیا، ان کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی، پھر بھی ہمیں اعتراف ہے کہ بعض منصوبوں کو ہم عملی جامہ نہ پہنا سکے یا وقت پر ان کی تکمیل نہ کر سکے۔

دوسری طرف ایک افسوسناک صورت حال یہ سامنے آئی کہ جامعہ سلفیہ کی تعلیمی و تعمیری ترقی دیکھ کر اس کا مزید تعاون کرنے کی جگہ بعض ذمہ دار افراد نے اپنی توجہ کا رخ دوسری طرف موڑ دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جامعہ کی ترقی کی رفتار متاثر ہوئی۔

جامعہ کے ذمہ داروں نے ریوڑی تالاب کے تنگ علاقہ سے نکل کر بنارس سے مغرب میں دس کیلو میٹر کی دوری پر جی ٹی روڈ کے کنارے ایک وسیع رقبہ اراضی خریدا تھا، اور منصوبہ تھا کہ اسی جگہ تمام تعلیمی پروگراموں کو منتقل کیا جائے گا، لیکن مذہبی تعصب بلکہ جنون و دشمنی کی وجہ سے یہ خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔

ان تمام امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ لوگوں کو متاثر کرنے کیلئے بار بار خیالی منصوبوں کا ذکر کیا جائے، اگر اللہ تعالیٰ کی مدد اور مخلص معاونین کا تعاون حاصل رہے گا تو منصوبوں کا رعب ڈالے بغیر کام آگے بڑھتا رہے گا۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو سیرت کانفرنس کے خطبۂ استقبالیہ میں سات آٹھ مقام پر سنجیدگی کے ساتھ مستقبل کے منصوبوں کا تذکرہ ہے، اور جب حالات اجازت دیں گے اور ذمہ داران مناسب سمجھیں گے تو ان شاء اللہ ان کی تفصیل بھی سامنے آجائے گی۔ ادارہ کو واقعیت پسندی کے ساتھ چلانے میں کوئی قباحت نہیں ہے، نہ بڑے بڑے توسیعی منصوبوں کا تذکرہ کرنے میں کوئی خوبی ہے۔ اداروں کی تاریخ میں نشیب و فراز اسی طرح آتے رہتے ہیں جس طرح افراد کی زندگی میں، تدریجی طور پر ہونے والی ترقی کو زیادہ ثبات ملتا ہے، اور اسی سے زیادہ فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

مسلک سلف کی ترجمانی

ہمارا یہ ایمان ہے کہ جماعت اہل حدیث کے تمام اداروں کو خواہ وہ مرکزی ہوں یا غیر مرکزی، اور جمعیۃ اہلحدیث کی سرپرستی میں ہوں یا اس سے باہر، مسلک سلف کا ترجمان ہونا چاہئے، اس کے لئے کسی ادارہ کی تخصیص نہیں بلکہ تمام جماعتی اداروں کا یہ فرض ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ بعض ادارے مسلک سلف کی علانیہ مخالفت کے باوجود اہلحدیث باقی رہتے ہیں، اور بعض اداروں کو کسی موہوم بنیاد پر مسلک سلف کی مخالفت کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے، جامعہ سلفیہ سے دانستہ مسلک سلف کی مخالفت کبھی نہیں ہوئی، بشری کمزوری سے ہوسکتی ہے۔

رہا سیرت کانفرنس میں سید حامد صاحب یا کسی اور کی زبانی مسلک سلف کے خلاف کسی بات کا آجانا تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ سیرت کانفرنس میں صرف جماعت کے افراد کو مدعو کرنے کا التزام نہیں تھا، اور جب دوسری جماعت کے لوگ آئیں گے تو یقینا اپنے مسلک کے مطابق بولیں گے، لیکن کسی کا مسلک سلف کے خلاف کچھ کہنا اور بات ہے، اور جامعہ سلفیہ کا اس سے متفق ہونا دوسری بات، دونوں کے مابین فرق کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کانفرنس اور مذاکرہ کے ماحول کو ذہن میں رکھا جائے تو مسلک کے تعلق سے اس قدر بے چینی نہ ہو، اس نوعیت کی مجلسوں میں دلائل کے ذریعہ بات کہنے اور دوسروں کو سمجھانے کا موقع ہوتا ہے، لیکن ہم کو اصرار ہوتا ہے کہ دوسروں سے بزور اپنی بات منوائیں۔

پھر مسلک سلف کے تحفظ کا مسئلہ کسی کانفرنس یا اسٹیج سے مربوط نہیں، اس مسلک کے اصول ومقام کو زندگی میں جاری وساری کرنے کی ضرورت ہے۔ جن باغیرت لوگوں کو جامعہ سلفیہ سے لگاؤ ہے اور یہاں مسلک سلف کے خلاف کوئی بات دیکھ کر ان کو تکلیف ہوتی ہے، ان کو مسلک سلف کو اسٹیج تک محدود نہیں رکھنا چاہئے، اسی اسٹیج پر جماعت کے ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کے عمل سے صرف مسلک ہی نہیں بلکہ اسلام کو ٹھیس پہونچتی ہے لیکن کوئی غیرتمندان سے کچھ نہیں کہتا۔ مسلک سلف کی مخالفت کی بات اس طرح ذکر کی جاتی ہے گویا جامعہ کے ذمہ دار یا کانفرنس کے کارکن اسے بالقصد عمل میں لاتے ہیں۔

فیضی کا صاحب لولاک والا شعر سید حامد صاحب کے پڑھنے کے بعد جو مقالہ پڑھا گیا اور اس میں جس طرح حدیث لولاک پر تنقید کی گئی وہ بہت صحیح تھی، کانفرنس میں ایسا ہی ہونا چاہئے، اما ذفسر نے اس مقالہ نگا

ی تردید نہیں کی تھی، نہ وہ اس معاملہ میں کسی طرح کی مداہنت کے حامی تھے، بلکہ ان کا کہنا صرف یہ تھا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس حدیث کو موضوع لکھنے کے باوجود اس کے مفہوم کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ اس کی صحیح توجیہ کی جاسکتی ہے، اور یہ بات سیرت کے اس رسالہ کے حاشیہ میں بھی موجود ہے جسے جامعہ سلفیہ نے کانفرنس کے موقع پر تقسیم کیا تھا۔ اناؤنسر کو حکم کا فریضہ انجام دینا مناسب نہیں، وہ اپنی طرف سے کوئی رائے دے سکتا ہے یا تبصرہ کرسکتا ہے، لیکن فیصلہ سامعین پر چھوڑنا مناسب ہے۔

اسٹیج پر ذمہ دار علماء کی موجودگی جامعہ سلفیہ میں جب کوئی پروگرام منعقد ہوتا ہے تو جماعت کے مقامی افراد اور جامعہ کے اساتذہ و طلبہ جملہ انتظامات سنبھالتے ہیں، اور اجلاس شروع ہونے کے بعد جو لوگ جلسہ گاہ یا اسٹیج پر آسکتے ہیں آجاتے ہیں ورنہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اجلاس میں صحیح یا غلط خیالات پر نگراں رکھنے کی ذمہ داری صدر اجلاس اور اناؤنسر کی ہوتی ہے، علماء کی کسی مزید جماعت کا وجود ضروری نہیں۔ مسلک وعقیدہ کے خلاف اگر کوئی بات آئے گی تو اس کی ذمہ داری اس بات کے کہنے والے پر ہوگی، وہ اسٹیج یا اجلاس یا ادارہ کا ترجمان نہیں ہوسکتا، اور فی الفور تردید کی جو بات کہی جاتی ہے اس کے لئے مناسب صورت اسٹیج پر کسی عالم کے موجود ہوئے بغیر بھی پیدا کی جاسکتی ہے۔ جامعہ سلفیہ نے اسٹیج کی اہمیت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا، مجبوری کی بات الگ ہے۔ لیکن جماعت کے دوسرے جلسوں کی بات ہم لوگ نہیں کہہ سکتے کہ وہاں کیا ہوتا ہے۔

مسلم یونیورسٹی کا وفد سیرت کانفرنس میں صرف شعبۂ دینیات اور شعبۂ عربی ہی سے متعلق لوگ شریک نہ تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شعبۂ دینیات کا کوئی فرد شریک نہ تھا، بلکہ شعبۂ عربی، شعبۂ اسلامیات، شعبۂ سیاسیات اور شعبۂ دراسات غرب ایشیا کے اساتذہ شریک تھے، جہاں تک ان لوگوں پر "علوم عصریہ کے کاملین" کے لقب کے منطبق ہونے کا سوال ہے تو اس سلسلے میں گذارش ہے کہ یونیورسٹی سے تعلق کے بعد علوم عصریہ کے واقف یا کامل کہنا صحیح ہوجاتا ہے جس طرح کسی مولوی کو "سرسید" کے خطاب سے نوازنا صحیح ہے۔ مزید یہ کہ دراسات غرب ایشیا، سیاسیات اور اسلامیات میں ایسے علوم پڑھائے جاتے ہیں جن کو علوم عصریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص عربی مدرسہ سے فراغت کے بعد

عصری جامعہ میں جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسے علوم عصریہ کا کامل یا ماہر کہنا غلط ہے، کانفرنس کو علوم قدیم وجدیدہ کا سنگم کہنا بھی اتنا بڑا مبالغہ نہیں جسے درگذر نہ کیا جاسکے، جماعتی پرچوں میں آئے دن اس سے بڑے بڑے مبالغے چھپتے رہتے ہیں۔ جامعہ سلفیہ نے اپنے پروگراموں میں اکثر مختلف یونیورسٹیوں کے اساتذہ کو مدعو کیا ہے، لیکن ایسا تعلی وتفاخر کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ دونوں قسم کے اداروں کے مابین ایک طرح کا علمی تبادل وتعاون قائم ہو، اور دونوں جگہ کے حضرات ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھیں۔

علی گڈھ کے اساتذہ کے مقالے سیرت کی کتابوں کے تعارف ہی تک محدود نہ تھے جب کہ مقالوں کا ایک علمی انداز یہ بھی ہے، اور تبلیغی واصلاحی انداز کے سرسری مقالوں سے یہ کم مفید نہیں ہوتے۔ بعض اساتذہ نے کسی کتاب کے تعارف کی بجائے تجزیاتی مقالہ بھی پیش کیا تھا۔

تجاویز کمیٹی

جامعہ سلفیہ کے اساتذہ نے بڑی محنت سے سیرت کانفرنس کے لئے پچاس سے زائد تجاویز مرتب کی تھیں، مقصد یہ تھا کہ مندوبین میں سے کچھ لوگ ان میں سے کانفرنس کے لئے مناسب تجاویز منتخب کرلیں گے، انتخاب کا کام ڈاکٹر محمد یاسین مظہر صدیقی کے حوالہ تھا، انہوں نے کل پندرہ تجاویز کا انتخاب کیا جنہیں بعض دوسرے مندوبین اور جامعہ کے بعض اساتذہ نے بھی دیکھا، وقت کی کمی کے باعث کمیٹی کی کوئی رسمی نشست نہیں ہوئی، چونکہ تجاویز کو کھلے اجلاس میں پڑھ کر سنانا تھا، اور تجاویز کے مشتملات تقریباً متفق علیہ تھے، اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ کوئی مستقل نشست ہو، خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ بعض اہم اور ذمہ دار لوگ اختتامی اجلاس سے پہلے ہی روانہ ہو گئے تھے۔

علماء کے اجتماع سے فائدہ

کانفرنسوں اور جلسوں کے موقع پر علماء کا اجتماع ہوتا ہے، اور اس اجتماع سے جس قدر فائدہ اٹھایا جائے بہتر ہے۔ لیکن جامعہ سلفیہ کے جلسوں میں پروگرام کی جیسی ترتیب ہوتی ہے اس کو نظر میں رکھتے ہوئے کسی علیحدہ اجتماع کا مسئلہ مشکل ہے خود پروگرام میں شرکاء کو خاطرخواہ وقت نہیں ملتا اور وہ شکوہ کرتے ہیں، لہذا اگر کوئی دوسرا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اس کے لئے وقت ملنا مشکل ہے، یا پھر یہ صورت ہوگی کہ دیگر مسائل حل کرنے کے لئے بعض پروگراموں سے کچھ علماء غیر حاضر رہیں، لیکن اس سے جلسوں کے منتظمین بددل ہونگے۔

میری نظر میں جماعت اور افراد جماعت کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کسی جلسہ یا کانفرنس سے بہتر صورت یہ ہے کہ جن مسائل پر تبادلۂ خیال کی ضرورت محسوس کی جاتی ہو ان کے لئے جلسوں کے موقعوں پر الگ سے وقت نکالا جائے، لیکن یہاں تو صورت یہ ہوتی ہے کہ پروگرام کے اختتام سے پہلے ہی لوگ رخت سفر باندھ لیتے ہیں۔

جہاں تک نظام تعلیم میں ہم آہنگی کی بات ہے تو اس کے لئے جامعہ سلفیہ باقاعدہ کوشش کر چکا ہے لیکن اس سے اگر مسئلہ حل نہیں ہوا تو کیا ضمانت ہے کہ کسی دوسرے اجتماع سے یہ مسئلہ حل ہو جائیگا؟ پھر بھی نصاب کا مسئلہ ہمیشہ غور و فکر کا مستحق ہے، اور جامعہ سلفیہ اس کے لئے اجتماع منعقد کرنے اور اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہے۔

افراد جماعت کے جو مسائل ہیں وہ بیحد سنگین نوعیت کے ہیں، اور مجھے امید نہیں کہ متعلقہ فریق ان کو علماء کے کسی اجتماع میں لانا پسند کریں گے، اگر ایسا ممکن ہو جاتا ہے تو بہت اچھی بات ہوتی۔

مرکزی جمیعۃ اہل حدیث ہند ہماری جماعت کی سب سے بڑی اور معتبر تنظیم ہے، ملک میں جماعتی مسائل، دیگر جماعتوں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، عالم اسلام کے معاملات اور دیگر بین الاقوامی امور میں اس کو خود اپنا فیصلہ صادر کرنا چاہئے، اور صوبائی جمیعتوں کے ذریعہ تمام افراد جماعت کو اپنے موقف سے آگاہ کر کے ان سے مطالبہ کرنا چاہیئے کہ وہ لوگ بھی اسی موقف کی تائید و حمایت کریں۔

اخیر میں یہ گذارش ہے کہ اس کارگہہ حیات میں جب تک کام کا سلسلہ جاری ہے، تجویز و تنقید کا سلسلہ بھی جاری رہیگا، اور جواب و صفائی بھی ہوتی رہیگی، مگر ایک بات سوچنے کی یہ ہے کہ کوئی کام نظریہ و تصور کے مرحلہ سے نکل کر جب معرض وجود میں آجاتا ہے تو رائے زنی کیلئے زیادہ نمایاں موقع مل جاتا ہے، لیکن جبتک تصور کے مرحلہ میں ہوتا ہے اسوقت تک تجاویز نہیں آتی ہیں۔ کام کے معرض وجود میں آنے کے بعد اگر آپ خود کام کرنے والوں سے پوچھیں تو توجہ د اصلاح کے بہت سے پہلوؤں کی وہ خود نشاندہی کر دیں گے۔ ایک دوسری بات یہ بھی ہیکہ بعض امور خود منتظمین کی نظر میں ہوتے ہیں لیکن کسی مجبوری کے باعث وہ ان امور پر توجہ نہیں دیتے۔ غیر متعلق آدمی معاملہ کے اسی پہلو کو لیکر اسطرح غلطی کی نشاندہی کرتا ہیکہ گویا یہ اسکی دریافت ہے۔ ان سطور کا اختتام اس دعاء پر کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کو تعمیر و ترقی کی راہ پر گامزن رکھے جامعہ سلفیہ کو مضبوطی عطا فرمائے اور جماعت کو اس ادارہ کیلئے جد و جہد کی توفیق بخشے آمین، والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی النبی وسلم۔ ...

عبداللہ بن سبا: عقائد ونظریات کے آئینہ میں

ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

اسلام کی آمد سے سب سے زیادہ ٹھیس یہودیوں کے مذہبی وقار کو پہنچی تھی، اس لئے ابتدا ہی سے وہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت مخالف اور شدید ترین دشمن بن گئے اور عہد رسالت ہی سے اسلام کے بیخ کنی کے درپے ہو گئے اس سلسلے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں ہونے دیا۔ اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی مخالفت میں جو چیز واضح طور پر ان کے یہاں محسوس کی جاتی ہے، وہ یہ کہ عام طور پر انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کھلے بندوں ٹکر لینے سے احتراز کیا، بلکہ ہمیشہ ریشہ دوانیوں دسیسہ کاریوں اور مکروفریب کے ذریعہ نقصان پہونچانے کی کوشش کی۔ کبھی کھانے میں زہر دے کر۔ اور کبھی کمین گاہ نصب کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی راستے سے ہٹانے کی کوشش کی، اور کبھی معاہدہ کے باوجود دشمنوں سے مل کر مسلمانوں پر یلغار کے لئے انہیں ابھارا، غرضیکہ انہوں نے خفیہ طریقے سے اسلام کی بیخ کنی کے لئے ہر ممکن کوشش کی مگر عہد فاروقی تک ان کو اپنے مقصد کے حصول میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بعض داخلی و خارجی اسباب کی بنا پر عبداللہ بن سبا کو اسلام اور مسلمانوں سے یہودیوں کی پرانی عداوت نکالنے کا موقع فراہم ہو گیا۔

یوں تو یہود عمومی طور پر حد درجہ سازشی اور فتنہ پرور ہوتے ہیں، لیکن ابن سبا خصوصی طور پر بلا کا ذہین، طباع، زیرک اور دسیسہ کاری میں یکتائے روزگار تھا، چونکہ یہودیت پر قائم رہ کر وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی پرانی روش کے مطابق نہایت خفیہ مگر وسیع پیمانے پر زبردست سازش کا بیڑا اٹھایا، اس کی ذہانت کا اندازہ اسی سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے بیک وقت دینی و سیاسی ہر دو محاذ پر مسلمانوں کو افتراق و انتشار سے ہمکنار کرنے اور ان کو زک پہنچانے کی کامیاب مہم چلائی جس کا فوری نتیجہ خلیفہ سوم حضرت ذوالنورین عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ وارہ

کی شہادت اور امت مسلمہ کی دو بلکہ تین مختلف کیمپوں میں تقسیم کی شکل میں نمودار ہوا، ابتداءً یہ تقسیم سیاسی نوعیت کی رہی، مگر ایسے ڈھنگ سے اور سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سازش رچی گئی تھی کہ کچھ ہی عرصے کے بعد اس نے خالص مذہبی رنگ اختیار کر لیا، حقیقتاً ابن سبا نے مسلمانوں کی صفوں پر ایسی کاری ضرب لگائی تھی کہ اس کا زخم مرورِ زمانہ کے ساتھ مندمل ہونے کے بجائے وسیع اور گہرا ہوتا چلا گیا۔ جس کی تکلیف کا احساس کر کے ہر صاحب دل مسلمان بلبلا اٹھتا ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں اسی عبداللہ بن سبأ کی شخصیت اور اس کے بعض گمراہ کن عقائد و فاسد نظریات سے اردو داں طبقے کو آگاہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بڑی ناانصافی ہوگی اگر یہ واضح نہ کر دیا جائے کہ یہ مضمون رہین منت ہے، استاذ محترم ڈاکٹر سعدی ہاشمی عراقی حفظہ اللہ پروفیسر شعبۂ دراسات علیا (ہائر اسٹڈیز) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اس وقیع مقالہ کا جس کو موصوف نے کئی سال پیشتر جامعہ کے مرکزی ہال میں "عبداللہ بن سبا: حقیقۃ لاخیال" کے عنوان سے پڑھا تھا، اور جامعہ نے بعد میں اپنے عربی میگزین میں شائع کیا تھا، زیرِ مطالعہ مضمون کو مذکورہ مقالہ کا بعینہٖ ترجمہ تو نہیں کہا جا سکتا کیونکہ معلومات میں کچھ حذف و اضافہ اور بیان و ترتیب میں کچھ رد و بدل کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم موصوف کے مقالے سے مکمل طور پر استفادہ کیا گیا ہے، خصوصاً شیعی مصادر اور ان کے حوالہ جات میں ان موصوف پر پورا پورا اعتماد کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سبا کون تھا؟

عبداللہ بن سبأ کے حسب و نسب، یا اس کے خاندانی اور شخصی حالات کے بارے میں مفصل معلومات نہیں دستیاب ہو سکی ہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ یہ اسلامیین کے معروف و مشہور شہر صنعاء کا رہنے والا ایک یہودی شخص تھا، چونکہ یہ ایک سیاہ فام باندی کے بطن سے تولد ہوا تھا اس لئے "ابن السوداء" بھی کہلاتا تھا۔ (۱)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں نے ہر میدان میں ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر کے دنیا کے چپہ چپہ میں اسلام کا سکہ جما دیا ہے، اور اب یہی دنیا میں سب سے بڑی فاتح قوم بن گئی ہے، مدینہ آیا، اور بظاہر اسلام لا کر مسلمانوں کی صف میں شامل ہو گیا، اس کا مدینہ آنا، اور وہاں کا قیام نہایت غیر معروف اور ناقابلِ التفات تھا، مگر اس نے مدینہ میں رہ کر مسلمانوں کی اندرونی و داخلی کمزوریوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کیا، او

(۱) تاریخ دمشق (۹/۳۲۸ مطبوعہ مکتبۃ الدار۔ مدینہ منورہ)

مخالف اسلام تدابیر وضع کی، دارالسلطنت میں رہ کر تحریک کی کامیابی کے امکانات بہت ہی کم تھے، کیونکہ مدینہ میں لوگوں کو اپنے دام فریب میں لانا بظاہر بہت دشوار اور مشکل کام تھا، بلکہ ابتدائی مرحلے میں ہی تحریک کے کچل دیئے جانے کا بہت زیادہ امکان تھا، اس لئے ایک بہت ہی منظم اور خفیہ منصوبے کے تحت مختلف صوبوں کے دورے پر نکلا، اور دور دراز کے سادہ لوح مسلمانوں کو جن کے دلوں میں اسلامی تعلیمات مکمل طور سے جاگزیں نہیں ہوئی تھیں حامیِ اسلام اور خیر خواہ آل رسول بن کر اپنے جال میں پھنسانا شروع کیا۔

ابن سبا کی ابتدائی سرگرمیاں اور فتنۂ اولیٰ میں اس کا رول :

بظاہر اسلام لانے کے بعد ابن سبا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی اتحاد کو توڑنے، مسلمانوں کی صفوں میں رخنہ ڈالنے اور انہیں دین کے صحیح راستہ سے ہٹانے کی کوشش کی، اس کے لئے اس نے حجاز، بصرہ، کوفہ اور شام کا بالترتیب سفر کیا، اور ہر جگہ کے مسلمانوں کو حکومت وقت کے خلاف ورغلانے اور ان کے مابین گمراہ کن خیالات ونظریات رائج کرنے کی زبردست مگر خفیہ مہم چلائی، اگرچہ اس کے مذکورہ تمام صوبوں سے نکلنا یا شہر بدر ہونا پڑا، پھر بھی شام کو چھوڑ کر ہر مقام پر اس نے کچھ لوگوں کو اپنا ہمنوا وگرویدہ بنانے میں کامیابی حاصل کرلی۔ شام میں اس کو زبردست رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، بری طرح ذلیل کرکے وہاں سے نکالا گیا اس کے باوجود اس نے ہمت نہیں ہاری، اور شام سے آکر مصر میں سکونت اختیار کرلی۔ وہاں اس کو اپنے مقصد میں غیر معمولی کامیابی کے آثار نظر آئے، کیونکہ وہاں اس کو شاگردوں کی ایک بڑی ٹیم میسر آگئی تھی، جن کو اس نے کامل احتیاط اور دقت نظری کے ساتھ استعمال کرنا شروع کیا۔ مصریوں کی ایک بڑی تعداد حاکم مصر سے نالاں تھی، جس کی وجہ سے مصر میں حالات اس کے لئے بالکل سازگار رہے۔

علامہ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں سیف بن عمر التمیمی کے واسطے سے ایک طویل روایت نقل کی ہے جس سے ابن سبا کی سرگرمیوں، دسیسہ کاریوں اور شر انگیزیوں کا پورا پتہ چلتا ہے، اور اسی سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خلیفۂ سوم حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت بغاوت، اور ان کی شہادت کا اصل محرک یہی ابن سبا ہے۔ علامہ موصوف ابن سبا کی شخصیت، اس کے ناپاک ارادے، مختلف اسلامی اصولوں میں جاکر گمراہ کن باتوں کی اشاعت، اور اخیراً مصر میں سکونت کا ذکر کرنے کے بعد نقل کرتے ہیں کہ : اس نے مصر میں لوگوں کو اپنے گرد جمع کرکے

بتدریج انہیں اپنا گرویدہ بنایا، سب سے پہلے اس نے رجعت کا عقیدہ وضع کیا اس کے بعد وصیت علی بن ابی طالب کی بات لوگوں کے ذہن نشین کرائی، اور وصیت کی تنفیذ نہ کر کے خلافت پر غاصبانہ قبضہ کرنے والوں کو اپنی تنقید اور طعن وتشنیع کا ہدف بنایا، پھر صراحۃً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو ملامت کرنا شروع کیا، اور کہا کہ انہوں نے ناجائز طریقے سے مال و دولت جمع کر رکھا ہے۔ اپنے تلامذہ کو اس سلسلے میں پوری تندہی سے کام کرنے کی ہدایت کی، ارباب اقتدار کو تنقید کا نشانہ بنانے اور بظاہر امر بالمعروف کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو اپنی جانب مائل کرنے کی تاکید کی، اس کے لئے ہر جگہ اپنے کارندوں کو دوڑایا اور ہر شہر میں اپنے ہمنوا بھیجے یا تیار کئے، اور ان سے خفیہ خط وکتابت کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ لوگ بظاہر امر بالمعروف کا پر فریب لبادہ پہن کر پس پردہ اپنے گمراہ کن خیالات کی نشر واشاعت میں لگے رہے، اسی کے ساتھ ابن سبأ نے ایک نہایت خفیہ پروپگنڈہ مہم چلائی جس کے تحت اس نے ہر شہر میں اپنے کارندوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے علاقہ کے حکمرانوں اور ارباب اقتدار کی شکایت اور ان کی عیب جوئی میں طول طویل خطوط لکھ کر دوسرے شہروں میں بکثرت ارسال کریں۔ سبائیوں نے اس حکم کی اتنے وسیع پیمانے پر تعمیل کی کہ مختصر سے عرصہ میں ہر شہر کے لوگ دوسرے شہر کے بارے میں متفکر نظر آنے لگے اور انہیں یقین کی حد تک یہ اندازہ ہو گیا کہ دوسرے شہروں کی بہ نسبت وہ زیادہ امن وسکون کی زندگی بسر کر رہے ہیں خاص طور سے اہالیان مدینہ منورہ کے پاس ہر چہار جانب سے شکایتی خطوط کی بھر مار ہو گئی جس سے ان کو مکمل یقین ہو گیا تھا کہ مدینہ چھوڑ کر مملکت اسلامیہ کے تمام صوبے امراء وحکام کے مصائب میں گرفتار ہیں، حالات اس حد تک نازک ہو گئے تھے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم امیر المؤمنین عثمان بن عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے حقیقت حال دریافت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے آکر آپ سے پوچھا: کیا آپ کے پاس بھی ایسی ہی خبریں آرہی ہیں جو ہمارے پاس پہونچ رہی ہیں؟ آپ نے جواب دیا: بخدا میرے پاس تو ہر جگہ سے امن وسلامتی کی خبریں پہونچ رہی ہیں۔ صحابہ کرام نے آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ ہمارے پاس مختلف صوبوں سے اس قسم کی تشویش کن خبریں آرہی ہیں، اس پر آپ پریشان ہو گئے، اور فرمایا: امور خلافت میں آپ لوگ میرے شریک کار ہیں اور مسلمانوں کی جانب سے گواہ بھی، لہذا آپ لوگ مجھے اس بارے میں مشورہ دیجئے، صحابہ کرام نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ قابل اعتماد اور باوثوق لوگوں پر مشتمل ایک تحقیقاتی ٹیم روانہ کیجئے جو مختلف صوبوں کا دورہ کر کے وہاں کے صحیح حالات کا جائزہ لے کر واپس آئے چنانچہ آپ نے

حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو کوفہ، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بصرہ، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو مصر، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو شام اور دیگر لوگوں کو مختلف صوبوں کے لئے روانہ کیا، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے علاوہ تمام وفود نے مدینہ واپس پہونچ کر جو رپورٹ پیش کی اس میں یہی کہا گیا تھا کہ " تمام صوبوں میں پورا کنٹرول مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، کہیں بھی کوئی چیز قابل گرفت نہیں نظر آئی، نہ تو علماء نے اور نہ ہی عوام نے کسی قابل نکیر چیز کا ذکر کیا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی عدم واپسی پر لوگوں نے تشویش کا اظہار کیا، بلکہ یہ گمان ہو چلا تھا کہ وہ کسی ناپسندیدہ حادثہ کا شکار ہو گئے ہیں، اسی اثناء میں عبداللہ بن سعد بن ابی السرح والی مصر کی جانب سے ایک خط پہونچتا ہے جس میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو کچھ لوگوں نے فریب دے کر اپنے دام میں پھانس لیا ہے جن میں عبداللہ بن السوداء (ابن سبا) خالد بن ملجم، سودان بن حمران وغیرہ سرغنہ کی حیثیت رکھتے ہیں، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو اپنا ہم نوا و ہم خیال بنانا چاہتے ہیں، ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ دنیا میں رجعت فرمائیں گے۔ امیر المومنین کی بیعت توڑ کر لوگوں کو بغاوت کی دعوت دیتے ہیں، انہوں نے عمار بن یاسر کو باور کرا دیا ہے کہ اہل مدینہ بھی انہی کے ہم خیال ہیں، اگر امیر المومنین اجازت دیں تو عمار بن یاسر سمیت پوری جماعت کو قبل اس کے وہ لوگوں سے بیعت لے لیں پکڑ کر سر قلم کر دوں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جواب میں عبداللہ بن سعد بن ابی السرح کو لکھا کہ: " تم نے مجھے ام عبداللہ کے لڑکے (یعنی عمار) کے بارے میں جو خبر دی ہے بخدا میں نہ تو انہیں قتل کرونگا اور نہ ہی کوئی اذیت پہونچاؤنگا، بلکہ اللہ تعالیٰ خود جس کے ذریعہ چاہے گا ان سے انتقام لے لے گا۔ لہذا تم ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو جب تک وہ بیعت توڑ کر بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ پر کامل یقین اور بھروسہ ہے کہ اپنی مدت حیات پوری کر کے اپنے مقدر کا آب و دانہ مکمل طور پر حاصل کر کے ہی مرونگا، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔" اہالیٔ مصر نے غضبناک ہو کر حضرت عمار بن یاسر اور پوری ٹیم کو قتل کر دینا چاہا مگر والی مصر نے انہیں اس سے باز رکھا بلکہ عمار بن یاسر کو بحفاظت اپنے یہاں ٹھہرایا، اور جب انہوں نے مدینہ واپسی کی خواہش ظاہر کی تو پورے عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا، مدینہ پہونچ کر وہ امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان دونوں کے مابین کامل صراحت کے ساتھ مباحثہ ہوا، جس میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اپنے خیال کے مطابق بعض

حامیوں کی جانب امیر المومنین کی توجہ مبذول کرائی، امیر المومنین نے تمام الزامات کے تسلی بخش جواب دیئے، اور خدا کا واسطہ دے کر اپنی صفائی پیش کی۔۔" وفود کی رپورٹ سے اہل مدینہ کو یک گونہ اطمینان ہوگیا تھا مگر ابن سبأ اور سبائیوں کے پیش نظر ایک دوسرا مقصد تھا جس کو حاصل کئے بغیر وہ چین سے نہیں بیٹھ سکتے تھے لہذا انہوں نے دوبارہ فتنہ کو ہوا دیکر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف سورش برپا کی، جس کے نتیجہ میں آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا اور اسی دن سے مسلمانوں کی جمعیت زبردست افتراق وانتشار کا شکار ہو کر رہ گئی، جس کا دائرہ کم ہونے کے بجائے دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا، اسی بناء پر ابن سبأ کو تمام فتنہ گروں، دسیسہ کاروں اور منافقین کا سرخیل وسرغنہ تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اسلام میں جملہ فتنوں کی ابتدا اسی کی ذات سے ہوئی۔

مذکورہ بالا روایت کو ابن جریر طبری نے بھی کمی وبیشی کے ساتھ اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے[1] لیکن اس روایت کا دارومدار سیف بن عمر البرجمی پر ہے جسکو علماء جرح نے ناقابل حجت قرار دیا ہے[2] اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے ابن عساکر کے حوالے سے روایت کا اشارۃً ذکر کرکے اس کی سند پر عدم صحت کا حکم لگایا ہے[3] لیکن سیر وسوانح اور تاریخ کی مختلف کتابوں کو دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کی اکثر باتیں صحیح اور درست ہیں کیونکہ معاصر وغیر معاصر مؤرخین و تذکرہ نگاروں نے کم وبیش اسی طرح کی تفصیلات ذکر کی ہیں[4] تاریخ کی اکثر وبیشتر کتابیں ابن سبأ کے واقعات سے بھری پڑی ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے خود اس امر کا اعتراف کیا ہے، ہوسکتا ہے سیف بن عمر کی بیان کردہ تفصیلات کے مطابق واقعہ نہ پیش آیا ہو لیکن یہ امر مسلم ہے کہ فتنہ اولیٰ میں ابن سبأ نے نمایاں کردار ادا کیا تھا بلکہ حضرت عثمان بن عفان ؓ کے خلاف بغاوت اور آپ ؓ کی شہادت کا اصل محرک یہی تھا، اس کی تائید شیعی مصادر سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ آئندہ سطور سے واضح ہوگا، ساتھ ہی ابن حجر کا مذکورہ روایت کی سند پر عدم صحت کا حکم کچھ عجیب سا لگتا ہے، کیونکہ خود انہوں نے سیف بن عمر کو روایت حدیث میں ضعیف اور تاریخ کے باب میں قابل اعتماد قرار دیا ہے۔

(جاری) •••

---

(۱) تاریخ الطبری (۳/۹۸ ۔ ۱۰۰ حوادث سنہ ۳۵ ھ)۔ (۲) حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب ص۱۴۲ میں لکھا ہے "ضعیف فی الحدیث، عمدۃ فی التاریخ" ۔ (۳) لسان المیزان (۳/۲۸۹)۔ (۴) مثال کے طور پر دیکھئے، البدایۃ والنہایۃ (۷/۱۶۷) الانساب (۶/۴۶) تاج العروس (۱/۲۶۵ مطبوعہ کویت) میزان الاعتدال (۲/۴۰ مطبوعہ مکتبۃ السعادۃ سنہ ۱۳۲۵ھ) تاریخ الاسلام السیاسی مؤلفہ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن (۱/۳۴۷ ومابعدہ) تاریخ اسلام مولفہ نجیب آبادی (۱/۳۹۶ ومابعدہ) تاریخ اسلام مؤلفہ شاہ معین الدین ندوی (۱/۲۶۰)۔

مولانا عبدالرحیم صاحب اور اُن کی مجاہدانہ زندگی کی ایک جھلک

عطاءاللہ خان، بھیونڈی

ابھی حال ہی میں کچھ جانے کا اتفاق ہوا تھا، بنی کچھ کا پورا علاقہ تقسیم ہند سے پہلے صوبہ سندھ میں تھا جہاں پیروں کا اور مشائخ کا دور دورہ تھا اور دین اسلام کے نام پر پیری اور مریدی کا کاروبار شباب پر تھا اور لوگ زیادہ تر رسوم و خرافات کو دین تصور کئے ہوئے تھے، تقسیم ہند کے بعد اب بنی کچھ کا علاقہ ہندوستان کے صوبہ گجرات کا ایک حصہ ہے، آج یہاں پر توحید و سنت کے پیروں کی تعداد موجود ہے جو آج کے گئے گذرے دور میں بھی کتاب و سنت کی تعلیمات سے چمٹے ہوئے ہیں اور عامل ہیں۔

ضلعی جمعیت اہل حدیث کچھ کے امیر مولانا محمد یوسف سوتا صاحب کی زبانی یہ پتہ چلا کہ یہاں ایک مرد مومن رجل رشید مولوی عبدالرحیم نامی گذرے ہیں، جن کی تبلیغی مساعی کا یہ کارنامہ ہے۔

مولانا موصوف نے بتایا کہ تقسیم کے بعد بھوج کے کلکٹر نے اپنی ڈائری میں یہ لکھا تھا کہ بنی کچھ کے قبائلی لوگوں کو ارتداد سے بچانے میں سب سے بڑا ہاتھ مولوی عبدالرحیم کا ہے۔ اگر ان کی مساعی نہ ہوتیں تو بہت سے قبائل مرتد ہو گئے ہوتے۔

خود مولوی عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ابتداءً بعد فراغت اپنے والد مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیری کے بوجھ تلے دبی، شرک و بدعات اور رسوم و خرافات کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی مگر ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت پر پڑے ہوئے پردے کو بصیرت میں تبدیل کردیا۔

ہوا یوں کہ بقول مولانا محمد یوسف سوتا صاحب مولوی عبدالرحیم صاحب کے صاحبزادے کا انتقال ہو گیا اور انہوں نے اسی غم کو سہارنے کے لئے چلہ کشی کی۔

چلہ کشی وہیں کسی پہاڑی پر واقع کسی بزرگ کی مزار کے قریب لب دریا کرنی تھی، چلہ کشی کے دوران وظائف کی اثر انگیزی کے شرائط مندرجہ ذیل تھے۔

۱۔ چلہ کشی روزہ کی حالت میں ہو۔

۲۔ سحری کے لئے پانچ انگلیوں سے چاول اٹھا کر نمک کے پانی میں ابال کر کھایا جائے۔

۳۔ افطار ایک کھجور سے ہو۔

۴۔ روزانہ قرآن کی ایک منزل پر تلاوت کی جائے۔

مولانا نے چلہ کشی اس کے پورے لوازمات کو مدنظر رکھتے ہوئے شروع کیا۔ چلہ کشی کے وقت مولانا حصار سے باہر اپنے شاگرد کو کھڑا رکھتے تھے۔

چلہ کشی شروع ہوئی، چھٹا دن تھا، قرآن کی چھٹی منزل شروع ہو چکی تھی، مولانا عبدالرحیم صاحب نے جوں ہی سورۂ زمر شروع کی اور سورۂ زمر کی اس آیت پر پہونچے: إنا أنزلنا إليك الكتاب بالحق فاعبد الله مخلصا له الدين (۲) الا لله الدين الخالص ط والذين اتخذوا من دونه اولياء ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفاه ان الله يحكم بينهم فى ما هم فيه يختلفون ط انّ الله لا يهدى من هو كذب كفار (۳)۔

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کی طرف (اس) کتاب کو ٹھیک ٹھیک نازل کیا ہے، سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیئے، یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے، اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکار تجویز کر کے رکھے ہیں (کہ) ہم تو ان کی پرستش اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنا دیں، بے شک اللہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا، جس بات میں یہ باہم اختلاف کر رہے ہیں، بے شک اللہ اسے راہ پر نہیں لاتا جو جھوٹا ہو، ناشکرا ہو۔

ان آیات کی تلاوت نے معًا بعد ذہن وقلب کے دریچہ کو کھول دیا۔ اور رب حقیقی نے ان کی یاوری کی۔ وہ چلہ کشی چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے، پروردگار تیرا یہ حکم! میرا یہ عمل، بارالٰہا میں اپنے فعل پر نادم اور شرمسار ہوں۔ میرے یہ افعال تو موحدانہ نہیں بلکہ مشرکانہ ہیں۔

مولانا جب چلہ کشی کے دائرے سے باہر نکلنے لگے تو ان کے شاگرد نے منت وسماجت کرتے ہوئے کہا حضرت آپ بہت بڑی غلطی کر رہے ہیں، چلہ کو آپ نے ادھورا چھوڑ دیا ہے مؤکل آپ کو پریشان کریں گے، آپ کا دماغی توازن بگڑ جائے گا، آپ مجنوں ہو جائیں گے۔

مولانا کا جواب تھا کچھ نہیں ہوگا، اب میں رحمت الٰہی کے سایہ میں آچکا ہوں، نافع وضار اسی کی ذات ہے، کچھ نہیں ہوگا کچھ نہیں ہوگا کہتے ہوئے مولانا حصار سے باہر نکل آئے، واستہ میں جن جن سے ملاقات ہوئی وہ سب وہی رہائی دیتے رہے جو شاگرد نے دی تھی، مگر مولانا مطمئن تھے۔

وہاں سے قریب کے مقام " کھاوڑا " میں اپنے کسی رفیق کے گھر گئے انہوں نے ازراہ ہمدردی اپنے زعم باطل کی بنیاد پر وہی ساری باتیں کہیں جو شاگرد نے کہی تھی، مگر مولانا کا جواب تھا نہیں کچھ نہیں ہوگا۔

موصوف جن کے پاس مولانا بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے سامنے بوسیدہ کتابیں رکھی تھیں جنہیں وہ نذر آتش یا زیر زمین کرنے جا رہے تھے، انھیں کتابوں میں ایک نئی کتاب مولانا عبدالرحیم صاحب کو نظر آئی، مولانا نے بڑھ کر وہ کتاب اٹھالی اور کہا کہ یہ کتاب تو صحیح سالم ہے اسے مجھے عنایت کر دیں۔

موصوف میزبان نے جواب دیا کہ یہ کتاب انتہائی گمراہ کن ہے، اس کو پڑھ کر آپ گمراہ اور بدعقیدہ ہو جائیں گے۔ یہ ظالم " اسمٰعیل شہید " کی کتاب تقویۃ الایمان ہے، جس نے بہت سے مسلمانوں کو بدعقیدہ بنا دیا ہے، لیکن مولانا عبدالرحیم صاحب نے ان کی ہفوات کے باوجود کتاب کھول لیا، اب اتفاق کہئے کہ وہی سورۂ زمر کی آیات جن سے مولانا کی کایا پلٹ ہوئی تھی، اور جس کی وجہ سے مولانا پر حقوق اللہ واضح ہوا تھا شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب میں بھی ان آیات کا وہی مفہوم بتلایا گیا تھا؛ جو مولانا نے اپنے طور پر سمجھا تھا۔

اب کیا تھا: اب تو مولانا کے اندر مزید پختگی آگئی، ان کو یقین ہوگیا کہ میں نے جو سمجھا ہے وہ سچ ہے، اور پھر اس کے بعد مولانا نے توحید کی تبلیغ شد ومد سے شروع کی اور شرک وبدعات پر کاری ضربیں لگانی شروع کی۔

مولانا عبدالرحیم کے والد مولانا عبداللطیف کے میمن مرید ان کو ماہانہ اس دور میں ایک ہزار روپیہ نذرانہ دیتے تھے، انہوں نے مولانا عبداللطیف سے کہا کہ آپ اپنے فرزند کو ان تبلیغی مساعی سے روک دیں اگر وہ اپنی زبان بند کر لیتے ہیں تو ہم آپ کو ماہانہ تین ہزار کا نذرانہ دیا کریں گے۔

باپ نے بیٹے سے کہا کہ بیٹا اپنی زبان روک لو دیکھو اس صورت میں مالی منفعت ہے، آمدنی تین نا بڑھ جائے گی، زندگی بڑی خوشحال گذرے گی، مگر مولانا عبدالرحیم پر توحید کا نشہ چڑھ چکا تھا وہ کہاں اس ابل تھا کہ اترتا۔ ع

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

مولانا نے والد محترم کو دو ٹوک جواب دیا کہ میں حق کی تبلیغ سے نہیں رک سکتا، اس راہ کی ساری شکلات مجھے گوارہ ہیں۔

مولانا کے والد نے ایک دن ان کو گھر سے بھی نکال دیا لیکن مولانا بجائے اس کے ملول خاطر ہوتے راضی رضائے الٰہی ہو کر یہ کہتے ہوئے نکل پڑے کہ ابا جان! رازق حقیقی تو اللہ ہے، وہ مجھے بھوکا پیاسا نہیں کھے گا۔

پھر کیا تھا مولانا نے توحید وسنت کی تبلیغ واشاعت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا، آج بنی کچھ اعلاقہ جو خالص توحید پرستوں کا علاقہ ہے وہ مولانا کی تبلیغی مساعی کا ثمرہ ہے۔ مولانا نے وہاں کے لوگوں کو رف رواجی طور پر توحید وسنت کا عامل نہیں بنایا بلکہ ان کے دلوں میں مکمل دین اسلام کی اتباع کا جذبہ پیدا لیا۔ راوی نے بتایا کہ وہ افراد دین اسلام کے مکمل پاسدار تھے اور ملکی قوانین کے جبر و تیور دیکھ ساتھ جن جن شرعی حدود کی پاسداری کر سکتے تھے، کرتے تھے، لوگوں کے دلوں میں خوف آخرت اور آخرت کی جواب دہی کا حساس راسخ تھا۔

مولانا کی انھیں تبلیغی مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی "بنی کچھ" کے علاقہ میں اسی فیصد سے زیادہ عاملان توحید سنت پائے جاتے ہیں، آج بھی بیشتر اپنے دیہی ماحول میں زندگی گذارتے ہیں لیکن عقائد میں پختہ ہیں۔

آج کے اس گئے گذرے دور میں ان گنواروں میں دین پر عمل کا جو جذبہ موجزن ہے ان سے شہر کی مہذب ور متمدن زندگی کے باشیوں کی زندگی کو خالی پاتا ہوں۔

راوی نے بتایا کہ آج ملکی عدالت نے قتل کے ایک کیس سے ملزمین کو رہائی دے دی ہے لیکن وہ آخرت کی جواب دہی کے احساس سے خون بہا دینے کے لئے تیار ہیں، اور سبھی شرکاء نے اپنے حصہ کی رقم دینے کا عہد لیا ہے، بعض دے چکے ہیں اور بعض دینے والے ہیں۔

لِلّٰہ سوچئے تو سہی کہ ان بڈھوں میں وہ کون سا جذبہ ہے جو انھیں اس عمل پر آمادہ کیے ہوئے ہے۔

مولانا عبدالرحیم کو اس راہ میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ مرد خدا ہنستا کھیلتا ہوا ان دشوار گذار راہوں سے، رضائے رب کی خاطر گذر گیا، اور بالآخر ۱۹۵۶ء میں اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی، اللہ تعالیٰ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں اس رجلِ رشید پر۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

اللہ سے دعا ہے کہ بارالٰہا اس خطہ میں صحیح معنیٰ میں ان کا کوئی جانشین پیدا فرما، جو وہاں کے سادہ لوح لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے فریضہ کو انجام دیتا رہے۔

کاش کہ کوئی قریبی واقف کار مولانا کے حالات کو تفصیل سے قلم بند کرتا تو اس سے بہتوں کو حوصلہ ملتا۔ القصہ مختصر — ع

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

وفیات

جبل پور سے حاجی بابو گوہر علی صاحب نے اطلاع دی ہے کہ موصوف کی چچی محترمہ ۱۲ر نومبر ۹۱ء کو انتقال فرماگئیں، مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ ادارہ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔

راجستھان بھیلواڑہ سے جناب عبدالسلام، ٹی، ٹی آئی صاحب نے اطلاع دی ہے کہ بھیلواڑہ کی جمعیت اہلحدیث کے امیر جناب قاضی محمد حفیظ صاحب ۱۵ر دسمبر ۹۱ء کو انتقال فرماگئے، مرحوم مسلک کے پرجوش مبلغ، نہایت خلیق اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائے، ناظرین سے دعاء مغفرت اور نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ ادارہ اس غم میں برابر کا شریک ہے۔

محمد مستقیم سلفی / استاذ جامعہ سلفیہ
بنارس

مکالمہ بعنوان

بشریت مصطفیٰ (ص)

حامد : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

محمود : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔

حامد : مزاج مبارک !

محمود : الحمدللہ ! اللہ کا شکر ہے ۔

حامد : بھائی میں آپ سے ملاقات کا بہت مشتاق تھا، بفضلہ تعالیٰ آج آپ سے ملاقات ہو گئی ۔

محمود : کیا کوئی ضروری کام ہے ؟ بندہ حاضر خدمت ہے ، فرمائیں !

حامد : جی ہاں ! مگر کوئی دنیاوی ضرورت نہیں ، ایک ایسی ضرورت ہے جس کا تعلق دین اور عقیدہ سے ہے ۔

محمود : فرمائیں ! آخر وہ کیا ہے ؟

حامد : بھئی ! میں نے سنا ہے کہ آپ وہابی ہو گئے ہیں ۔

محمود : وہابی کیا بلا ہے ؟ میں تو یہی نہیں جانتا

حامد : وہابی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو کہ ایک ایسے مذہب کی پیروی کرتے ہیں جس کا بانی ایک ظالم آدمی تھا ، اس کا نام "محمد" تھا اور اس کے باپ کا نام عبدالوہاب ، وہ نجد میں پیدا ہوا تھا

وہ نذر و نیاز، عرس، فاتحہ اور مزارات وغیرہ کو نہیں مانتا تھا بلکہ ان کو گمراہی اور شرک کا کام بتاتا تھا غرضیکہ بڑا ظالم تھا، اس کے مظالم کی داستان کہاں تک سناؤں، اس کے بارے میں حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی بھی ہے کہ وہ بڑا ظالم ہوگا، حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں :

عن ابن عمر قال ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اللھم بارک لنا فی شا ۔ سا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا قال اللھم بارک لنا فی شامنا اللھم بارک لنا فی یمننا قالوا یا رسول اللہ وفی نجدنا فاظنہ قال فی الثالثۃ ھناک الزلازل والفتن وبھا یطلع قرن الشیطان ۔ (بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی (ص) الفتن قبل المشرق) ۔

یعنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ تو ہمارے شام کو ہمارے لئے برکت بنا، اے اللہ تو ہمارے یمن کو ہمارے لئے برکت بنا، لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اور ہمارے نجد کے لئے (بھی دعا فرمادیں) آپ نے (دوبارہ) فرمایا اے اللہ ہمارے شام کو ہمارے لئے برکت بنا، اے اللہ ہمارے یمن کو ہمارے لئے برکت بنا، لوگوں نے (دوبارہ) عرض کیا اور ہمارے نجد کے لئے (دعا فرمادیں) تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے، وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا (یعنی میں اس کے لئے کیسے دعا کروں وہ تو زلزلوں اور فتنوں کی سرزمین ہے)

"اس سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک میں دجال کے فتنہ کے بعد نجد کا فتنہ تھا جس سے اس طرح خبر دے دی ۔"

اس فرمان عالی کے مطابق بارہویں صدی ہجری میں نجد سے محمد بن عبدالوہاب پیدا ہوا، اس نے کیا کیا اہل حرمین و دیگر مسلمانوں پر ظلم کئے وہ ناقابل بیان ہیں، اس کے ظلم بے حد تکلیف دہ ہیں جن کے بیان سے کلیجہ منہ کو آتا ہے، اور سینہ پھٹنے لگتا ہے ۔

محمود : جب یہ بات ہے تو پھر ہم وہابی نہیں، کیونکہ ہم عبدالوہاب کی پیروی نہیں کرتے اور نہ اس کے بیٹے محم
کی پیروی کرتے ہیں، بلکہ ہم اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں ا
بس، اگر ہم عبدالوہاب کی پیروی و تقلید کرتے جیسے کہ حنفی لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے
ہیں تو بے شک ہم وہابی کہلائے جانے کے لائق تھے۔

حامد : یہ ٹھیک ہے کہ آپ عبدالوہاب کی تقلید نہیں کرتے لیکن اس کے بیٹے محمد کا جو مسلک تھا وہی مسلک آ
آپ نے بھی اختیار کر لیا ہے اس لئے آپ کو وہابی کہا جاتا ہے۔

محمود : محمد بن عبدالوہاب کا کیا مسلک تھا؟

حامد : میں نے اپنی کتاب "جاء الحق وزھق الباطل" میں دیکھا ہے کہ وہ مسلکاً حنبلی تھا۔

محمود : تب تو ان کا مسلک دوسرا اور ہمارا دوسرا ہوا کیونکہ ہم امام احمد بن حنبل کی تقلید نہیں کرتے، اور آپ
کے بقول محمد بن عبدالوہاب تقلید کرتے تھے یعنی وہ مقلد تھے اور ہم غیر مقلد ہیں اور مقلد وغیر مقلد میں بہ
بڑا فرق ہے۔

اور اگر آپ کے کہنے کے مطابق ہم ان کے مسلک ہی پر ہیں تو چونکہ وہ حنبلی تھے اس لئے ہم بھی حنب
ہوئے پھر ہم کو "وہابی" کیوں کہنے لگے، اور اگر آپ ہم کو انھیں کی طرف منسوب کرتے ہیں تو ہم محمد
ہوئے پھر ہم کو محمدی کیوں نہیں کہتے۔

حامد : آپ لوگوں کو محمدی اس لئے نہیں کہا جاتا ہے تاکہ کوئی سننے والا یہ نہ سمجھ لے کہ آپ لوگ ہمارے آقائے نا
تاجدار مدینہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی اور تابعدار ہیں اور اس طرح سے لوگ آپ لوگوں کے کہنے میں آ
جماعت اہل سنت کو چھوڑ دیں گے۔

محمود : آخر ایسا سمجھنے میں ہرج ہی کیا ہے؟ جب کہ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
امتی، شیدائی اور ان کی لائی ہوئی کتاب وسنت کے تابعدار ہیں، ایمان وعمل، عقیدہ ہر اعتبار
ہم آپ کے حکم بردار ہیں، آپ کے حکم کے ہوتے ہوئے کسی امام، بزرگ، ولی، غوث، قطب وغیرہ
قول کو ہم لوگ کالعدم سمجھتے ہیں۔

حامد : یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کیونکہ آپ کا ایمان وعقیدہ اور عمل سب ہی قرآن وحدیث کے خلاف ہے

محمود : کیا اس کے ثبوت میں کوئی دلیل پیش کر سکتے ہیں ؟

حامد : جی ہاں : ایک نہیں سیکڑوں ، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں دریدہ دہن اور گستاخ واقع ہوئے ہیں کہ آپ کو اپنا جیسا بشر اور انسان کہتے ہیں ، حالانکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ آپ نور مجسم تھے ، یہی نہیں بلکہ آپ کا پورا اہل بیت نور سے تھا ۔ ایک شعر ملاحظہ ہو ۔

یا رسول اللہ ! تیری نسل پاک کا ہے ذرہ ذرہ نور کا

تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

محمود : حامد بھائی شعر وشاعری چھوڑیئے ، اور یہ بتایئے کہ قرآن وحدیث میں جن مخلوقات کا ذکر ہے وہ کتنی قسموں پر ہیں اور کون کون سی ؟

حامد : تین قسموں پر ہیں ۔ ۱- نوری ۔ ۲- ناری ۔ ۳- خاکی ۔

نوری مخلوق فرشتے ہیں ناری جن وشیاطین اور خاکی انسان ، حیوان اور پیڑ پودے وغیرہ ۔

محمود : اب یہ بتائیں کہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کس مخلوق سے ہیں ؟ کیا فرشتوں میں سے ہیں ؟

حامد نہیں ، فرشتوں میں سے نہیں ہیں ، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۱ میں اپنے رسول کے زبانی اعلان کرایا " قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیہم من السماء ملکا رسولا ۔" (بنی اسرائیل)

اے پیغمبر کہدو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ امیں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بستے تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے (اور چونکہ زمین پر فرشتے آباد نہیں ہیں ، اس لئے آپ فرشتوں میں سے نہیں ہیں)

محمود : کیا (معاذ اللہ) آپ جنوں میں سے تھے ؟

حامد : جنوں میں سے بھی آپ نہیں ہیں ۔

محمود : تب پھر کس مخلوق سے آپ تھے ؟ کیا چوتھی مخلوق بھی کوئی ہے ؟ اگر ہے تو ارشاد فرمائیں ۔

حامد : نہیں ، مخلوق تو صرف تین ہی ہیں ۔ اب بعد میں آپ سے بات کرونگا ۔

ود : نہیں بھائی! یہ عقیدہ کا مسئلہ ہے، اس کو ٹالنا اچھا نہیں، سنئے! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر نہیں اور کوئی چوتھی مخلوق بھی نہیں تو کیا خاکی مخلوقات میں (نعوذ باللہ) آپ جانور یا پیڑ، پودوں میں سے تھے؟

ر : نعوذ باللہ! آپ کیسی گستاخانہ باتیں کرتے ہیں؟

ود : بھئی! آپ ہی تو اس قسم کے سوالات وارد کرنے پر مجبور کرتے ہیں، آخر اب آپ ہی بتائیں کہ آپ کس مخلوق سے ہیں؟

ر : جھینپتے ہوئے خاموش۔

ود : ارے بھئی! بولتے کیوں نہیں، کیوں شرما گئے؟ ایک ہی بات رہ گئی ہے کہ آپ خاکی مخلوقات میں سے انسان اور بشر تھے نہ کہ نوری۔ قل الحق ولو کان مرا، اسلئے حق بات کہہ دیجئے خواہ وہ اپنے یا غیر کے حق میں مخالف ہونے کے باعث تلخ ہی کیوں نہ ہو۔

مد : ہاں بھائی محمود! اس عقلی استدلال سے تو یہی ثابت ہوگیا کہ آپ نوری ہیں نہ ناری، بلکہ آپ خاکی بشر اور انسان تھے، لیکن پھر بھی ہم آپ کی شان میں یہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ آپ کو بشر کہنے میں گستاخی و بے ادبی ہے

ود : افسوس! آپ کس قدر نادانوں جیسی چوکھلی باتیں کرتے ہیں، خدارا بتاؤ کہ کیا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بے ادب و گستاخ تھیں (نعوذ باللہ) اللہ نے اگر کچھ سوجھ بوجھ دی ہے تو سوچو اور اٹھا کر مشکوٰۃ شریف جلد ثانی صفحہ ۵۲۰ دیکھو، آپ تو ایک پڑھے لکھے آدمی ہیں۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ وقالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ، رواہ الترمذی (مشکوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے اور کپڑے خود سی لیتے تھے اپنے گھر کا تمام وہ کام کرتے تھے جس کو تم میں سے کوئی کرتا ہے، اور آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے اور اپنے کپڑے پر جوں تلاش کرتے تھے، اور اپنی بکری کا دودھ خود دوہ لیتے تھے اور اپنا کام خود کر لیتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک نظر قرآن پر بھی ڈالئے آپ کی نگاہوں سے یہ حقیقت اوجھل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "بشر" اور "انسان" کہنے میں آپ کی ہتک اور بے عزتی نہیں، بلکہ رفعت و عظمت کا اظہار

ہے، کیونکہ قرآن کا بیان ہے کہ مخلوقات میں سب سے زیادہ عظیم الشان پیدائش انسان ہی کی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔" ولقد کرمنا بنی آدم وحملنهم فی البر والبحر ورزقنهم من الطیبٰت وفضلنهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔" (پ ۱۵ آیت ۷۰)

اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (س التین آیت ۴) یعنی ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں انسان ہی اعلیٰ وافضل ہے، پھر انسانی مخلوق میں سب سے اعلیٰ وافضل انبیاء کرام کی مقدس جماعت ہے، پھر اس مقدس ترین جماعت میں اعلیٰ وافضل سید الکونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، غرضیکہ:

بعد از خدا بزرگ توا ہی قصہ مختصر

خدا سے ہے کم اور سب سے زیادہ • دو جگ میں بڑا ہے محمد ہمارا

مذکورہ دلائل کی روشنی میں آپ کو بشر اور انسان کہنے میں آپ کی ہتک اور بے عزتی نہیں بلکہ رفعت شان ہے فلا تکونن من الجاھلین۔

حامد: آپ کی یہ تقریریں کر ہم کو تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہمارے دل و دماغ پر جہالت کا کوئی پردہ پڑا تھا اور اب وہ کھسک گیا، اب ہم نے مانا کہ واقعی آپ کو بشر اور انسان کہنے میں آپ کی بے عزتی نہیں بلکہ تعظیم اور علو شان ہے، پھر بھی ہم آپ کو "بشر" کہنے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ قرآن وحدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نور تھے۔

محمود: آخر وہ قرآن کی کون سی آیت یا کون سی حدیث ہے جو آپ کو یہ روشن حقیقت تسلیم کرنے سے روک رہا ہے

حامد: دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد جاءکم من اللہ نور (قرآن) تحقیق کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا، اور یہاں نور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، اس کے علاوہ چند احادیث بھی ہیں جو یہی بتاتی ہیں کہ آپ نور تھے۔

ر : ذرا صبر کیجئے! ان احادیث کو بھی پیش کیجئے گا، مگر ایک ایک کر کے میری بھی سنتے جائیے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت " قد جاءکم من اللہ نور " میں نور سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ٹھیک میرے خیال سے آپ کی بات ایسی ہی ہے جیسے کوئی پیش کرے کہ قرآن مجید میں ہے " لا تقربوا الصلوٰۃ " یعنی نماز کے قریب نہ جاؤ۔

م : یہ کیسے " لا تقربوا الصلوٰۃ " کے بعد بھی تو آیت کا ٹکڑا ہے " وانتم سکاریٰ " یعنی جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو۔

ور : ہاں بھائی! اسی طرح سے " قد جاءکم من اللہ نور " کے بعد اور پہلے بھی آیت کا ٹکڑا ہے جو کہ آیت میں " نور " سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مراد لینے کی تردید کرتی ہے۔

ر : ذرا پوری آیت بیان کر کے سمجھائیے! تب نا سمجھوں کہ حقیقت کیا ہے۔

ور : دیکھئے! سورۂ مائدہ کے تیسرے رکوع کی یہ آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " یا اھل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب ویعفو عن کثیر[1] قد جاءکم من اللہ نور[2] وکتاب مبین یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ویخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ ویھدیھم الی صراط مستقیم[3] " (المائدہ ع ۳)

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمہارے پاس آگیا ہے جو کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر رہا ہے جن کو تم چھپایا کرتے تھے، اور بہت سی باتوں سے درگذر بھی کر جاتا ہے تحقیق کہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا (یعنی محمد ص)

اور کھلی ہوئی کتاب آئی جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضامندی کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور درست راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

حامد بھائی اگر آپ کے کہنے کے مطابق آیت ہذا میں " نور " سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لی جائے تو پہلی خرابی یہ لازم آئے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے تھے اسلئے کہ اس صورت میں نبی آخر الزماں کے زمانہ میں ایک اور رسول کا موجود ہونا لازم آتا ہے جیسا کہ

آیت نمبر۱ اور نمبر۲ کے ترجمے سے آپ کو معلوم ہی ہو گیا ہوگا ، اور یہ کلی طور پر باطل ہے ۔

دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ پہلی آیت جس میں رسول کا ذکر کیا گیا ہے اس کا کام بھی بتایا جارہا ہے کہ کتاب الٰہی کی بہت سی ان باتوں کو تمہارے سامنے کھول کھول کر بیان کر رہا ہے جن کو تم چھپایا کرتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگذر بھی کر جاتا ہے ۔ اور دوسری آیت میں " نور " (بقول آپ کے محمدؐ) کا کوئی کام نہیں بتایا جارہا ہے ، جس کا مطلب یہ ہوا کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو خاتم الانبیاء ہیں بیکار تھے کسی کام کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے اور یہ سراسر باطل ہے ۔

حامد بھائی حقیقت یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رہتی دنیا تک کے انسانوں اور جنوں کے لئے مبعوث کئے گئے تھے اور خاتم الانبیاء کی مقدس ذات آپ ہی کی ہے اور آیت نمبر۱ میں جس رسول کا ذکر ہے اس سے آپ ہی کی ذات مراد ہے ۔ اور آیت نمبر۲ میں " نور " سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہے جس کا ذکر خود آگے بیان کیا جارہا ہے ، وہ ہے "وکتاب مبین یھدی بہ اللہ" اور " واؤ " یہاں پر واؤ تفسیریہ ہے اور " کتاب مبین " اسی " نور " کی تفسیر ہے ، اس اعتبار سے آیت کا معنی یہ ہوگا کہ تحقیق اللہ کی طرف سے تمہارے پاس " نور " یعنی روشن کتاب آگئی ، اور اس معنی پر دلالت کرتا ہے ۔ یھدی بہ اللہ ، اس میں " بہ " کے لفظ پر غور کیجئے جو واحد کی ضمیر ہے اور اس کا مرجع " نور " اور " کتاب مبین " ہے ۔ اب اگر یہاں " نور " اور " کتاب مبین " منشاء الٰہی میں دو ہوتے تو واحد کی ضمیر نہ ہوتی ، بلکہ تثنیہ کی ضمیر ہوتی اور یوں فرمایا جاتا " یھدی بہما اللہ " مگر ایسا نہیں تھا بلکہ منشاء الٰہی میں " نور " اور " کتاب مبین " ایک ہی ہے اس لئے واحد کی ضمیر استعمال کی گئی ، اور فرمایا کہ " یھدی بہ اللہ " فافہم

دوسرے یہ کہ قرآن کے بیان کے مطابق اس کی ایک آیت دوسری کی تفسیر کرتی ہے ، چنانچہ مفسرین نے قرآن کی تفسیر قرآن سے کرنے کو سب سے اعلیٰ سمجھا ہے ، اس لئے ہم اس آیت کی تفسیر میں دوسری آیت بھی پیش کرتے ہیں جس میں قرآن کریم کو صاف طور سے نور کہا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا " واتبعوا النور الذی اُنزل معہ اولٰئک ھم المفلحون " (الاعراف ۱۵۷) یعنی اور جو نور ان کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کی وہی مراد پانے والے ہیں ، اور دوسری جگہ فرمایا " ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولٰکن جعلنٰہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتھدی الیٰ صراط مستقیم (الشوریٰ ۵۲)

باقی صفحہ ۴۳ پر

ایسی بھی آرزو .....

فضل اللہ انصاری سلفی
راگھونگر بھوارہ مدھوبنی / بہار

حاتم اصمؒ سے کہا گیا کہ "کیا آپ کسی چیز کی خواہش نہیں کرتے؟ انہوں نے جواباً عرض کیا کہ میں دن سے رات تک کی عافیت کا آرزو مند رہتا ہوں۔ کہا گیا کہ دن خود عافیت نہیں ہو سکتے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے دن کی عافیت یہ ہے کہ میں اس میں اللہ کی نافرمانی نہ کروں۔"

یہ ایک صالح اور نیک انسان کا بیان ہے جو اپنی عافیت کا دارومدار اس بات کو سمجھتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کسی دن اللہ کی معصیت و نافرمانی نہیں کرے۔ وہ اس دنیا میں کسی اور چیز کی آرزو نہیں کرتے اور کرتے بھی ہیں تو اپنی عافیت کی جو خدا کی اطاعت و فرماں برداری پہ منحصر ہے، انسان اس دنیا میں جنم لیتا ہے نشوونما پاتا ہے اور پل بڑھ کے جب باشعور ہو جاتا ہے تو حسب تقاضائے فطرت اس کے اندر آرزو اور تمنا پیدا ہوتی ہے، وہ کسی ایک چیز پہ قانع نہیں ہوتا۔ ایک آرزو کی تکمیل ہوتی ہے کہ وہ دوسری کے لئے سرگرداں و پریشان ہو جاتا ہے، وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے:

ع بہت نکلے میرے ارماں، لیکن پھر بھی کم نکلے

کوئی بھی انسان ایسا نہیں جس کی کچھ آرزوئیں نہ ہوں اور وہ کسی نہ کسی چیز کی تمنا نہ کرتا ہو۔ غریب کو دولت کی آرزو ہوتی ہے، دولت مند کو مزید اور دولت کا حرص ہوتا ہے، کمزور کو طاقت وقوت کی تمنا ہوتی ہے، ننگے کو تن پوشی کے لئے کپڑے کی خواہش ہوتی ہے، جس کو کپڑے ہیں وہ عمدہ و اعلیٰ ملبوسات کی تمنا لئے رہتا ہے، بھوکے کو روٹی کی حاجت ہے اور جس کو کھانے کے لئے قدرت نے پہلے سے ہی نواز رکھا ہے وہ بہتر سے بہتر ماکولات و مشروبات کا متمنی ہوتا ہے، آرزو اور تمناؤں کا

سلسلہ، کسی نہ کسی شکل میں ہر انسان کو تادم آخر جکڑے رہتا ہے اور ایک ارماں نکلا کہ دوسرے کی فکر اسے دامن گیر ہو جاتی ہے۔

عربی کا ایک شاعر کہتا ہے کہ : ؎

والمرء ما عاش ممدود لہ الامل

لاتنتہی العین حتی ینتہی الاثر

یعنی آدمی جب تک زندہ رہتا اس کا رشتۂ آرزو دراز رہتا ہے، آنکھ (نگاہ طمع سے) باز نہیں آتی تاآنکہ اس کا مقصود انتہا کو نہ پہنچ جائے۔

انسان کوئی آرزو کرے اور اسے کسی چیز کی تمنا ہو، بھلا اس میں کسی کا کیا جاتا ہے۔ وہ جب تک اس دنیا میں زندہ رہے گا، اس کی تمناؤں کا سلسلہ منقطع نہیں ہو گا، ہمیشہ وہ کسی نہ کسی چیز کی آرزو کرتا ہی رہے گا۔ لیکن ایک مومن اور خدا کا اطاعت گذار بندہ ایسی آرزو اور تمناؤں میں ہی الجھا نہیں رہتا جس طرح اس کی زندگی عام لوگوں سے ممتاز وجدا ہوتی ہے، وہ اپنی آرزو کی تکمیل کا سودا کسی ایسے طریقے سے نہیں کرتا جو شریعت کے مخالف ہو اور اللہ ورسول کی معصیت اس سے لازم آتی ہو، بلکہ حقیقت میں وہ آرزو ہی اس بات کی کرتا ہے کہ وہ اپنے معبودِ حقیقی کی معصیت نہ کر بیٹھے۔ ہر آن وہر لمحہ اسے اپنے رب کی رضا وخوشنودی کی فکر لاحق ہوتی ہے، وہ جانتا ہے کہ رضائے مولیٰ از ہمہ اولیٰ، پھر ایسی آرزو کیوں کرے جس سے اللہ کی خفگی وناراضگی اسے ہاتھ آئے۔ کہنے دیا جائے کہ آج ہم عام طور سے معصیتِ رب کا ارتکاب کرتے ہیں اور ہمیں اس بات کی فکر تک نہیں ہوتی کہ ہمارے فلاں کام سے خدا ناراض ہوتا ہے۔ جانتے اور مانتے چلیں کہ معصیتِ رب کا ہمارا یہ ارتکاب اکثر وبیشتر اپنی بیجا آرزوں کی تکمیل میں ہوتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ ہماری یہ خواہش پوری ہو، پرواہ اس کی نہیں کہ کیسے ہو، ہم کو ہمارا نفس کسی چیز کو پانے کے لئے اکساتا ہے اور ہم اتباع نفس میں تکمیل خواہش کے لئے وہ طریقہ بھی اپناتے نہیں گریز کرتے جس سے اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی لازم آتی ہے۔

انسان اس نکتہ پر اگر غور کرے تو وہ بے جا آرزوں کی تکمیل کے پیچھے دیوانہ وش نہیں بھاگے، اور ہمہ دم اسے رضائے رب کی فکر ہو۔

انسان عمدہ و اعلیٰ ماکولات و مشروبات، ملابس و ملبوسات، گھر اور مکانات کا ہمیشہ آرزومند رہتا ہے، خواہ ان ان آرزوؤں کی تکمیل جیسے بھی ہو۔ وہ یہ نہیں دیکھ پاتا کہ کیسے رَوا ہے اور کیسے ناروا۔ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، کون مشروع ہے اور کون غیر مشروع۔ نتیجتاً وہ معصیتِ رب کا ارتکاب کر ہی بیٹھتا ہے۔ ایسے میں ہمیں عافیت حاصل ہو تو کیسے۔ حاتم اصمؒ تو اس عافیت کا راز اطاعتِ رَب کو مانتے ہیں، اور کمال ان کی شخصیت کا، وہ آرزو ہی اس بات کی کرتے ہیں کہ انھیں اطاعتِ رب کے بدلے عافیت حاصل ہو۔

ہم انسان ہیں، تقاضائے فطرت کے پیشِ نظر بلاشبہ ہماری کچھ آرزوئیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہم مسلمان بھی ہیں، اس لئے دیکھنا پڑے گا کہ کہیں ہم تکمیل آرزو میں معصیتِ رب کا ارتکاب تو نہیں کر رہے ہیں اور ہمارا خدا ہم سے ناراض تو نہیں ہو گا۔ تقاضائے ایمان تو درحقیقت یہ ہے کہ ہم آرزو ہی اس بات کی کریں کہ ہم کبھی کسی صورت میں اپنے خالق و رازق کی معصیت کا ارتکاب نہ کریں؛ اگر واقعی کوئی ایسی آرزو کرتا ہے اور اس کے اندر ایسی تمنا مچلے تو اس سے بڑا خوش نصیب کوئی نہیں، ایسا شخص قابلِ قدر بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی۔

•••

بقیہ صفحہ ۱۴ کا

یعنی آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اس کو نور بنایا جس کے ذریعہ ہدایت کرتے ہیں۔

ان آیات کو پیشِ نظر رکھنے سے یہ یقین ہو جاتا ہے کہ آیت "قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین" میں نور سے مراد قرآن ہی ہے نہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس۔

(باقی)

باب الفتاویٰ

انتخاب
محفوظ الرحمن سلفی

۱۔ مدرک رکوع مدرک رکعت ہے یا نہیں؟ ۔ ۲۔ مسئلہ وراثت

(۱) مفتیان کرام کا کیا خیال ہے مندرجہ ذیل مسئلہ میں؟

کہ فرض نماز میں امام اگر رکوع میں جاچکا ہے اور مقتدی اسی عین حالت میں نیت باندھ کر سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تب رکوع میں جاتا ہے تو کیا اس مقتدی کو مدرک رکعت کہنا صحیح ہے یا امام کی اقتداء کے خلاف ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

مستفتی / عبدالعلیم بن عبدالرحمٰن
ریوڑی تالاب، بنارس۔

الجواب بعون اللہ الوہاب!

مقتدی کا یہ عمل اقتداء کے خلاف ہے، بعد میں آنیوالے مقتدی پر واجب ہے کہ جس حال میں امام کو پائے اسی حال میں امام کے ساتھ مل جائے۔ سنن سعید بن منصور (کما فی فتح الباری ۲/۲۶۹) اور مصنف ابن ابی شیبہ ۱/۲۵۳، ایک مدنی صحابی سے روایت ہے: "من وجدنی راکعا أو قائما أو ساجدا فلیکن معی علی حالی التی أنا علیھا" (جو شخص مجھے رکوع یا قیام یا سجدہ جس حال میں بھی پائے اسی حال میں ہوجائے) اور سنن ترمذی (کتاب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی الرجل یدرک الامام وھو ساجد کیف یصنع؟) میں حضرت علی وحضرت معاذ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: "اذا أتی احدکم الصلوٰۃ والامام علی حال فلیصنع کما یصنع الإمام" (جب تم میں سے کوئی نماز کو آئے اور امام کسی حال میں ہو تو ویسا ہی کرے جیسا امام کو کرتے ہوئے پائے)

اس روایت میں ذرا سا ذرا سا ضعف ہے مگر بقول حافظ ابن حجر اور علامہ البانی (صحیحہ ۱۱۸۸) اس ضعف کا انجبار ابن ابی شیبہ کی روایت سے ہوجاتی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ نے مصنف میں بہت سے صحابہ وتابعین سے ان کا یہی فرمان نقل کیا ہے کہ جس حال میں امام

ہو بعد میں آنیوالے مقتدی کو اسی حال میں مل جانا چاہیئے۔ سوال میں مذکور مقتدی کا عمل اگر جائز ہوتا تو یہ بھی جائز ماننا پڑیگا کہ کسی مقتدی کی ایک رکعت چھوٹ گئی ہو تو وہ اپنے تئیں اس رکعت کو پوری کر کے پھر امام کے ساتھ شامل ہو جائے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اقتدار کا معنیٰ ہی ہے ہر کام امام کے ساتھ ہو، امام کی حالت قیام میں اگر سورۂ فاتحہ پڑھ لے گیا تب تو مقتدی کا قیام وفاتحہ معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔ ہذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ اُتم

احمد مجتبیٰ سلفی / استاد جامعہ سلفیہ بنارس۔ الجواب صحیح / محمد رئیس ندوی۔

(۲) زید نے اپنے انتقال کے بعد تین لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں، بعد ازاں ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا جس نے ایک لڑکی اور ایک بیوی چھوڑی، اسکے بعد ایک دوسرے لڑکے کا انتقال ہو گیا اس سے نہ کوئی اولاد ہی تھی اور نہ بیوی وہ لاولد فوت ہوا۔ تیسرا لڑکا بروقت موجود ہے اور صاحب اولاد ہے لڑکیاں سبھی صاحب اولاد ہیں، ان کے درمیان شرعی طریقہ سے جائداد کس طرح تقسیم ہوگی؟ والسلام / محمد اشرف، بنارس۔

الجواب۔ زید کی کل جائداد کے دس حصے کر کے ۲/۲ حصے زید کے تینوں لڑکوں کو دیئے جائیں گے اور ایک ایک چاروں لڑکیوں کو۔ اب زید کے پہلے متوفی لڑکے کی جائداد کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ کل مال کے سولہ حصے کئے جائیں گے جن میں سے آٹھ حصے لڑکی کو، دو حصے بیوی کو باقی ۶/ حصے ۳/۳ کر کے دونوں زندہ بھائیوں یعنی زید کے دونوں زندہ بیٹوں کو دیئے جائیں گے۔ دوسرے متوفی لڑکے کی جائداد چھ حصے میں تقسیم ہوگی ۲/ حصے زندہ بھائی کو اور ۱/۱ چاروں بہنوں کو دیدیا جائے گا عملی تقسیم حسب ذیل ہے

زید میت ۱۰

۳ بنین		۴ بنات
۶	+	۴ = ۱۰

پہلا لڑکا میت ۸ × ۲ = ۱۶

۱/ بنت		۱/ زوجہ		۲/ اخوان
نصف		ثمن		عصبہ
۴	+	۱	+	۳ = ۸
۸	+	۲	+	۶ = ۱۶

دوسرا لڑکا میت ۶

۱/ اخ		۴/ اخوات
عصبہ		عصبہ
۲	+	۴ = ۶

ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب ——— الجواب ——— صحیح

احمد مجتبیٰ سلفی / استاد جامعہ سلفیہ بنارس — محمد رئیس ندوی

ہماری نظر میں

نام کتاب : ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت
نام مؤلف : مولانا غازی عزیر ابن مولانا محمد امین اثری مبارکپوری ثم علیگڑھی
صفحات : ۲۲۳
ناشر : فاروقی کتب خانہ ملتان (پاکستان)

شیطان نے جو بنی آدم کو شاہراہ حق سے گمراہ کرنے کی قسم کھائی تھی[1] تو وہ اس کیلئے ہر ممکن کوشش میں لگا ہی رہتا ہے، اس کی تدبیریں بڑی باریک ہوا کرتی ہیں، انہی باریک چالوں میں سے ایک باریک چال غلط نظریات کو بنی آدم میں چلن دینا بھی ہے اور انہی غلط نظریات میں سے ایک ضعیف کو مستند شرعی حیثیت دیدینا بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس غلط مسلک کے قائلین میں بعض مشاہیر علماء کرام بھی نظر آتے ہیں۔

لیکن حسب فرمان نبوت "یَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُولُهُ، يَنْفُونَ عَنْهُ تَحْرِيفَ الْغَالِينَ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِينَ، وَتَأْوِيلَ الْجَاهِلِينَ"[2] اللہ تبارک وتعالیٰ جس نے "الذکر" (قرآن کریم) کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے[3] ہر دور میں "الذکر" کی شرح "سنت نبوی" کی حفاظت کے لئے ماہر اور حساس علماء کی جماعت پیدا کرتا رہا ہے، اور کرتا رہے گا، اور چونکہ "الذکر" کو تاقیامت باقی رہنا ہے، اس لئے قیامت تک ایسے علماء حق بھی پیدا ہوتے رہیں گے۔

موجودہ دور میں بھی اس اہم فریضہ کو انجام دینے والی علماء حق کی ایک ٹیم موجود ہے جس کے سرخیل محدث وقت علامہ محمد ناصر الدین البانی حفظہ اللہ ہیں۔

---

(۱) سورۂ ص، آیت ۸۲
(۲) ابن ابی حاتم فی الجرح والتعدیل (۲/۱۷) وقال احمد: صحیح (تعلیق الالبانی علی المشکاۃ رقم ۲۴۸)
(۳) انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (سورہ الحجر ۹)

مملکت توحید وسنت سعودی عربیہ کی موجودہ تحریک احیاء سنت کے ماحول سے متأثر ہو کر ہندوستان کے معروف ومشہور اور اپنے وقت کے علماء حق کے سرخیل امام عبدالرحمٰن مبارکپوری (صاحب تحفۃ الاحوذی فی شرح سنن الترمذی) کے خانوادے کے چشم وچراغ اور فطری طور پر تحقیق وجستجوئے حق کا جذبہ رکھنے والے جناب مولانا غازی عزیر ابن مولانا محمد امین اثری (برادر زادہ شارح ترمذی) بھی اپنے بساط کے مطابق اس میدان میں اترے ہیں جنہوں نے امت میں رائج سیکڑوں ضعیف وموضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے اور برابر کرتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ان کی مذکورہ بالا کتاب بھی ہے جو خاص طور پر بعض علماء کے دل ودماغ میں بسے اور ان کی تالیفات میں پھیلے اس غلط مسلک کی رد میں ہے کہ ضعیف احادیث کی بھی کوئی شرعی حیثیت ہے۔

اس غلط مسلک کو ہزاروں صحیح احادیث نبویہ کے بالمقابل اپنے متبوع مجتہد کی بات رکھنے کیلئے (جب کہ مجتہد خطا کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے) بلکہ چور دروازے سے انکار حدیث کو امت میں رائج کرنے کے لئے استعمال کیا گیا، اور کیا جا رہا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ صحیح اخبار آحاد سے عقیدہ کے عدم ثبوت کے قائلین ضعیف بلکہ موضوع احادیث تک سے عقائد ثابت کرنے جا رہے ہیں۔

موصوف کی یہ خدمت قابل قدر ہے کہ آپ نے اس غلط مسلک کی تردید میں محققین سلف صالح کے صحیح مسلک کو اردو کے قالب میں پیش کر دیا ہے تاکہ ہند وپاک کا اردو داں طبقہ[1] اس باب میں صحیح مسلک سے باخبر ہو جائے (ہند وپاک جو تقلید جامد، اور انکار حدیث کا ایک ایسا جنگل ہے جس میں ہر غلط فکر ونظر کی اسلام کے نام پر تبلیغ کی شتر بے مہار آزادی ہے)۔ اللہ تعالیٰ موصوف کو تمام امت کی طرف سے جزاء خیر دے کہ انہوں نے یہ فرض کفایہ ادا کر دیا۔ کتاب میں بعض فنی، موضوعی، انشائی اور طباعتی غلطیاں بھی ہیں جن کی نشاندہی ہم نے مؤلف کے پاس بھیجدی ہے، امید کہ آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح کی طرف توجہ دیں گے۔

وفقہ اللہ وإیانا لما یحب ویرضیٰ۔

(احمد مجتبیٰ سلفی)

---

(۱) اس طبقے کے مطالعے کی معراج ہی اردو کتابیں ہیں، اور انہی کے مطالعہ سے وہ بقلم خود مفکر اسلام تک بن جاتے ہیں، اس لئے اردو میں صحیح فکر کو منتقل کرنا ایک اہم فریضہ ہے۔

نام رسالہ ماہنامہ " راہ اعتدال " عمرآباد

زیرادارت مولانا ابوالبیان حماد عمری حفظہ اللہ

جامعہ دارالسلام عمرآباد جنوبی ہند کی ایک بہت ہی قدیم دینی وعلمی درسگاہ ہے جہاں سے اب تک بہت سے علماء وفضلاء آسمان علم وآگہی پر ابھرے اور اپنی اپنی ضونشانیوں سے طالبان علوم دینیہ کے قلوب و اذہان کو منور کرتے رہے اور کر رہے ہیں، اس درسگاہ نے اب تک بہتیرے نامور فضلاء ومصنفین پیدا کئے اور ملک کے اداروں کو قابل اور باصلاحیت اساتذہ فراہم کئے ۔ لیکن صحافتی اعتبار سے ایک تشنگی مدتوں سے محسوس کی جاتی رہی کہ اُدھر سے کوئی معیاری رسالہ وجریدہ نہیں نکل رہا تھا، اللہ کا شکر ہے کہ جامعہ دارالسلام کے فضلاء نے اس کمی کو پورا کیا اور ادارہ کے قدیم طلباء کرام کی جانب سے ایک علمی ودینی ماہنامے کے اجراء کا فیصلہ کیا گیا، اگرچہ یہ کام بہت پہلے کرنے کا تھا لیکن شاید مشیت الٰہی نے اس کیلئے اسی وقت کو مقرر کیا تھا۔ ادارہ محدث اس کیلئے جامعہ دارالسلام کے ابناء قدیم کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کر رہا ہے ، قبول فرمائیں !

جنوبی ہند کی اسلامی صحافت کے افق سے طلوع ہونیوالا یہ ماہانہ رسالہ " راہ اعتدال " کے نام سے موسوم ہے، اللہ کرے کہ رسالہ اعتدال کے ساتھ قوم وملت کو صحیح دینی فکر اور متوازن رہنمائی سے مالا مال کرے ۔ رسالہ کے محتویات و مشمولات بہت عمدہ مضامین و مقالات کے حامل ہیں ، اور ملک کے نامور اہل قلم کے رشحات قلم سے اسکو مزین کیا گیا ہے۔ مگر ابھی اس کے معیار کو مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے ، مضامین کی ترتیب میں شخصیات کے علمی وزن کا لحاظ نہیں کیا گیا، بعض حضرات کا مقالہ تقدم اور اولیت کا مستحق تھا جسے نظر انداز کیا گیا۔

ایک اور بات محسوس ہو رہی ہے کہ پہلے شمارہ میں دو تحریریں قسط وار ہیں ، بالاقساط مضامین سے حتی الوسع احتیاط بہتر ہے کہ یہ قارئین کے لئے گراں ہوتے ہیں ، اگر طویل مقالے ہیں تو مختلف سرخیوں سے شائع کیا جا سکتا ہے۔ رسالہ کی کتابت وطباعت عمدہ ہے دعا ہے کہ رب پاک اس کی عمر دراز کرے ، خوب پھولے پھلے ، پروان چڑھے اور امت کی بھلائی ورہنمائی میں سنگ میل کا کام دے ۔

(امتیاز احمد سلفی)

ماہنامہ **محدّث** بنارس

شمارہ ۳ | مارچ ۱۹۹۲ء | رمضان ۱۴۱۲ھ | جلد ۱۰

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

اس شمارہ میں

درسِ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤمن کیلئے موسمِ بہار

اصغر علی امام مہدی السلفی

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ۔ (سورة البقرة ۱۸۵)

ماہ رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کے مابین تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں مقیم ہو وہ روزہ رکھے۔

بندہ مؤمن کے لئے حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے، اور حقیقت میں انسان کی اصل زندگی کا آغاز قیامت کے دن سے ہی ہوگا۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، ایک انسان آخرت کی اس زندگی میں وہی پائے گا جو اس فانی دنیا میں بوئے گا، دنیا میں ہر پیشہ اختیار کرنے والے کیلئے کمانے کا ایک خاص موسم ہوتا ہے جس میں وہ محنت و مشقت کرکے آئندہ زندگی کے لئے توشہ جمع کرلیتا ہے یا وہ سستی اور کاہلی اور بے توجہی وغفلت شعاری اور بے شعوری کا شکار ہو کر محتاج و نادار بن جاتا ہے اور پھر اس کے لئے کف افسوس ملنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہوتا ہے، اسی طرح نیکیوں کو جمع کرنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے خاص خاص موسم متعین فرمادیئے تاکہ بندۂ مؤمن اس موسم میں محنت ومشقت کرکے اپنے دامن کو نیکیوں سے بھرلے اور اپنی آخرت کی زندگی کیلئے توشہ اختیار کرلے دنیاوی زندگی کا ایک ایک لمحہ بندہ مؤمن کے لئے مال غنیمت ہے، دنیا آخرت کی ایسی کھیتی ہے کہ مومن بندہ جب چاہے اس میں بوئے اور کاٹ لے، مگر بعض موسم اللہ تعالیٰ نے مؤمن بندوں کے لئے ایسے متعین فرمادیئے ہیں کہ بندہ اس میں تھوڑی محنت کرکے بہت ساری نیکیاں حاصل کرسکتا ہے، انہی موسم بہار میں سے رمضان المبارک کا وہ مقدس مہینہ ہے جس میں رب کی رحمتوں اور نعمتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ گناہ جلا کر خاک کردیئے جاتے ہیں۔ اس ماہ کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ رب العزت نے انسان کے لئے اپنی سب سے عظیم نعمت قرآن مجید کو اسی مہینے میں آسمان سے بیت العزت میں نازل فرمایا جو پوری انسانیت کے لئے باعث ہدایت اور رہنمائی ہے،

اور ہر طالب حق کا متاع گمشدہ ہے اس میں حق و باطل اور حلال و حرام کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے اس لئے بندہ مومن کو اس موسم میں اس عظیم عطیہ الہی سے زیادہ شغف رکھنا چاہئے اس کی تلاوت اور اس میں تدبر کرنا چاہئے اور اس کے تمام احکام و قوانین پر عمل کرنے کو باعث سعادت جاننا چاہئے اس موسم بہار میں جب انسان مکمل طور پر اپنے آپ کو رضاء الہی کے لئے وقف کر دیتا ہے اور رحمت خداوندی اس کو ہر سوے ڈھک لیتی ہے اس پر بہار موسم زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہونا چاہئے ۔ یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس کا روزہ بندہ پر فرض کر دیا گیا ہے ۔ بندہ روزہ کو توڑنے والی ہر چیز سے اپنے آپ کو روک کر رب کی خوشنودی چاہتا ہے یہ روزہ جہاں اس کی خواہشات کو توڑنے والا ہے، اس کے ایمان کیلئے ڈھال بن جاتا ہے اسی مہینے میں بندہ مومن پر رحمت خداوندی کی بارش ہوتی ہے اللہ تعالیٰ بندوں کو ان گنت نیکیاں دیتے ہیں، اس کے روزوں، قیام رمضان کے بدلے اس کے پچھلے گناہ معاف فرمادیتے ہیں من صیام رمضان ایمانا واحتسابا غفرلہ ما تقدم من ذنبہ اس بابرکت ماہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے، شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور رحمت و جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں نیک عمل کا ثواب دوچند کر دیا جاتا ہے ۔ ایک حدیث کے بموجب وہ انسان نہایت بدقسمت ہے جو رمضان المبارک کے مہینے میں زندہ ہو اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر جنت کا حق دار نہ بن جائے، یہ مہینہ غریب پروری، ہمدردی و غمخواری کا مہینہ ہے ۔

شام میں روزے دار کو افطار کرانے کے بدلے میں روزے کا ثواب حاصل ہوتا ہے تو سحر میں خود سحری کھانا باعث خیر و برکت ہے تسحروا فان فی السحور برکۃ سحری کھاؤ سحری کھانے میں برکت ہے ۔

غرضیکہ رمضان المبارک کا مہینہ مومن بندہ کیلئے موسم بہار سے زیادہ خوشگوار اور بابرکت موسم ہے ۔

بڑے ہی خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس خیر و برکت کے موسم بہار میں اپنے دامن کو نیکیوں سے بھر لیتے ہیں اور جنت کے آٹھ دروازوں میں سے روزہ داروں کے لئے خاص دروازہ " ریان " کے مستحق بننے کی کوشش کرتے ہیں ۔

درسِ حدیث

روزہ کی حفاظت و نگہداشت

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من لم یدع قول الزور والعمل بہ، فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ۔ (البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہیں چھوڑا تو اللہ تعالیٰ اس کا حاجت مند نہیں کہ انسان اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔

روزہ ایک روحانی وجسمانی عبادت ہے، اس سے جسم وجان اور روح کی تطہیر ہوتی ہے، مؤمن بندہ جب روزہ کی نیت کرتا ہے تو اپنے اوپر کھانا، پانی، جماع اور ہر طرح کے لغویات کو حرام کرلیتا ہے اور تمام ملذات دنیا سے دست کش ہوجاتا ہے، تمام مخالفات شرعیہ سے رک جانے کا قصد کرتا ہے، کیونکہ روزہ ترجمہ ہے صیام کا، اور صیام کے معنی ہیں روزہ توڑنے والی چیزوں سے رک جانے کا۔ اور ہر طرح کی بری باتوں، گندی عادتوں سے مکمل احتراز کرنے کا۔

مندرجہ بالا حدیث پاک میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح طور پر بیان فرمادیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بندہ کا صرف بھوکا پیاسا رہنا مطلوب ومقبول نہیں بلکہ روزہ کی مقبولیت کے لئے ضروری ہے کہ روزہ دار جھوٹ، برائی، چغلی، غیبت، بدکاری، فحاشی وبدگوئی، ہرزہ سرائی اور بیہودہ گفتگو اور برے کاموں سے بچے چوری، فریب کاری، دھوکہ دہی، ظلم رانی اور رشوت ستانی، سب وشتم اور گالی گلوچ سے مکمل اجتناب کرے، کیونکہ روزہ اتنا عظیم اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ اس میں کسی قسم کے خواہشات نفسانی کی آمیزش کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ حدیث قدسی ہے کہ:

کل عمل ابن آدم لہ إلا الصوم (الحدیث) یعنی ابن آدم کا ہر عمل اس کے لئے ہے سوائے روزہ کے

کیونکہ وہ صرف میرے لئے ہے اور میں خود اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزے ڈھال ہیں جب تم میں سے کوئی رو
سے ہو تو بیہودہ نہ بکے نہ ہنگامہ و شور برپا کرے، اور نہ جہالت و نادانی کرے، اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرے
تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے
روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ خوشگوار ہے۔ اور روزہ دار دو خوشیوں سے
محظوظ ہوتا ہے۔ جب افطار کرتا ہے تو اپنے افطار سے خوش ہوتا ہے اور جب اپنے رب سے ملے گا تو اپنے
روزے سے خوش ہو گا۔ (البخاری و مسلم)

غور کرنے کا مقام ہے کہ جو روزہ صرف ذات باری کے لئے ہو، ڈھال ہو، روزہ دار کے منہ کی بو
مشک سے زیادہ معطر ہو بھلا اس میں لایعنی اور بیہودہ گوئی کی کہاں گنجائش رہ جاتی ہے۔ اور اگر روزہ ان تمام
مخالفات و منکرات سے پاک نہیں بلکہ صرف بھوک و پیاس کو روکنے کا نام ہے تو پھر وہ ایک ایسا جسم ہے جو
بے جان ہے۔ اور یہی مطلب ہے اس حدیث پاک کا کہ: "اللہ تعالیٰ کو ایسے روزے کی حاجت نہیں جس میں
جھوٹ اور جہالت اور اس پر عمل کو ترک نہ کر دیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قبولیت روزہ کے لئے جھوٹ اور
جہالت و دیگر رذائل سے بچنا شرط ہے اس کے بغیر انسان کا روزہ تو ادا ہو جائے گا قضا و کفارہ لازم نہیں
آئے گا مگر ثواب جاتا رہے گا۔"

اس لئے روزے کی حالت میں لایعنی کاموں اور بیکار و بے سود باتوں سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔ حدیث
میں ہے کہ اچھا مؤمن وہ ہے جو لایعنی باتوں کو ترک کر دے۔ رمضان المبارک کا باعظمت مہینہ مؤمن سے اس بات
کا متقاضی ہے کہ مومن اس صفت سے اس ماہ میں زیادہ متصف ہو۔ ایک ایک منٹ عبادت الٰہی میں صرف
کرے۔ وہ انسان نہایت ہی بدقسمت ہے جو وقت گذاری کے لئے تاش، لوڈو اور بیکار قسم کے مشاغل میں پھنس کر
اس سنہری موقع کو جسے عبادت میں گذارنا چاہئے لہو و لعب میں گذارتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اپنی مرضی کے مطابق روزہ رکھنے کی توفیق دے، اور ہر ناپسندیدہ عمل
سے محفوظ رکھے۔

افتتاحیہ

اہلِ ایمان اور ابتلاء و امتحان

① مومنین کو جو شر و محن اور اذیت پہونچتی ہے کفار کو پہونچنے والے شر و محن سے کم تر ہوتی ہے، واقع اس کا شاہد ہے، ایسے ہی اس دنیا میں ابرار کو جو مصائب پہونچتے ہیں وہ فجار، فساق اور ظالموں کے مصائب سے بہت زیادہ کم ہوتے ہیں۔

② مومنوں پر اللہ کی راہ میں، جو مصائب اترتے ہیں وہ رضا اور طلب ثواب سے آمیز ہوتے ہیں، اگر رضا نہ ہو تو صبر اور طلبِ ثواب پر ان کا اعتماد ہوتا ہے اور یہ بلا کے بوجھ کو ان کے لئے ہلکا کر دیتے ہیں، چنانچہ جب وہ عوض اور ثواب کا احساس کرتے ہیں تو مشقتوں اور بلاؤں کا جھیلنا ان کے لئے آسان ہو جاتا ہے، جب کہ کفار کے پاس نہ رضا ہے نہ طلبِ ثواب، اگر وہ صبر کرتے بھی ہیں تو وہ بہائم جیسا صبر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہی اصل بیان فرمائی ہے ولا تھنوا فی ابتغاء القوم ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ ما لا یرجون (۴/۱۰۴) اور کفار کی تلاش میں سستی نہ کرو، اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح تکلیف اٹھاتے ہیں، اور تم اللہ سے اس اجر کی امید رکھتے ہو جس کی انہیں امید نہیں۔

ابتلا و الم میں تو سب ہی شریک ہیں، لیکن مومنین اجر کی امید اور اللہ تعالیٰ سے قربت میں ممتاز ہیں۔

③ مومن کو اللہ کی راہ میں جب اذیت پہونچتی ہے تو اس کی اطاعت، اس کے اخلاص اور اس کے قلب میں ایمان کے حقائق کے وجود کے حساب سے اسے ہلکا کر دیا جاتا ہے، اس کی ایسی اذیتوں کو اٹھا لیا جاتا ہے کہ اگر ان کا کچھ حصہ کسی دوسرے پر ڈالا جائے تو اس کے برداشت کرنے سے عاجز رہے، یہ اللہ کا اپنے مومن بندے سے دفاع ہے، وہ اس سے بہت سی بلائیں دفع کرتا ہے، اور اگر ان میں سے کچھ اس کے لئے ضروری ہوں تو ان کا بوجھ اور ان کی مشقت کو خفیف اور ہلکا کر دیتا ہے۔

(۴) محبت جب دل میں جاگزیں اور راسخ ہو جاتی ہے تو محبوب کی رضا میں محب کو اذیت میٹھی لگتی ہے نہ
ڑوی اور محبین اس پر اپنے احباب کے پاس فخر کرتے ہیں تو اللہ جو محبوب اعلیٰ ہے اس سے محبت کا کیا پوچھنا
ی کی ابتلاء اپنے حبیب کے لئے رحمت اور اس کا احسان ہے۔

(۵) کافر، فاجر اور منافق کو جو عزت اور غلبہ وجاہ حاصل ہوتا ہے، وہ مومنین کو حاصل ہونے والے
ر عزت سے بہت کم تر ہوتا ہے، بلکہ اس غلبہ و عزت کا باطن ذلت، شکست اور رسوائی ہے گو بظاہر اس
لاف ہے۔ امام حسنؒ فرماتے ہیں: گھوڑے اور خچر گو انہیں لے کر دوڑتے ہوں لیکن معصیت کی ذلت یقیناً
کے دلوں میں ہے، اللہ اپنے نافرمانوں کو ذلیل ہی کرتا ہے۔

(۶) مومن کی ابتلاء اس کے لئے دوا کے مثل ہے، اس سے ایسی بیماریوں کو نکالنا مقصود ہوتا ہے کہ اگر
ے کے اندر وہ باقی رہیں تو اسے ہلاک کر دیں یا اس کا ثواب کم کر دیں، یا اس کا درجہ گھٹا دیں، اس ابتلاء و امتحان
ان بیماریوں کو نکالا جاتا ہے اور وہ اس سے کمال اجر اور بلندیٔ منزلت کے لئے مستعد ہوتا ہے، اور یہ معلوم
کہ اس ابتلاء کا وجود مومن کے لئے اس کے نہ ہونے سے بہتر ہے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یقضی اللہ للمؤمن قضاء الا کان خیرا لہ، ولیس ذلک إلا
ؤمن، ان اصابتہ سراء شکر، فکان خیرا لہ، وان اصابتہ ضراء صبر، فکان خیرا
۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ مومن کے لئے جو فیصلہ بھی کرتا ہے وہ اس کے
یر ہی ہوتا ہے۔ یہ امتیاز صرف مومن ہی کو حاصل ہے، اگر اسے راحت پہونچتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس
لئے خیر ہے اور اگر اسے تکلیف پہونچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہے۔

لہٰذا یہ ابتلاء اور امتحان اس کے غلبہ و عزت اور عافیت کے لئے تمام و کمال ہے، اسی لئے انبیاء پر سب
زیادہ ابتلائیں نازل کی جاتی تھیں، پھر جو ان سے قریب ہوں اور پھر جو ان سے قریب ہوں۔ آدمی اپنے دین کے
بسے ابتلاء پاتا ہے، اگر اس کے دین میں مضبوطی ہے تو ابتلاء سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں نرمی ہے
بتلاء کو ہلکا کر دیا جاتا ہے، بلا ہمیشہ مومن کے ساتھ لگی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمین پر اس طرح چلتا ہے
ں پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

(۷) مومن کو دنیا میں دشمن کے غلبہ و حکومت اور بعض اوقات اس کی طرف سے اذیت کی جو مصیبت

پہونچتی ہے یہ لازمی امر ہے ، اس سے مفر نہیں ، یہ سخت گرمی ، سخت سردی ، امراض اور ہموم وغموم کی طرح ہے یہ طبعی امر ہے ۔ انسانی نشو ونما کے لئے اس دنیا میں لازم ہے ، حتی کہ بچے اور حیوانات بھی اس میں شامل ہیں ۔ احکم الحاکمین کی حکمت کا اقتضا رہی ہے ، اس عالم میں اگر خیر شر سے الگ ہو جائے اور نفع مضر سے اور لذت الم سے تو یہ عالم اس کے علاوہ کچھ اور ہی ہوگا ، اور اس نشو ونما سے الگ کچھ اور ہی نشو ونما ہوگی ، اور وہ حکمت فوت ہو جائے گی جس کے لئے خیر اور شر ، الم اور لذت ، اور نافع اور ضار کو ایک ساتھ ملا رکھا ہے ۔ ان کی جدائی اور تمیز اس دنیا کے علاوہ دوسری دنیا میں ہوگی ، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : لیمیز اللہ الخبیث من الطیب ویجعل الخبیث بعضہ علی بعض فیرکمہ جمیعا فیجعلہ فی جہنم اولئک ھم الخاسرون (۸/۳۷) تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا کر سب کا ڈھیر لگا دے ، پھر جہنم میں ڈال دے ، یہی لوگ سخت خسارہ پانے والے ہیں ۔

(۸) مومنین کو کبھی ان کے دشمنوں کے غلبہ ، قہر اور شکست و ریخت سے دوچار کیا جاتا ہے ، اس میں بہت بڑی حکمت ہے جسے تفصیل کے ساتھ اللہ عزوجل کے سوا کوئی اور نہیں جانتا ۔ اس حکمت عظیمہ میں سے یہ بھی ہے کہ : انہیں اللہ کے لئے عبودیت ، تابعداری ، انکسار ، افتقار و احتیاج ، دشمنوں پر غلبہ کے لئے اس سے سوال کا پابند کیا جائے ، اگر وہ ہمیشہ فتح یاب اور غالب ہی رہیں تو غرور و تکبر اور اکڑفوں میں مبتلا ہو جائیں گے ، اور اگر ہمیشہ مقہور و مغلوب اور دشمنوں کے ماتحت رہیں تو دین کی بنیاد قائم نہ رہے اور حق کے لئے کوئی غلبہ واقتدار نہ ہو لہٰذا احکم الحاکمین کی حکمت کا اقتضاء ہوا کہ انہیں کبھی غلبہ عطا کیا اور کبھی مغلوب کر دیا ، چنانچہ جب مغلوب ہوئے تو اپنے رب کی طرف تضرع ، انابت ، خضوع ، انکسار اور توبہ اختیار کیا ، اور جب غالب ہوئے تو اپنے دین اور اس کے شعائر کو قائم کیا ، معروف کا حکم دیا ، منکر سے روکا ، اس کے دشمن سے جہاد کیا ، اور اس کے اولیاء کی مدد کی

اس حکمت عظیمہ میں سے یہ بھی ہے کہ اگر مومنین ہمیشہ غالب ہی رہیں تو ان کے ساتھ ایسے لوگ شامل ہو جائیں گے جن کا مقصد دین اور اتباع رسول نہیں ہوتا بلکہ غلبہ و عزت والے لوگوں سے اس طرح کے لوگ منسلک ہو جایا کرتے ہیں ، اور اگر ہمیشہ مغلوب و مقہور رہیں تو ان کے ساتھ کوئی شامل نہ ہو ، اس طرح حکمت الٰہیہ کا اقتضا ہوا کہ کبھی انہیں دولت و اقتدار حاصل ہو اور کبھی یہ مغلوب ہوں ، اس سے ان لوگوں کی تمیز ہو جاتی ہے جو اللہ اور رسول کو چاہتے ہیں اور جو صرف دنیا اور جاہ ومنصب کے خواہاں ہوتے ہیں ۔

اس حکمت عظیمہ میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ امن وخوشحالی اور مصیبت وتکلیف کی بنیادوں پر بندوں کی عبودیت کی تکمیل چاہتا ہے۔ دونوں طرح کے احوال عبودیت کا خاص اقتضاء رکھتے ہیں جن کے بغیر دلوں کو استقامت حاصل نہیں ہوسکتی، جیسے کہ اجسام گرمی اور سردی، بھوک اور پیاس، مشقت اور تھکاوٹ اور ان کے اضداد سے استقامت پاتے ہیں، لہذا یہ بلایا اور محن انسانی کمال اور مطلوبہ استقامت کے حصول کے لئے شرط ہیں، لازم کے بغیر ملزوم کا وجود ممتنع ہے۔

اس حکمت عظیمہ میں سے یہ بھی ہے کہ مومنین پر دشمنوں کو غلبہ عطا کرنے کے امتحان سے ان کی تہذیب و تمحیص ہوتی ہے، جیساکہ غزوۂ احد کے دن مومنین پر کفار کو غلبہ عطا کرنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الأعلون ان كنتم مومنين، ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الأيام نداولها بين الناس وليعلم الله الذين آمنوا ويتخذ منكم شهداء والله لا يحب الظالمين، وليمحص الله الذين آمنوا ويمحق الكافرين، ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصابرين، ولقد كنتم تمنون الموت من قبل أن تلقوه فقد رأيتموه وانتم تنظرون، وما محمد إلا رسول قد خلت من قبله الرسل أفإن مات أو قتل انقلبتم على اعقابكم ومن ينقلب على عقبيه فلن يضر الله شيئا وسيجزي الله الشاكرين۔

(۳/۱۳۹، ۱۴۴) ان آیات میں اللہ سبحانہ نے اپنی متعدد حکمتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کے لئے کافروں کو غلبہ عطا کیا گیا، پہلے تو تقویت اور بشارت دی کہ عطا کئے گئے ایمان کے سبب غالب مومنین ہی ہیں، اور تسلی دی کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں جو گزند انہیں پہونچی ہے تو ان کے دشمنوں کو اللہ اور اس کے رسول کی عداوت میں گزند پہونچ چکی ہے، پھر بتایا کہ اللہ اپنی حکمت سے زمانہ کو لوگوں کے درمیان الٹا پھیرتا رہتا ہے اس طرح رزق واجل کے حصے ہر ایک کو مل جاتے ہیں، پھر بتایا کہ کفار کو غلبہ اس لئے دیا گیا تاکہ مومنین کو چھانٹ کر الگ کرلے، پھر اس نے چاہا کہ بندوں کے لئے جو سب سے نافع چیز ہے اور اللہ کے یہاں جس کا درجہ بہت بلند ہے یعنی شہادت اس سے کچھ لوگوں کو مشرف فرمائے، اور مومنین کو توبہ واستغفار کے ذریعہ ان گناہوں سے نجات دی جائے جو ان کے اوپر دشمنوں کے غلبہ کے سبب بنے، ساتھ ہی اس کا یہ بھی ارادہ ہے کہ کافروں کو ان کی سرکشی اور عدوان کی

طغیان کے سبب مٹا دے، پھر مومنین کے اس گمان کا رد فرمایا کہ جنت میں بغیر جہاد اور صبر کے داخل ہو سکتے ہیں، اور اگر انہیں ہمیشہ غلبہ ہی حاصل رہے تو نہ کوئی دشمن سے جہاد کرے گا اور نہ ایسے ابتلاء کی زد میں آئیں گے جس سے وہ دشمنوں کی اذیت پر صبر اختیار کریں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور موت و حیات کی تخلیق اور بے شمار نعمتوں سے زمین کی تزئین اپنے بندوں کے ابتلاء و امتحان کے لئے کی ہے تاکہ اسے اور اس کے پاس موجود نعمتوں کو چاہنے والوں کو ان لوگوں سے ممتاز کرے جو دنیا اور اس کی زینت کے طلبگار رہیں۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا (۶۷/۲) جس نے موت اور حیات پیدا کی تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے۔ إنا جعلنا ما علی الارض زینۃ لها لنبلوهم ایهم احسن عملا (۱۸/۷) زمین پر جو کچھ ہے ہم نے اسے زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ ہم ان لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں کون اچھے کام کرتا ہے۔

الٓم، أحسب الناس أن یترکوا أن یقولوا آمنا وهم لا یفتنون، ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین (۲۹/۱،۲) کیا ان لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی، ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا تھا، اللہ ان کو جو سچے ہیں اور انہیں جو جھوٹے ہیں ضرور چھانٹ کر الگ الگ کریگا

لہذا لوگوں کے پاس جب رسول بھیجے گئے تو ان کے سامنے دو باتیں ہیں، یا تو ہر شخص کہے "میں ایمان لایا" یا وہ ایمان نہ لائیں اور کفر و سیئات پر باقی رہیں، بہرصورت دونوں کا امتحان لازم ہے، لہذا ایمان لانے والے کو اللہ تعالیٰ لازماً امتحان و ابتلا میں ڈالے گا تاکہ وہ نمایاں کر دے کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا، اگر جھوٹا ہوگا تو امتحان کی گھڑی آتے ہی پھر جائے گا اور امتحان و ابتلاء سے بھاگ کھڑا ہوگا اور اگر سچا ہوگا تو ثابت قدم رہے گا، اور یہ ابتلا اس کے ایمان میں اور اضافہ کرے گی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولما رأی المومنون الأحزاب قالوا هذا ما وعدنا اللہ ورسوله وصدق اللہ ورسوله وما زادهم إلا ایمانا وتسلیما۔ (۳۳/۲۲) اور جب مومنوں نے کفار کے لشکر دیکھے تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا، اور اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے، اور اس سے ان کے ایمان اور اطاعت میں اضافہ ہوا۔

لیکن جو ایمان نہیں لایا وہ اگر دنیا کے عذاب و مصائب اور ان سزاؤں سے بچ بھی جائے جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کے نافرمانوں پر نازل کرتا ہے تو وہ آخرت کے عذاب میں گرفتار ہوگا، جو سب سے بڑا عذاب ہوگا، اس طرح دنیا، برزخ اور قیامت سب میں ہر ایک کے لئے ابتلاء ہے، لیکن مومن کا امتحان وابتلاء ہلکا ہے، اللہ تعالیٰ ایمان کے ذریعہ اس کا دفاع کرتا ہے، اسے ہلکا کر دیتا ہے، اسے صبر و ثبات اور تسلیم و رضا عطا کرتا ہے جس سے اس کا امتحان ہلکا ہو جاتا ہے، لیکن کافر و منافق اور فاجر کی مصیبت وابتلاء سخت بھی ہے، اور دائمی بھی، مومن کا امتحان ہلکا اور ختم ہو جانے والا ہے، کافر و منافق اور فاجر کا امتحان سخت اور برابر قائم رہنے والا ہے۔ گویا کوئی ایمان لائے یا کفر کرے مصیبت و الم ہر ایک کے لئے ہے، لیکن مومن کو ابتداءً دنیا میں الم پہونچتا ہے، پھر دنیا و آخرت کا حسن انجام اسے حاصل ہوتا ہے، اور کافر و منافق اور فاجر کو ابتداءً لذت و نعمت حاصل ہوتی ہے پھر وہ مصائب و عذاب کے حوالہ ہو جاتا ہے، لہذا کسی شخص کو اس کی طمع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ مصیبت اور ابتلاء و الم سے بچ جائے گا۔

(۱۰) انسان فطرتاً اجتماعیت پسند ہے، لہذا لوگوں کے ساتھ زندگی گذارنا لازم ہے، اور لوگوں کے اپنے مقاصد، تصورات اور اعتقادات ہوتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان سب امور میں ان کی موافقت کریں، اگر ان کی موافقت نہ کی جائے تو تکلیف پہونچاتے اور مبتلاء مشقت کرتے ہیں اور اگر انکی موافقت کی جائے تو تکلیف اور عذاب دوسرے راستہ سے پہونچے گا، اب لوگوں کی بھی حاجت ہے اور ان کے ساتھ ملنے جلنے کی بھی اور ان کی موافقت یا مخالفت سے بھی مفر نہیں، جبکہ موافقت میں الم اور عذاب ہے، بایں صورت کہ موافقت باطل پر ہو، اور مخالفت میں بھی الم اور عذاب ہے جب ان کی خواہشات اعتقادات اور مقاصد کی موافقت نہ کی جائے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ باطل میں ان کی مخالفت کا الم اس الم سے آسان تر ہے جو ان کی موافقت کی صورت میں حاصل ہوگا، مثلاً ظلم، بے حیائی کے کام، جھوٹی شہادت اور حرام کاموں پر تعاون کا مطالبہ کیا جا رہا ہو، اگر ان میں موافقت نہ کی جائے تو اذیت ظلم اور عداوت سے پیش آتے ہیں، ایسی صورت میں اگر صبر اور تقویٰ کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر انجام اور کامرانی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے، اور اگر مخالفت کی اذیت سے بھاگ کر ایسے لوگوں کی موافقت کی جائے تو انجام یہ ہوگا کہ اس اذیت سے بہت بڑے عذاب میں گرفتار ہونا پڑے گا، اور پھر غالب گمان یہ ہے کہ وہ لوگ مسلط ہو جائینگے اور پھر ان کی موافقت سے ابتداء میں جو لذت ملی تھی اس سے کچھ

ے مصائب و آلام میں گرفتار رہنا پڑے گا، لہذا تھوڑے الم کے نتیجہ میں دائمی لذت حاصل ہو تو اس تھوڑی لذت
حصول سے بہتر ہے جس کے نتیجہ میں دائمی آلام و عذاب ہوں۔

(۱۱) اللہ کی راہ میں جو ابتلاء و مصائب بندوں کو پہونچتے ہیں، وہ جان، مال، عزت و آبرو اور اہل و
یال و احباب سے متعلق ہوتے ہیں، ان میں جان کی مصیبت سب سے سخت ہوتی ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ تمام
ن کو موت آتی ہے، اور مومن کا منتہاء مقصود یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں شہید کیا جائے اور یہ سب سے اشرف اور
ب سے سہل موت ہے، شہید کو جو الم پہونچتا ہے وہ اتنا ہی ہے جتنا چٹکی لینے کا الم ہے، لہذا قتل کی موت کی
صیبت کو جو شخص بستر کی موت کی مصیبت سے بڑا سمجھے وہ جاہل ہے، شہید کی موت تمام موتوں میں آسان افضل
ور اعلیٰ ہے، راہ فرار اختیار کرنے والا سمجھتا ہے کہ اس سے اس کی عمر دراز ہو جائے گی، اللہ نے فرمایا یہ جھوٹا
گمان ہے۔ قل لن ینفعکم الفرار إن فررتم من الموت او القتل واذاً لا
تمتعون الا قلیلا (۱۶/۳۳) اے نبیؐ کہو اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو تو یہ بھاگنا تمہیں
ہرگز نفع نہ دے گا، اور بھاگ کر تم بہت کم فائدہ اٹھا سکو گے۔

اللہ نے فرمایا کہ شہادت کی موت سے فرار نافع نہیں، اس میں کوئی فائدہ نہیں، موت لازم ہے، تھوڑی
سی زندگی کے فائدہ کی لالچ میں حیات شہید سے گریز زیادہ نافع کو چھوڑ دینا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
قل من ذا الذی یعصمکم من اللہ إن اراد بکم سوءا أو أراد بکم رحمة؟
ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا (۱۷/۳۳) اے نبی کہو
کون ہے جو اللہ سے تمہیں بچالے اگر وہ تمہارے حق میں برا کرنا چاہے یا رحم کرنا چاہے تو روک لے اور وہ لوگ
اپنے لئے اللہ کے سوا کسی کو حامی و مددگار نہ پائیں گے۔

جب جان کی مصیبت کا یہ حال ہے تو ایسے ہی مال، عزت و آبرو، اور جسم کی مصیبت کو بھی سمجھنا
چاہئے، چنانچہ جو شخص اللہ کی راہ اور اعلاء کلمۃ اللہ میں اپنا مال خرچ کرنے سے بخل کرتا ہے تو اللہ اسے چھین
لیتا ہے یا اسے ایسے کاموں میں خرچ کراتا ہے جو دنیا و آخرت کہیں کے لئے نفع بخش نہ ہوں بلکہ ایسے کاموں
میں خرچ کراتا ہے جن کی مضرت جلد یا بدیر اسی پر پلٹ پڑتی ہے، اور اگر اسے جمع کرتا ہے تو مرنے کے بعد غیر کو
بے محنت کی دولت ملتی ہے اور اس کے لئے گناہ کا ذریعہ ہوتا ہے، اور جو شخص اپنے جسم اور عزت و آبرو کو

عیار عیش وآسودگی دیتا ہے، اور اللہ کے لئے اور اس کے راستہ میں مشقت اٹھانے پر راحت کو ترجیح دیتا ہے، ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے راستے اور اپنی مرضی کے کاموں کے علاوہ دوسرے کاموں میں اس سے کئی لنا زیادہ مشقت میں مبتلا کر دیتا ہے، یہ ایسی بات ہے جسے لوگ تجربات کی بنیاد پر خوب جانتے ہیں۔

ابوحازم سلمہ بن دینار کہتے ہیں: جو آدمی اللہ سے ڈرتا ہے اسے تقویٰ کے سبب جو مشقتیں اٹھانی ڑتی ہیں، ان سے کہیں زیادہ اس شخص کو خلق کی طرف سے مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اللہ سے نہیں ڈرتا س کی مثال ابلیس کی حالت سے سمجھو کہ وہ آدم کے لئے سجدہ کرنے سے اس لئے باز رہا کہ وہ ذلت وانکسار ہیں اپنائے گا، اس نے اپنے نفس کا اعزاز چاہا لیکن اللہ نے اسے تمام ذلیلوں سے زیادہ ذلیل کر دیا، اور ولادِ آدم کی فاسق وفاجر ذریت کا اسے خادم بنا دیا، وہ سجدوں کے لئے تو راضی نہ ہوا لیکن اس بات پر ضی ہوگیا کہ وہ خود اور اس کی اولاد آدم کی فاسق ذریت کی خدمت کریں، اسی طرح بت پرستوں نے غرور لیا کہ کسی انسانی رسول کی اتباع نہیں کریں گے اور ایک اللہ سبحانہ کی عبادت نہیں کریں گے، اور اس بات ر راضی ہو گئے کہ پتھروں کے بہت سے جھوٹے معبودوں کی پرستش کریں گے۔ اسی طرح وہ تمام لوگ جو اللہ کے لئے جھکنے سے باز رہے، اور اس کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کرنے سے رکے رہے، اور اپنے نفس اور ن کو اس کی اطاعت کی مشقت میں نہیں ڈالا ضروری ہے کہ وہ ایسوں کے آگے جھکیں جو نا درست ہوں، ان کے لئے اپنا مال خرچ کریں ان کی اطاعت اور ان کی مرضی کے کاموں میں اپنے نفس اور بدن کو مشقت میں الیں، یہ سب ان کی عقوبت اور سزا کے بطور ہے، جیسا کہ بعض سلف نے کہا ہے: "جو شخص اپنے کسی مسلمان ھائی کی حاجات کے لئے چند قدم چلنے سے باز رہا اللہ تعالیٰ اسے اپنی اطاعت کے ماسوا کاموں میں اس سے یادہ چلائے گا"۔

(جاری) ...

احکام ومسائل صیام

علامہ نواب سید صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ

(۱) قال تعالیٰ: یا ایہا الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ۝ ایاما معدودات ط فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر، وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ۝ فمن تطوع خیرا فہو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون ۝ [1]

اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ جس طرح فرض کیا گیا تھا تم سے پہلوں پر شاید تم ڈرو۔ یہ دن ہیں گنے ہوئے، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں تو وہ اور دنوں میں روزہ رکھے۔ اور جن کو طاقت روزے کی نہیں ہے جیسے شیخ فانی، شیخۂ فانیہ، وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، پھر جس نے ایک مد سے زیادہ کھانا دیا، یہ اس کے لئے بہتر ہوا، اور اگر تم روزہ رکھو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا اگر تم جانتے ہو۔

اس آیت شریف سے فرضیت روزے کی معلوم ہوئی، یہ بھی ثابت ہوا کہ اگلی امتوں پر بھی روزہ فرض تھا، گو عدد صوم میں کمی بیشی کیوں نہ ہو، پھر بیمار و مسافر کو اجازت دی کہ وہ حالت بیماری اور سفر میں روزہ نہ رکھے، جب اچھا ہو یا سفر سے پھر کر آوے تب قضا کرلے، پھر بوڑھے مرد و عورت کو یہ حکم دیا کہ اگر روزہ نہیں رکھ سکتے ہو تو اس کا کفارہ دو۔ ایک محتاج کو ایک مد طعام کھلاؤ، اس سے کم نہ ہو، زیادہ کا اختیار ہے۔

(۲) قال تعالیٰ: فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر ط یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ

---

[1] البقرۃ ۱۸۳ ـ

علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون ٥ [1]

جو کوئی حاضر ہو تم میں سے ماہ رمضان میں یعنی اپنے گھر میں موجود ہو، سفر میں نہ ہو تو وہ روزہ رکھے یعنی قضا نہ کرے۔ ہاں جو بیمار یا مسافر ہے وہ اور دنوں میں گنتی پورے کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے نہ کہ مشکل تم پوری کرو گنتی رمضان کی۔ اللہ اکبر کہو اس بات پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت کی۔ شاید تم شکر گذار ہو۔

معلوم ہوا کہ مقیم کو بلا عذر افطار کرنا صوم کا جائز نہیں ہے۔ افطار کے لئے فقط دو ہی عذر ہیں: مرض وسفر۔ تکبیر سے مراد وہی تکبیر ہے جو رویت ہلال شوال سے کہی جاتی ہے۔

(۳) قال تعالیٰ: احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الیٰ نسائکم ھن لباس لکم وانتم لباس لھن علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم فالاٰن باشروھن وابتغوا ما کتب اللہ لکم وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل ولا تباشروھن وانتم عاکفون فی المساجد تلک حدود اللہ فلا تقربوھا کذلک یبین اللہ اٰیاتہ للناس لعلھم یتقون ٥ [2]

حلال کیا گیا تمہارے لئے جماع عورتوں سے شب رمضان میں۔ وہ تمہارا لباس ہیں، تم ان کے لباس ہو، اللہ نے جان لیا کہ تم اپنی جان کی خیانت کرتے ہو یعنی تم سے ضبط نہیں ہو سکتا۔ سو تمہاری توبہ قبول کی تمہارا قصور معاف کیا اب تم ان سے ملو جلو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھا ہے، یعنی اولاد وہ ڈھونڈو، کھاؤ پیو یہاں تک کہ کھل جاوے سفید ڈورہ فجر کا سیاہ ڈورے سے، پھر تم تمام کرو روزے کو رات تک یعنی غروب آفتاب تک، جس کے بعد رات آتی ہے، اور مت میل جول کرو عورتوں سے جب کہ تم اعتکاف میں ہو اندر مسجدوں کے۔ یہ حدیں ہیں اللہ کی، تم ان کے پاس نہ پھٹکو، اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کو بتاتا ہے، شاید وہ ڈریں۔

پہلے اسلام میں وقت شب بماہ رمضان عورت سے جماع کرنا حرام تھا، جب ایک صحابی سے یہ کام ہو گیا تو یہ آیت اتری۔ اللہ تعالیٰ نے جماع کی رخصت بخشی، کھانے پینے کی اجازت صبح کاذب تک دی، عورتوں کو مردوں کا لباس ٹھہرایا، یعنی جس طرح چاہیں ان سے لپٹیں چمٹیں، کپڑے کی طرح اوپر نیچے ان کو لپیٹیں، اور ڈھیں

---

[1] البقرۃ ۱۸۵ [2] البقرۃ ۱۸۷

روزے کی حد، اعتکاف کا حکم بھی بتادیا۔ یہ بھی سنادیا کہ اس حد سے آگے نہ بڑھیں ؎

بلاتے ہیں تو مبارک تمہیں پر اے توفیق
زیادہ حد سے نہ بڑھ جائے حوصلہ دل کا

(۴) قال تعالیٰ: إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا [1]

یہ مقولہ ہے حضرت مریم علیہا السلام کا کہ میں نے نذر کا روزہ رکھا ہے، آج میں کسی سے بات نہ کروں گی، معلوم ہوا کہ اگلی امتوں میں بھی روزہ تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ نذر کا روزہ رکھنا بھی درست ہے۔

حدیث ابوہریرہ میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رمضان آتا ہے، بہشت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند ہوجاتے ہیں، شیطان کو قید کردیا جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

ایک دروازہ کا نام ریّان ہے، اس دروازے سے روزہ دار ہی بہشت میں جاویں گے۔ یہ مضمون حدیث سہل بن سعد میں آیا ہے، حدیث مذکور متفق علیہ ہے۔ ہر نیکی کا اجر دس گنا ہوتا ہے، سات سو گنی تک، مگر روزہ کہ وہ خدا ہی کے لئے ہے وہی اس کی جزا دے گا۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃ۔ معلوم ہوا کہ روزے کا اجر بےحساب ہے۔ سات سو چندے بھی زیادہ ہے۔ زیادہ بھی کیا جس کی کچھ حد ہی ہم کو نہیں بتائی۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [2] روزہ بھی مثل نماز کے فرض عین ہے جو حکم تارک نماز کا عمداً ہے، وہی حکم اس کا بھی ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے جھوٹ بات کہنا نہ چھوڑا اس پر عمل کرنا ترک نہ کیا تو اللہ کو اس کی حاجت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔ (رواہ البخاری)

دوسری روایت میں اتنا اور آیا ہے کہ تم میں سے جس کا روزہ ہو وہ بے حیائی نہ کرے، گپ شپ نہ لگائے اگر کوئی اس کو گالی دے یا اس سے لڑے تو اس سے کہہ دے کہ میرا روزہ ہے۔ اسکو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ ہر چیز کی ایک زکوٰۃ ہوتی ہے، بدن کی زکوٰۃ روزہ ہے، روزہ رکھنا آدھا صبر ہے، لیلۃ القدر میں جاگنا عبادت

---

[1] مریم ۲۶۔ [2] السجدہ ۱۷۔ ترجمہ: پس ان لوگوں کے لئے ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے جس کو کوئی شخص نہیں جان سکتا یہ سب کچھ ان کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ہوگا۔

کرنا، بڑا اجر رکھتا ہے، رمضان میں قیام کرنے کا بڑا ثواب ہے۔ سارے اگلے گناہ صغیرہ مٹ جاتے ہیں۔

عورت کو نفل روزہ رکھنا بدون اجازت شوہر کے جائز نہیں ہے۔ حدیث ابو ہریرۃ میں آیا ہے، جس عورت نے بغیر اذن شوہر کے روزہ رکھا، پھر شوہر نے اس سے ارادہ کسی بات کا کیا، اس نے نہ مانا، تو اس پر تین گناہ کبیرہ لکھے جاتے ہیں۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) یہ حدیث غریب ہے۔

سفر میں افطار عزیمت ہے جس کو قوت ہو اس کے لئے رخصت ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ باوجود قدرت کے بھی نہ رکھے۔

حدیث عمار بن یاسر میں آیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، یہ کچھ نیکی نہیں ہے کہ تم سفر میں بھی روزہ رکھو۔ اللہ نے تم کو رخصت دی ہے، تم اس رخصت کو قبول کرو (رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن)۔

افطار میں جلدی کرنا، سحری کھانے میں دیر کرنا مسنون ہے، یہ مضمون کئی حدیثوں میں آیا ہے۔ روزہ افطار کرانے کا بھی بڑا اجر ہے۔ حدیث زید بن خالد جہنی میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، جس نے افطار کرایا کسی روزہ دار کو، اس کو اجر ہے برابر روزہ دار کے بدون اس کے کہ اجر اس صائم کا کم ہو۔ اس کو ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے، اس سے بڑھ کر بھی اور بہت حدیثیں اس کی فضیلت میں آئی ہیں، خدا کی رحمت کا کچھ شمار نہیں ہوسکتا۔ عطاء ہ جسم وفضلہ واسع۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ روزہ سپر ہے یعنی آگ دوزخ سے بچاتا ہے، جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔ (رواہ النسائی عن ابی عبیدہ باسناد حسن وابن خزیمۃ فی صحیحہ والبیہقی) پھاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جو کام روزے میں کرنا منع ہیں وہ نہ کرے۔ اگر کرے گا تو گویا روزے کو پھاڑ ڈالا۔ اب روزے کا کچھ اجر نہ ملے گا۔ طبرانی نے اوسط میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ پھاڑنا اس کا کذب وغیبت سے ہوتا ہے۔

حدیث ابو ہریرۃ کا لفظ یہ ہے کہ روزہ کچھ کھانے پینے سے نہیں ہوتا ہے، روزہ تو لغو ورفث سے ہوتا ہے۔ یعنی بیہودہ بات، بے حیائی بے شرمی کا کام نہ کرے تجھ کو اگر کوئی گالی دے یا تجھ سے الجھے تو کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس کو ابن خزیمہ، ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس کو شرط مسلم پر بتایا ہے۔

دوسری روایت میں ابو ہریرۃ سے یوں آیا ہے: بہت روزہ دار ہیں جن کو روزے سے سوا بھوک کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ بہت قائم ہیں جن کو قیام سے سوا جاگنے کے کچھ فائدہ نہیں ملتا۔ (رواہ ابن ماجہ واللفظ لہٗ

والنسائی وابن خزیمہ فی صحیحہ والحاکم وقال صحیح علی شرط البخاری) لفظ ان دونوں کا یہ ہے کہ بہت روزہ دار ہیں جن کا حظ روزے سے یہی بھوک پیاس ہے، بہت رات کے کھڑے ہونے والے ہیں جن کا حصہ اس قیام سے یہی جاگنا نیند کا کھونا۔ یہ مضمون بہت حدیثوں میں آیا ہے، مطلب یہ ہوا کہ جس نے روزہ رکھا پھر لغو ولہو ولعب وکذب و غیبت ونمیمہ ورفث وفسق وفجور وغیرہ امور منکر کو نہ چھوڑا، بری باتوں، برے کاموں سے نہ بچا تو اس کا روزہ مقبول نہیں ہے، وہ بے فائدہ بھوکا پیاسا رہا، اسی طرح جس نے رات عبادت میں بسر کی، مگر بری باتوں سے نہ بچا تو وہ عبادت اس کی قبول نہ ہوگی، ناحق نیند کو کھو کر ساری رات جاگتا رہا۔ ؎

ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا
چشم بیدار تو ہے پر دل بیدار نہیں

فائدہ: حدیث ابوہریرہ میں مرفوعاً آیا ہے کہ جس نے افطار کیا ایک دن رمضان میں بدون کسی رخصت ومرض کے تو سارے زمانے کا روزہ رکھنا بھی اس کا عوض نہیں ہوسکتا۔ (رواہ الترمذی واللفظ لہ وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ وابن خزیمۃ فی صحیحہ والبیہقی) معلوم ہوا کہ بے وجہ روزہ ترک کرنے کا بڑا گناہ ہے۔

حدیث ابو امامہ کا لفظ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میں سوتا تھا دو آدمی آئے مجھ کو ایک سخت پہاڑ پر لے گئے، وہاں میں نے ایک قوم دیکھی کہ جن کو الٹے سر پاؤں کے بل لٹکایا ہے، ان کی باچھیں پھٹی ہوئی ہیں، ان میں سے خون بہتا ہے، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ کہا وہ لوگ ہیں جو روزہ کھولنے کے وقت سے پہلے افطار کر بیٹھتے ہیں۔ (رواہ ابن خزیمہ وابن حبان فی صحیحہما)

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: رسی اسلام کی، قاعدہ دین کا تین چیزیں ہیں جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے جس نے ایک کام کو بھی ان میں سے ترک کیا، وہ کافر حلال الدم ہے، ایک لاالٰہ الااللہ یعنی مع محمد رسول اللہ۔ دوسری نماز فرض۔ تیسرے روزہ رمضان کا۔ (رواہ ابویعلی باسناد حسن)

دوسری روایت کا لفظ اس طرح پر ہے جس نے ترک کیا ایک کو بھی ان میں وہ کافر ہے ساتھ خدا کے۔ قبول نہیں فرض اس کا اور نہ نفل۔ اس کا خون ومال حلال ہے۔ معلوم ہوا کہ جسطرح ترک نماز سے عمداً کفر آجاتا ہے، اسی طرح آدمی ترک صوم سے عمداً بلا عذر کافر ہو جاتا ہے۔

فائدہ: رمضان شریف کا روزہ تو فرض عین ہے، اس کے سوا نفل صوم اور بھی بہت ہیں، جیسے

چھ روزے ماہ شوال کے۔ اس کو حدیث مرفوع ابوایوب میں برابر صیام دہر کے رکھا ہے۔ (رواہ مسلم واہل السنن والطبرانی) یا جیسے روزہ عرفہ کا اس شخص کے لئے جو عرفہ میں موجود نہ ہو۔ یہ دو سال کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، یہ مضمون حدیث ابوقتادہ میں نزدیک مسلم کے آیا ہے، نو روزہ ذی الحجہ کی بھی بہت فضیلت آئی ہے۔ یا جیسے روزہ محرم کا، اس کو بعد رمضان کے افضل صیام فرمایا۔ ہر ایک دن کا روزہ محرم میں برابر تیس روزے کے ہوتا ہے۔ (رواہ الطبرانی عن ابن عباس مرفوعا واسنادہ لاباس بہ)

یا جیسے روزہ عاشورے کا کہ یہ ایک سال کا کفارہ ہے اس کو مسلم نے ابوقتادہ سے روایت کیا ہے، یا جیسے روزے ماہ شعبان کے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں بہت روزے رکھتے تھے۔ فرماتے: اس مہینے میں اعمال طرف خدا کے مرفوع ہوتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میرا عمل جاوے تو میں روزہ دار ہوں اس کو نسائی نے اسامہ بن زید سے روایت کیا ہے، یا جیسے تین روزے ہر مہینے کے ان کو ایام بیض کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوہریرہؓ کو وصیت کی تھی کہ ہر ماہ میں تین روزے رکھا کر (رواہ مسلم عنہ) یہ تین روزے برابر صوم دہر کے ہیں، گویا جس نے یہ روزے رکھے اس نے ساری عمر روزہ رکھا۔

یا جیسے روزہ پیر یا جمعرات کا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس دن روزہ رکھتے، فرماتے کہ آج کے دن اعمال عرض کئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ جب میرا عمل عرض کیا جاوے تو میں روزہ دار ہوں۔ (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ وقال حدیث حسن غریب)

یا جیسے روزہ چہارشنبہ، پنجشنبہ، جمعہ، سنیچر، اتوار کا۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے روزہ رکھا دن چہارشنبہ، پنجشنبہ کا اس کے لئے دوزخ سے برأت لکھی گئی۔ (رواہ ابویعلی) یا جس نے جمعہ بھی ان کے ہمراہ ملالیا اس کے لئے بہشت میں گھر بنایا جاوے گا۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط) ہاں تنہا روزہ جمعہ یا سنیچر کا منع ہے اس لئے ایک دن آگے یا پیچھے کا روزہ اس کے ساتھ ملالیوے۔

سب سے عمدہ طریقہ صوم کا وہ ہے جو داود علیہ السلام نے اختیار کیا تھا وہ یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے ایک دن افطار کرے۔ ہمیشہ روزہ رکھنا یا وصل کرنا منع ہے، دونوں عید یا ایام تشریق میں روزہ رکھنا حرام ہے اسی طرح استقبال کرنا ماہ رمضان کا ایک دو روزے سے منع ہے۔ مگر اس کو کہ جس کو عادت صوم نفل کی ہے وہ نفل اتفاقاً ان دنوں میں واقع ہوا۔

فائدہ : روزہ رمضان کا ایک مرد عادل کے چاند دیکھنے یا شعبان کی گنتی پوری ہونے سے واجب ہو جاتا ہے جب تک چاند شوال کا نظر نہ پڑے تیس روزے برابر رکھے، اگر ایک شہر میں کسی نے چاند دیکھا تو اور شہر والوں کو بھی موافقت ان کی لازم ہے۔ مذہب حنفیہ کا بھی یہی ہے، روزے کی نیت صبح سے پہلے کرے۔

روزہ کھانے پینے، صحبت کرنے سے عمداً جاتا رہتا ہے، نسیان سے اگر کھالیا یا پی لیا یا جماع کیا تو نہیں جاتا۔ جان بوجھ کر اگر توڑ ڈالا ہے تو کفارہ واجب ہوگا، ایک گردن آزاد کرے، یا دو مہینے تک روزے رکھے، یا ساٹھ مسکین کھلاوے۔

جس نے کسی عذر شرعی سے روزہ نہیں رکھا اس پر قضا کرنا روزے کا واجب ہے، جس طرح عورت حیض نفاس میں، مسافر سفر میں، بیمار مرض میں روزہ نہیں رکھ سکتا ہے جس کو یہ ڈر ہو کہ روزہ رکھنے سے جہاد میں کمزور یا تلف ہو جاوے گا۔ اس کو افطار کرنا روزے کا عزیمت ہے۔

جو شخص مر گیا اور اس پر روزے تھے تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے، جو بوڑھا آدمی مرد یا عورت ادا یا قضا روزے کی نہ کر سکے، وہ ہر دن ایک مسکین کو کھلاوے۔

اعتکاف اگرچہ ہر وقت مسجد میں مشروع ہے۔ مگر رمضان میں زیادہ تر تاکید اس کی آئی ہے خصوصاً عشرہ اخیر میں۔ معتکف مسجد سے سوائے حاجت ضروری کے باہر نہ نکلے۔ یہ سب خلاصہ ہے احادیث کا۔

• • •

وفیات

مدراس سے عبدالسبحان صاحب نے اطلاع دی ہے کہ ۲۱ نومبر کو جمعیۃ اہل حدیث تاملناڈو کے اہم رکن حکیم محمد اذکار الرحمن صاحب انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون مرحوم بڑے فعال نوجوان تھے، اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عنایت فرمائے، ناظرین سے دعاء مغفرت کی درخواست ہے۔

جونپور سے جناب ماسٹر عبدالحمید صاحب نے اطلاع دی ہیکہ جناب ماسٹر محمد اشرف صاحب رکن و سرپرست مدرسہ چشمۂ حیات ۲۷ دسمبر کو انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور مدرسہ کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

رکعات تراویح کی صحیح تعداد

علماء احناف کی نظر میں

مولانا کرم الدین سلفی

سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من احب سنتی فقد احبنی و من احبنی کان معی فی الجنۃ (مشکوۃ ص۳۰ بحوالہ ترمذی)

یعنی جس نے میری سنت سے پیار کیا (عمل کیا) اس نے مجھ سے پیار کیا اور جس نے مجھ سے پیار کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

ضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں :

وان اقتصادا فی سبیل وسنۃ خیر من اجتہاد فی خلاف سبیل وسنۃ فاحرصوا ان تکون اعمالکم علی منہاج الانبیاء وسنتہم ۔ (الجامع الفرید ص۷۲ یعنی مجموعہ رسائل شیخ محمد بن عبدالوہاب)

بیشک (مومنین کے) راستہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں میانہ روی بہتر ہے، ان کے خلاف زیادہ کوشش کرنے سے، لہذا حرص کرو کہ تمہارے اعمال انبیاء علیہم السلام کے طریقہ اور سنت کے موافق ہوں

سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور رکعات تراویح :

عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ سال (۱) عائشۃ رض کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان فقالت ما کان رسول اللہ

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رض فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان المبارک میں نماز (تراویح) کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ رمضان

صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ۔ (بخاری ص۱۵۴)

اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے ۔

(۲) عن جابرؓ قال صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی لیلۃ ثمان رکعات والوتر۔
(مختصر قیام اللیل للمروزی ص۱۵۵)

حضرت جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو باجماعت آٹھ رکعت (تراویح) پڑھائی اور اس کے بعد وتر پڑھے ۔

(۳) وعنہ جاء اُبیّ ابن کعب فی رمضان فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان منّی اللّیلۃ شیٔ قال وما ذاک یا اُبی؟ قال نسوۃ داری قلن انّا لا نقرأ القرآن فنصلّی خلفک بصلوٰتک فصلیت بہنّ ثمان رکعات فسکت عند وکان شبہ الرضاء ۔
(مختصر قیام اللیل ص۱۵۵)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ آج رات ایک بات ہوگئی ہے، آپؐ نے فرمایا: اے ابی وہ کیا ہے؟ عرض کی کہ گھر کی عورتوں نے کہا ہم قرآن مجید نہیں پڑھ سکتیں، ہم آپ کے پیچھے نماز (تراویح) پڑھنا چاہتی ہیں۔ میں نے انہیں آٹھ رکعت اور وتر پڑھادی، آپؐ نے سکوت فرمایا، خاموشی دلیل رضا است ۔

حکم فاروقی رضی اللہ عنہ :

عن السّائب بن یزید انّہ قال امر عمر بن الخطابؓ اُبی بن کعب وتمیما الداری ان یقوما للنّاس باحدی عشرۃ رکعۃ ۔

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ابی ابن کعب اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ گیارہ رکعت (تراویح بمع وتر) پڑھایا کریں ۔

(موطا امام مالک مع کشف المغطا ص۹۸ (نور محمد کراچی) مختصر قیام اللیل للمروزی ص۱۵۵ (سانگلہ ہل)

گیارہ رکعت تراویح مع وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول بہا طریقہ تھا، اور حضرت عمرؓ نے بھی صحابہ کرامؓ
گیارہ رکعت تراویح پڑھنے کا ہی حکم دیا تھا۔ لہذا محققین احناف اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے ۔

۱۔ امام محمدؒ

امام محمدؒ، امام ابو حنیفہؒ کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، حنفی مذہب کا زیادہ تر دارومدار امام محمدؒ کی تصانیف پر ہے، اوران تصانیف سے موطا امام محمد کو خاص امتیاز حاصل ہے، امام محمدؒ نے اسی موطا میں ایک عنوان قائم کیا ہے باب قیام شھر رمضان ص۱۳۸ اس پر مولانا عبدالحی حنفیؒ نے لکھا ہے ویسمی التراویح یعنی قیام شہر رمضان کو تراویح کہتے ہیں وکذا فی نصب الرایة ص۱۵۲ ج۲ وشرح مسلم ص۲۵۹ ج۱ وتنویر الحوالك ص۱۳۵ ج۱ والتعلیق الصبیح ص۱۰۴ ج۲ وغیرھا ۔
تراویح کی تعداد رکعات بیان کرنے کے لئے امام محمد نے حضرت عائشہ کی مشہور حدیث ذکر کی ہے ماکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة ص۱۳۸ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ اور ص۱۳۹ پر لکھتے ہیں وبھذا کلہ ناخذ یعنی ان حدیثوں پر ہمارا عمل واعتقاد ہے، اور بیس رکعت تراویح کا بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔ اس سے صاف ظاہر اور واضح ہے کہ امام محمد کے نزدیک تراویح گیارہ رکعت مع وتر ہی سنت نبوی ہے ۔ وبھذا کلہ ناخذ سے مترشح ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک بھی یہی ہے، کیونکہ امام ابو حنیفہؒ سے بیس رکعت تراویح صحیح سند سے قطعاً ثابت نہیں ہے ۔

۲۔ علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمہ اللہ

علامہ عینی حنفیؒ لکھتے ہیں :

۲۔ فان قلت لم یبیّن فی الروایات المذکورة عدد الصلوٰة التی صلاّھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی تلك اللیالی. قلت روی ابن خزیمة وابن حبان من حدیث جابر رضی اللہ عنه قال صلّی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	یعنی اگر تو سوال کرے کہ (بخاری) کی ان روایتوں میں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز تراویح پڑھانے کا ذکر ہے، رکعتوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی ہے ۔ تو اس کے جواب میں میں کہوں گا کہ صحیح ابن خزیمہؒ اور صحیح ابن حبانؒ نے حضرت جابرؓ کی حدیث روایت کی ہے حضرت جابرؓ

فی رمضان ثمان رکعات ثم اوتر۔
(عمدۃ القاری شرح بخاری ص۱۷۷ ج۷ طبع منیریہ)

فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان تین) راتوں میں ہم صحابہ کرامؓ کو آٹھ رکعتیں پڑھائی تھیں اور وتر۔

۳۔ ابن ہمام حنفیؒ

ابن ہمام۔ فتح القدیر شرح الہدایہ ص۳۳۴ ج۱ طبع مصر۔ ص۱۹۸ ج۱ طبع نولکشور۔ پر لکھتے ہیں،

۳۔ ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام۔ وایضا مسک الختام ص۲۸۸ ج۱۔

یعنی قیام رمضان تراویح گیارہ رکعت مع وتر سنت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ ادا کیا۔

۴۔ وفی فتح القدیر ان الثمانیۃ منہا سنۃ مؤکدۃ ومابقی مستحب
(حاشیہ فیض الباری ص۴۲۰ ج۲ انورشاہ کشمیریؒ)

یعنی آٹھ رکعت تراویح سنتِ موکدہ ہے۔ باقی مستحب ہے۔

❖ ❖ ❖ ❖

۵۔ فتح القدیر ص۱۹۸ ج۱ لکھتے ہیں:

وظاہر کلام المشائخ ان السنۃ عشرون ومقتضی الدلیل ما قلنا وایضا مرقاۃ ص۱۷۵ ج۱ طبع قدیم۔

ہمارے مشائخؒ کے ظاہر کلام سے بیس رکعت سنت معلوم ہوتی ہیں لیکن دلیل کے لحاظ سے گیارہ رکعت مع وتر ہی صحیح ہے۔

۴۔ ابن نجیم حنفی

۶۔ ابن نجیم حنفی بحر الرائق ص۷۲ ج۲ پر لکھتے ہیں:
(ایک طبع میں ص۶۶ ج۲ ہے)

وقد ثبت ان ذلک کان احدی عشرۃ بالوتر کما ثبت فی الصحیحین من حدیث عائشۃ رض فاذن یکون المسنون علی اصول مشائخنا ثمانیۃ منہا

ہمارے مشائخؒ کے اصول کے مطابق آٹھ رکعت تراویح سنت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مع وتر گیارہ رکعت تراویح ہی ثابت ہے جیسا کہ بخاری ومسلم میں حضرت عائشہؓ

والمستحب اثنتا عشرة — کی حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان وغیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھا کرتے تھے، اور بارہ مستحب ہے۔

وایضاً مسک الختام ص ۲۸۸ ج ۱

۵ ـ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ

۷ ۔ ملا علی قاری حنفیؒ فرماتے ہیں:

انّ التراویح فی الاصل احدی عشرۃ رکعۃ فعلہ علیہ السلام ۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۱۰ ج ۱ بحوالہ المرقاۃ)

یعنی تراویح درحقیقت گیارہ رکعت (سنت) ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی ہے۔

۸ ۔ فانہ صح عنہ انہ صلّی بہم ثمان رکعات والوتر ۔ (مرقاۃ المفاتیح ص ۱۷۴ ج ۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہو چکا ہے کہ آپ نے صحابہ کرامؓ کو آٹھ رکعات (تراویح) پڑھائی تھیں، اور وتر۔

۹ ۔ وفی صحیحی ابن خزیمۃ وابن حبان انہ صلی بہم ثمان رکعات والوتر ۔ (مرقاۃ المفاتیح ص ۱۷۵ ج ۲)

صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو آٹھ رکعات (تراویح) پڑھائی تھیں، اور وتر۔

۶ ـ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ

علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ بیس رکعت والی حدیث کو ضعیف قرار دیکر لکھتے ہیں:

۱۰ ۔ ثم انہ مخالف للحدیث الصحیح عن ابی سلمۃ بن عبد الرحمٰن انہ سال عائشۃ کیف کانت صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان قالت ماکان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ ۔ (نصب الرایہ ص ۱۵۳ ج ۲ مطبوعہ مجلس علمی)

یعنی بیس رکعت والی حدیث ضعیف ہونے کے باوجود صحیح حدیث کے مخالف بھی ہے، اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔

۱۱ - نیز لکھتے ہیں :

وعند ابن حبان فی صحیحه عن جابر بن عبد الله انه علیه السلام فصلی بهم فی رمضان ثمان رکعات واوتر ۔ (نصب الرایہ ص۱۵۲ ج۲)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک میں صحابہ کرام کو آٹھ رکعات پڑھائیں اور وتر ۔

۷ - احمد طحطاوی حنفیؒ

طحطاوی لکھتے ہیں :

۱۲ - ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یصلها عشرین بل ثمانیاً۔ (طحطاوی حاشیہ درمختار ص۲۹۵ ج۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس تراویح نہیں پڑھیں بلکہ آٹھ رکعات پڑھیں ہیں ۔

۱۳ - وہم در طحطاوی بعد نقل کلام فتح القدیر مثل کلام بحر الرائق گفتہ، یعنی فاذن یکون المسنون علی اصول مشائخنا ثمانیة والمستحب اثنا عشر ۔ (مسک الختام ص۲۸۸ ج۱)

۸ - علامہ شامیؒ

۱۴ - ان مقتضی الدلیل کون المسنون منها ثمانیة والباقی مستحباً (رد المحتار شامی ص۴۹۵ ج۱)

یعنی دلیل کے لحاظ سے آٹھ رکعت تراویح سنت ہے اور باقی مستحب ہیں ۔

۹ - سید احمد حموی حنفیؒ

احمد حموی حاشیہ الاشباہ میں لکھتے ہیں :

۱۵ - ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یصلها عشرین بل ثمانیا ص۹

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح بیس رکعت نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت پڑھی ہے ۔

۱۰ - ابو السعود حنفیؒ

ابو السعود حنفی شرح کنز ص۲۶۵ میں لکھتے ہیں :

۱۶ - لان النبی صلی اللہ علیه وسلم لم یصلها عشرین بل ثمانیاً ۔

اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح بیس رکعت نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت پڑھی ہے ۔

۱۱ - مولوی محمد احسن نانوتوی حاشیہ کنز الدقائق ص۳۶ پر لکھتے ہیں :

۱۷ ۔ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یصلہا عشرین بل ثمانیا ۔

اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس رکعت نہیں پڑھی بلکہ آٹھ رکعت پڑھی ہے ۔

۱۲ - کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ص۲۵۱ ج ۱ پر ہے ۔

۱۸ - وکان یصلی بہم ثمان رکعات ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو آٹھ رکعات (تراویح) پڑھاتے تھے ۔

۱۳ - ابوالحسن شرنبلالی رح لکھتے ہیں ،

۱۹ - ثبت انہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر ۔ (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح ص۲۴۷)

ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ گیارہ رکعت مع وتر (تراویح) پڑھائی تھیں ۔

فتاوی شرنبلالیہ میں ہے ۔

۲۰ - الذی فعلہ علیہ السلام بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر وماروی انہ کان یصلی عشرین سوی الوتر ضعیف۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف گیارہ رکعت مع وتر بالجماعت پڑھائی ہیں اور بیس کی روایت ضعیف ہے (صحیح نہیں ہے)

۱۴ - شیخ عبدالحق دہلوی رح

۲۱ - والصحیح ماروتہ عائشۃ انہ صلی احدی عشرۃ رکعۃ کماھو عادتہ فی قیام اللیل ماثبت بالسنۃ ۔ ص۲۹۲

یعنی صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہ رکعت (تراویح) پڑھی ہیں جیسا کہ رات کے قیام میں آپ کی عادت شریفہ تھی ۔

۲۲ - وتحقیق آنست کہ صلاۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد او بود ویازدہ رکعت کہ دائم در تہجد می گذارد ، چنانچہ معلوم گردد (مدارج النبوۃ ص۶۵۴ ج ۱) ۔ یعنی صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں (تراویح) گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے جو کہ تہجد میں ہمیشہ پڑھتے تھے ۔

۱۵ - نفحات رشیدی میں ہے ۔

۲۳ - زیرا کہ ثابت شدہ است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ نیفزود بریازدہ رکعت باوتر چیزے

رمضان ونہ در غیر آں۔ (مسک الختام ص۲۸۹ ج۱)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ثابت ہے کہ آپ نے گیارہ رکعت سے زیادہ (تراویح) نہیں پڑھی وتر کے ساتھ نہ رمضان میں نہ غیر رمضان میں۔

۱۶۔ مولانا عبدالحیٔ لکھنوی حنفی رح

مولانا عبدالحیٔ حنفی لکھتے ہیں:

۲۴۔ واما العدد فروی ابن حبان وغیرہ انہ صلی بہم فی تلک اللیالی ثمان رکعات وثلاث رکعات وترا۔ (عمدۃ الرعایۃ ص۲۰۷ ج۱)

یعنی تراویح کی تعداد کے بارہ میں امام ابن حبان اور اس کے غیر نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین راتوں میں صحابہ کرام کو آٹھ رکعات اور تین وتر (نماز تراویح) پڑھائی تھی۔

اور التعلیق المجد ص۱۳۸ میں اس حدیث کو وھذا اصح (یہ حدیث زیادہ صحیح ہے) کہا ہے۔

۲۵۔ والحاصل انہ سئل عن صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی تلک اللیالی انہ کم کانت فالجواب انہا ثمان رکعات لحدیث جابرؓ۔ (تحفۃ الاخیار ص۲۸ طبع مصطفائی لکھنؤ)

۲۶۔ سئلت فی سنۃ ۱۲۸۶ الست والثمانین بعد الالف والمائتین من الہجرۃ عمن صلی التراویح ثمان رکعات اقتداءً بما روی ابن حبان وغیرہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما صلی فی اللیالی الثلاث فی رمضان باحدی عشرۃ مع الوتر ثلاث رکعات ھل یکون تارکاً للسنۃ فاجیب بجواب بما محصلہ، ان جمہور الاصولیین یعرفون السنۃ بما واظب علیہ الرسول فحسب، فعلی ھذا التعریف یکون السنۃ ھو ذلک القدر المذکور۔ (حاشیہ ہدایہ ص۱۵۱ ج۱ قرآن محل کراچی)

خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت تراویح گیارہ رکعت مع وتر ہے اور بس، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو رمضان کی تین راتوں میں گیارہ رکعت تراویح مع وتر پڑھائی تھیں۔

۱۷۔ مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندیؒ لکھتے ہیں:

۲۷۔ ولا مناص من تسلیم ان التراویح علیہ السلام کانت ثمانیۃ رکعات ولم یثبت فی روایۃ من الروایات انہ

یعنی یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تراویح آٹھ رکعات تھیں اور قطعاً کسی روایت سے یہ ثابت نہیں

علیہ السلام صلی التراویح والتہجد علیحدۃ فی رمضان۔ — ہے کہ آپ نے تراویح اور تہجد کو رمضان میں علیحدہ علیحدہ پڑھا ہو

(العرف الشذی ص۳۰۹ (بعض نسخ ص۳۱۹))

۲۸۔ فصح عنہ ثمان رکعات واما عشرون فہو عنہ علیہ السلام لسند ضعیف وعلی ضعفہ اتفاق۔ (العرف الشذی ص۳۰۹) — یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھ رکعات تراویح صحیح ہیں اور بیس کی تعداد ضعیف ہے اور اس کے ضعیف ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔

۲۹۔ ثم ان التراویح لم یثبت مرفوعا ازید من ثلاث عشرۃ رکعۃ۔ (فیض الباری ج۱ ص۴۲۰)

۳۰۔ اذا التراویح التی صلاھا صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان بہم کانت احدی عشرۃ رکعۃ کما عند ابن خزیمۃ ومحمد بن نصر وابن حبان عن جابر ثمان رکعات واوتر (کشف الستر ص۲۷) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو رمضان میں گیارہ رکعت تراویح پڑھائی تھیں جیسا کہ ابن خزیمہ، محمد بن نصر، ابن حبان نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا ہے۔ آٹھ رکعت اور وتر۔

۱۸۔ **مولانا احمد علیؒ** ۳۱۔ مولانا احمد علی سہارنپوری حنفی لکھتے ہیں:

ان قیام رمضان سنۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر فی جماعۃ فعلہ علیہ السلام۔ (حاشیہ بخاری ص۱۵۴ ج۱) — یعنی قیام رمضان (تراویح) گیارہ رکعت مع وتر سنت ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت کے ساتھ ادا کیا ہے۔

۳۲۔ **عین الہدایۃ** ص۵۶۳ پر ہے، تراویح صحیح حدیث سے مع وتر کے گیارہ رکعت ہی ثابت ہیں۔

۳۳۔ والذی فعلہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالجماعۃ احدی عشرۃ رکعۃ بالوتر۔ امداد الفتاح۔ مفاتیح لاسرار التراویح ص۹۔

۱۹۔ **رشید احمد گنگوہی** رسالہ "الحق الصریح" میں لکھتے ہیں:

۳۴۔ گیارہ رکعت تراویح مع وتر سرور عالم سے ثابت و مؤکد ہے۔

۲۰۔ شاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی ؒ

۳۵۔ از فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یازدہ رکعت ثابت شدہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے تراویح گیارہ رکعت ثابت ہیں۔

(مصفیٰ شرح مؤطا فارسی مع مسوی ص۱۷۷ ج۱)

قارئین کرام معزز قارئین! آپ آٹھ رکعت تراویح کے بارے میں علماء حنفیہ کے ارشادات پڑھ آئے ہیں، اب بیس رکعت تراویح کے بارے میں بھی علماء امت، خاص کر علماء احناف کے فیصلے پڑھیے پھر الانصاف اعدل الاوصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے سوچیے کہ فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے افعال میں کہاں تک مطابقت اور موافقت ہے، بیس رکعت تراویح کے متعلق جو حدیث حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی جاتی ہے اس کی سند کا مرکزی راوی ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان ہے جو بالاتفاق ضعیف اور غیر معتبر ہے۔ امام احمد بن حنبل[۱]، امام بخاری[۲]، امام مسلم[۳]، امام یحییٰ بن معین[۴]، امام داؤد[۵]، امام ترمذی[۶]، امام نسائی[۷]، امام ابوحاتم[۸]، امام جوزجانی[۹]، امام دولابی رحم[۱۰]، امام صالح بن جزرہ[۱۱]، امام ابوعلی نیشاپوری[۱۲]، امام احوص غلابی[۱۳]، امام شعبہ[۱۴]، امام ابن سعد[۱۵]، امام دارقطنی[۱۶]، امام عبداللہ بن مبارک[۱۷]، امام ذہبی[۱۸]، امام نووی[۱۹]، امام ابن حجر ہیثمی[۲۰]، امام بیہقی[۲۱]، امام ابن عبدالبر[۲۲]، امام ابن حجر عسقلانی[۲۳]، امام ابن عدی[۲۴] وغیرہم نے ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کو ضعیف کہا ہے، اور مجروح، جھوٹا اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔

ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ص۱۴۴ ج۱، نووی شرح مسلم ص۱۷، الفتاوی الکبری لابن حجر الہیثمی ص۱۹۵ ج۱، سبل السلام ص۱۰ ج۱، نیز حافظ ابن حجر نے الدرایہ ص۱۲۳، فتح الباری ص۱۵۸، علامہ سیوطی نے تنویر الحوالک ص۱۴۱ ج۱، علامہ زرقانی نے زرقانی شرح مؤطا ص۲۳۹ ج۱، علامہ زرکشی اور علامہ امیر یمانی نے سبل السلام ص۱۰ ج۲، علامہ شوکانی نے نیل الاوطار ص۵۸ ج۳، میں اس حدیث کو ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

بیس رکعت والی حدیث اور احناف ابن ہمام حنفی[۲۵] فتح القدیر ص۱۹۸ ج۱، علامہ عینی عمدۃ القاری[۲۶] ص۱۲۸ ج۱۱، امام زیلعی حنفی[۲۷] نصب الرایہ ص۱۵۳ ج۲، ملا علی قاری حنفی[۲۸] مرقات ص۱۷۵ ج۲، علامہ عبدالحی[۲۹] التعلیق الممجد ص۱۱۳، شاہ انور شاہ کشمیری[۳۰] العرف الشذی ص۳۰۹۔ ابوالطیب[۳۱] محمد بن عبدالقادر سندی حنفی شرح ترمذی ص۴۲۳ ج۱، مولوی محمد زکریا اوجز المسالک[۳۲] ص۳۹۷ ج۱،

شیخ عبدالحق محدث دہلوی[۲۳] ماثبت بالسنہ صـ۱۲۲، علامہ محمد طاہر حنفی[۲۴] مجمع البحار صـ۳ ج ۲، مولوی احمد علی[۲۵] سہارنپوری حنفی حاشیہ بخاری صـ۱۵۴ ج ۱، شیخ محمد تھانوی[۲۶] حنفی حاشیہ نسائی مجتبائی صـ۲۴۸ ج ۱، مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دارالعلوم دیوبند فتاوی دارالعلوم دیوبند صـ۲۴۱ ج ۲، میں بیس رکعت والی حدیث کو ضعیف اور ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔

حقیقت چونکہ بیس رکعت تراویح کسی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں اور نہ ہی حضرت عمرؓ کے قول وفعل سے۔ لہٰذا ابوبکر محمد بن الولید الطرطوسی فرماتے ہیں: قال مالك والذی آخذ به فی نفسی فی قیام شهر رمضان الذی جمع عمرؓ علیه الناس احدیٰ عشرة رکعة بالوتر وهی صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم، کتاب الحوادث والبدع صـ۵۶، وعمدة القاری صـ۱۲۷ ج ۱۱ منیریه۔

ترجمہ: امام مالک فرماتے ہیں کہ تراویح کے بارہ میں میں اپنے لئے اسی چیز کو اختیار کرتا ہوں جس پر عمرؓ نے لوگوں کو جمع کیا تھا یعنی گیارہ رکعت مع وتر پر۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تراویح تھی، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین! - - - -

(بقیہ صـ۴۸ کا)

اسی واسطے اطباء روزہ داروں کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ ضرورت سے زائد نوع بنوع کھانوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کیسے ایک روزہ دار اپنی صحت وتندرستی کو بہتر اور جسم کو مختلف امراض سے چھٹکارا دلا سکتا ہے اور دوسرے لوگوں کو ہم کیسے باور کرا سکتے ہیں کہ روزہ نظام ہضم میں درستگی پیدا کرتا ہے، احتیاط شرط ہے، ورنہ بصورت دیگر کوئی بھی افطار کے بعد لمحہ بھر انتظار کے بغیر اپنے معدہ کو اتنا پُر کرلے جس سے ایک اضطراب شکم میں پیدا ہوجائے اور وہ کبھی یقین نہیں کرسکتا کہ روزہ سے اس طرح کا فائدہ متحقق ہوسکتا ہے۔ ....

صدقۂ فطر

مولانا عبید اللہ صاحب شیخ الحدیث رحمانی مبارکپوری

روزہ دار مجسم نیکی ہوتا ہے اس کا جسم انسانی ہوتا ہے مگر روح فرشتوں کی زندگی گذارتی ہے نہ تو وہ غیبت کرتا ہے نہ جہالت کے کام کرتا ہے مگر پھر بھی وہ معصوم نہیں ہے، اس سے غلطی اور لغزش ہوسکتی ہے۔ گناہ اور برائی میں مبتلا ہوسکتا ہے زبان سے بیہودہ اور لغو باتیں نکل آتی ہیں۔ ظاہر ہے ایسی حالت میں روزہ ان عیوب اور نقصانات سے منزہ اور پاک نہیں رہے گا، اسی لئے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے روزوں کو ان نقصانات سے پاک صاف اور مقبول ہونے کے لئے ایک نہایت سہل صورت بتائی ہے جس کو اصطلاح شرع میں صدقۃ الفطر کہتے ہیں اور جو دیگر فرائض کی طرح ایک فریضہ ہے۔

صوم شہر رمضان معلق بین السماء والارض ولا یرفع الا بزکوٰۃ الفطر۔ (ترغیب ترھیب) رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور جب تک صدقۃ الفطر نہ ادا کیا جائے مقبول نہیں ہوتے۔

عن ابن عباس قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر طھرۃ للصائم من اللغو والرفث۔ الحدیث (ابوداود۔ ابن ماجہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۃ الفطر فرض کیا ہے روزہ دار کے روزے کو لغو اور فحش گوئی سے پاک اور صاف کرنے کے لئے۔

صدقہ فطر کس پر فرض ہے

صدقہ فطر کی فرضیت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے پاس زکوٰۃ کا نصاب ہو بلکہ جس طرح ایک دولت مند پر فرض ہے اسی طرح اس غریب پر بھی فرض ہے جس کے پاس عید کے دن اپنی اور اپنی اہل وعیال کی خوراک سے زائد اس قدر موجود ہو

کہ ہر ایک کی طرف سے ایک صاع غلہ دے سکے، بلکہ غربا کو دوسروں کے دیئے ہوئے غلہ سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اما غنیکم فیزکیہ اللہ واما فقیرکم فیرد اللہ اکثرمما اعطی (احمد، ابوداود) صدقۂ فطر کے ذریعہ اللہ غنی کو پاک صاف کرتا ہے اور غریب کو اس کے ساتھ جتنا اس نے دیا اس سے زیادہ واپس لوٹاتا ہے۔

معلوم ہوا صدقۂ فطر امیر، غریب، مستطیع غیر مستطیع سب پر فرض ہے۔ ونیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوۃ الفطر من رمضان صاعا من تمر اوصاعا من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثی والصغیر والکبیر من المسلمین (صحیحین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر ایک صاع کھجور، یا ایک صاع جو، غلام، آزاد، مرد، عورت، نابالغ، بالغ مسلمان پر فرض کر دیا ہے، مگر بیوی بچوں غلاموں کا صدقۂ فطر مالک اور صاحب خانہ کو دینا ہوگا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بصدقۃ الفطر عن الصغیر والکبیر والحر والعبد ممن تعولون (دارقطنی) یعنی بالغ، نابالغ، آزاد، غلام کے نفقہ اور خرچ کا جو ذمہ دار ہو اس کو ان کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

اگر بیوی بچے مکان پر نہ ہوں بلکہ سفر میں ہوں تو ان کا صدقۂ فطر بھی ادا کرنا ہوگا، ہاں اگر کسی نابالغ لڑکی سے نکاح کیا ہے اور عدم بلوغ کے باعث رخصتی نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے والدین کے یہاں ہے تو اس کا صدقۂ فطر اس کے باپ کو ادا کرنا ہوگا، اور وہ عورت جو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر نافرمانی کرکے ماں باپ کے یہاں چلی گئی ہو تو اس کا صدقۂ فطر اس کے شوہر پر فرض نہیں ہے۔

صدقۂ فطر انہی لوگوں پر فرض نہیں ہے جن پر روزے فرض ہیں بلکہ ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ، مرد ہو یا عورت جیسا کہ صحیحین کی احادیث سے معلوم ہو چکا۔ آپ نے صدقۂ فطر کو طعمۃ للمساکین (مساکین کی خوراک) فرمایا پس صدقۂ فطر جس طرح روزہ دار کو فحش کلامی اور بیہودہ گوئی کو دور کرنے کی حیثیت سے فرض کیا گیا اسی طرح مساکین کی خوراک ہونے کی حیثیت سے بھی فرض کیا گیا ہے۔ پس جو شخص عید کی صبح کو مسلمان ہو جائے یا جو بچہ عید کی صبح کو پیدا ہو جائے اس پر صدقۂ فطر فرض ہے۔

صدقہ فطر کب ادا کرنا چاہئے

صدقہ فطر عید کی صبح کو عید کی نماز سے پہلے ادا کرنا چاہئے اگر عید کی نماز کے بعد ادا کیا گیا تو صدقہ فطر نہیں ادا ہوگا اور صدقہ فطر کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ مطلق صدقہ اور خیرات کے حکم میں ہو جائے گا۔ فمن اداھا قبل الصلوۃ فھی زکوۃ مقبولۃ ومن اداھا بعد الصلوۃ فھی صدقۃ من الصدقات (ابوداود وابن ماجہ) جس نے صدقہ فطر قبل نماز عید ادا کیا تو وہ صدقہ فطر مقبول ہو گا اور جس نے بعد نماز ادا کیا تو وہ مطلق خیرات کے حکم میں ہو جائے گا۔

حضرت ابن عمرؓ صحابی فرماتے ہیں: امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزکوۃ الفطر قبل خروج الناس الی الصلوۃ۔ (بخاری) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر عید گاہ میں جانے سے پہلے ادا کرنے کا حکم دیا۔

اگر کسی مقام میں بیت المال اور سرداری کا نظام موجود ہو اور یہ سردار زکوٰۃ وصدقہ خود سرداروں اور پیروں کی طرح نہ ہو بلکہ وہاں پر بیت المال اور سرداری کا نظام معاشرہ کی اصلاح کے ساتھ زکوۃ، عشر، صدقۃ الفطر وغیرہ کو ان کے مصارف مقررہ میں دیانت داری کے ساتھ تقسیم کرنے کے لئے ہو تو عید سے دو ایک دن پہلے اپنے اپنے صدقۃ الفطر کو بیت المال میں بھیج دینا کہ وہاں جمع ہو کر مستحقین کو تقسیم کیا جائے شرعاً جائز ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بخاری میں ہے: کان یعطیھا للذین یقبلونھا وکانوا یعطون قبل الفطر بیوم اویومین قال البخاری کانوا یعطون لیجمع لا للفقراء۔ مؤطا میں ابن عمرؓ کے متعلق ہے۔ کان یبعث زکوۃ الفطر الی الذی یجمع عندہ قبل الفطر بیومین اوثلثۃ قال شیخنا فی شرح الترمذی اثر ابن عمر انما یدل علی جواز اعطاء صدقۃ الفطر قبل الفطر بیوم او یومین لیجمع لا للفقراء کما قال واما اعطاءھا قبل الفطر بیوم اویومین للفقراء فلم یقم علیہ دلیل انتھی۔ جمع شدہ صدقہ فطر عید کے دن مساکین وفقراء کو تقسیم کر دے تاکہ وہ اس دن سوال سے بے نیاز ہو جائیں اور شرعی مصلحت پوری ہو جائے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: کان یامرنا ان نخرجھا قبل ان نصلی فاذا انصرف قسمہ بینھم۔ (سعید بن منصور)

صدقہ فطر کس قدر اور کن چیزوں سے دینا چاہئے

صدقہ فطر اس غلہ سے دینا چاہئے جو عام طور پر وہاں کے لوگوں کی خوراک ہو اگر عام طور پر چاول کھایا جاتا ہے تو چاول دینا

چاہیئے وقس علیٰ ہذا۔ اور بغیر فرق وامتیاز کے ہر جنس سے ایک صاع حجازی دینا چاہیے (وھو الاحوط عند شیخنا کما صرح به فی شرح الترمذی) لیکن وہ جنس گھٹیا نہیں ہونی چاہیئے۔ صاع حجازی یعنی صاع نبوی کی تول انگریزی سیر سے مختلف غلوں کی مختلف ہوتی ہے۔ اسلئے تعیین نہیں کی جا سکتی پس جن لوگوں نے مطلقاً تین سیر یا چار سیر یا پونے تین سیر یا سوا دو سیر لکھا ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کھجور، جو، پنیر، منقی سے ایک صاع فی کس صدقہ فطر ادا کیا جائے لیکن گیہوں میں اختلاف ہے کہ ایک صاع دینا چاہیئے یا نصف صاع۔ گیہوں سے صدقہ فطر دینے کے بارے میں کوئی صحیح مرفوع حدیث ثابت نہیں ہے کما صرح به الحافظ والشوکانی والزیلعی وغیرہم۔ ہاں اکثر صحابہ گیہوں سے نصف صاع دیئے جانے کے قائل تھے، اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابو سعید خدریؓ تمام اجناس سے ایک صاع دینے کے قائل تھے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہیکہ عہد نبوی میں مدینہ میں گیہوں تقریباً تھی ہی نہیں اور جب فتوحات اسلامی کا سلسلہ وسیع ہوا اور گیہوں مختلف مقامات سے آنے لگی یا صحابہ کا ایسے مقامات میں گذر ہوا جہاں گیہوں ہوتی تھی لیکن اور اجناس کے مقابلہ میں گراں تھی تو صحابہؓ نے گیہوں کو گراں سمجھکر قیمت کا خیال کرکے نصف صاع کافی سمجھا اس سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ گیہوں سے نصف صاع کے قائل تھے انہوں نے قیمت کا لحاظ کیا اور حضرت ابن عمرؓ اور ابو سعید خدریؓ نے قیمت کا لحاظ نہیں کیا بلکہ صاع کی مقدار کا لحاظ کرکے بلا فرق وامتیاز ہر جنس سے ایک صاع ضروری سمجھا وبه قال مالک والشافعی واحمد واسحاق وھو الاحوط عند شیخنا۔ ہندوستان میں گیہوں کھجور سے سستی ہے پس ہر شخص کو گیہوں سے بھی ایک صاع دینا چاہیئے ہاں اگر کسی کو ایک صاع دینے پر قدرت نہیں ہے تو نصف صاع دے دے۔

صدقہ فطر میں کیا قیمت یعنی نقد پیسہ دینا جائز ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے صدقۃ الفطر میں قیمت دینا ثابت نہیں، اسلئے بغیر عذر کے قیمت نہیں دینی چاہیئے بلکہ عام طور پر کھائے جانے والے غلہ ہی سے صدقۃ فطر ادا کرنا چاہیئے، البتہ اگر حسب ضرورت غلہ نہ مل سکے تو بازار کے عام نرخ کے مطابق فطرہ میں قیمت نکالی جا سکتی ہے۔

صاحب حدائق الازہار کے قول وانما تجزئ القیمة للعذر۔ کی شرح میں علامہ شوکانی لکھتے ہیں: اقول ھذا صحیح لأن ظاھر الاحادیث الواردة لتعیین قدر الفطرة من الاطعمة ان اخراج ذلك مما سماه النبی صلی اللہ علیه وسلم متعین۔ واذا عرض مانع من اخراج العین کانت القیمة مجزئة لأن ذلك ھو الذی یمکن من علیه الفطرة ولا یجب علیه ما لا یدخل تحت امکانه۔ (السیل الجرار ج۲ ص۸۶ طبع القاھرة)۔

ماہِ رمضان میں احتساب کی ضرورت

از ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

عبادت کا مقصد اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جن عبادتوں کا حکم دیا ہے ان میں سے بہت سی عبادتوں کے مقاصد کو بھی واضح کر دیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جملہ احکام و عبادات کے تمام مقاصد اور حکمتیں بندوں کو معلوم ہیں، بلکہ شریعت کے بہت سارے احکام ایسے ہیں جن کی تشریعی حکمت انسانی عقل کی گرفت سے باہر ہے۔ احکام و عبادات کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے قابل اعتماد ماخذ صرف کتاب و سنت ہے، عبادات کے جو مقاصد کتاب و سنت میں واضح کر دیئے گئے ہیں ان پر یقین ضروری ہے، لیکن جن عبادتوں کے مقاصد کی وضاحت نہیں کی گئی ہے، ان کے سلسلہ میں بیجا تکلف و قیاس آرائی مستحسن نہیں، اسرار شریعت کے موضوع پر علماء اسلام نے جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان سے اس سلسلہ میں رہنمائی ملتی ہے، لیکن ان کتابوں کی وہی باتیں مستند ہوں گی جن کی دلیل میں قرآن و حدیث اور شریعت کی عمومی روح کی رعایت کی گئی ہے، اس موضوع پر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مشہور زمانہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ اہل علم کے لئے مفید ہے، عام کتب تفسیر اور شروح حدیث میں بھی اس طرح کے مسائل پر متفرق مباحث ملتے ہیں جن سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

اسلام کے پانچ ارکان میں ایک رکن رمضان المبارک کے مہینے کا روزہ بھی ہے، یہ ایک ایسی اہم عبادت ہے جس کے مقصد کو قرآن کریم نے صرف ایک جامع لفظ کے ذریعہ واضح فرما کر تعمیر سیرت کے ایک اہم اصول کی جانب اشارہ کر دیا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث میں بھی اس عبادت کے بعض مقاصد کا بیان وارد ہوا ہے۔ روزہ کے سلسلہ میں جن مقاصد کی توضیح قرآن و حدیث میں آچکی ہے، ان کو دھیان میں رکھا جائے تو ہماری اس عبادت میں روح پیدا ہوگی، افکار و اعمال کو سدھارنے میں اس سے بڑی مدد ملے گی، اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس عبادت کو شرف قبولیت حاصل ہوگا۔

روزہ کی غایت روزہ کی فرضیت کا تذکرہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۳ میں وارد ہے، اس کے بعد کی مزید دو آیتوں میں بھی روزہ ہی سے متعلق احکام و توضیحات مذکور ہیں، ۱۸۳ نمبر کی آیت کے اختتام پر اللہ تعالیٰ نے روزہ کی فرضیت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: لعلکم تتقون یعنی روزہ اس لئے فرض کیا گیا ہے کہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔ قرآن کے اردو مترجمین نے اس لفظ کا ترجمہ اس طرح بھی کیا ہے: تاکہ تم بچو۔ تقویٰ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کی تشریح پرہیزگاری سے بھی کی جاتی ہے، یہ وصف بھی گناہوں سے بچنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ کی تشریح " ڈر " سے بھی کی جاتی ہے، جب دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہوتا ہے اسی وقت انسان برائیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

روزہ کی فرضیت کا مقصد اللہ تعالیٰ نے جس جامع لفظ (تتقون) کے ذریعہ بیان فرمایا ہے اس کی معنویت پر اگر غور کیا جائے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کی صحیح طور پر کوشش کی جائے تو انسانی زندگی میں بڑی خوش گوار تبدیلی پیدا ہو جائے گی، اور ہمارا معاشرہ ایک صاف ستھرا معاشرہ بن جائے گا۔

تقویٰ شعار زندگی کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ انسان ہر کام سے پہلے بڑی سنجیدگی سے غور کرے کہ یہ کام کتاب و سنت کے موافق ہے یا مخالف، اگر موافق ہے تو اس کو انجام دے ورنہ اس سے باز رہے۔ احتساب کا یہ عمل اسلامی زندگی کی اصل شان ہے، اور اسی میں ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔ آج کا مسلمان خواہشات نفس کی تکمیل میں اس طرح گرفتار ہے کہ اسے اپنے احتساب کا کوئی موقع ہی نہیں ملتا۔ اپنی ظاہر بین نگاہوں سے جس کام کو وہ مفید سمجھتا ہے اور جس کام میں اسے لذت محسوس ہوتی ہے اسے انجام دیتا ہے، اور جو کام اس سے مختلف ہوتا ہے اسے چھوڑ دیتا ہے۔

تزکیۂ نفس و تہذیب اخلاق تقویٰ شعاری کی جس زندگی کو روزہ کا مقصود بتایا گیا ہے اس میں نفس کے تزکیہ اور اخلاق کی تہذیب کو اہمیت حاصل ہے۔ روزہ کی حالت میں مسلمان حلال کاموں یعنی کھانے پینے وغیرہ کو چھوڑ دیتا ہے، یہ ضبط نفس کی ایک ایسی عملی تربیت ہے جس سے انسان کے اندر نیک کاموں کو کرنے اور برے کاموں سے دور رہنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے، اور یہی قدرت اگر زندگی کے ہر موڑ پر موجود رہے تو انسان خیر و سعادت کا مجسمہ بن جاتا ہے، اور جب یہ قدرت موجود نہیں ہوتی تو خواہشات کے ادنیٰ اشارہ پر آدمی برے سے برا کام انجام دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ ضبط نفس اور احتساب

کی صفت جب نہیں پیدا ہوتی تو اسی وجہ سے انسان روزہ کی حالت میں اور رمضان گذرنے کے بعد بھی برائیوں سے خود کو محفوظ نہیں رکھ پاتا، اس کے حصہ میں روزہ کی ظاہری حالت یعنی بھوک، پیاس کے سوا کچھ اور نہیں آتا، نہ اس کے اخلاق مہذب ہوتے ہیں نہ نفس کے اندر پرہیزگاری کا وصف پیدا ہوتا ہے، روزہ سے پہلے اس کی جو حالت تھی وہی روزہ کے ایام میں اور اس کے بعد بھی برقرار رہتی ہے، حالانکہ اس اہم عبادت کے نتیجہ میں اصلاح وسدھار کا ظہور ضروری ہے۔

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں ان لوگوں کو سخت تنبیہ کی گئی ہے جو روزہ رکھتے ہوئے بھی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں، اور نیک کاموں کی تڑپ اپنے اندر پیدا نہیں کر پاتے، ارشاد ہے کہ جو شخص جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ کو ضرورت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا بند کرے۔ یعنی اگر روزہ سے انسان کے اندر برائیوں سے دور رہنے کا جذبہ نہ پیدا ہو سکے اور اس کے اخلاق مہذب نہ بن سکیں تو صرف کھانا پینا چھوڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ حدیث میں جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے اس میں بڑی سخت وعید ہے جو لوگ ظاہری طور پر روزہ رکھ لیتے ہیں، اور اپنے اندر برائیوں سے دور رہنے کی قوت اور جذبہ نہیں پیدا کر پاتے وہ اس عظیم عبادت کے حقیقی فوائد سے محروم ہیں۔

روزہ اور صبر

حدیث شریف میں ماہ رمضان کو "صبر کا مہینہ" کہا گیا ہے، اور بلاشبہ اس عبادت کی بجا آوری میں صبر کا غیر معمولی دخل ہے، اگر بندہ میں صبر کی صفت نہ ہو تو اس عظیم عبادت کی ادائیگی مشکل ہوگی، صبر ہی کے ذریعہ بندہ کھانا پینا چھوڑتا ہے اور دوسرے حلال کاموں سے بھی بچتا ہے، اگر صبر کی کارفرمائی نہ ہو تو پورے تیس دن بھوک پیاس کی مشقت جھیلنا ممکن نہ ہوگا۔

صبر کے مفہوم میں بڑی جامعیت ہے، اس کا ایک مظہر تو یہی ہے کہ نیک کاموں کی ادائیگی میں جو دشواری پیش آئے اسے انسان برداشت کرے، اور برے کاموں سے بچنے کے سلسلے میں جو دباؤ سامنے آئے اسے قبول کرے، صبر کا ایک مظہر نسبتاً معروف ہے، یعنی زندگی میں جو مشکلات و مصائب آئیں انھیں آدمی برداشت کرے۔ صبر کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ زندگی کے میدان میں دوسری قوموں کے مقابلہ میں مسلمان زیادہ محنت و مشقت سے کام لیں تاکہ اپنے مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار ہوں، دوسری قوموں کے مقابلہ میں مسلمان اگر زیادہ برداشت سے کام نہ لیں گے تو ان کی ترقی مشکل ہے، آج امت مسلمہ کو جس پسماندگی و کمزوری کا سامنا ہے اس میں زیادہ تر

اسی بات کا دخل ہے کہ دیگر اقوام کے مقابلہ میں اس امت کے افراد نے صبر کی اس نوعیت سے کام نہیں لیا، اور دوسری قوموں کی ترقی کو حسرت سے دیکھتے رہے۔

دورِ عروج میں مسلمانوں کا حال آج کی طرح نہیں تھا، ان کی زندگی میں صبر کی کارفرمائی تھی، راہِ حق میں مشقت جھیل کر وہ دین کے لئے کام کرتے تھے، روزہ کی حالت میں آج مسلمان اضمحلال وسستی کا شکوہ کرتے ہیں، لیکن اسلامی تاریخ کی عظیم فتوحات کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سی لڑائیاں رمضان المبارک کے مہینہ میں واقع ہوئیں، اور مسلمانوں نے ان میں صبر وحوصلہ سے کام لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں کامیابی سے نوازا اور دشمنوں کے خلاف ان کو فتح وکامرانی حاصل ہوئی۔

۱۔ اسلامی جہاد کی تاریخ کا پہلا عظیم اور فیصلہ کن معرکہ غزوۂ بدر کا تھا، یہ رمضان سنہ ۲ھ میں پیش آیا۔

۲۔ سنہ ۸ھ میں ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔

۳۔ ماہ رمضان سنہ ۱۵ھ میں جنگ قادسیہ واقع ہوئی جس میں مسلمانوں نے ایران کے مجوسی مذہب کو ختم کیا۔

۴۔ ماہ رمضان سنہ ۵۳ھ میں جزیرۂ رودس فتح ہوا۔

۵۔ رمضان سنہ ۹۲ھ میں مسلمانوں نے طارق بن زیاد کی قیادت میں اندلس فتح کیا۔

۶۔ رمضان سنہ ۵۸۴ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے ملک شام میں صلیبیوں کو زیر کیا۔

۷۔ رمضان سنہ ۶۵۸ھ میں مسلمانوں نے عین جالوت کے معرکہ میں تاتاریوں کو شکست دی۔

۸۔ رمضان سنہ ۶۷۵ھ میں شاہ ظاہر بیبرس کی فوجوں نے صلیبی فوجوں کو فیصلہ کن شکست دی۔

۹۔ رمضان سنہ ۱۳۹۳ھ میں مصری فوجوں نے نہر سوئز پار کرکے اسرائیلی افواج کی ناقابل تسخیر حیثیت کی حقیقت واضح کردی۔

اسلامی تاریخ میں اس نوعیت کے بہت سے دوسرے واقعات بھی مذکور ہیں، ہم نے صرف بعض واقعات کی جانب اشارہ کیا ہے جس کا مقصد اس جانب توجہ مبذول کرانا ہے کہ ہمارے اسلاف نے رمضان کے مبارک مہینہ میں دین کی سربلندی کے لئے کس طرح کوشش کی، اور کیسی جاں نثاری وفداکاری کا مظاہرہ کیا۔ رمضان کا مہینہ ہم سے بھی اسی طرح کی جاں نثاری وقربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ یہ مہینہ سستی اور اضمحلال

کے مظاہرہ کا نہیں ہے، بلکہ صبر وعزیمت کے اظہار کا ہے۔ زندگی کے میدان میں محنت اور جفاکشی کی خو پیدا کئے بغیر ہم کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہمدردی وغم خواری

روزہ کے مہینہ کو مواساۃ کا مہینہ کہا گیا ہے، ایک متفق علیہ حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر سخی تھے، اور خیر وبھلائی کے کام آپ سب سے زیادہ کرتے تھے، اور رمضان کے مہینہ میں آپ کی سخاوت تیز ہوا سے بھی زیادہ ہو جاتی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اسوہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ روزہ سے انسان کے اندر ہر طرح کے نیک کام اور بالخصوص سخاوت اور احسان کا جذبہ پیدا ہونا چاہیئے۔ روزہ رکھنے والا انسان بھوک پیاس کو عملی طور پر جھیلتا ہے، اس سے اس کو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فقر ومسکنت کی زندگی بسر کرنیوالوں پر کیا گذرتی ہے، اور فاقہ کشی کی مصیبت کیسی ہوتی ہے، اس احساس کے بعد اس کے اندر یہ جذبہ پیدا ہونا چاہیئے کہ مفلس وبے سہارا لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان کی مادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے اپنی دولت خرچ کرے، اور محتاج لوگوں کے احساس محرومی کو دور کرے۔

انسان کے اندر مال ودولت کی بیجا محبت پیدا ہو جاتی ہے تو مال سے متعلق شرعی احکام کی ادائیگی میں تقصیر کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔ روزہ سے نفس انسانی میں تقوی اور ارادہ میں قوت پیدا کرنے کی جو بات کہی گئی ہے اس کا مفہوم یہی ہے کہ خواہشات کے دباؤ سے انسان نیک کام سے غافل نہ جائے، بلکہ نیکی کی طرف ہمیشہ راغب رہے، اور برائیوں سے بچتا رہے۔

اسلام نے انسانی معاشرہ میں ہمدردی وتعاون کو بڑی اہمیت دی ہے، وہ چاہتا ہے کہ معاشرہ کے تمام افراد ایک خاندان کی طرح زندگی بسر کریں، لوگوں کے اندر خود غرضی اور انانیت کی جگہ تواضع اور ایثار کی صفت جلوہ گر ہو، انسان دوسرے کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھے، اور اپنے بھائی کیلئے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کا جذبہ رکھے۔ ایک صحیح حدیث میں مسلمانوں کو ایک جسم قرار دیا گیا ہے، اس کا مقصد یہی ہے کہ آپس میں مسلمان ہمیشہ ہمدردی وتعاون سے کام لیں، اور خود غرضی کا شکار نہ ہوں۔ رمضان کے مبارک مہینہ میں ایثار وہمدردی کے اس جذبہ کو نشوونما کرنے کا نادر موقع ہوتا ہے، اس لئے ہمارا فرض ہے کہ اس پہلو پر توجہ دیں، اور خلق خدا کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نیکی وبھلائی کریں۔

پروفیسر حفیظؔ بنارسی

بہ یادِ ہمشیرہ مرحومہ

جن کا انتقال بنارس میں کرفیو کے دوران ہوا

مری خواہر، مری ہمشیر میری مہرباں آپا
شریکِ زندگانی نسیمؔ خوش بیاں آپا
شبیہ والد مرحوم خوش اطوار خوش طینت
تری روشن جبیں تھی اک حسیں مہتاب کی صورت
نگاہ و دل کی اک پر نور جنت دیکھتا تھا میں
تری تصویر میں ماں کی محبت دیکھتا تھا میں
مجھے ایامِ طفلی سے نوازش تیری حاصل تھی
نہ جس میں کام تو آئی نہ ایسی کوئی مشکل تھی
نہیں ہے تو تو ہر شئے میں کمی محسوس ہوتی ہے
وہی دنیا ہے لیکن دوسری محسوس ہوتی ہے
تری رحلت ہوئی جس دم لگا تھا شہر میں کرفیو
بنارس میں تھا دار و گیر کا اک سلسلہ ہر سو

ؔ جناب الحاج مولوی عبدالقدوس صاحب نسیمؔ بنارسی۔

تڑپ کر رہ گیا ارضِ وطن تک میں نہ آ پایا
چمن سے دور تھا صحنِ چمن تک میں نہ آ پایا
سپردِ خاک بھی تجھ کو نہ کر پایا ترا بھائی
ابھی تک دامنِ دل کو نہیں حاصل شکیبائی
دعائے مغفرت ہے اور میرا قلب گریاں ہے
یہی انساں کے بس میں ہے یہی تقدیرِ انساں ہے
خدائے پاک تجھ پر رحمتوں کے پھول برسائے
تری ہر ایک مشکل بعدِ مرگ آسان فرمائے
خدائے پاک تجھ کو جنت الفردوس میں گھر دے
ترے مرقد کو اپنے جاوداں انوار سے بھر دے
ملائے بندگانِ صالحیں سے داورِ محشر
کہ تو بھی صالحہ[۲] تھی اے مری روشن جبیں خواہر!

---

[۲] زوجۂ مولوی عبدالقدوس صاحب، صالحہ نسیم

امتیاز احمد سلفی

روزہ اور حفظانِ صحت

انسان کی تخلیق مادہ اور روح سے عبارت ہے، اس پس منظر میں اسے جسم و روح کی تقویت رسانی کے لئے توجہ مبذول کرنا ضروری ہے، مذہب اسلام نے ان دونوں پہلوؤں کی جانب بیک وقت انسان کو متوجہ کیا، اور کسی ایک پہلو کی طرف میلان سے منع کیا، لہذا روح کے ساتھ ساتھ جسمانی تقویت کی ہدایت دی، اور ایسے عمل سے احتراز برتنے کی تاکید کی جو جسم کے لئے مضر ہے، جس طرح سے من کل الوجوہ عبادت الٰہی میں انہماک سے باز رکھا، اور جسمانی خواہشات کی تکمیل میں اس طرح مصروف ہو جانا کہ روحانیت اس سے معدوم ہو جائے، اسی غرض سے اسلام نے انسان کو کچھ ایسے اعمال کا مکلف بنایا جس پر وہ قائم رہے۔ ان اعمال میں اہم ترین عبادت رمضان شریف کا روزہ رکھنا ہے، اسلئے کہ جسم کو نشیط اور طاقت ور بنانے کے لئے جسمانی ورزش ایک بنیادی چیز ہے جس کو انسانیت نے راحت و آرام کے لئے اپنایا، ایسے ہی روح کا بھی معاملہ ہے کہ نفس کو سکون رسانی کے لئے کوئی ریاضت ہونی چاہیے جسے لوگ اپنائیں تاکہ اس سے انشراح صدر اور قوت ایمان تازہ ہو، اور انسان کو غلط قسم کے افعال پر ابھارنے والی قوت مغلوب ہو اور اس کا رجحان نیکی کی طرف ہو جو پورے معاشرہ کے لئے مفید ہے۔

اسی مقصد کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض کھانے پینے سے نہیں منع کیا کیونکہ یہ تو روزہ کی ایک ظاہری شکل کا نام ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ روزہ کی یہ ظاہری شکل مفطر صوم ضرور ہے اور اس شکل کو مخدوش ہونے سے بچانا بھی لازم ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اہم پہلو کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا مقصد روزہ کا بتایا اور وہی فرضیت صوم کی غایت اصلی ہے۔ انسان کا ہر اس قول و عمل سے باز رہنا جس سے شریعت نے منع کیا اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب اور محرک ہو۔ ایسی صورت میں روزہ دار اپنے حقیقی مقصد کی تکمیل کر سکتا ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس له حاجة فی ان یدع

امه وشرابه۔ (جو شخص جھوٹی بات کہنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو ایسے روزدار کی
ت نہیں کہ وہ کھانے پینے کی چیزوں سے دور رہے لیکن دوسرے تمام منکرات سے پرہیز نہ کرے)

آیئے دیکھیں روزہ اپنے متبعین پر کیا اثر ڈالتا ہے اور انھیں صحت و تندرستی کے مضرات سے کس قدر
رکھتا ہے اور مہلک امراض سے محفوظ و مامون کی کس حد تک پاسداری کرتا ہے۔ اس بات سے شاید کسی کو
انکار نہ ہو کہ کھانے پینے میں بداحتیاطی و بدنظمی یقینا مفسد معدہ اور مضر صحت ہے۔ اسلام نے مسلمان شخص کو
ائی کے اصول پر قائم رکھنے کیلئے کھانے پینے میں اسراف سے منع کیا ہے۔

وکلوا واشربوا ولاتسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔ (اعراف ۳۱)
کھاؤ پیو اور نہ اڑاؤ (فرخ نہ کرو) اس کو خوش نہیں آتے اڑانے والے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے افراط و اسراف سے احتراز کرتے ہوئے اس قدر کھانے کی ہدایت فرمائی جتنا کہ
سان ضروری سمجھے اور جو اس کے جسم کا جزو بن سکے۔ ماملاء ابن آدم وعاء شرامن بطنہ، حسب
بن آدم لقیمات یقمن صلبہ، فان کان لامحالۃ فثلث لطعامہ وثلث لشرابہ، وثلث
نفسہ (رواہ الترمذی) انسان کو اپنے شکم کے شر سے بچنے کے لئے اسے کچھ خالی چھوڑنا بہتر ہے، کھانے کی
نی ہی مقدار کافی ہے جو اس کی بیٹھ کو سیدھی رکھے، اگر بھوک زیادہ ہو تو ایک تہائی کھانا کھائے اور ایک تہائی
حصہ میں پانی، اور ایک تہائی حصہ سانس لینے کے لئے چھوڑ دے۔

چنانچہ مشرق و مغرب کے ماہرین نے دو ٹوک طور پر اس بات کی تائید کی کہ روزہ ایک ڈھال ہے اور موجودہ
دور کے بیشتر مہلک امراض کا بہت بڑا علاج ہے۔

امراض نفس روزے سے انسانی نفس پر بہت زبردست اور موثر اثر مرتب ہوتا ہے، وہ انسان کو سکون و راحت
اور صبر و شکر پر برانگیختہ کرتا ہے، صبر امراض نفس کے لئے ڈھال اور علاج ہے، اس سے مشکل
اور پیچیدہ حالات میں زندگی بسر کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ایسے احوال و ظروف سے مقابلہ آرائی کی طاقت بخشتا
ہے جس سے انسان زچ آکر خودکشی پر مجبور ہو جاتا ہے، بلاشبہ روزہ انسان کو مصائب و آلام سے نبرد آزما ہونے
کا گر سکھاتا ہے اور بیشتر امراض سے محفوظ رکھنے کا سلیقہ سکھلاتا ہے، بلاؤں اور آفتوں کا متحمل ہو جاتا ہے۔ بہت
سی چیزوں سے خود کو مستغنی ہونے کا تصور دلاتا ہے اور محتاجگی کا احساس مردہ ہو جاتا ہے۔

انسان اپنی اس چند روزہ زندگی میں بہت سے شدائد و محن اور شہوات ولذات سے بری طرح گھرا رہتا ہے جس سے خلاصی کی کوئی راہ نہیں پاتا، اللہ تعالیٰ نے اس کو پورے ایک ماہ روزے رکھنے کا مکلف بنا کر روزے دار کو اس بات کی ٹریننگ دینا چاہتے ہیں کہ وہ ان مشکلات کو برداشت کرنے کا عادی بن جائے اور جوانمردی سے نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرے اور عبادت و ریاضت کے ذریعہ اس کی قوت ملکوتی قوت بہیمیہ کو مغلوب اور بے بس بنادے، اور روحانی طاقت سے وہ مجبور نہ ہو کہ شیطانی اور طاغوتی طاقت کے سامنے مجبور محض بن کر رہے جس طرح بچہ بھوک یا کسی تکلیف سے بے چین ہے لیکن از خود اس کے اندر یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ اپنی اس ضرورت اور بے چینی سے نبرد آزما ہو سکے۔ اگر روزہ دار سے کوئی برسرپیکار ہونا چاہتا ہے یا زبان سے گالی گلوج اور لغویات کا مرتکب ہو رہا ہے تو نفس اور زبان کی لگام کو اتنا قابو میں رکھے کہ اس کی طرف التفات نہ کرے، اور "میں روزہ دار ہوں" کہہ کر اپنے کو بچالے جائے۔ سچ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وان تصوموا خیر لکم۔ (البقرۃ:۱۸۴) روزہ رکھنے میں کامیابی اور بھلائی۔ اس مختصر جملہ میں کتنا عظیم فائدہ بیان کر دیا گیا ہے۔

شوگر کا مرض

روزہ کا فائدہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو نفس کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ جسمانی امراض سے بھی حفاظت کرتا ہے۔ اس وقت شوگر کا مرض بہت عام ہے اور بیشتر لوگ اس کے شکار ہیں، بلکہ بعض خاندانوں میں یہ مرض موروثی ہوتا ہے، اور اس کی ابتدا وزن میں اضافہ سے ہوتی ہے اسی وجہ سے روزہ ایسے مریضوں کے لئے مفید ہے کیونکہ خون کا تناسب موٹاپے کی کمی کے ساتھ کم ہوتا ہے، اور خون میں یہ تناسب کم از کم کھانا تناول کرنے کے پانچ گھنٹہ بعد کم ہو جاتا ہے حتی کہ حد طبعی سے بھی یہ توازن گر جاتا ہے جبکہ یہ مرض اپنی ابتدائی منزل میں ہو۔

موٹاپے سے چھٹکارا پانے کے لئے روزہ کو عملاً اپنانا کتنا آسان نسخہ ہے، بشرطیکہ ہم کھانے پینے میں بے احتیاطی نہ کریں اور متوازن غذا کے عادی بنیں، اور رمضان شریف کی معروف ماکولات جو شیرینی کے قبیل سے ہوں احتراز کریں، اور خود کو متحرک رکھیں، عبادات میں مشغول رہیں، خصوصاً نمازوں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں۔

جلدی امراض اور روزہ

طب جدید کی تحقیقات نے یہ بھی انکشاف کیا کہ روزہ جلدی امراض کے لئے بھی نافع اور فائدہ بخش ہے، بدن میں روزہ سے چکناہٹ کا مادہ کم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ چکنی چیزوں کا استعمال جلد انسانی کے لئے مضر ہے، اور وہ اس طریقے سے کہ چکناہٹ رگوں میں آہستہ آہستہ

پستی منجمد ہوتی ہے (بعض رگوں میں چربی جم جاتی ہے) جو دل و دماغ میں انجماد خون کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔
نو روزہ اس پہلو سے بھی نفع بخش ہے، جس طرح موٹاپے سے رہائی دلاتا ہے، ظاہر ہے کہ جب جسم میں تیل اور چکناہٹ کا مادہ اندرون قلب سے کمزور ہوگا تو آدمی اپنے اندر نشاط اور پھرتی محسوس کرے گا، روزہ خون کی صفائی کا کام بھی کرتا ہے، اور جسم کے متعدد حصوں کے لئے بہت فائدہ مند ہے جیسے تلی، کلیجی اور پت وغیرہ، غرض زیادہ سے زیادہ طاقت اور قوت بخشتا ہے۔

طب جدید کی تحقیق سے یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ریڑھ کی ہڈی کا گودا روزہ سے متاثر نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے کوئی کمزوری لاحق ہوتی ہے بلکہ اس سے قوت میں اضافہ ہی ہوتا ہے، جس طرح سے شوگر اور چکنی چیزیں جو جلد کے نیچے، اوپر ہوتی ہیں، روزہ کی وجہ سے ان میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور جوانی کے اثرات سے چہروں میں جو دانے پیدا ہوتے ہیں روزہ سے وہ بھی معدوم ہو جاتے ہیں۔ اس وقت نوجوان طبقہ میں تقریباً نوے فیصد اس بیماری کے شکار پائے جاتے ہیں، اسی طرح جلد کی دوسری سوزشوں سے پیدا ہونے والے امراض میں روزہ مفید ثابت ہوا۔ مثلاً سر میں روسی، اور بال جھڑنے کی بیماریوں میں وہ معاون قرار پایا۔

روزہ نظام ہضم کی درستگی میں بھی کارگر ہے کیونکہ فضلات کے خارج ہونے اور معدہ کی حرکت میں سست رفتاری سے راحت نصیب ہوتی ہے اور معدہ کی دائمی قسم کی بے چینیوں میں مدد ملتی ہے۔ اور نازک امراض میں بھی شفا کا کام کرتا ہے کیونکہ جلدی نزاکت جو نظام ہضم کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے، روزہ کی وجہ سے مکمل طور پر سکون ملتا ہے۔

مغربی ماہرین صحت نے یہ بھی بیان کیا کہ روزہ جراثیم سے چھٹکارا دلانے میں ایک متحرک اور زبردست وسیلہ ہے، اور بعض کا یہ قول ہے کہ سال میں مہینہ بھر کا روزہ زندگی اور جوانی کی روح ہے۔ ایک روسی ڈاکٹر نیکولایف کا بیان ہے کہ صحت مند رہنے کے لئے تین یا چار ہفتہ متواتر کھانے پینے سے منقطع اور بے تعلق ہونا چاہیے اور بھوکے رہنے کی مشق کرنی چاہیے۔ (مجلہ الوعی الاسلامی رمضان ۱۴۰۵ھ شمارہ ۲۴۹)

ایک دوسرے امریکی ڈاکٹر کا بیان ہے:
ہر شخص کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ روزہ نہ رکھنے سے وہ بیمار ہو سکتا ہے، اور کیوں نہ مریض ہو جبکہ دوا اور غذا کے زہریلے جراثیم جسم کے اندر اکٹھا ہو کر انسان کو مریض جیسا بنا دیتے ہیں۔ اس کی طبیعت مضمحل

تحلیل اور سست ہوجاتی ہے، اور جب وہ روزہ رکھتا ہے تو اس کا وزن ہلکا ہوتا ہے اور زہریلے جراثیم اکٹھا ہونے کے بعد جسم میں تحلیل ہوکر فضلات کے ذریعہ باہر نکل آتے ہیں تاآنکہ مکمل طور پر اسے فرحت بخشتی اور نشاط محسوس ہوتا ہے اور اس کا وزن کم ہوکر معتدل ہوجاتا ہے، کم ازکم بیس روز کی مدت تک روزے سے رہنے میں ایک نئی زندگی میسر ہوتی ہے، اور افطار کے بعد اس کی کوئی جسمانی شکایت باقی نہیں رہ جاتی۔

(الصیام فی الاسلام ص ۲۵، ۲۶)

جامعہ قاہرہ کے جلدی امراض کے ایک استاد کا بیان ہے:

غذا کا تعلق جلدی امراض سے بہت مضبوط ہے، چنانچہ ایک مخصوص مدت تک کھانے، پینے کی چیزوں سے دور رہنا تاکہ جسم اور خون میں پانی کی قلت پیدا ہو، کیونکہ جسم کے اندر پانی کی کمی ہو جانے سے مہلک اور جراثیمی امراض سے مدافعتی قوت پیدا ہوتی ہے، نیز پانی کی قلت جسم کی سوزش اور جلن کو بھی کنٹرول میں رکھتی ہے۔ ان حالات میں غذا سے قطع تعلق ہوکر آدمی اپنے بدن کی بہت ساری بیماریوں سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے۔ (رسالۃ الصوم والزکاۃ ص ۲۵)

ڈاکٹر انور مفتی نے کہا:

پانی اور میٹھی چیزوں سے افطار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ: ایسا پانی جو شیریں آمیز ہو معدہ اس کو چوس کر چند منٹوں میں جسم کو سیراب کرکے پانی اور شکر کی کمی کو زائل کردیتا ہے، برخلاف اس کے اگر کوئی شخص افطار کے بجائے بھر پیٹ کھانا کھائے تو جو چیز چند منٹ میں جسم کی ضرورت کو پورا کرے گی اس کے لئے چند گھنٹے درکار ہوں گے اور اتنی مقدار تک جسم کی کمی کے اسباب باقی رہیں گے گویا کہ وہ اتنی دیر تک مزید روزے سے رہا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تھوڑی اور میٹھی چیز سے افطار جسم کے لئے زیادہ مفید ہے چہ جائیکہ روزے کے بعد بیک وقت پیٹ کو ماکولات سے بھر لیا جائے۔ (حوالہ مذکور ص ۲۷)

جدید طبی تحقیق سے فرمان نبوی کے اس قول کی صداقت بھی آشکارا ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:
کھجور سے افطار کرو کہ وہ باعث برکت ہے اور اگر میسر نہ ہو تو پانی سے ہی روزہ کھولو۔ آپ غور فرمائیں کتنی بلیغ اور حکمت سے مزین بات اس جملہ میں بیان کردی گئی۔ اذا افطر احدکم فلیفطر علی تمر فانہ برکۃ فان لم یجد فالماء فانہ طھور۔
ایک کھجور سے افطار کرو کہ وسیلۂ برکت ہے اور اگر وہ بھی میسر نہ ہو تو پانی سے افطار کرو کہ وہ پاکیزہ چیز ہے

علامہ رشید رضا مصری نے تفسیر المنار میں روزے کے فوائد سلسلہ میں رقمطراز ہیں :

صحت و تندرستی کے پہلو سے روزہ کا یہ فائدہ ہے کہ بدن سے غیر ضروری مادے ختم ہو جاتے ہیں، خصوصاً متمول افراد جو مرغن غذاؤں کے عادی اور حرکت و عمل سے دور رہتے ہیں۔ بدن کی ضرر رساں رطوبتیں خشک ہوتی ہیں، جگر کی بیماری سے مامون اور زہریلے مادوں سے جسم کو منتقح کرتا ہے جو شکم میں جنم لیتے ہیں، نیز چربی کی زیادتی سے بچاتا ہے جو دل کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ روزہ کی مثال اس گھوڑے جیسی ہے جسکو بھاگ دوڑ میں چاق و چوبند اور چست و پھرتیلا بنانے کے لئے چند دن بھوکا رکھا جاتا ہے تاکہ میدان کارزار میں پست ہمتی کا شکار نہ ہو۔ (تفسیر المنار ۲/۱۴۸)

جسمانی منفعت سے قطع نظر ہمیں رمضان المبارک کا روزہ ایمان و احتساب کے جذبے کے ساتھ رکھنا چاہئے تبھی ہم کو اللہ تعالیٰ اس کے اجر و ثواب سے ہمکنار کر سکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کل عمل ابن آدم لہ الا الصیام فانی لی وانا اجزی بہ (بخاری) ابن آدم کا ہر عمل اسکے لئے ہے بجز روزہ، کیونکہ وہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دونگا۔

یوں تو ہر عمل مومن کا اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوا کرتا ہے جس کا اجر اس کو ملے گا انشاء اللہ۔ لیکن روزہ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ بنفس نفیس بندے کو اس کے ثواب سے مشرف فرمائیں گے۔ اس ضمن میں ہم روزے کے جسمانی فوائد سے بھی مستفید ہوں گے، کیونکہ سبھی لوگ اپنی تندرستی کے لئے حسین حیات متمنی ہوتے ہیں۔

تندرستی کے پیچھے روزہ ضائع نہ کریں

ماہ رمضان کی آمد سے کچھ لوگوں کو اس پہلو سے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ سحر و افطار میں مختلف قسم کی ماکولات و مشروبات سے لذت اندوز ہونے کا موسم بہار آ گیا، حالانکہ اس قسم کی فکر سے روزے کی حکمت توانائی مفقود ہو جاتی ہے، اور قوت شہوانی کی زیادتی کا موجب ہوگی، جبکہ مقصود یہ ہے کہ شہوانی قوت مغلوب ہو۔ معاصیات سے احتراز کا جذبہ پیدا ہو اور فسق و فجور دغابازی سے بچا جائے، اور امیر و غریب، فقیر و بادشاہ سب یکساں حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں۔

یہیں تک اپنا معاملہ موقوف نہ رکھے بلکہ احتیاطی تدبیر میں اس سے بھی آگے وہ بڑھنے کی کوشش کرے تاکہ روزے کے دونوں روحانی، جسمانی فائدوں سے بھرپور استفادہ پر قادر ہو۔ (باقی ص ۱۳ پر)

ماہنامہ **محدث** بنارس

شمارہ/۵ | مئی ۱۹۹۲ء | ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ | جلد/۱۰

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

درسِ قرآن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

حکمتِ بشریتِ رسولؐ

ومامنع الناس ان یؤمنوا اذ جاءھم الھدیٰ الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا ۔ قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا ۔

ترجمہ : اور (گمراہ) لوگوں کو ہدایت پہونچنے کے بعد ایمان سے روک ہوتی ہے تو یہی کہتے ہیں کیا اللہ نے آدمی کو رسول بنایا ؟ (کیا وہ فرشتوں کو رسول بنا کر نہیں بھیجتا ؟) تو ان کو کہدیجئے کہ فرشتے اگر زمین میں آرام سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے (مگر چونکہ آدمی آباد ہیں اس لئے تجھ آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے) ۔

انسان کے لئے سب سے بڑی چیز ایمان کی دولت ہے جس کا اعتقاد درست ثابت ہوا اور جس نے عمل سے اپنی زندگی مزین کرلی اس کی دنیا و آخرت بن گئی ورنہ اعتقاد و ایمان کی خرابی اسے ابدی خسارے سے دوچار کردے گی ۔ قرآن و حدیث جو مسلمانوں کے اصل دینی مرجع و مصدر ہیں ، ان ہر دو میں بڑی وضاحت اور صفائی کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے کہ جتنے انبیاء کرام انسان کی رہنمائی اور ایک معبود کی عبادت کے لئے ان کو متوجہ کرنے کی غرض سے تشریف لائے وہ سب انسان تھے ۔ انسان کی رہنمائی اور الٰہی احکام کے مکلف کرنے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے کے لئے انہی کے ہم جنس انسان کا انتخاب اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت پر مبنی ہے ، لیکن انسان جو بہت ہی بڑا نادان اور ناشکرا اور ہٹ دھرم ہے ، وہ ابلیسی منطق سے ہر بات کو پرکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ رسول کا مرتبہ تو بہت بڑا ہے ، اس کے پاس فرشتے آتے ہیں تو بھلا وہ انسان کیسے ہوسکتا ہے ؟ وہ انسان جو ہماری طرح پیدا ہوتا ہے ، بچپن و جوانی اور بڑھاپے سے ہو کر گذرتا ہے ، اس کے بیوی بچے بھی ہیں ، وہ کھاتا پیتا بھی ہے اور بازاروں میں سودا سلف بھی کرتا ہے

وہ رسول کیوں کر ہو سکتا ہے، اس سلسلے میں وہ صریح آیات قرآنی اور واضح احادیث نبویہ کا انکار کرتا ہے، مذکورہ آیت میں مشرکین کی اسی پریشانی کا ذکر ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بہرحال انسان ہیں ان کے ماں باپ ہیں، بیوی بچے ہیں کھاتے پیتے ہیں، سودا سلف بھی کرتے ہیں، غرضیکہ بشر ہیں۔ کوئی ناعقل اور احمق ہی ہوگا جو آپ کی بشریت سے انکار کرے گا، مشرکین بھی آپ کو بشر مانتے تھے مگر تعجب اس بات پر تھا کہ رسول تو کسی فرشتہ یا کسی اور مخلوق کو ہونا چاہیے جو انسان نہ ہو، چنانچہ ان کی تردید کے لئے اور حکمتِ بشریتِ رسول کو بتانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کیلئے انسان کا رسول بنانا ہی موزوں و مناسب اور مبنی برحکمت اور باعث مصلحت ہے تاکہ وہ بشر ان تمام امور کو پہلے خود کر کے بتائے کہ جتنے تکالیف شرعیہ ہیں سب انسان کی قدرت و طاقت سے باہر نہیں ہیں انسان تکلیف مالا یطاق کا مکلف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی شخص کو اس کی طاقت و وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں بناتا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا ۔

الغرض رسول کا انسان ہونا ہی مبنی برحکمت ہے کیونکہ اگر رسول فرشتوں میں سے ہو پھر بھی نبوت و رسالت کی حکمت پوری نہیں ہو سکتی، بنی نوع انسان حجت کرتے ہوئے کہے گی کہ فرشتے جن اعمال کو بجالائے ہیں ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ ہم بھی اسے انجام دے سکیں، بھلا ہم دونوں کا کیا واسطہ؟ دونوں کے مزاج میں فرق، طبیعتیں الگ الگ، احساسات جداجدا۔ ہم خاکی ہیں وہ نوری ہیں، ہم اشغالِ دنیا سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ وہ ہر طرح کے دنیاوی علائق سے مبرا ہیں پھر ہماری ان سے کیا نسبت؟

اس لئے قرین قیاس اور عقل و منطق کے موافق بات یہی ہے کہ رسول بشر ہو تاکہ اس کے تمام اعمال وافعال اور اقوال و فرمودات انسان کے لئے لائق اتباع اور نمونہ ہو۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ۔

لطف یہ کہ عرب کے مشرکین کہتے تھے کہ بشر رسول نہیں ہو سکتا، اور اس وقت کے بعض دعویداران اسلام کا کہنا ہے کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا۔ الغرض دونوں اس امر پر متفق ہیں کہ رسول بشر نہیں ہو سکتا، تعجب ہے دعوائے ایمان پر اور اطاعت شیطان پر۔ وإن اطعتموهم انكم لمشركون ۔ (الانعام)

درس حدیث

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

طالبِ دنیا کی مذمّت

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لوکان لابن آدم وادیان من مال لابتغی وادیا ثالثا، ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب۔ (البخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر انسان کے پاس مال سے بھرے ہوئے دو وادی ہوں تب بھی وہ تیسرے کی خواہش کرے گا اور انسان کے پیٹ کو سوائے قبر کی مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی، اور توبہ کرنے والوں کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

دنیا فانی ہے، اور اس کی ہر چیز فنا کے گھاٹ اتر جانے والی ہے، جو لوگ دنیا و مافیہا ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں، وہ بہت ہی گھاٹے اور ٹوٹے میں ہیں، خصوصا وہ لوگ جو دولت دنیا کے چکر میں ہمہ وقت سرگرداں رہتے ہیں، اور ہر جائز و ناجائز طریقہ پر جمع مال و متاع کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں، ان کے حرص وطمع کا یہ عالم ہے کہ ایک دولت کمانے کے بعد دوسرے کی فکر اس قدر دامنگیر ہے کہ وہ انہی کے لئے وقف ہو چکے ہیں، ان کی خواہشیں ہیں کہ پوری ہوتی نظر نہیں آتیں، آرزوئیں اتنی دراز ہیں کہ زندگی کا ایک ایک لمحہ اس کے حصول کے پیچھے صرف کرنے کے باوجود پوری ہونے کو نہیں ہیں، ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ ایسی دنیا کے حصول کے لئے ہو رہا ہے جو آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ ما الدنیا فی الآخرۃ الا کما یجعل احدکم اصبعہ ھذہ فی الیم فلینظر بم یرجع۔ (مسلم) یعنی دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی قلیل ہے جس طرح تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی سمندر میں ڈبو کر نکالے تو دیکھے کہ کتنا پانی اس کی انگلی کے ساتھ نکلتا ہے۔

غرض دنیا آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے تو پھر ایسی دنیا کے لئے مرنا جینا بے سود ہے اور آخرت بس باعث حسرت ویاس ہے، لیکن افسوس کہ انسان اس دنیا کو سمیٹنے کے لئے اپنی تمام کاوشیں صرف کرتا ہے اور اس کی لالچ میں اپنا آرام وسکون اور اطمینان تج دیتا ہے، حرص وطمع ان کو زیادہ سے زیادہ حصول مال ودولت کے لئے بے چین رکھتی ہے اور ھل من مزید کی خواہش وآرزو میں جسم وجان کھپاتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس غم وفکر میں اس دنیا سے سدھار جاتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کا پیٹ تو مٹی ہی بھر سکتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے حرص وطمع کی مذمت بیان فرمائی ہے اور انسان کو مال ودولت کے حرص وطمع اور اس کی آرزو سے پرہیز کرنے کی تلقین کی ہے اور اس کے عواقب سے باخبر کیا ہے، اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کا توبہ قبول کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مال ودولت کی بے جا خواہش اور حرص وطمع معصیت ہے لہذا انسان کو حرص جیسی مذموم چیز سے توبہ کرنا چاہئے، آخرت کی فکر دامن گیر ہونی چاہئے کہ آخرت ہی بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے بل تؤثرون الحیاۃ الدنیا والآخرۃ خیر وأبقی۔ بلکہ تم تو دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت ہی بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

انسان جس دنیا کی حصول کیلئے اپنی ساری توانائی اور ساری صلاحیتیں صرف کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس دنیا کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: لو کانت الدنیا تعدل عند اللہ جناح بعوضۃ ما سقی کافرا منہا شربۃ ماء " اگر دنیا کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس سے ایک گھونٹ پانی کسی کافر کو نہ پلاتا۔

جب دنیا کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے تو انسان کو اس دنیا کے جھمیلوں سے بچنا چاہئے اور اس کو صرف اس لئے اہمیت دینا چاہئے کہ اس میں رب کو راضی کرکے آخرت کو سنوار لیا جائے، کیونکہ آخرت کے بننے کا دارومدار دنیا کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق برتنے پر ہی ہے جو حرص دنیا کو چھوڑ کر فکر آخرت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ اللّٰھم اصلح دنیانا التی فیہا معاشنا، وآخرتنا التی الیہا معادنا۔

اِفتتاحیہ

افغانستان میں نمودِ سحر

مشرقی استعمار کمیونسٹ روس کے غاصبانہ قبضہ کے خلاف افغان عوام میدان جہاد میں اترے اور لاکھوں جانوں کے نذرانے پیش کرکے اسے اسلام کی مقدس سرزمین سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا، افغانستان سے روس کی پسپائی کے بعد یورپ اور ایشیا کے درجنوں صلیبی اور مسلم ممالک جنہیں اس دو رُخے اژدھے نے اپنے منہ میں دبوچ رکھا تھا آزاد ہوگئے، اس طرح روسی استعمار کے خاتمہ اور روئے زمین کے بہت بڑے خطے پر جمہوریت اور جمہوری حقوق کی بحالی میں افغانیوں کے جہاد اور جانی قربانیوں کا بہت بڑا حصہ ہے جس کے ذریعہ انہوں نے اقوام عالم کو حریت کی فطری راہ دکھائی۔

یہ بات ہر شبہ سے بالاتر ہے کہ کمیونسٹ روس کے مقابل افغانیوں کے جہاد میں عالم اسلام نے ان کا زبردست تعاون کیا، سیکڑوں ہزاروں عرب جیالے جوش جہاد اور شوق شہادت میں افغان بھائیوں کے شانہ بشانہ دشمن سے نبرد آزما رہے، کتنی سعودی ماؤں نے اپنے نوجوان بیٹوں کو محض مقام شہادت کے حصول کے لئے افغانستان بھیجا، روسی تسلط سے افغانیوں کی آزادی میں اگرچہ پاکستان کے توسط سے امریکہ نے بھی حصہ لیا ہے، لیکن اس میں اس کے اپنے بڑے دور رس مقاصد ہیں۔ افغانوں کی آزادی کی بنیاد پر اسے متحدہ یورپ کا خواب پورا کرنے کے لئے یورپین ممالک کو روسی استعمار سے آزاد کرانا تھا ان ممالک سے اسکی گرفت کمزور اور ختم کرنے کے بعد اسے روس سے "سپر پاور" کا ٹائیٹل چھینا اور روس کے حوالہ سے سرد جنگ کا خاتمہ کرنا تھا، چنانچہ جنگ خلیج میں اٹھائیس ملکوں کے اتحاد میں روس کا اپنے حلیف غدار ملت اسلامیہ صدام حسین سے آنکھیں پھیر کر شامل ہو جانا "سپر پاور" سے دست برداری اور سرد جنگ کے خاتمہ کا اعلان ہے، ساتھ ہی کمیونسٹ روس سے آزاد ہونے والے وسط ایشیائی مسلم ممالک اور دیگر پڑوسی ممالک سے متعلق امریکہ نے جو بھی حکمت عملی سیاست اور اقتصاد کے زاویہ سے طے کر رکھی ہوگی، اس کے نفاذ اور تکمیل کے لئے اس کے

زیر بار احسان بلکہ اس کی سامراجی اور استعماری تدبیروں کے پھندوں میں گرفتار افغان قوم پر امن طور پر اس کی معاون بلکہ آلۂ کار کا کام دے گی، افغان قوم کا اپنی پندرہ لاکھ جانوں کا نذرانہ، گھر بار اور جائدادوں کی بے اندازہ تباہی، ایک ملک کی آزاد قوم ہونے کے باوجود چودہ سال کے عرصہ سے پناہ گزینی کی زندگی ان ساری قربانیوں کیلئے افغان قوم کا مقصد کیا ہے اور اس کی کیا قدر و قیمت انہیں حاصل ہونی چاہئے؟ عالم اسلام نے دینی و اسلامی اخوت کے مخصوص رشتہ سے افغان قوم کو جو ہر نوع کا مکمل تعاون دیا اس کا مقصد کیا ہے اور اس کی کیا قدر و قیمت اسے حاصل ہونی چاہئے؟ اس کا تعین افغان قوم اور امت مسلمہ نہیں بلکہ امریکہ اپنے مخصوص سیاسی اور معاشی ترازو میں تول کر متعین کرے گا۔

افغان مجاہدین نے اپنی بے مثل عزیمت سے جب دنیا کی دوسری "سپر پاور" حکومت کو افغانستان سے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تو اس کے بعد روسی اشاروں پر حرکت کرنے والے کمیونزم کے غلام صدر افغانستان ڈاکٹر نجیب اللہ کو مجاہدین کی ایک یلغار تخت حکومت سے نیچے ڈھکیل سکتی تھی، اور ایسا ہونا ضروری تھا اسلئے کہ لاکھوں شہیدوں نے اپنی جانوں کے نذرانے اسی لئے پیش کئے تھے کہ ان کی سرزمین کو ڈاکٹر نجیب اللہ کی الحادی کمیونسٹ حکومت کے مقابلہ میں اسلامی تشخص حاصل ہو، لیکن کمیونزم کا جنازہ نکلنے کے بعد امریکہ کو ایسا اسلام منظور نہیں جو اس کا تابع فرماں اور اس کے اشاروں کا غلام نہ ہو۔ اسے اپنی سیاسی اور معاشی بالادستی پر مبنی عالمی امریکی نظام میں فٹ ہو جانے والا اسلام چاہئے، اسی مقصد کے حصول کے لئے اس نے ڈاکٹر نجیب اللہ کو صدارت کے منصب پر برقرار رکھا اور افغان مجاہدین کے متعدد گروپوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے متعدد تدبیریں اختیار کیں، اس طرح اسلامی تشخص اور حقیقی اسلامی حریت کی منزل جو چند قدم کے فاصلہ پر تھی پُر پیچ خارزاروں میں گھر گئی۔

اس موقع پر ہمیں غیروں سے زیادہ اپنوں سے شکوہ ہے، غیر تو اپنی قوم کا مفاد بہر صورت عزیز رکھے گا، لیکن ہمارے افغان مجاہدین نے جہاد کے مقدس اور روح پرور ماحول میں کس کے مفاد کے لئے آپس میں خونریزی کا راستہ اختیار کیا، کیا ملحد روسی استعمار سے جہاد کا آغاز اسی مقصد سے کیا گیا تھا کہ کمیونزم کے خاتمہ کے بعد مجاہدین ایک دوسرے کے خون سے ہاتھ رنگین کر کے حقیقی اسلام کی روح فنا کر دیں۔

شیخ جمیل الرحمن شہید رحمۃ اللہ علیہ کی دینی غیرت، ایمانی عظمت اور علمی نظافت و طہارت سے کون

افغانی واقف نہیں، سرزمین افغانستان میں فی الواقع وہ افغان قوم کے لئے اللہ کی رحمت اللہ کی عظیم نعمت اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے ٹھیٹھ دین اسلام کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی تھے، انہوں نے روسی فوجوں سے نبرد آزما کر کنٹر کا صوبہ فتح کیا تھا اور تمام جہادی تنظیموں کے مشورہ سے وہاں اسلامی امارت درپاست قائم کی گئی تھی، جس کے سربراہ کثرت رائے سے شیخ شہید منتخب کئے گئے تھے۔ یہ ریاست سرزمین افغانستان پر رحمت الہٰی کی وہ گھٹا تھی جو افغانیوں کو صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماء صافی سے سیراب کرتی تھی اور شاید اس سرزمین پر خالص اسلام کی بادبہاری کا یہ جھونکا تھوڑے عرصہ کے لئے نہایت کامل طور پر اسلئے چلایا گیا تھا کہ مستقبل میں افغان قوم جب کبھی صلیبیوں اور صہیونیوں کے جان لیوا بگولوں کے سبب تشنہ لب ہو تو اپنی ہی سرزمین پر پھوٹ کر بہنے والے اس چشمۂ صافی کی طرف پلٹ کر اپنی سیرابی کی راہ آسانی سے پا جائے۔ میرے عزیز مجاہدین مجھے یہ پوچھنے کی اجازت دیں کہ جماعت اسلامی اور اخوانی مجاہدوں کی تائید سے طاقت ور جناب گلبدین حکمت یار صاحب کی حزب اسلامی کے سامنے قرآن وسنت پر مبنی "امارت اسلامی" سے بڑھ کر ریاست کا وہ کون سا آئیڈیل تھا جس کے لئے ہتھیاروں سے مسلح بائیس ہزار فوج تیار کر کے اس اسلامی امارت پر زبردست خونریز حملہ کیا گیا اور ایک مصری اخوانی عبداللہ الرومی کے ذریعہ شیخ موصوف کو شہید کر دیا گیا ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ "جماعۃ الدعوۃ الی القرآن والسنۃ" کے مقابل شکست کھانے کے بعد حزب اسلامی صبر جمیل اور سمع وطاعت کی راہ اختیار کرتی کہ یہی راہ حقیقتاً افغانستان کی حقیقی حریت واستقلال، افغان قوم کے روشن مستقبل اور اس کے صحیح اسلامی تشخص کی شاہراہ کی طرف لے جانے والی تھی، نہ کہ وہ راہ جس سے خونریزی، تصادم اور تاریکیوں میں الجھے ہوئے مستقبل کی طرف لے جانے والے بے شمار راستے پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس عرصہ میں امریکہ نے بہت سے پینترے بدلے، ڈاکٹر نجیب اللہ کے جملہ حقوق صدارت محفوظ کر دیئے گئے، اور اس ابن الوقت نے پرانے آقا کو بھلا کر امریکہ کا مطیع فرمان غلام بننا بھی منظور کر لیا، اس سے درحقیقت اردو زبان کے محاورہ کا مفہوم بالکل واضح ہو گیا کہ کابل میں گدھے بھی ہوتے ہیں۔ افغانستان میں اپنی مرضی کی تابعدار حکومت قائم کرنے کے لئے امریکہ نے اقوام متحدہ کو بھی استعمال کیا اور اس کا ایک خصوصی نمائندہ کابل روانہ کیا گیا، اس عظیم عالمی ادارہ کے ذمہ دار نمائندہ نے افغانستان کے احوال

کو خراب کرنے کی ذمہ داری غیر افغان ممالک یعنی آڑے وقت میں افغان قوم کی بہر نوع مدد کرنیوالے اسلامی ممالک پر ڈال دی، دوسرے الفاظ میں یہ اس بات کے لئے وارننگ ہے کہ کوئی بھی غیر افغانی ملک یہاں کے احوال میں اب دخیل نہیں ہو سکتا، افغانستان کے جملہ امور واحوال میں تصرف کے جملہ حقوق اب صرف امریکہ کو حاصل ہوں گے جو افغانی تو نہیں ہے، مگر افغانیوں کا ایسا محسن ہے جسے اب اپنی سیاسی اور معاشی بالادستی پر مبنی عالمی نظام کی قیادت کرنی ہے، اپنی سیاسی حکمت عملی کے اس زاویہ سے جب اسے اطمینان حاصل ہو گیا تو اپنوں کی خوں ریزی میں مصروف جیالے مجاہدوں کو متحد ہونے کا الارم دیا گیا۔ ۲۷؍اپریل کو صبغۃ اللہ مجددی کی قیادت میں اکیاون نفری کونسل کے قیام اور صدارت کے منصب سے ڈاکٹر نجیب اللہ کے ہٹا دیئے جانے کے اعلان سے تین چار روز پہلے تک دارالسلطنت کابل میں مجاہدین کے مختلف گروپوں میں نہایت بھیانک خونریز جنگ کا سلسلہ جاری تھا، کیا یہ مجاہد کسی بڑی مخصوص آئیڈیل ریاست کے لئے یہ خونریزی کر رہے تھے جو اہل ایمان کے گلابی لہو سے اپنے حریم اقتدار کے در و بام سجایا کرتی ہے۔ جناب گلبدین حکمت یار صاحب کی حزب اسلامی کو زعم تھا کہ کابل کی حکمرانی اسے ملے گی لیکن عبوری کونسل کی حامی احمد شاہ مسعود کی فوجوں نے اس کی فوجوں کو کابل سے چالیس میل دور جنوب میں کھدیڑ بھگایا اور چار سو سے زائد حزبیوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ یہ بیچارے طالع آزما حالات کے انتہائی بدلے ہوئے تیور کو دیکھ کر زبان حال سے کہہ رہے ہوں گے۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
کہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں

اب جب کہ افغانستان میں متحدہ عبوری کونسل کا قیام ہو چکا ہے، مجاہدین کے متحارب گروہ اکٹھا ہو چکے ہیں، ہماری نیک تمنائیں ان کے ساتھ ہیں۔ افغان قوم اپنی سرزمین پر حریت واستقلال اور اسلامی جذبۂ اخوت کے ساتھ روشن مستقبل کی طرف آگے بڑھے، عوامی اور حکومتی سطح پر اسلامی شعائر و احکام کی رعایت و پاسداری کرے کہ زندگی جب کبھی مہیب تاریکیوں میں گھر جاتی ہے تو یہی اسلامی شعائر پر نور شاہراہ بن کر قافلہ کو منزل تک پہونچاتے ہیں جس پر نور شاہراہ کی طرف رہنمائی کبھی شیخ جمیل الرحمٰن شہیدؒ جیسی بے لوث

شخصیات کرتی ہیں، کبھی ان کی تربیت سے کسب فیض کرنے والی بلند نگاہ، دل نواز، پرسوز شوق شہادت سے سرشار، حالات کے رخ پلٹ دینے والی یا خوشی خوشی جام شہادت وش کرنے والی بعد کی نسلیں اس رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ یہ ایمان وعزیمت کا ہ اعلیٰ مقام ہے جس کے لئے رب العلمین خصوصی اہتمام فرماتا ہے۔ جاہ طلبی وجہاں طلبی ور اس مقدس مقام بلند میں وہی فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں

ڈاکٹر عبد العلی ازہری کا فکر انگیز خطاب

ڈاکٹر عبد العلی صاحب ازہری حفظہ اللہ علمی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، پچھلے دنوں آپ اپنے وطن مئوناتھ بھنجن تشریف لائے تھے، اس دوران جامعہ سلفیہ بنارس میں چند دنوں آپ کا قیام رہا۔ جامعہ کے طلباء و ذمہ دار حضرات کی خواہش پر موصوف نے ایک روز بعد نماز عشاء طلباء کو خطاب فرمایا، جس میں انہیں بہت سے علمی و قیمتی ارشادات سے بہرہ ور اور سرفراز فرمایا۔

ذیل میں موصوف کے شکریہ کے ساتھ ان کے خطاب کو ہم افادۂ عام کی غرض سے ماہنامہ محدث کے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اس توقع کے ساتھ کہ برصغیر کے مدارس اسلامیہ کے طلباء آں محترم کے خطاب سے مستفید ہونے کی کوشش کریں گے واللہ الموفق۔

ڈاکٹر عبد العلی صاحب کا خطاب اس وقت ہوا تھا جبکہ جامعہ میں سیرت کانفرنس کی تیاری ہو رہی تھی، اور آخر جماعت کے طلباء اپنے مقالے اور بحوث لکھ رہے تھے، ان دونوں پہلوؤں سے یہ خطاب مزید لائق توجہ اور قابل استفادہ ہے۔

جامعہ سلفیہ کے یوم تاسیس سے تاہنوز یہاں میں وقتاً فوقتاً حاضر ہوتا رہا، لیکن یہ پہلا موقع ہے کہ مجھ طلبہ اور اساتذہ کے سامنے خطاب کے لئے کھڑا کیا گیا، یہ میرے لئے خوشی کی بات ہے، طلبہ سے میرا ربط ضبط دوستوں

یسا ہے، ان سے دوستانہ تعلقات استوار رکھنے کا تجربہ مجھے نائجیریا کے تدریسی دور میں ہوا، پھر مالیگاؤں سا اس کی اہمیت معلوم ہوئی، طلبہ کا اجتماع اس وقت کامیاب ہوتا ہے جب اساتذہ حاضر ہوں، اساتذہ ور طلبہ آپس میں بھائی بھائی ہیں، کوئی اپنے کو برتر تصور نہ کرے، جس کو اپنی برتری کا احساس ہے اسے معلوم ہیں کہ دنیا بہت وسیع ہے، میں اپنے آپ کو ایسی سوسائٹی میں پاتا ہوں جہاں مجھے علمی کم مائیگی کا احساس وتا ہے اور بے چینی محسوس ہوتی ہے۔ آپ کی نظر میں ہم نے بہت کچھ حاصل کیا لیکن اب وہ صفر کے برابر ہے

اپنے لئے چند القاب اور متعدد ڈگریوں کا حاصل کرلینا ہی ہم علم کی معراج سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ابتدا ہے، انتہا نہیں، بلکہ سندفراغت کے حصول کے بعد درحقیقت وہ دن شروع ہوتا ہے جب آپ کچھ سیکھیں گے۔ طلبہ ایک کام پر لگے ہوئے ہیں، ان کو احساس نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں، حالانکہ علم کا حصول حقیقی مقصد ہے، جن کا ادراک صحیح ہوتا ہے وہی کامیاب کہلاتے ہیں، ہم نے نحو، صرف کی چند کتابیں پڑھ لیں، کچھ حدیث وتفسیر کی باتیں معلوم ہوگئیں اسی کو کافی سمجھا جاتا ہے، لیکن خود قرآن کے نزدیک کس نوعیت کی تعلیم معتبر ہے ہم اس سے کس حد تک استفادہ کرتے ہیں، فقہ کا جو سرمایہ موجود ہے ہم اسے کس طرح استعمال کرتے ہیں، انسان کو ہم کس طرح باور کرائیں کہ وہ دنیا کے اندر اپنے آپ کو باعزت بنا کر رکھیں۔

ایک بڑی چیز جو میں نے مغربی درسگاہ میں حاصل کی اور قرآن نے جس چیز کی تعلیم مسلمانوں کو دی وہ آج ہمارے طلباء میں مفقود ہے۔ وہ یہ کہ آپ کسی چیز کو اس وقت تک تسلیم نہ کریں جب تک دلیل نہ ہو۔ قرآن یہی سبق دیتا ہے کہ بالبینات والزبر سے متصف بات تسلیم کی جائے، استاذ کی بات، اس کی فکر اور سمجھ میں غلطی کا امکان ہے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ استاذ نے جو بات بتادی وہ پتھر کی لکیر ہے غلط نہیں ہوسکتی، یہ میری اپنی کاوش کا نچوڑ ہے۔ صحیح صرف اللہ کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث ہیں جن کی صحت پر ائمہ جرح وتعدیل کا مہر ثبت ہے، اس کے بعد تمام کتابوں میں غلطی کا امکان موجود ہے، کسی بھی مسئلہ میں استاذ نے جو رائے اور فکر پیش کی اس کے برخلاف آپ کی سمجھ میں کوئی دوسری رائے قائم ہو رہی ہے تو آپ اسے عمدہ پیرائے میں استاذ کے سامنے جرأت سے بیان کیجئے کیونکہ یہ مفاہمت کا رشتہ ہے، افہام وتفہیم سے اس رشتہ کی بقاء ممکن ہے۔

جامعہ فیض عام مئو میں منطق کی ایک کتاب مولانا مصلح الدین صاحب جیراجپوری کے لڑکے محمد اکمل صاحب

کو دی گئی، جب ہم درس میں پہونچے تو انہوں نے یہ سوال کیا کہ ہم کون سی کتاب پڑھنے جارہے ہیں اور اس کا نام کیا ہے، وہ کتاب قطبی کے نام سے مشہور ہے لیکن صحیح نام کیا ہے تو ہمارے ساتھی بغلیں جھانکنے لگے آج بھی دورہ کرنے والے طلباء سے سوال کیا جائے کہ صحیح بخاری کا صحیح نام کیا ہے تو اندازہ ہو گا۔

پھر انہوں نے ہم سے باب، فصل سے متعلق سوال کیا، ظاہر ہے ان کا جواب وہی دے سکتا تھا جو مطالعہ کرکے درس میں حاضر ہوا ہو، اور شفقت سے یہ نصیحت کی کل سے مطالعہ کرکے آیئے کہ ہم کس بحث پر سبق لینے جارہے ہیں۔ یہ ابتدائی دور تھا پھر وہ چلے گئے اور ان کا انتقال ہو گیا، اس وقت ان کی بات کی اہمیت ہم کو نہ معلوم ہو سکی۔ اگر یہ چیز فروغ پاتی تو آج طلبہ کے اندر افہام وتفہیم کا ملکہ پیدا ہو سکتا تھا جو کچھ آپ حاصل کر رہے ہیں اس کا فائدہ اسی وقت آپ کو پہونچ سکتا ہے جبکہ آپ مطالعہ کرکے درس میں حاضر ہوں اور اساتذہ سے مطالعہ کے دوران مشکلات وغموضات کا حل معلوم کریں، کچھ سوالات کریں، لیکن یہ سوال حاشیہ یا بین السطور سے نہ ہوں، کوئی بھی تبصرہ معلوماتی اضافہ کے لئے شرط ہے، ایسی چیز مد نظر ہو جو افادیت کی حامل ہو۔

ہم غیر مقلد اپنے کو کہتے ہیں بنا دلیل کے کوئی بات تسلیم نہیں کرتے، ہمارے طلبہ کے اندر یہ چیز بہت زیادہ ہونی چاہیئے کہ خود سے ایک معنی نکال سکیں، استنباط کا ملکہ حاصل کریں، فقہی تخریج کا ملکہ وغیرہ، اس طرح جب آپ اپنے آپ کو مجبور کریں گے تخریج واستنباط پر تو یہیں سے آپ کی ترقی کا دور شروع ہو گا، آپ کمپیوٹر نہیں ہیں کہ وہ جو بات کہیں آپ کے ذہن میں جم جائے، ان کا کام اشراف کا ہے، موجودہ طرز تعلیم غیر مؤثر ہے۔ استاذ کا یہ فرض ہے کہ اس صفحہ میں جو بات بیان کی گئی ہے اس سے متعلق طلبہ سے سوال کرے اور یہ کہ کس پیرایہ میں مصنف کتاب نے ذکر کیا ہے۔ مثلاً آپ سیرۃ النبی کا گھنٹہ پڑھنے جاتے ہیں اگر دس آدمیوں کا گروپ ہے تو دسوں طلبہ سب سے پہلے ان کتابوں کو مرتب کریں جن سے ان کی بحث چل سکے، اور فہرست کی شکل میں استاذ کے سامنے پیش کریں۔ یہیں سے آپ کو معلوم ہو گا کہ مراجع کی فہرست کسطرح مرتب کی جانی چاہیئے، پھر ہر طالب علم سیرت کے ابواب میں سے جس سے اس کو دلچسپی ہے انتخاب کرے، اور دسوں کا ٹاپک الگ الگ ہو۔ اس جذبہ کے ساتھ یہ کام ہو کہ میں جو تصنیف، بحث استاذ کی خدمت میں پیش کروں وہ میرے دوسرے ساتھی سے بہتر ہو۔ موضوع کی تعیین کے بعد خاکہ تیار کریں کہ اس موضوع سے متعلق کون سے

ایسے گوشے ہیں جو لائق ذکر ہیں، پھر ابواب کی بنیادی سرخیاں مرتب کریں اور بحوث کے قواعد کی روشنی میں جو مراجع موجود ہیں اپنے استاذ سے مشورہ اور اشراف حاصل کریں۔

استاذ کا کام یہ ہے کہ وہ آپ سے سوال کرے کہ یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے، قرآن سے یہ چیز ٹکراتی ہے، اور عقلی طور پر بھی صحیح نہیں ہے، آپ اس کے جواب میں جوابات کہیں چیلنج کے طور پر کہیں، اور دلائل کے ساتھ، پھر اپنا مقالہ پورا کریں اور اصلاح کریں اور تبدیلیاں کریں، پھر اسے استاذ کی خدمت میں پیش کریں، اگر استاذ کا اشراف صحیح ہے تو طالب علم کو معلوم ہوگا کہ سیرت کا مطالعہ کس طرح کیا جانا چاہئے اس طرح ہر مادہ کی تہہ تک پہونچنا آپ کا کام ہے، اور یہ کہ سیرت کو کیسے سمجھا جائے، اس وقت میں لندن میں ضرورت محسوس کر رہا ہوں کہ سیرت کو از سر نو مرتب کیا جائے جو بیسویں صدی بلکہ اکیسویں صدی کے دماغ کے مطابق ہو۔

اگر مسلمانوں کو آج کی دنیا میں رہنا ہے تو انہیں حالات کو مذہب کے مطابق بنانا ہوگا تاکہ ایک طرح کی حالات سے مذہب کی ہم آہنگی پیدا ہو جائے، آپ آج کے عصری علوم کی روشنی میں اس وقت کے حالات کا اندازہ کریں، کوفہ، بصرہ، مصر اور شام کا کیا حال تھا، امام شافعی کے کسی مسئلہ کی بابت اقوال میں کیوں فرق ہے کہ ان کا یہ قدیم قول ہے اور یہ جدید۔ یہ تبدیلی کیوں رونما ہوئی، آپ نے کبھی سوچا، آپ کسی مستند حدیث کو سامنے رکھ کر اس بات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سے دیگر فقہاء کے اقوال میں بھی تبدیلی پائی جاتی ہے، یہ محض حالات کے فرق کی وجہ سے ہے، مسئلہ کی نوعیت کسی جگہ کے حالات سے مختلف تھی، اس بناء پر ان فقہاء کو اپنے قول اور موقف میں تبدیلی کرنی پڑی۔ اسی طرح سے اسلاف کی تالیفات کا بھی حال ہے کہ جو کتاب آج سے سیکڑوں سال قبل تصنیف کی گئی وہ اس وقت کے مطابق صحیح تھی لیکن کیا ان کی کتابیں اور فتاوے آج کے وقت کے مطابق تطبیق دیئے جا سکتے ہیں؟۔

اسلام میں سیرت اور فقہ کا موضوع انتہائی اہم ہے۔ سیرۃ النبی کی ترتیب نبیؐ کے زمانے میں جو تھی اس کو از سر نو مرتب کر کے اس ڈھنگ سے پیش کیا جائے کہ موجودہ دور کے لوگوں کے لئے مشعل راہ بن سکے، اسی طرح سے آپ کی توجہ فقہ کی جانب بھی ملتفت ہونی چاہئے۔ کسی عالم کے پاس فقہ نہیں ہے تو اس کی شخصیت میں لوگوں کے لئے کوئی کشش نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کے لئے دعا

فرماتے ہوئے کہا تھا: اللّٰھم فقھہ فی الدین ۔ پھر قرآن نے جہاں فقہ کی تعلیم دی اس پر غور کریں۔ آپ اپنے آپ کو فقیہ بنانے کی کوشش کریں، اور یاد رکھیں فقہ کی کتابوں سے آپ فقیہ نہیں بن سکتے، بلکہ آپ قرآن کا مطالعہ کریں اور تفکر سے کام لیں کہ اس آیت سے کیا بات سمجھ میں آتی ہے، اور ان لفاظ کے پیچھے کون سا پیغام پوشیدہ ہے اس کو حاصل کریں اور محدود دائرے سے آگے دیکھنے کی کوشش کریں

عصر حاضر میں ہر شخص اسلام سے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے تو آپ اسلام کو کس انداز یں پیش کریں جو مؤثر ثابت ہو، کیونکہ آپ کا واسطہ صرف مسلمانوں ہی سے نہیں ہے۔ آپ کو غور کرنا ہوگا کہ کس طرح دوسروں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی جائے، یہ آپ خود سے حاصل کر سکتے ہیں، استاذ کا کام صرف رہنمائی کرنا ہے، منزل تک پہونچنا آپ کا کام ہے ۔

کسی بھی مسئلے میں تعلیم کے دوران آپ خود اپنی رائے کا اظہار کریں استاذ کے سامنے کہ اس سے ہم یہ سمجھتے ہیں، اس طرح افہام وتفہیم کی فضا پیدا ہو سکتی ہے۔ کوئی چیز جب تک آپ خود حاصل نہ کریں حاصل نہیں ہو سکتی ۔

آج انگریزوں کا تصور مسلمانوں سے متعلق انتہائی گندہ ہے، ان مقامات میں آپ جیسے داعیوں کی ضرورت ہے، وہ کسی کو صحیح ڈھنگ سے بات کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو سوال کرتے ہیں کہ آپ بھی تو اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں، یہ سب طریقے کیسے آپ نے معلوم کر لئے ۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ آپ خود سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، تاکہ اساتذہ یہ محسوس کریں کہ ہم اپنی علمی وفکری سینچائی ایک تناور درخت کے لئے کر رہے ہیں ۔

والسلام علیکم ۔

عبداللہ بن سبأ: عقائد و نظریات کے آئینہ میں

ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

ابن سبأ حضرت علی رضی اللہ عنہ وآلِ بیت کی نظر میں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف ابن سبأ کے بارے میں:

حضرت علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

" میرے تعلق سے دو طرح کے لوگ خسارے اور ہلاکت سے دوچار ہوں گے، ایک تو وہ جو مجھ سے حد سے زیادہ محبت کریں گے، میری محبت ان کو راہ حق سے دور کردے گی۔ دوسرے وہ جو مجھ سے حد سے زیادہ بغض و عناد رکھیں گے، میری عداوت ان کو راہ حق سے دور کردے گی، میرے بارے میں میانہ روی اختیار کرنے والے ہی سب سے اچھی حالت میں اور راہِ راست پر ہوں گے۔ لہٰذا میانہ روی اختیار کرو۔ سواد اعظم (جماعت حقہ) کا ساتھ دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے۔" (۱)

مشیت الٰہی بھی کچھ اسی طرح کی رہی کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تین جماعتوں میں منقسم ہوکر رہ گئے، چنانچہ ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جو آپ سے شدید عداوت اور دشمنی رکھتے ہیں، یہ وہی جماعت ہے جو آپ کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتی ہے بلکہ مبالغہ کی حد سے تجاوز کرکے آپ کو کافر گردانتی ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ عام طور پر خوارج ایسا کرتے ہیں۔ دوسری جماعت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے آپ سے محبت میں بہت زیادہ افراط سے کام لیا، یہاں تک کہ ان کی محبت غلو کے درجہ میں داخل ہوگئی، جس کا

---

(۱) شرح نہج البلاغہ ج ۲ ص ۳۰۶

نتیجہ یہ نکلا کہ اس جماعت نے آپ کو نبوت کے مقام پر لا کھڑا کیا بلکہ اپنی ضلالت و گمراہی میں اس حد کو بھی تجاوز کر گئے اور آپ کو الوہیت کا درجہ دے دیا۔ سبحانک ھذا بہتان عظیم۔ تیسری جماعت سواد اعظم کی جماعت ہے جو عہد سلف سے لے کر آج تک " اھل السنۃ والجماعۃ " کہلاتی ہے، اس نے حدود شریعت کے دائرہ میں رہ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خانوادۂ علی سے محبت کی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں ان لوگوں کا ایک خاص مقام اور درجہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پہلی جماعت یعنی خوارج سے جم کر مقابلہ کیا، ابتداً بحث و مناظرہ کے ذریعہ ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، ناکامی کی صورت میں ان کے خلاف ہتھیار اٹھایا اور جنگ کرکے ان کا زور توڑا۔ تاریخ کی کتابیں ان کے واقعات سے بھری پڑی ہیں، آپ کا یا آپ کے اہل خاندان کا جو موقف ابن سبا اور اس کی جماعت کے ساتھ رہا ہے۔ یہاں صرف اسی کو واضح کرنا چاہتا ہوں۔

ابن سبا نے جس وقت اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا لبادہ اوڑھ کر لوگوں کے دلوں میں اپنے لئے جگہ بنانی شروع کی تو ساتھ ہی ساتھ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اظہار محبت کرکے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کی، اور اس میں وہ کامیاب بھی رہا۔ اس جانب سے اطمینان حاصل کر لینے کے بعد خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق افترا پردازی، کذب بیانی اور بہتان تراشی سے کام لینے لگا، چنانچہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی سنہ ۱۰۳ھ) جو ایک عظیم المرتبت تابعی عالم ہیں فرماتے ہیں:

" سب سے پہلے (یعنی اسلام میں) عبداللہ بن سبا نے کذب بیانی کی۔"

اللہ اور رسول کی جانب جھوٹی باتیں گھڑ کر منسوب کرتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ:

" آخر اس سیاہ فام موٹے کو مجھ سے کیا سروکار ہے؟ آپ کا اشارہ اسی ابن سبا کی جانب ہوتا تھا، شیخین حضرت ابوبکر و عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ کی تنقیص اور عیب جوئی کیا کرتا تھا۔" (۱)

حافظ ابن عساکر کی ایک روایت کے مطابق جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابن السوداء (ابن سبا) کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ شیخین ابوبکر و عمر۔ رضی اللہ عنہما۔ کی تنقیص و توہین کرتا ہے تو اسے اپنے پاس

(۱) تاریخ دمشق ج ۹ ص ۳۳۱

اور تلوار طلب کی کہ اس فتنہ پرور شخص کا سر قلم کردیں، مگر کچھ لوگوں کی سفارش پر قتل نہیں کیا بلکہ
پھر اسے مدائن جلا وطن کردیا کہ ہم دونوں ایک شہر میں نہیں رہ سکتے۔" (۱)

ابن عساکر ہی کی ایک دوسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے اس گندی شخصیت سے لوگوں کو نجات
دلانے کا اسوقت عزم کیا جب اس نے آپ کو تقریر کے دوران کھڑے ہو کر الوہیت کے وصف سے متصف
کرنا شروع کردیا، منع کرنے کے باوجود بھی جب باز نہیں آیا تو اس کے قتل کا حکم دے دیا، لیکن روافض
نے آپ کے گرد جمع ہو کر یک زبان اس کے عدم قتل کی سفارش کی، اور ساباط مدائن کی جانب اسے جلا وطن
کردینے کی درخواست کی اور یہ عذر پیش کیا کہ اگر آپ اسے شہر یعنی کوفہ میں قتل کردیں گے تو اس کی جماعت
ہمارے خلاف بغاوت برپا کردیگی۔ آپ نے ان کی بات مان کر اسے ساباط مدائن کی جانب جلا وطن کردیا
جس نے (ابن سبا کی کوششوں سے) آگے چل کر روافض و قرامطہ کے مرکز کی حیثیت اختیار کرلی۔

اسی روایت میں راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں:

" ابن سبأ کے بعد دوبارہ گیارہ نفوس پر مشتمل سبائیوں کی ایک جماعت نے حضرت علی
رضی اللہ عنہ کے سامنے ابن سبأ کا قول دھرایا، آپ نے ان کو بھی اس طرح کی خرافات سے باز آنے کا حکم
دیا، اور فرمایا:

" میں علی بن ابی طالب ہوں، میرے والدین کو دنیا جانتی اور پہچانتی ہے، نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کا چچیرا بھائی ہوں " لیکن اس جماعت نے آپ کی بات نہیں مانی، بلکہ برملا کہہ ڈالا کہ: ہم نہیں
باز آتے، آپ کچھ بھی ہمارے ساتھ کر گذریں، ان کے اصرار اور عناد کو دیکھ کر آپ نے انہیں نذر آتش کردیا
ان کی قبریں " صحراء احد عشر " میں معروف ہیں، اس جماعت کے جو افراد نظروں سے پوشیدہ رہے
وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے دعویٰ میں مزید پختہ ہو گئے اور ان کا اصرار بڑھ گیا بلکہ حضرت ابن
عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث: " لایعذب بالنار إلا خالقہا " (۲) سے استدلال بھی کرنے لگے (۳)

(۱) تاریخ دمشق ج ۹ ص ۳۳۲۔ (۲) یعنی آگ کی سزا صرف وہی دے سکتا ہے جو اس
کو پیدا کرنیوالا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری وابوداؤد وغیرہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قصے کے ساتھ روایت کیا ہے۔
(۳) تاریخ دمشق ج ۹ ص ۳۳۲

مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں ہی اس امر پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن سبا کی کافرانہ جرأت اور ملحدانہ روش اور اس کے اصرار کو دیکھ کر اسے تہ تیغ کرنے کا عزم کیا مگر روافض کی سفارش آڑے آئی، جب کہ آخری روایت میں اتنا مزید اضافہ ہے کہ ابن سبا کو جلاوطن کرنے کے ساتھ اس کی پروردہ جماعت کے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا کر سزا دی۔
آگ کی سزا کا یہ قصہ حدیث کی متعدد معتبر کتابوں میں بھی مجملا و مفصلا مذکور ہے۔ (۱) لیکن ان سے پہلو تہی کرتے ہوئے دنیائے تشیع کی تشفی اور اطمینان کی خاطر شیعی روایات کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، چنانچہ کلینی نے اپنی معروف کتاب "الکافی"(۲) میں حضرت ابو عبداللہ (جعفر الصادق) سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں: "امیر المؤمنین (علی بن ابی طالب) علیہ السلام کی خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے اور کہا: السلام علیک، یا ربنا! آپ نے ان کو توبہ پر مجبور کیا، مگر وہ توبہ سے منکر رہے، تو آپ نے ایک گڑھا کھدوا کر اس میں آگ کا الاؤ روشن کر دیا، اور اسی کے بازو میں ایک دوسرا گڑھا کھدوایا، اور اندر سے سوراخ کر کے دونوں گڑھوں کو آپس میں ملا دیا اور جب وہ توبہ سے انکار پر مصر رہے تو انہیں گڑھے میں ڈھکیل کر دوسرے گڑھے میں بھی آگ لگا دی، یہاں تک کہ وہ جل کر اسی میں خاک ہو گئے۔"(۳)
ابن سبا کے بارے میں کشی نے حضرت ابو جعفر الباقر رحمہ اللہ سے سنداً روایت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ نے اسے بھی نذر آتش کیا تھا۔ (۴) حالانکہ بعض دوسرے شیعی مصادر سے بھی اس کی جلاوطنی کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ علامہ نوبختی اپنی تالیف "فرق الشیعہ" میں ابن سبا کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، اور دیگر صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کو ملعون کرتا، اور ان سے برأت کا اظہار کرتا تھا، اور یہ ظاہر کرتا کہ حضرت علی (علیہ السلام) نے ہی اسے اس کام کے لئے کہا ہے، چنانچہ

---

(۱) دیکھئے: صحیح البخاری مع فتح الباری ج۶ ص ۱۵۱، ج ۱۲ ص ۲۶۷، ۲۷۰ (ط السلفیہ) سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۵۲۰ (تحقیق الدعاس) وسنن الترمذی ج ۴ ص ۵۹ (ط المکتبۃ الاسلامیہ)
(۲) اہل تشیع کے نزدیک (الکافی) کو وہی مقام حاصل ہے جو اہل سنت کے یہاں صحیح البخاری کو حاصل ہے۔
(۳) الکافی، کتاب الحدود، باب المرتد ج ۷ ص ۲۵۷-۲۵۹۔ (۴) محدث کے گذشتہ شمارے بابت اپریل ۱۹۹۲ء میں مشارالیہ روایت تفصیل کے ساتھ نقل کی جا چکی ہے۔ (ص ۱۷)

ضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے پکڑا اور وضاحت طلب کی، اس نے آپ سے اس کا اقرار بھی کر لیا، لہذا آپ نے اسے لائق گردن زدنی قرار دیتے ہوئے قتل کا حکم دے دیا جس پر لوگوں نے واویلا مچانا شروع کر دیا ور چیخ پڑے کہ آپ ایک ایسے شخص کو قتل کرنے جا رہے ہیں جو آل بیت کی محبت، آپ سے موالاۃ و ہمدردی، ور آپ کے دشمنوں سے برات کی دعوت دیتا ہے، آپ نے اس ہنگامہ کو دیکھ کر قتل کا ارادہ ترک کر دیا ور اسے مدائن جلا وطن کر دیا۔ (۱)

• شیعان ابن سبا، کے علاوہ بعض دوسرے ضلالت پسند مرتدین و منحرفین کو بھی آگ میں جلا کر سزا دینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثبوت ملتا ہے۔ (۲)

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صحیح حدیث سے یہ بات واضح ہو چکی کہ آگ کی سزا صرف للہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے تو کیونکر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبائی وغیر سبائی مرتدین کو نذر آتش لیا؟ درحقیقت یہ مسائلہ علماء سلف کے درمیان مختلف فیہ ہے، کچھ لوگوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے ور مذکورہ حدیث نہی کو تنزیہی کہا ہے یعنی تحریم کے لئے نہیں ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت علی رضی اللہ نہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تصدیق منقول ہے۔ (۳)

ابن سبا آل بیت کی نظر میں

امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرح آل بیت کے دوسرے سرکردہ افراد نے بھی عبد اللہ بن سبا کی زبردست مخالفت اور شدید مذمت کی، تکذیب کے ساتھ ساتھ اس کے باطل اقوال اور گمراہ کن نظریات سے اپنی برات کا اظہار کیا، چنانچہ کشی حضرت ابو عبد اللہ (جعفر الصادق) سے سنداً روایت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: آپ کہا کرتے تھے: "عبد اللہ بن سبا پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، امیر المؤمنین کے بارے میں ربوبیت کا دعویٰ

(۱) فرق الشیعہ ص ۴۴،

(۲) مثال کے طور پر دیکھئے: سنن النسائی (المجتبیٰ) ج ۷ ص ۱۰۵، فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۷۰، مختصر اخبار الرجال ص ۷۰-۷۱، مطبوعہ بمبئی ۱۳۱۷ھ، شرح نہج البلاغۃ ج ۲ ص ۳۰۸-۳۰۹۔

(۳) تفصیل کیلئے دیکھئے، فتح الباری ج ۶ ص ۱۵۰، ج ۱۲ ص ۲۷۱۔

کرتا تھا، بخدا وہ اللہ تعالیٰ کے ایک مطیع و برگزیدہ بندے تھے، برا ہو اس شخص کا جو ہمارے خلاف افترا پردازی کرتا ہے، کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی ایسی باتیں گھڑ ڈالتے ہیں جن کو ہم کبھی بھی زبان پر نہیں لا سکتے" (۱)

ایک دوسری سند سے حضرت علی بن حسین (زین العابدین) رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اس شخص پر جو ہمارے خلاف بہتان تراشی کرتا ہے میں جب بھی عبداللہ بن سبأ کو سوچتا ہوں میرے جسم کا ایک ایک رواں بھر اٹھتا ہے، اس نے نہایت خطرناک اور سنگین امر کا دعویٰ کیا تھا، ملعون کو آخر کیا ہو گیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے ایک مطیع و فرماں بردار بندے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی تھے آپ کو جو بھی عزو شرف نصیب ہوا صرف اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و فرماں برداری کی وجہ سے نصیب ہوا، بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت و تابعداری کی بنا پر عزت و کرامت ملی تھی" (۲)

اور ایک تیسری سند سے حضرت ابو عبداللہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: آپ کا فرمان ہے کہ "ہم اہل بیت صدیق ہوا کرتے ہیں، اس کے باوجود بھی ہم کو ایسے کذابین سے نجات نہیں مل سکی، جنہوں نے بہتان تراشی اور کذب بیانی کے ذریعہ ہماری ثقاہت اور صداقت و سچائی کو لوگوں کی نظروں میں مجروح و مطعون کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں بلکہ پوری دنیا میں سب سے زیادہ سچے اور امین تھے پھر بھی مسیلمہ کذاب نے آپ پر بہتان تراشی کی، آپ کے بعد امیر المؤمنین تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے، جو ذات آپ پر افترا پردازی کرتی اور کذب بیانی کے ذریعہ آپ کی صداقت پر پردہ ڈالتی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کرتی تھی وہ عبداللہ بن سبا کی ذات تھی، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (۳)

یہ رہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آل بیت کی بعض روایات جن کو شیعی مصادر سے نقل کیا گیا ہے، ان سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی اور آل بیت کی نظر میں عبداللہ بن سبأ کی حیثیت ایک فتنہ پرور مجرم سے کسی طرح کم نہیں تھی۔ اب اگر کوئی شیعی شخص ان روایات کو مطعون کرتا یا ان کو جھٹلاتا ہے تو گویا وہ اپنے

---

(۱) رجال الکشی ص ۱۰۰، مزید دیکھئے تنقیح المقال فی احوال الرجال ج ۲ ص ۱۸۳-۱۸۴، قاموس الرجال ج ۵ ص ۴۶۱۔ (۲) ایضا۔ (۳) ایضا۔

معتمد و موثوق مصادر کو مطعون کرتا یا جھٹلاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ابن سبأ و شیعان ابن سبأ کا ردعمل:

سابقہ سطور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سبائیوں کا عقیدہ اور ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف واضح کیا گیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شہادت کے موقعہ پر ابن سبأ اور سبائیوں کا جو ردعمل ظاہر ہوا اسے بھی قارئین کے گوش گذار کر دیا جائے۔

جلا وطنی کی وجہ سے ابن سبا کی تحریک پر کوئی اثر نہیں واقع ہوا بلکہ اسے اپنی دعوت کو عام کرنے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے لئے نہایت مناسب اور موزوں جگہ مل گئی تھی، چنانچہ اس نے امیر المؤمنین کی گرفت اور ان کی تلوار کے خوف سے آزاد ہو کر مدائن میں مقیم سرکاری فوج کے درمیان گمراہ کن خیالات و نظریات پھیلانا شروع کر دیا، اور وہاں بھی اس نے اپنی ایک جماعت تیار کر لی، جب سبائیوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہونچی تو انہوں نے اس خبر کو ماننے سے یکسر انکار کر دیا، چنانچہ حسن بن موسیٰ نوبختی لکھتے ہیں: "جب عبداللہ بن سبأ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر پہونچی تو اس نے مخبر سے برجستہ کہا: تم جھوٹے ہو، اگر تم ان کا دماغ ستر تھیلیوں میں باندھ کر بھی لاؤ گے اور ان کے قتل پر ستر عادل و باوثوق گواہوں کی شہادت بھی قائم کرو گے پھر بھی ہمیں یقین ہوگا کہ وہ نہ تو مرے ہیں اور نہ تو قتل کئے گئے ہیں، اس وقت تک ان کی وفات ممکن ہی نہیں جبتک کہ پورے عالم کی ملکیت ان کے ہاتھ میں نہ آجائے"۔(۱)

اسی طرح عبدالجبار ہمدانی معتزلی (متوفی ۴۱۵ھ) نے بھی ابن سبأ اور سبائیوں سے متعلق امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "جب امیر المؤمنین شہید کر دئے گئے تو اسے آپ کی شہادت کی اطلاع دی گئی اور بتلایا گیا کہ آپ کو نہلا دھلا کر دفن کر دیا گیا ہے اور کہا گیا کہ تمہارے اس قول کا کیا ہوا جو تم کہا کرتے تھے کہ وہ شام پر حملہ کریں گے..؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے انہیں خود کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت تک میں نہیں مروں گا جب تک کہ کوفہ سے مسلح ہو کر نہ نکلوں

(۱) فرق الشیعۃ ص ۴۴، قاموس الرجال ج ۵ ص ۴۶۳

اور دمشق پر چڑھائی کر کے وہاں کی مسجد کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں .... اگر تم ان کا بھیجا بھی لاؤ گے پھر بھی ہم نہیں مان سکتے کہ ان کی وفات ہو چکی ہے، جب لوگوں پر اس کے جھوٹ کی حقیقت واضح ہو گئی تو بڑا شرمندہ ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔"

موصوف مزید لکھتے ہیں: ابن سبا کی باتوں پر یقین رکھنے والے شیعہ اب بھی کوفہ، مضافات کوفہ بلکہ پورے عراق میں بکثرت پائے جاتے ہیں جو اس حد تک اعتقاد رکھتے ہیں کہ امیر المؤمنین ابن سبا اور اس کے متبعین کے اقوال سے راضی تھے چونکہ انہوں نے سر (راز) کو ظاہر کر دیا تھا اس لئے آپ نے ان کو نذر آتش کر دیا تھا، بعد میں ان کو دوبارہ زندہ کر دیا تھا ورنہ کیا وجہ تھی کہ ابن سبا کو نذرِ آتش نہیں کیا؟

موصوف نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ ابن سبا نے چونکہ آپ کے سامنے اس امر کا اعتراف نہیں کیا تھا جس کا اس کی جماعت نے کیا تھا اسلئے آپ کی نظر میں وہ صرف متہم تھا اور اتہام کی بناء پر اس کو جلا وطن کر دیا، اور اگر اس کو بھی آگ میں جلا کر ختم کر دیتے تب بھی تمہارے ساتھ سود مند بات نہیں ہوتی کیونکہ تم اس وقت یہی کہتے کہ اس نے بھی سر کو ظاہر کر دیا تھا اس لئے اس کو بھی آگ کی سزا دی گئی۔ (۱)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے ایسی ہی خرافات کا برملا اعلان کیا تھا جن کی وجہ سے آپ کی نظر میں وہ بھی لائق گردن زدنی تھا بلکہ آپ نے اس کے قتل کا عزم بھی کر لیا تھا مگر ایک بڑے فتنے کے خوف سے اس کو قتل نہ کر کے جلا وطن کرنے پر ہی اکتفا کیا، جیسا کہ پچھلے صفحات میں واضح کیا جا چکا ہے اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صراحۃً یہ منقول بھی ہے۔ (۲)

علامہ خطیب بغدادی نے زحر بن قیس جعفی (۳) سے سنداً روایت کرتے ہوئے عبداللہ بن وہب سبائی کے متعلق لکھا ہے کہ اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر کہا تھا کہ اگر یہ شخص اس بات کی بھی

---

(۱) تثبیت دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۵۳۹ - ۵۴۰ (۲) تاریخ دمشق ج ۹ ص ۳۳۲

(۳) زحر بن قیس: ۴۰۰ نفوس پر مشتمل ایک دستہ کے امیر بنا کر حدود مدائن کی حفاظت پر بھیجے گئے تھے، ان کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی زندہ شہید کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھے۔"

ردے کہ اس نے امیر المومنین کے دماغ کو اپنی چشم بینا سے باہر آتے ہوئے دیکھا ہے پھر بھی مجھے یقین ہوگا کہ آپ
س وقت تک دنیا سے نہیں رخصت ہوں گے جب تک کہ عرب قوم کو اپنے ڈنڈے سے نہ ہانک لیں۔" (۱)

شیعان ابن سبا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کو نہ صرف جھٹلایا بلکہ اپنے قائد و رہنما
ن سبا کی باطل تعلیمات و گمراہ کن خیالات کا پرچار کرتے ہوئے کوفہ تک پہونچ گئے۔

شیعوں کے باوثوق اور قابل اعتماد عالم سعد بن عبداللہ قمی کی روایت کے مطابق حضرت علی
ضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر دینے والے سے سبائیوں نے کہا تھا: اے دشمن خدا تم جھوٹ کہہ رہے ہو، بخدا اگر
م ان کا بھیجا بھی ہمارے پاس لے آؤ اور ان کے قتل پر ستر عادل اور سچے گواہوں کی شہادت بھی قائم کر دو
پھر بھی ہم تمہاری تصدیق نہیں کر سکتے، کیونکہ یقین کی حد تک ہم کو معلوم ہے کہ وہ نہ تو مرے اور نہ ہی قتل کئے گئے ہیں
وہ اس وقت تک نہیں مر سکتے جب تک کہ وہ عرب قوم کو اپنے ڈنڈے سے نہ ہانک لیں، اور پورے روئے زمین
پر اپنی حکومت نہ قائم کر لیں، پھر اسی دن وہ وہاں سے روانہ ہوئے، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دروازے پر
پہونچ کر قیام کیا اور آپ سے دخول کی یوں اجازت طلب کی گویا ان کو آپ کے باحیات ہونے کا پورا یقین
ہو اور آپ تک رسائی کی پوری امید۔ وہاں پر موجود آپ کے اہل و عیال و رفقاء نے ان کی اس حرکت کو
دیکھ کر تعجب کیا اور کہا: کیا تم لوگوں کو امیر المومنین کی شہادت کا علم نہیں ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا:
ہمیں یقین ہے کہ آپ قتل نہیں کئے گئے ہیں اور آپ کو اس وقت تک موت نہیں آسکتی جب تک کہ عرب قوم کو
اپنی تلوار اور کوڑے سے نہ ہانک لیں، جس طرح کہ آپ نے اپنی دلیل و حجت کے ذریعہ ان کی قیادت کی۔ آپ
سرگوشیوں کو سنتے اور دبیز کمبل کے نیچے کی پوری خبر رکھتے ہیں، تاریکیوں میں یوں چمکتے ہیں جس طرح ایک صیقل
کی ہوئی تیز تلوار چمکتی ہے۔ (۲)

انہی سبائیوں میں "رشید الہجری" نامی ایک شخص تھا جس نے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے اپنے
اس باطل عقیدے کو پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا تھا، چنانچہ امام موصوف فرماتے ہیں: "میں ایک دن

(۱) تاریخ بغداد ج ۸ ص ۴۸۸۔ (۲) المقالات والفرق: مؤلفہ سعد بن عبداللہ قمی (ت ۳۰۱ھ)
ص ۲۱۔ مطبوعہ تہران ۱۹۶۳ء۔ تحقیق ڈاکٹر محمد جواد مشکور۔

اس کے پاس گیا تو وہ بیان کرنے لگا کہ میں فریضۂ حج کی ادائیگی کیلئے گیا ہوا تھا تو سوچا کہ امیرالمومنین (حضرت علی
عنہ) سے بھی ملاقات کرتا چلوں، لہذا میں آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، اور ایک شخص سے کہا: ذرا میرے ۔
امیرالمومنین سے اجازت طلب کرلو، تو اس نے برجستہ کہا: کیا وہ انتقال نہیں کرچکے ہیں؟ میں نے کہا: تمہارے
وہ انتقال کرچکے ہونگے لیکن میرے نزدیک وہ بخدا زندوں کی طرح اس وقت بھی سانس لے رہے ہیں۔ اس شخص نے
جب تم آل محمد کے اسرار کا علم حاصل ہوگیا ہے تو جاؤ داخل ہوجاؤ۔ میں امیرالمومنین کے پاس گیا آپ نے مجھے آئندہ و
ہونیوالے بہت سے امور کے متعلق آگاہ کیا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے کہا اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ کی
اوپر لعنت ہو، جب اس کی خبر زیاد کو پہونچی تو اس نے رشید الہجری کو بلا بھیجا، اور زبان کاٹ کر عمرو بن حریث
دروازے پر اس کو سولی پر لٹکا دیا۔(۱) حافظ ذہبی نے بھی اس واقعہ کو اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا۔
اور اس میں کچھ اس طرح تفصیل ہے: "میں نے ایک شخص سے کہا: سیدالمرسلین سے میرے لئے دخول کی اجازت طا
کرلو، اس نے یہ سمجھ کر کہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو مراد لے رہا ہوں کہا: وہ سو رہے ہیں، میں نے کہا: میں حسن
بلکہ امیرالمومنین امام المتقین قائد الغر المحجلین سے ملنا چاہتا ہوں، اس شخص نے کہا: کیا وہ وفات نہیں پاچکے
کہا: بخدا وہ اس وقت ایک زندہ شخص کی طرح سانس لے رہے ہیں، ان کو دبیز کمبل کے نیچے کی بھی پوری خبر ہے
اسی بنا پر امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے اس امت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی شخص پر افترا پرد
نہیں کی گئی۔(۳) ابن حبان کا کہنا ہے کہ رشید رجعت کا عقیدہ رکھتا تھا۔(۴)

شیعی عالم طوسی نے اس کو شیعان علی میں شمار کیا ہے، رشید الہجری ریاش بن عدی الطائی اس کا نا
بتلایا ہے۔(۵) مذکور کو ابواب الائمہ میں شمار کیا جاتا ہے، چنانچہ وہ حضرت حسین بن علی (رضی اللہ عنہما)
باب تھا۔(۶)

(۱) المجروحین: مؤلفہ ابن حبان البستی ج ۱ ص ۲۹۸، و میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۲۔(۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص
(۳) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۲۔ (۴) المجروحین ج ۱ ص ۲۹۸، میزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۳۔
(۵) رجال الطوسی ص ۴۱۔ (۶) العلویون فدائیو الشیعۃ المجہولون: مؤلفہ علی عزیز علوی ص
ط ۱۔ ۱۹۷۲م۔ باب: شیعوں اور ان کے امام کے درمیان حلقہ وصل ہوتا ہے۔

امام الہند ابوالکلام آزاد کی شخصیت

ایک تعارف

مولانا ابوالعاص وحیدی / استاذ جامعہ سراج العلوم بونڈیہار، گونڈہ، یوپی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعہم باحسان الی یوم الدین ۔ وبعد !

ہندوستان کی سرزمین اس اعتبار سے بہت قابل فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ ہند کے مختلف مراحل میں بڑی نابغۂ روزگار شخصیتیں پیدا کی ہیں، جنہوں نے بڑے عظیم دینی وعلمی اور ملکی وسیاسی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ان ہندوستانی رجال وشخصیات میں مجموعی طور پر امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت بہت ممتاز اور نمایاں ہے، اس مختصر مقالہ میں ہم بہت اختصار سے ان کی شخصیت کے بعض گوشوں پر روشنی ڈال رہے ہیں۔

خاندان اور پیدائش

مولانا آزاد کی شخصیت سے بہت گہرا تعلق ان کی خاندانی عظمت ووجاہت کا ہے اس لئے ہم سب سے پہلے ان کے خاندانی حالات کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں

مولانا آزاد نے اپنے خاندان کے بارے میں " انڈیا ونس فریڈم " میں جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں، مولانا اپنے خاندانی حالات کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

" میرے آباء واجداد بابر کے زمانے میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے پہلے انہوں نے آگرہ کو اپنا مسکن بنایا، بعد میں دہلی منتقل ہو گئے، وہ علمی ذوق رکھنے والے لوگ تھے، اکبر کے زمانہ میں مولانا جمال الدین نے اپنے علم کی بدولت شہرت پائی، پھر اس خاندان کے لوگ دنیا کی طرف جھک گئے، اور کئی ایک

نے بڑے بڑے سرکاری عہدے حاصل کی،

مولانا منورالدین میرے والد کے نانا تھے، میرے دادا کا جب انتقال ہوا تو میرے والد بچے تھے اس لئے ان کے نانا نے ان کی پرورش کی، غدر سے دو سال پہلے مولانا منورالدین نے ہندوستان کے حالات سے دل برداشتہ ہوکر مکہ معظمہ کو ہجرت کرنے کا فیصلہ کیا، مگر سکندر جہاں بیگم نے بھوپال میں انہیں روک لیا اور وہ بھوپال ہی میں تھے جب غدر شروع ہوگیا، دو سال تک وہ وہاں سے نہ نکل سکے، پھر بمبئی پہونچے، یہاں انہیں موت نے آگھیرا اور مکہ معظمہ جانا انہیں نصیب نہ ہوا۔

اس وقت میرے والد قریب پچیس سال کے تھے، وہ مکہ معظمہ گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی، انہوں نے اپنا مکان بنوایا اور شیخ محمد طاہر وتری کی بھانجی سے عقد کرلیا، وہ کئی بار بمبئی اور ایک بار کلکتہ آئے، اور دونوں جگہ بہت سے لوگ ان کے مداح اور مرید ہوگئے۔

میں مکہ معظمہ میں ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوا، دو سال بعد میرے والد پورے خاندان کو لے کر کلکتہ آئے، ہمارے کلکتہ آنے کے ایک سال بعد میری والدہ نے وفات پائی، اور انہیں وہیں دفن کر دیا گیا۔" (۱)

مولانا آزاد کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی وعجمی تہذیب وثقافت سے ملے جلے خاندان میں اس وقت پیدا ہوئے جب ہندوستان پر انگریزوں کا اقتدار مضبوط سے مضبوط تر ہوچکا تھا، یقیناً مولانا کی شخصیت سازی میں ان کے خاندانی اثرات وحالات کا بڑا دخل ہے، جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا،

---

(۱) ماخوذ از " سوانح مولانا ابوالکلام آزاد " مرتبہ عبداللطیف اعظمی، شائع شدہ ماہنامہ "آج کل" نئی دہلی، مولانا آزاد نمبر ۱۹۸۸ء۔

تعلیم اور ماحول

ایک نظر مولانا کے خاندانی ماحول اور ان کی تعلیم پر ڈال لینا ضروری ہے، تاکہ مولانا کی شخصیت کی رفعت و عظمت کا اندازہ لگانا آسان ہو جائے۔

مولانا کے والد مولانا خیر الدین صاحب بہت بڑے پیر تھے، وہ مذہب اسلام کی اس تعبیر و تشریح کے علمبردار تھے جو بدعات و خرافات اور مشرکانہ عادات و اطوار میں لپٹی ہوئی تھی، ان کے مریدین ہندوستان سے لے کر عرب دنیا و ترکی تک پھیلے ہوئے تھے، پیری و مریدی کے اس ماحول میں مولانا کی پرورش ہوئی۔

مولانا کی تعلیم کا آغاز ۱۸۹۳ء میں حرم شریف میں بسم اللہ کی تقریب سے ہوئی، ۱۸۹۸ء میں ان کا پورا خاندان مکہ معظمہ سے کلکتہ منتقل ہوا۔ مولانا کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ۱۸۹۸ء میں کلکتہ میں ہوا، ان کا گھریلو ماحول چونکہ جدید طرز زندگی کا سخت مخالف تھا، اس لئے مولانا کے والد نے گھر ہی پر ان کی تعلیم کا انتظام کیا، چنانچہ انہوں نے مروجہ مذہبی تعلیم کی تکمیل گھر ہی کے ماحول میں کی، بعد میں ایسے مواقع ملے کہ اردو، عربی، اور فارسی کے علاوہ انگریزی اور فرانسیسی زبانوں سے بھی واقفیت حاصل کرلی، ان زبانوں میں قدیم و جدید علوم کا جو سرمایہ تھا مولانا نے شوق مطالعہ اور فطری صلاحیت کی وجہ سے اسے اپنی شخصیت میں جذب کرلیا۔

مولانا نے ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے کیا پھر نثر کی طرف متوجہ ہوئے اور ایسی نثر نگاری کی جسے دیکھ کر مولانا حسرت موہانی جیسے باکمال شاعر کو کہنا پڑا ؎

جب سے دیکھی ہے ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزہ نہ رہا

مولانا کے خاندانی ماحول اور ان کے تعلیمی حالات کے اس سرسری جائزہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کی شخصیت کو اوپر اٹھانے میں خالص مذہبی جادہ پر گامزن کرنے میں اور خاندان کے مذہبی مزاج و طبیعت کی مخالف سمت لیجانے میں یعنی صحیح و خالص اسلام کا داعی بنانے میں ان کی خداداد ذہانت اور فطری صلاحیت کا بڑا دخل تھا، ورنہ مولانا اپنے زمانہ کے بہت بڑے پیر کی حیثیت سے متعارف تو ہوسکتے تھے لیکن آج ہم انہیں ایک عظیم مدبر و سیاسی کی حیثیت سے، ایک باکمال ادیب و محقق کے روپ میں

ور ایک بے مثال عالم دین و مفسر قرآن کی حیثیت سے نہ جانتے ۔

مولانا کی عظیم شخصیت

ہمارا مقصود چونکہ مولانا کے حالات زندگی پر مفصل روشنی ڈالنا نہیں ہے، بلکہ ان کی شخصیت کے مختلف گوشوں کا تذکرہ اور ان کے بعض ہم اور ممتاز کارناموں کی وضاحت کرنا ہے، اس لئے اب ہم سوانحی خاکہ نگاری سے قطع نظر سب سے پہلے ولانا کی شخصیت کے گوشوں کو اجاگر کرنا چاہتے ہیں ۔

مولانا آزاد کی عبقریت اور ان کا کمال یہ ہے کہ وہ جامع اوصاف وکمالات تھے، جب وہ ہاتھ میں لم لیتے تو ان کا قلم کبھی تو رعد کی کڑک، کبھی بجلی کی چمک، اور کبھی پھولوں کی مہک بن جاتا، وہ اپنی صحافت میں بب سیاسی مسائل پر تبصرہ کرتے تو میدانِ سیاست کے شہسوار نظر آتے، جب دینی وعلمی رموز ونکات ر بحث کرتے تو ایک عظیم محقق دکھائی دیتے، جب شعر وادب اور لسانیات پر قلم اٹھاتے تو شعر وسخن کے اکمال اداشناس اور ماہر ونقاد ادیب نظر آتے، جب خطابت کے اسٹیج پر جلوہ گر ہوتے تو ان کی زبان سے فصاحت وبلاغت اور زورِ بیان کا دریا موجزن ہوتا اور بحیثیت ہندوستانی وہ حب الوطنی، قومی یکجہتی ور جذباتی ہم آہنگی سے سرشار نظر آتے، مگر مولانا کے ان تمام اوصاف وخصوصیات میں ان کی دینی عالمانہ حیثیت سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں تھی ۔

سید صباح الدین عبدالرحمنؒ اپنے مقالہ : " مولانا آزاد کی مذہبی فکر " میں ان کی جامع کمالات شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> " وہ کیا نہ تھے، عدیم المثال عالم، یگانۂ روزگار ماہر قرآنیات، سحر پرداز انشا پرداز، صحافت نگار بہت بلند پایہ مدبر اور مخلص سیاست داں، مگر بنیادی طور پر وہ عالم بے بدل تھے، طوفانی سیاست کی ہنگامہ پروری اور پھر " غبار خاطر " اور " کاروان خیال " کی جادو نگاری میں ان کے شیدائی اور فدائی کچھ ایسے کھو گئے کہ ان کی عالمانہ شان اور خصوصاً قرآنی علوم اور تفسیر میں ان کو زیادہ پانے کی کوشش نہیں کی یا ان کے آسمان علم تک پہنچنے میں بڑے بڑے اہل بصیرت کے ذہن کا شہپر شاید جلتا نظر آیا ۔ " (۲)

(۲) ماخوذ از [illegible]

ہندوستان میں بحیثیت ابن تیمیہؒ

سید صباح الدینؒ کی یہ شکایت یقیناً بجا ہے کہ مولانا آزادؒ کے فدائی اور شیدائی ان کی سیاسی وادبی گلکاریوں میں ایسے کھو گئے کہ ان کی عالمانہ حیثیت صحیح طور پر نہ پہچان سکے، مگر مجھے تو مولانا آزاد کے ان قدر دانوں سے بھی شکایت ہے جو مولانا کی عالمانہ حیثیت کو جاننے وپہچاننے کے باوجود ان کی عالمانہ شخصیت کے اس گوشہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر صرف نظر کر گئے کہ وہ ایک عالم دین کی حیثیت سے تمام مسلمانوں میں وہ اعتقادی وفقہی مزاج پیدا کرنا چاہتے تھے جو قرون اولیٰ میں پایا جاتا تھا، اور اس صحیح تصور دین کے داعی اور علمبردار تھے جو خالص کتاب وسنت کی تعلیمات سے ماخوذ تھا، ان کی شخصیت کے اس پہلو سے اگر نقاب کشائی کی تو مفسر قرآن مولانا محمد حنیف ندویؔ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اگرچہ بہت سی دینی تحریکات کے علماء ومصنفین نے ایک مخصوص متعصبانہ پس منظر میں مولانا آزادؔ کی اس دینی بصیرت پر عمداً پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

دراصل مولانا ابوالکلام آزادؔ کی دینی وفکری تربیت علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیم وغیرہ کی تصنیفات نے کی ہے، چنانچہ دعوت کتاب وسنت میں جو جرأت وصراحت اور زور وقوت ابن تیمیہؒ کے یہاں ملتی ہے بالکل وہی جرأتمندانہ انداز مولانا ابوالکلام آزاد کے یہاں نظر آتا ہے، بلکہ ان کی کتاب "تذکرہ" کے مطالعہ کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ کہیں کہیں وہ ابن تیمیہ وغیرہ سے چند قدم آگے نظر آتے ہیں۔ یہی بات "الہلال" کے مطالعہ سے بھی محسوس ہوتی ہے۔

ان حقائق کی بنیاد پر اگر انہیں ہندوستان کا ابن تیمیہؒ کہا جائے تو بجا ہوگا، چنانچہ مولانا محمد حنیف ندویؔ ہفتہ وار "الہلال" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "الہلال کے صفحات میں ان کی حیثیت ایک ظاہری کتاب وسنت کے ٹھیٹھ حامی کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ابن تیمیہؒ کی روح ان میں عود کر آئی ہے، وہی جوش ہے، سنت کی حمایت ودعوت کا وہی انداز ہے، وہی وسعت نظر ہے، وہی فصاحت وبلاغت وادبیت ہے وہی جامعیت ہے، اور معقولیوں کے جواب میں وہی روشن استدلال ہے" (۳)

(۳) ابوالکلام آزاد بحیثیت مفسر ومحدث صـ ۳۵ - اگر ظاہری سے مراد مولانا محمد حنیف ندوی نے اس

مولانا سید سلیمان ندویؒ جو ذہنی وفکری طور پر دعوت کتاب وسنت کے عقیدت مند تھے، انکے خیال میں بھی مولانا آزاد، امام ابن تیمیہؒ، اور امام ابن القیم سے ایک روحانی نسبت رکھتے ہیں اور یہ انہیں کے طرز اور روش کے علمبردار ہیں، سید صاحب " ترجمان القرآن " کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

" مصنف ترجمان القرآن کی یہ دیدہ دلیری داد کے قابل ہے کہ انہوں نے وقت کی روح کو پہچانا اور اس فتنۂ فرنگ کے عہد میں اس طرز و روش کی پیروی کی جسکو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے فتنۂ تاتار میں پسند کیا تھا اور جس طرح انہوں نے اس عہد کے مسلمانوں کی تباہی کا راز فلسفۂ یونان کی دماغی پیروی کو قرار دیا تھا اسی طرح اس عہد کے مسلمانوں کی بربادی کا سبب ترجمان القرآن کے مصنف نے فلسفۂ یونان و فرنگ کی ذہنی غلامی کو قرار دیا اور نسخۂ علاج وہی تجویز کیا کہ کلام الٰہی کو رسول کی زبان و اصطلاح اور فطرت کی عقل اور فلسفہ سے سمجھنا چاہیئے "۔ (۴)

میں سید صاحب کے اس تبصرہ پر جراُتمندانہ اضافہ کرتے ہوئے کہونگا کہ جس طرح شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے محسوس کیا تھا کہ امت مسلمہ کی گمراہی وتباہی کا سبب شاہراہ کتاب وسنت سے منحرف ہوکر تقلید اور دوسری بدعات وخرافات میں گرفتار ہوجانا ہے، لہذا اس کے خلاف بڑا عظیم جہاد کیا بالکل اسیطرح امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی محسوس کیا تھا کہ دورِ حاضر میں مسلمانوں کے زوال وانحطاط کا سبب قرون اولیٰ کے اعتقادی وفقہی مزاج سے ان کے ذہنی وفکری رشتہ کا منقطع ہوجانا ہے، چنانچہ انہوں نے بھی ماحول کے مزاج کے خلاف مسلمانوں کی صحیح بیماری کی تشخیص کرتے ہوئے وہی نسخۂ کیمیا تجویز کیا جسے اختیار کرکے عہدِ نبوی، عہدِ صحابہ اور عہد تابعین وتبع تابعین کے لوگ کامیاب ہوئے تھے، اور میدان تاریخ میں فاتح عالم بن کر ابھرے۔

●●●

اصطلاحی مفہوم لیا ہے، تو میں عرض کروں گا کہ مولانا آزادؒ یا ابن تیمیہؒ اس سے کوسوں دور تھے، وہ محققین اہل الحدیث کی راہ پر گامزن تھے، (ا۔ع)

(۴) ابوالکلام آزاد ص ۸۳ مرتبہ : عبداللہ بٹ۔

تذکرہ مولانا محمد سورتی رح

جناب مولانا شاکر گیاوی

دہلی مدرسہ رحمانیہ میں علی گڈھ یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ سے دل برداشتہ ہوکر مولانا محمد سورتی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسی اختیار فرمائی، نہایت خلیق اور طلباء پر شفیق بزرگ تھے، اور انتہائی غیور بھی۔

ان کی خدمت میں خواجہ عبدالحیٰ فاروقی، حافظ اسلم جیراجپوری مولانا قصوری وغیرہم اکثر استفادہ کے لئے تشریف لاتے تھے۔

اگرچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا احمداللہ خاں پرتاپ گڈھی تھے لیکن طلباء کی معتد بہ تعداد کا رجحان مولانا سورتی رح کی طرف ہوگیا۔ مہتمم مدرسہ شیخ عطاء الرحمن صاحب علیہ الرحمہ نے کہیں اپنے چہیتے طلباء سے یہ کہدیا کہ اجی مولویوں کا کیا ٹھیک ہے، ایک پیالی چائے پلا دو اور جیسا فتویٰ چاہو لکھوالو۔ شدہ شدہ یہ بات مولانا سورتی رح کو کسی نے بتادی، بس کیا تھا، ان کی غیرت جوش میں آئی، مہتمم صاحب کو بلا بھیجا، مہتمم صاحب تشریف لائے مولانا نے مذکورہ بات کی تصدیق چاہی، مہتمم صاحب معترف ہوئے، مولانا نے فوراً اپنا استعفا پیش فرمادیا، اور قرول باغ میں ایک بلڈنگ کرایہ پر لے کر رہائش اختیار فرمائی، اور آزادانہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ مہتمم صاحب کے جو طالب نہیں تھے ان میں سے ابوسلمہ شفیع احمد بہاری، عبدالواحد بنگالی وغیرہم رحمانیہ چھوڑ کر مولانا کی بلڈنگ میں آئے۔

حضرت مولانا متحمل المزاج، سنجیدہ اور خوش خلق تھے۔ طلباء پر وہ شفقت فرماتے تھے، رحمانیہ سے منتقل ہوئے طلباء کے خورد ونوش کا ذمہ بھی لے لیا، بھائی میاں مولانا کا سخن تکیہ تھا، باورچی رہنے کے باوجود حضرت مولانا صبح کو خود ہی انگیٹھی پر ناشتہ تیار فرماتے تھے، کبھی حلوہ، کبھی گاجر کی سوئیاں۔ اور بڑے پیار سے طلباء کو بھائی میاں بھائی میاں کہہ کر ناشتہ کھلاتے تھے، ایسے طلباء بھی تھے جو صرف ملنے آتے تھے، اور کچھ علمی فائل اٹھا کر رخصت ہوجاتے تھے، ان کا ایک صاحبزادہ عبداللہ بڑا ہونہار تھا، چودہ سال کی عمر میں

عربی علوم و فنون کا ماہر، ایک رات ہم لوگ سوئے ہوئے تھے کہ کسی نے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی پوچھا گیا کہ کون ہیں، بتایا گیا [illegible] بند کا طالب علم ہوں، تعطیل کے سبب وطن بنگال جارہا ہوں، خیال ہوا کہ مولانا سورتی سے ملتا ہوا جاؤں، دروا[illegible] کران کے سونے کا انتظام کر دیا گیا، صبح ہوئی مولانا کو بتایا گیا کہ رات ایک دیوبند کے طالب علم پہونچے، وہ آپ سے ملنے آئے ہیں، فوراً انہوں نے سفرزدہ میلا کچیلا گندہ ملبوس میں طالب علم کو بلوایا، اور اپنے پاس بغل میں بیٹھا کر نہایت شفقت سے پیش آئے، اثنائے گفتگو مولانا نے طالب علم سے فرمایا کہ بھائی میاں مجھے تقلید شخصی کے جواز کی تلاش ہے جو ملتی نہیں، آپ کے پاس کوئی دلیل ہو تو بتائیے، طالب علم نے " فسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون " پڑھ دیا، مولانا نے فرمایا کہ اس میں اہل الذکر ہے جس میں مسائل اور مسؤل دونوں کی حاضری ضروری ہے، تقلید شخصی اس سے کیسے ثابت ہوئی، یہ سن کر طالب علم لاجواب اور خاموش ہو گیا، باتیں ختم ہوئیں، مولانا نے انہیں پر تکلف ناشتہ کھلایا۔ اس کے بعد طالب علم نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی، مولانا نے فرمایا کہ کم از کم تین وقت تو میرے مہمان رہیے وہ معذرت خواہ ہوئے تو مولانا نے نہایت خندہ پیشانی سے اظہار مسرت کرتے ہوئے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور وہ روانہ ہو گئے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مولانا تانگے سے فتحپوری تشریف لے گئے، اور رشیدیہ کتب خانہ ہوتے ہوئے واپس آکر تانگے والے کو کرایہ کے بارہ آنہ پیسے دیئے، اس نے پیسوں کو پھینک دیا اور لگا اول فول بکنے کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ داڑھی بڑھائے ہو، مولانا بنے ہو اور بارہ آنے دیتے ہو، ہم طلبا اس کی گستاخی پر بولنے والے تھے لیکن مولانا نے منع فرمادیا، نہایت نرمی و سنجیدگی سے مولانا نے تانگا والے سے فرمایا بھائی میاں میرا قصور معاف کردو تمہیں کتنے پیسے دیئے جائیں؟ اس نے شاید ڈیڑھ یا دو روپئے طلب کئے اور مولانا نے پھینکے پیسوں کو اٹھاکر اسے طلب کردہ رقم دے دی۔ اللہ اکبر یہ تحمل اور بردباری؟

" ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء "

مولانا صرف کتابی مدرس نہیں تھے، عملی مدرس بھی تھے، اسماء الرجال کے تو حافظ تھے، عربی ادب میں بڑا اونچا درجہ تھا، جامعہ ازہر کے ادباء ہندوستان میں تین ادیبوں کے معترف تھے، مولانا سورتی، عبدالعزیز میمن، تیسرے کا نام مجھے یاد نہیں، مولانا بادمغ خوش لباس اور خوشبو پسند تھے،

کمرے کو بھی معطر رکھتے تھے، رخسار اور لب دونوں حجام سے ایسا ترشوا دیتے تھے جیسے مونڈ دیئے گئے ہوں، کسی نے پوچھا تو فرمایا: " اعفوا اللحی و قصوا الشوارب " آیا ہے۔ اقطعوا الشوارب نہیں۔ اور رخسار داڑھی میں داخل نہیں، اسلئے میں دونوں (رخسار و لب) کو ترشواتا ہوں کہ جیسے منڈے ہوئے ہوں۔

مولانا پابند تہجد گزار تھے، صبح صادق سے پہلے میری نیند کھلی تو ان کی قرآت سننے میں آئی۔ مجھ سے ایک بار فرمایا کہ ہندوستان سے جی اچاٹ ہو گیا۔ عرب جا کر وہیں دینی وعلمی خدمت کرونگا شاید بمبئی میں رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون : اللہم اغفرلہ وارحمہ ...

ڈاکٹر عبد العلی ازہری کو صدمہ

مورخہ ۱۴ر شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۸ر اپریل ۹۲ء بروز سنیچر ڈاکٹر عبد العلی صاحب کی والدہ محترمہ صفیہ خاتون کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

مرحومہ اپنے ایمان وعمل اور صبر وشکر کے لئے مشہور تھیں، ان کی کوششوں سے بہت سی دینی وسماجی اصلاحات عمل میں آئیں۔

ناظرین سے درخواست ہے کہ مرحومہ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا فرمائیں اور ان کے لئے جنت الفردوس کی اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعاء فرمائیں۔ ادارہ محدث اور جامعہ سلفیہ کے جملہ ذمہ داران اساتذہ وطلبہ ڈاکٹر عبد العلی صاحب کے اس غم میں شریک ہیں، اور مرحومہ کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

امتیاز احمد سلفی

جماعتی مدارس کے فارغین

برصغیر کے دینی مدارس جماعتی بنیادوں پر تقسیم ہیں، ہر جماعت کے مدارس پر اس جماعت کے افکار و خیالات اور طریق فکر و عمل کی چھاپ نمایاں ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جب تک مسلمانوں کے مابین جماعتی بنیادوں پر انقسام موجود رہے گا ان مدارس کے مابین کسی بڑے پیمانہ پر اتحاد و یگانگت کی بات سوچنا واقعیت پسندی کے خلاف ہوگا۔

مسلم جماعتوں کے پاس مدارس کی تعداد ان کے وسائل اور حوصلہ کے اعتبار سے کم و بیش ہے بعض جماعتوں کے مدارس کی تعداد زیادہ اور بعض کی کم، مدارس کے ذریعہ چونکہ ذہن سازی ہوتی ہے، اس لئے کم مدارس والی جماعتوں کو ذہن سازی کے مواقع کم ملتے ہیں، اور ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے افکار و نظریات کی اشاعت بخوبی نہیں ہو پاتی۔ اس خلا کو پر کرنے کے لئے کم مدارس والی جماعتیں ذہن و فکر کو اپنے مطابق بنانے کے لئے مختلف وسائل اختیار کرتی ہیں۔ پچھلے چند برسوں سے دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض جماعتوں کے افراد کی طرف سے دینی مدارس کے طلبا کے لئے مختلف نوعیت کے پروگرام ترتیب دیئے جاتے ہیں جن میں ہر جماعت کے مدارس سے طلبہ کو شریک کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس طرح کے پروگراموں کو ملت کی خدمت اور علم کی اشاعت کے نام پر کیا جاتا ہے، لیکن بنیادی مقصد یہ ہوتا ہیکہ طلبہ کو اپنی جماعت کے افکار و نظریات سے متاثر کیا جائے، اور جن جماعتوں سے وہ وابستہ ہیں ان سے انھیں علیحدہ کیا جائے۔

ایک جماعت طلبہ کو تعلیم دے کر با صلاحیت بنا دیتی ہے، اس کے بعد دوسری جماعت ان کو اگر اپنا ہم خیال بنالے تو یہ اس کی کامیابی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ کم محنت میں زیادہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ آزاد ہندوستان میں جماعت اہل حدیث نے دینی تعلیم پر خصوصی توجہ دی، اور ہر علاقہ میں

ت سطح کے دینی مدرسے قائم کئے، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جماعت کے طلبہ علمی لحاظ سے اچھے ہوئے اور ں نے اسلام کی خدمت میں مناسب طور پر حصہ لیا، اور اپنے اصول ومقاصد سے ان کی وابستگی برقرار رہی، بعض مسلم جماعتوں نے اہل حدیث مدارس کے فارغین کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال نے کی غرض سے ان کو اپنی طرف مائل کرنے کی مہم شروع کی ہے، اس کا طریقہ بظاہر علمی اور دلچسپ گیا ہے، لیکن درپردہ مقصد یہ ہے کہ اہل حدیث طلبہ کے افکار وخیالات میں تبدیلی پیدا کر کے کو مسلک سلف سے دور کیا جائے، اور انقلابی نوعیت کے افکار ونظریات سے آشنا بنایا جائے، ری شان وشوکت، مادی کشش اور بلند بانگ دعووں سے متاثر ہو کر طلبہ اس اعتقادی انحراف غافل ہو جاتے ہیں جو مسلک سلف سے بیزاری کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔

اہل حدیث مدارس کا قیام اگر دعوت عمل بالکتاب والسنۃ کی اشاعت اور سلف صالح کے ج ومسلک کی تائید وحمایت کے لئے عمل میں آیا ہے تو ان مدارس کے ذمہ داران کو غور کرنا ہوگا لیا فراغت کے بعد طلبہ کو ایسے افکار ونظریات کی خدمت کے لئے آزاد چھوڑا جاسکتا ہے جو مسلک سلف کا لے طور پر استخفاف کرتے ہیں؟ کیا یہ مدارس طلبہ کو اسی لئے تیار کرتے ہیں کہ ان سے مسلک اہل حدیث خلاف کام لیا جائے؟ کیا سلف کے مسلک کی اشاعت کے لئے کوشش ہمارا فرض نہیں؟ کیا اسلام تعبیر وتشریح کا کام اس مسلک سے بہتر کوئی اور مسلک کرسکتا ہے؟ اس وقت دنیا کے مختلف موں میں سلفی جماعتیں سرگرم عمل ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت عمل بالکتاب والسنۃ فروغ حاصل ہو رہا ہے، کیا ان کے تجربوں سے فائدہ اٹھا کر مسلک سلف کی اشاعت کی بجائے ہم ل حدیث مدارس کے فارغین کو ادھر ادھر بھٹکتا چھوڑ دیں گے جبکہ ہمارے بزرگوں نے اسی برصغیر میں بے حد ناہموار حالات میں ہر طرح کی قربانیاں دے کر اس دعوت کو پروان چڑھایا؟

جماعت کے ذمہ داران کو مذکورہ سوالات پر غور کرنے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی یہ سوچنے لی بھی کہ دعوت حق کی اشاعت کے لئے سب سے پہلی قربانی مادی منفعت اور جسمانی آرام وراحت کو تج کر دینا ہوگی، مادی وسائل اور ظاہری شان وشوکت سے فریب کھا کر اگر ہم نے کسی اور طرف قدم بڑھایا تو یقین کیجئے کہ مسلک سلف کے تحفظ کی ذمہ داری ادا نہ کرسکیں گے۔

آزاد ہندوستان کے موجودہ حالات کا حوالہ دے کر باہمی اتفاق واتحاد کی بات کی جاتی ہے۔ بلا شبہ اتحاد ایک دینی فریضہ ہے، اور اس کی امت مسلمہ کو ہمہ وقت ضرورت ہے، لیکن یہ بات بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ امت کے لئے وہی اتحاد مفید ہوگا جس کی بنیاد کتاب وسنت پر ہو، جمہوری نوعیت کے جس اتحاد کی دعوت آج دی جاتی ہے اس سے توحید پرستی وتقویٰ شعاری کا وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا جو اسلام کو مطلوب ہے۔ پچھلی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ جمہوری نوعیت کے اس اتحاد کی کوشش پچھلے ادوار میں بھی ہوتی رہی ہے، لیکن اس سے اسلام کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکا۔ ائمہ دین رحمہم اللہ نے مختلف اوقات میں باطل افکار ونظریات کی مخالفت میں سینہ سپر ہوکر صبر واستقامت کا نمونہ پیش کیا، مگر کسی غلط فکر یا نظریہ پر خاموشی نہیں اختیار کی، اتحاد واتفاق کا اگر موجودہ معیار صحیح مان لیا جائے تو پھر ان بزرگوں کے صبر واستقامت اور سعی وجہاد کا کیا وزن باقی رہ جائے گا؟ مسلمانوں کا اتحاد اگر ضروری اور مفید ہے تو اسی بنیاد پر جسے خود اسلام نے پیش کیا ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ کر ہمیں اپنی راہ عمل متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ وما توفیقی إلا باللہ۔ •••

حرکۃ الانطلاق الفکری وجہود الشاہ ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ

تالیف: العلامہ محمد اسماعیل السلفی

تعریب: الدکتور مقتدیٰ حسن یاسین الازہری

دوسرا اضافہ شدہ ایڈیشن

پتہ: مکتبہ سلفیہ، (جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم) ریوڑی تالاب، بنارس ۲۲۱۰۱۰

تعلیم اور تربیت

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری
راگھونگر، بھوارہ، مدھوبنی

تعلیم اور تربیت کسی دو حقیقت کے مختلف نام نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سکے کے دو عکس ہیں، مطلب تعلیم ابتدا ہے اور تربیت منتہا، اول مقصود تک لے جانے کا ذریعہ ہے تو دوسرا خود مقصود ہے، ایک طالب ہے اور دوسرا اس کا مطلوب۔ قصہ کوتاہ: تعلیم کا مقصد عظیم اور صالح انسان بننے کیلئے علمی تجربہ ومشاہدہ ہے اور تربیت کا مقصود ان تجربات ومشاہدات کو تجربۂ عمل کا جامہ پہنانا۔ یہیں سے یہ حقیقت واشگاف اور آشکارا ہوگئی کہ تعلیم کا مقصد "عالم" بننا نہیں بلکہ انسان کی روحانی، اخلاقی اور صالح تربیت ہے۔ جیساکہ ایک مفکر کا مینس کا کہنا ہے: تعلیم سے مراد ہے مکمل انسان کی تربیت۔ ایک دوسرے مفکر آرکٹ کا کہنا ہے: تعلیم کا مقصد علم سے بھر دینا نہیں ہے بلکہ قوت کی تربیت کرنا ہے۔ اسی حقیقت کو مشہور سائنسداں جو بجلی کا بھی موجد ہے ایک دوسرے انداز میں کہتے ہیں: سنگ مرمر کیلئے جسطرح سنگ تراشی ہے ویسے ہی انسانی روح کے لئے تعلیم ہے۔

معلوم ہوا کہ تعلیم بس وہی ہے اور اسے ہی حاصل کرنا چاہئے جس سے انسان کی روحانی، اخلاقی اور صالح تربیت ہو اور اسی مقصد سے تعلیم بھی حاصل کرنا چاہئے کیونکہ یہی تعلیم انسان کیلئے حقیقی فلاح کا ضامن ہے۔ البتہ وہ تعلیم جو تربیت سے عاری اور خالی ہو جس کا مقصد انسان کو صرف اور صرف علم سے بھر دینا ہے وہ انسان کیلئے چنداں سودمند نہیں ہوسکتی۔ آپ خود ہی دیکھئے کہ آپ جو کچھ علم وادب کی باتیں پڑھتے اور حاصل کرتے ہیں ان کا مقصد صرف یہ نہیں ہوتا کہ آپ علم وادب کی یہ باتیں جان لیں بلکہ اسکا اور خود آپ کی فطرت کا زبان حال سے مطالبہ ہوتا ہے کہ آپ اسے

عمل کا جامہ پہنایئے، آپ اپنی ذات کو اس سانچہ میں ڈھالئے، اگر آپ اس علم سے تربیت نہیں حاصل کرتے تو پھر میں اور عام عوام کالانعام میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا، کون نہیں جانتا ہے کہ سچ ہمیشہ بولنا چاہئے کذب بیانی سے احتراز کرنا چاہئے، باطل سے کبھی نہیں دبنا چاہئے اور حق کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے مستعد رہنا چاہئے، کسے نہیں معلوم کہ زندگی کا ایک مقصد ہے اور عظیم مقصد یعنی اللہ کی عبادت آخرت کی کامیابی ہے اس لئے اس کے لئے ہمیشہ مصروف عمل رہنا چاہئے۔ الغرض علم وادب اور حکمت ودانائی کی باتیں بہت سی ایسی ہیں جن میں جاننے کے اعتبار سے ایک عام انسان اور جاہل اور عالم قدرے مشترک ہوتے ہیں مگر ایک کو دوسرے سے الگ، عالم کو عوام سے جو چیز ممتاز کرتی ہے وہ ہے عمل اور تربیت کا فرق۔

عوام علم وادب اور حکمت ودانائی اوراخلاق کی باتوں سے محض جاننے کے سانچے میں کم وبیش ڈھلے ہوتے ہیں اور عالم اپنے علم وادب کے سانچے میں مکمل ڈھلے ہوتے ہیں، اور اگر نہیں ہوتے تو انہیں تربیت اور صالح تربیت کے ڈھانچے میں ڈھلا ہوا ہونا چاہیئے۔ ورنہ ان میں اور عوام میں بلکہ چوپایہ جانوروں میں کوئی فرق ہی باقی نہیں رہ جائیگا، جیساکہ شیخ سعدی شیرازیؒ نے ایسے عالموں کو جاہل کہا ہے جو عمل اور تربیت سے عاری اور خالی ہوں اور ان علماء کو ان چوپائے اور گدھے سے تشبیہ دی ہے جن کے اوپر کتابوں کا بوجھ لدا ہوتا ہے مگر حمل برداری کے علاوہ اس کا کوئی نام نہیں ہوتا، اور نہ ہی اس پر رکھی ہوئی کتابوں سے انھیں کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

شیخ سعدیؒ نے گلستاں میں کہا ہے۔ ؎

علم چنداں کہ بیشتر خوانی — چوں عمل در تونیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند — چارپائے بروکتابے چند

یقین جانئے کہ تعلیم ہماری زندگی کے لئے ناگزیر ضرورت ہے، لیکن یہ بھی نہیں بھولنا چاہیئے کہ صالح تربیت ہی اس کا اصل مقصود ہے، یہی ارباب فکر کا کہنا ہے، اور یہی اسلام کی تعلیم بھی ہے۔

اسلام کی نظر میں وہ علم جو انسان کی روحانی اور اخلاقی تربیت نہ کرسکے وہ علم اس کے لئے مفید بلکہ وبال جان ہے، اور ایسے علماء کے لئے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے اندر بہت سخت وعید

آئی ہے۔ جیساکہ قرآن نے یہودی قوم کو جو توریت جیسی مقدس آسمانی کتاب کی حامل تھی اپنی ذات کو اس کتاب کی بتلائی ہوئی تعلیمات کے سانچے میں نہ ڈھال سکی تو اسے اس گدھے سے تشبیہ دی جس کے اوپر کتابوں اور دیگر سامانوں کے بوجھ ہوں، مگر اس سے وہ کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتا۔

قرآن نے کہا :۔

"مثل الذین حملوا التورات ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا، بئس مثل القوم الذین کذبوا بآیات اللہ واللہ لایہدی القوم الظلمین"۔

ایک دوسری آیت کے اندر اس سے عام مسلمانوں کو منع کیا گیا کہ جو کچھ وہ جانتا ہے اسے دوسروں سے کرنے کے لئے اس وقت تک نہ کہے جب وہ خود اسے نہ کرے۔

قرآن نے کہا :۔

"یاایھا الذین آمنوا لم تقولون مالاتفعلون، کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون"۔ ...

جامعہ سلفیہ کے ایک فاضل نوجوان کی رحلت

جماعت کے ایک ہونہار عالم جامعہ سلفیہ بنارس کے نوجوان فاضل مولانا اقبال احمد سلفی ضلع سدھارتھ نگر یوپی کا ۲۷ر مارچ ۱۹۹۲ء کو انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ناظرین سے دعائے مغفرت اور نماز جنازہ غائبانہ کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ادارہ اس غم میں ان کا شریک ہے۔

ابو جاوید سلفی

اپنے بچوں کو ضائع ہونے سے بچائیے

کچھ لوگ پوچھتے ہیں کہ اپنے بچوں اور لڑکیوں کی تربیت ہم کیسے کریں جب کہ ہمارے پاس وقت کی تنگی ہے بلکہ ہم چند ساعتیں بھی ان کے ساتھ کس طرح گذاریں جب کہ صبح سے شام تک ہم کاروبار میں مصروف رہتے ہیں، اور تربیتی فرائض کی ادائیگی کے لئے ہمارے پاس وقت نہیں بچتا، ہم پوچھتے ہیں: میرے بھائی آپ کا بچہ آپ کے بہتر اخلاق وعادات کس طرح سیکھ سکتا ہے جب کہ وہ آپ کو کبھی کبھار دیکھ لیتا ہو، وہ اپنے دین کا علم کس طرح حاصل کر سکتا ہے، جب کہ وہ غیر اسلامی مدرسہ اور ایسے ادارہ میں تعلیم پاتا ہے جو سرے سے اسلام کے قائل نہیں، نوجوانی کی عمر میں آپ اپنے بچوں کا ساتھ کیسے دیں گے۔ اسے اظہار رائے کا طریقہ کیسے سکھائیں گے، جب کہ آپ اپنی تجارت میں ہمہ وقت مصروف ہیں، ایسی حالت میں تو آپ بچوں کے لئے عمدہ اور پسندیدہ اخلاق وعادات رکھنے والے مناسب دوستوں اور ساتھیوں کا انتخاب بھی نہیں کر سکتے۔

بھائیو! ہم اپنے بچے ایک کے بعد ایک ضائع کر رہے ہیں، پھر پوچھتے ہیں کہ معاشرہ میں یہ بگاڑ کیوں ہے؟ اس بگاڑ کی ساری ذمہ داری ہم خارجی عوامل پر نہیں ڈال سکتے، درحقیقت اپنے بچوں کے بگاڑ میں ہم نے خود حصہ لیا ہے کہ ان مفاسد کے خلاف انہیں بھلائیوں کی تلقین نہیں کی، غیر اقوام کی زبانیں سیکھنے کے لئے ہم نے اپنے بچوں کو اسلامی مدارس سے دور کر دیا، ہم نے انھیں ان کے دین سے دور کر دیا کہ دینی احکام سکھانے والے ان کے لئے مہیا نہ کر سکے، نگرانی اور رہنمائی کے ذریعہ

حقیقی تربیت کا فریضہ ہم نے ادا نہیں کیا بلکہ صرف کھلانے اور پہنانے کا فریضہ ادا کرتے رہے اور بچوں کو چھوڑ دیا کہ وہ اپنے امور کی نگہداشت خود کرنے لگے۔

ہم نے اکثر انہیں سینما گھروں میں جانے کے لئے پیسے دیئے لیکن اس سے چشم پوشی کرتے رہے کہ ان بچوں پر فواحش و بدکاری اور رذائل اخلاق و اعمال کے دروازے کھل جائیں گے، ہم نے تربیت و تعلیم کے لئے انہیں سینما گھروں کے حوالہ کر دیا جو انہیں جنسی بے راہ روی اور تشدد کی تعلیم دیں پھر ہم پوچھتے ہیں کہ یہ سب فساد و بگاڑ کیوں ہو رہا ہے۔ حالت یہ ہے کہ ہماری عورتیں ہمارے گھروں میں اسلام سے ناواقف ہیں۔ اس کی تعلیمات سے کوری ہیں بلکہ آپ دیکھیں گے کہ وہ اداکاراؤں اور رقاصات کی نقالی کرتی ہیں۔ انہیں ایسی عورتیں آدھی آنکھ نہیں بھاتیں جو مؤمنہ، صالحہ، اور اپنی شرمگاہوں اور جسموں کی حفاظت کرنے والی ہوں۔

بھائیو! مسلمانوں میں ایسا گروہ ہونا چاہیئے جو ان احوال کو پوری دانشمندی سے سمجھے ان کے لئے صحیح اسلامی اور تربیتی ادارے قائم کرکے بچوں، لڑکوں اور نوجوانوں کے لئے ہر ممکن تربیت کے وسائل مہیا کرے، ان کے لئے ایسے نمونہ کے اساتذہ اور مربی ہوں جنہیں وہ اپنا آئیڈیل سمجھیں۔ موزوں اخلاق و عادات رکھنے والے اساتذہ اور مربی ہوں جن کے ساتھ نوجوان رہیں، باہم مشاورت کا طریقہ سیکھیں، اور مسلمانوں کی خدمات کے لئے تیار ہو سکیں، اور اس طرح وہ خود اتنے مضبوط ہو جائیں کہ معاشرہ میں پائی جانے والی خرابیوں کی اصلاح کے لئے مزید ٹیمیں تیار کر سکیں۔

(العباد، بیروت، لبنان)

باب الفتاویٰ

مسئلہ قرأت بعد الفاتحہ

انتخاب ———————— محفوظ الرحمن سلفی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :
امام کے پیچھے سری نماز میں سورہ فاتحہ کے علاوہ دوسری سورۃ پڑھنا ضروری ہے یا نہیں ؟

المستفتی
عبدالقدوس ، ضلع سدھارتھ نگر

الجواب بعون اللہ الوہاب :

پوچھے گئے اس مسئلہ کے سلسلہ میں علماء کے درمیان اس طرح کا نزاع پایا جاتا ہے جو کافی پھیلا ہوا محسوس ہوتا ہے اس لئے اس کی توضیح و تنقیح و تحقیق کے واسطے ایک جامع و مبسوط کتاب لکھنے کا عزم ہم کو کرنا پڑا اور یہ کام ہم نے شروع بھی کر دیا مگر یہ فتویٰ ساری تفاصیل اور جزئیات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ لہذا فی الوقت مختصر سے جواب پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

امام کے پیچھے سری و جہری دونوں طرح کی نمازوں میں سورہ فاتحہ سے زیادہ قرآن مجید پڑھنا ضروری نہیں بلکہ ممنوع ہے ، کیونکہ متواتر المعنی حدیث میں منقول ہے کہ ایک فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

" لا تقرؤن وفی روایۃ لا تقرؤن خلفی الا بام القرآن "

یعنی تم لوگ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مجید ہرگز ہرگز نہ پڑھو ۔

یہ حدیث سو معتبر سندوں سے زیادہ اسانید کے ساتھ متعدد صحابہ سے مروی ہے جیسا کہ عام کتب حدیث پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے ، امام بخاری اور متعدد محدثین نے اسے متواتر المعنی حدیث کہا ہے ۔ (جزء القراۃ

للبخاری صـ۷ وجزء القرأة للبیہقی صـ۳۶)

اس متواتر المعنی حدیث میں صراحت ہے کہ صحابہ کرام امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مجید بھی پڑھا کرتے تھے حتی کہ بعض لوگوں نے بالجہر بھی قرأۃ قرآن کر ڈالی مگر صحابہ کو آپؐ نے امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن نہ پڑھنے کا حکم عام دیا یعنی کہ سری وجہری نمازوں کے درمیان کسی تفریق کے بغیر آپ نے مقتدیوں کو فاتحہ سے زیادہ قرآن پڑھنے کی ممانعت کردی ، اس ممانعت نبویہ کا علم بعض صحابہ کو نہیں ہو سکا تھا اسلئے کچھ لوگ حدیث نبوی کا علم نہ ہونے کے سبب وفات نبوی کے بعد بھی امام کے پیچھے فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مجید پڑھتے تھے ، کچھ لوگ سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں ایسا کرتے تھے کچھ جہری نمازیں نہیں مگر سری نمازیں ایسا کرتے تھے ۔ حالانکہ فرمان نبوی میں مطلقاً صادر ہو چکا تھا کہ جہری اور سری نمازوں کے درمیان تفریق کے بغیر امام کے پیچھے فاتحہ سے زیادہ نہ پڑھا جائے اس لئے ہم کو آپؐ کے حکم عام اور فرمان مطلق کو برقرار رکھتے ہوئے تمام سری وجہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ سے زیادہ قرآن مجید نہیں پڑھنا چاہیئے ۔ مذکورہ بالا متواتر المعنی حدیث نبوی مندرجہ ذیل سند ومتن کے ساتھ بھی مروی ہے :

"عن زید بن ثابت عن مکحول وحرام بن حکیم عن نافع بن محمود بن الربیع الأنصاری عن عبادہ بن الصامت قال کنت .... إلی أن قال : فلما انصرف قال هل تقرؤن خلفی ؟ قالوا نعم ! قال : لا تفعلوا إلا بأم القرآن " یعنی عبادہ بن صامت نے کہا کہ ایک نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے مقتدی لوگوں سے کہا کہ کیا تم امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو؟ سب نے کہا کہ ہاں ! آپؐ نے کہا سورہ فاتحہ کے علاوہ تم لوگ مزید قرآن مجید امام کے پیچھے مت پڑھو ۔ (سنن دارقطنی ج ۱ صـ۱۲۱ وجزء القرأۃ للبیہقی صـ۴۲-۴۳) ۔

اس روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سری وجہری نمازوں کے درمیان کسی تفریق کے بغیر آپؐ نے مقتدیوں کو یہ حکم عام دیا کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مت پڑھو اسی سند سے یہ روایت الفاظ ذیل کے ساتھ بھی مروی ہے :

" فلا تقرءوا بشیئ من القرآن إذا جهرت إلا بأم القرآن " یعنی جب امام جہر کے ساتھ نماز پڑھے تو تم فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن مت پڑھو ۔ (جزء القرأۃ للبیہقی صـ۴۲-۴۳ ، جزء القرأۃ للبخاری

ص۱۵ حدیث نمبر ۵۹، وسنن دارقطنی ج۱ ص۱۲۱ وسنن بیہقی ج۲ ص۱۶۴)

متواترالمعنی حدیث نبوی کے حکم عام کو برقرار رکھنے کے لئے اس حدیث کا یہ مطلب ماننا لازم ہے، کہ آپؐ نے فرمایا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا اتنا ضروری ہے کہ امام جہری قرأۃ کر رہا ہو تو بھی مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے اس حدیث کا یہ معنی لینا اس لئے بھی ضروری ہے کہ متعدد روایات میں مقتدی کو مطلقاً قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے لیکن آپؐ نے متواترالمعنی فرمان کے ذریعہ وضاحت کر دی کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرآن مجید نہ پڑھنے کا جو حکم عام دیا گیا ہے وہ سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن پڑھنے کے ساتھ خاص ہے یعنی کہ امام کی جہری قرأۃ کی صورت میں بھی مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ ـــ اذاجہر ـــ والے لفظ کے ساتھ مروی شدہ اس روایت کا یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں کہ سری قرأۃ والی نماز میں مقتدی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن بھی پڑھے، اگر اس کا معنی مذکور نکالا جائے تو متواتر المعنی حدیث نبوی کے حکم عام کی مخالفت لازم آئے گی، اور معنی مذکور اس لفظ والی روایت کے صرف مفہوم مخالف سے مستنبط کیا جا سکتا ہے مگر نص کے خلاف مفہوم مخالف حجت نہیں نیز ہمارے بتلائے ہوئے معنی کو ماننے کی صورت میں روایت مذکورہ متواترالمعنی حدیث کے موافق رہے گی، اور متواترالمعنی حدیث کے موافق ہونے کے سبب بطور متابع معتبر قرار پائے گی، ورنہ متواترالمعنی حدیث کے خلاف ہونے کے باعث شاذ قرار پاکر ساقط الاعتبار ہوگی کیونکہ لازم آئیگا کہ ایک ہی راوی متعدد ثقہ رواۃ کے خلاف مضمون کی روایت کر ڈالنے کا مرتکب ہوا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ " اذاجہر " والے لفظ کے ساتھ اس کی روایت کرنے میں نافع بن محمود بن الربیع نامی راوی منفرد ہے، اس لفظ کی روایت کا دارومدار انہیں نافع پر ہے جن سے دو حضرات مکحول اور حرام بن حکیم نے اسے نقل کر رکھا ہے، اور انہیں دونوں نے نافع سے اس روایت کو متواترالمعنی حدیث کے موافق بھی نقل کیا ہے جس سے لازم آتا ہے کہ اس روایت میں نافع اضطراب اور تضاد بیانی کا شکار ہو گئے ہیں لہذا ان کا جو بیان موافق حدیث متواتر ہے وہ قابل قبول ہے اور جو مخالف ہے وہ غیر مقبول ہے۔

نافع کو حافظ ابن عبدالبر وطحاوی وابن الترکمانی وغیرہ نے مجہول کہا (الجوہرالنقی ج۲ ص۱۶۵) اور الفاظ جرح وتعدیل کا استقصار کر کے تقریب التہذیب میں اعدال الاقوال لکھنے کا التزام کرنے والے حافظ ابن حجر

نے بھی نافع کو مستور یعنی مجہول الحال ہی کہا ہے ، مجہول الحال راوی کا کذاب اور بہت زیادہ غیر ثقہ ہونا بھی مستبعد نہیں ، اسلئے متواتر المعنی حدیث نبوی کے حکم عام کے خلاف مضمون پر مشتمل اس مجہول الحال راوی کی "اذا جھر" والے لفظ کے ساتھ روایت اس معنی میں مقبول نہیں ہوسکتی کہ جہری قرأۃ والی نماز میں امام کے پیچھے مقتدی کے لئے فاتحہ کے علاوہ مزید قرآن پڑھنا ممنوع ہے مگر سری قرأۃ والی نماز میں ممنوع کے بجائے مشروع ہے ۔

نافع سے روایت مذکورہ کی روایت کرنے میں دو راوی مکحول وحرام ایک دوسرے کے متابع ہیں اسلئے مکحول اگرچہ مدلس ہیں جن کی معنعن روایت ساقط الاعتبار ہے (ضعیف أبی داؤد ج ۱ ص۱۴۴ تا ص۱۴۸ وطبقات المدلسین ص۱۳ وص۴۶) مگراس حدیث کی روایت میں مکحول کی متابعت کرنے والے حرام چونکہ خفیف الضعف ہونے کے باوصف راجح ثقہ ہیں اس لئے مکحول وحرام تک یہ سند معتبر ہے ، مگر ان کے بعد والے راوی نافع مجہول ہونے کے باعث ساقط الاعتبار ہیں ۔ حافظ ذھبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ :

" لایعرف بغیر ھذا الحدیث ولا ھو فی کتاب البخاری وکتاب ابن أبی حاتم وذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال حدیثہ معلل " یعنی موصوف اس حدیث کے علاوہ کسی اور حدیث کی روایت میں معروف نہیں ان کا ذکر نہ تاریخ بخاری میں ہے نہ کتاب الجرح لابن ابی حاتم میں ہے ابن حبان نے انھیں ثقات میں ذکر کرکے کہا کہ ان کی حدیث معلل ہے ۔ (میزان الاعتدال ج ۴ ص۲۲۷) ۔

ثقات ابن حبان میں " حدیثہ معلل " کی تصریح نہیں مگر اس کی عبارت کا لازمی مطلب یہی ہے کہ ان کی حدیث معلل ہے ، ملاحظہ ہو :

" متن خبرہ فی القرأۃ خلف الامام یخالف متن خبر محمود بن الربیع عن عبادۃ کأنہما حدیثان احدھما اتم من الآخر " یعنی قرأۃ خلف الامام کے سلسلے میں روایت نافع کا مضمون روایت محمود کے خلاف ہے گویا دونوں دو مختلف حدیثیں ہیں ایک دوسرے کے مقابل اتم ہے ۔ (ثقات ابن حبان ج ۵ ص۴۷۰)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ محمود بن الربیع سے مروی شدہ متواتر المعنی حدیث کے مضمون سے نافع

غریب السند اس روایت کا مضمون مختلف ہے اور اس طرح کی روایت اصولی طور پر معلل ہوتی ہے، اسی
ت کو امام ذہبی نے ملخص کرکے لکھ دیا ہے، اس صورت میں نافع کا ثقہ ہونا اگر ثابت ہوتا تو بھی ان کی
یث مذکور کئی ثقہ رواۃ کے مضمون کے خلاف ہونے کے سبب شاذ قرار پاکر ساقط الاعتبار ہوتی مگر نافع
ثقہ ہونا ثابت نہیں، اس سند کی بابت دارقطنی نے کہہ دیا کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اور ابن حبان نے
ین ثقات میں ذکر کردیا لیکن ابن حبان اس راوی کو بھی ثقات میں داخل کرلیتے ہیں جس سے دو ایک
راوی نے روایت کی ہو اور اس پر جرح ثابت نہ ہو (مقدمہ ثقات ابن حبان)۔ مگر عام اہل علم
ابن حبان کی یہ بات رد کردی ہے۔ اسی طرح کا طرز عمل بعض رواۃ کی بابت دارقطنی نے بھی اختیار کرلیا
، (فتح المغیث للسخاوی) اس بنا پر حافظ ابن حجر نے دارقطنی کی توثیق کا اعتبار نہ کرکے نافع کو مستور
ہول الحال کہا، لہٰذا اس لفظ والی روایت کے مفہوم مخالف سے مسئلہ مذکورہ مستنبط کرلینا صحیح نہیں
وصا جبکہ یہ مفہوم مخالف حدیث متواتر کے خلاف ہے نیز اس مفہوم والی روایت جس سند سے مروی ہے
سند سے متواتر المعنی حدیث کے موافق بھی یہ روایت مروی ہے۔

امام دارقطنی نے اس کے رواۃ کو گرچہ ثقہ کہا مگر تفصیل مذکور کی موجودگی میں واضح ہوگیا کہ اصل معاملہ
ہے اور یہ معلوم ہے کہ کسی سند کے تمام رواۃ کے ثقہ ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ سند اور اس سے مروی
مضمون علت قادحہ سے خالی ہے۔

اس مفہوم مخالف کو حجت بنا لینے والے بعض لوگوں نے کہا کہ حضرت عمران بن حصین سے مروی ہیکہ:
صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الظہر او العصر فقال ایکم قرأ خلفی
بح اسم ربك الأعلی فقال رجل انا فقال قد علمت أن بعضکم خالجنیہا "
مسلم ج ۱ ص ۱۷۲ مع شرح نووی وغیرہ) یعنی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی پھر پوچھا
یں کون میرے پیچھے سورہ اعلیٰ پڑھ رہا تھا ایک آدمی نے کہا کہ میں، آپ نے فرمایا: میں جان گیا کہ بعض
میری قرأۃ میں مخالجہ (کشاکش) کر رہے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کئی معتبر سندوں سے مروی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ آپ نے جہری وسری
زوں کے درمیان کسی تفریق کے بغیر جہر کے ساتھ قرآن مجید میں سے کچھ بھی پڑھنے والے مقتدی پر مطلقاً

نکیر کی، چاہے سورۂ فاتحہ میں سے کوئی آیت پڑھے یا اس کے علاوہ کسی دوسری سورت میں سے پڑھے، البتہ اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ جہری نماز میں جہر کے بجائے مقتدی کے لئے بالسر سورہ فاتحہ کا پڑھنا فرض اور اس سے زیادہ پڑھنا ممنوع ہے نیز اس میں اس کا بھی ذکر نہیں کہ سری نماز میں مقتدی کیلئے فاتحہ اور فاتحہ سے زیادہ قرآن پڑھنا مشروع ہے مگر چونکہ متواتر المعنی حدیث نبوی میں مقتدی کے لئے پوری تاکید کے ساتھ سری وجہری نمازوں میں کسی تفریق کے بغیر علی الاطلاق سورہ فاتحہ سے زیادہ قرآن پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ (کمامر) اس لئے حضرت عمران والی حدیث اور اس کے ہم معنی احادیث کا یہ مطلب سمجھنا غیر صحیح ہے کہ جہری نماز میں مقتدی کے لئے فاتحہ پڑھنا ضروری اور فاتحہ سے زیادہ کچھ قرآن پڑھنا ممنوع، مگر سری نماز میں فاتحہ اور فاتحہ سے زیادہ پڑھنا مشروع ہے۔ بعض لوگوں نے مذکورہ بالا متواتر المعنی حدیث نبوی کے باوجود عمران والی حدیث کا یہ معنی سمجھ لیا کہ جہری نماز میں مقتدی کے لئے صرف سورہ فاتحہ پڑھنا مشروع ہے اس سے زیادہ پڑھنا ممنوع ہے مگر سری نماز میں سورہ فاتحہ اور اس سے زیادہ قرآن پڑھنا مشروع ہے پھر ان لوگوں نے اپنی اس بات کو قتادہ تابعی کی طرف بھی منسوب کر دیا ہے جواز روئے تحقیق صحیح نہیں، لیکن اگر صحیح بھی ہو تو متواتر حدیث نبوی کے خلاف کسی تابعی کے سمجھے ہوئے معنی کو حجت بنا لینا صحیح نہیں۔ حدیث عمران سے استنباط مذکور اور قتادہ کی طرف اس بات کے انتساب نیز اس نوع کی دوسری تمام باتوں کا تحقیقی جائزہ ہم نے اصل کتاب میں لیا ہے۔ یہ فتویٰ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

فقط

(مولانا) محمد رئیس ندوی

جامعہ سلفیہ بنارس

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۶ — جون ۱۹۹۲ء — ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ — جلد ۱۰

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ ۴۵ روپے، فی پرچہ ۴ روپے

○

اس دائرے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درسِ قرآن

مولانا اصغر علی السلفی

حج کا مقدس فریضہ

حاجی سے کس چیز کا متقاضی ہے ؟

الحج اشھر معلومات فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق و لاجدال فی الحج وما تفعلوا من خیر یعلمه الله وتزودوا فان خیر الزاد التقوی واتقون یا اولی الالباب ۔

حج کے مہینے مقرر ہیں، جو شخص ان میں حج مقرر کرے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے گناہ کرنے اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کرو گے اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے، اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، اور اے عقلمند مجھ سے ڈرتے رہا کرو ۔

حج اسلام کا ایک اہم اور مقدس رکن ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے مؤمن بندوں کے لئے اخروی زندگی میں سرخروئی حاصل کرنے کے لئے اور حسنات کے جمع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے جس طرح نماز جو اسلام کا ایک اہم ترین رکن ہے اس کے لئے اوقات و ممنوعات اور چند شرائط متعین ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حج کے لئے بھی چند امور متعین فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

الحج اشھر معلومات یعنی حج کے لئے معلوم اور مقرر مہینے ہیں جس میں احرام باندھ کر بندۂ مؤمن فریضۂ حج کی ادائیگی کی سعادت حاصل کرتا ہے ۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضہ اشہر حج کے سلسلہ میں فرماتے ہیں کہ یہ شوال ذی القعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس وابن مسعود اور عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فمن فرض فیھن الحج ۔ الآیۃ ۔ یعنی جو شخص ان مہینوں میں حج مقرر کرے اور حج کا احرام باندھ لے تو اس کو چاہئے کہ مناسک حج کو پورے طور پر بجالائے، حضرت

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص حج کا احرام باندھ لے اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی جگہ ٹھہر رہ جائے (اور حج پورا نہ کرے) نیز اس آیت مبارکہ میں حج کرنے والے پر یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ دوران حج جماع اور اس کے مقدمات اور دواعی سے یعنی مباشرت کرنے بوسہ لینے اور بیوی سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے احتراز کرے کیونکہ یہ سب چیزیں رفث میں داخل ہیں، لہذا حالت احرام میں یہ سب امور حرام ہیں۔

فسوق کے معنی گناہ اور عام معاصی کے ہیں گالی گلوج اور سب و شتم کو بھی فسق کہا گیا ہے، صحیح حدیث ہے کہ " سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر " یعنی مسلمان آدمی کو گالی دینا فسق ہے جبکہ اس سے لڑنا جھگڑنا کفر ہے۔ لہذا فسق کی تعریف میں گالی گلوج اور ہر قسم کے معاصی داخل ہیں۔ امام ابن جریر طبری فرماتے ہیں کہ یہاں فسق سے مراد ہر وہ کام ہے جو حالت احرام میں منع ہے جیسے شکار کھیلنا بال منڈوانا ناخن لینا وغیرہ۔ نیز صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ جو شخص بیت اللہ شریف کا حج کرے اور رفث و فسوق نہ کرے تو اپنے گناہوں سے ایسے ہی پاک ہو جائے گا جیسے اپنے پیدائش کے وقت معاصی سے پاک صاف تھا۔ (ابن جریر و ابن کثیر)

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں حجاج کو جدال سے روکا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین مناسک حج کے سلسلے میں اختلاف کرتے تھے، قریش کے لوگ مشعر حرام کے پاس مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے، اور باقی عرفات میں وقوف کرتے تھے اور ہر ایک اپنے آپ کو طریقہ ابراہیمی کا پیروکار کہتے نہیں تھکتا تھا، اور خود حق پر ہونے کا اور دوسروں کے غلطی پر ہونے کا دعوے دار تھا، ہر ایک دوسرے پر اپنی برتری جتا کر فخر و مباہات کرتا، اور دوسروں کو ہیچ سمجھتا، اسی جدل و مکابرہ کی مذمت اس آیت شریفہ میں کی گئی اور محمد رسول اللہ کے واسطے سے مناسک حج متعین ہو جانے کے بعد اس میں کسی قسم کے اختلاف اور جدل و مناظرہ سے روکا گیا، کچھ مفسرین نے یہ بھی کہا ہے کہ رفقاء سفر سے لڑو جھگڑو نہیں ایک دوسرے کو غصہ نہ دلاؤ۔ مسند عبد بن حمید میں مروی ہے کہ جو شخص اپنا حج پورا کرے اور مسلمان اسکے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ پائیں اسکے تمام اگلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ الغرض حج کا مقدس فریضہ محرم حج سے اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہر طرح کی برائی اور معاصی سے دور رہے، یہ اسکے قبول حج کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اہل یمن کا یہ شیوہ تھا کہ وہ بلا سفر خرچ اور زاد راہ کے حج کیلئے نکلتے تھے اور لوگوں سے مانگتے پھرتے تھے اور اپنے تئیں متوکل کہتے تھے، ان کو اس فعل سے روکا گیا اور زاد راہ لے لینے کا حکم دیا گیا۔ ارشاد باری ہے: وتزودوا فان خیر الزاد التقوی۔

درس حدیث　　مولانا اصغر علی السلفی

عرفہ کے دن کی فضیلت

عن عائشۃ قالت : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال : مامن یوم اکثر من أن یعتق اللہ فیہ عبدا من النار من یوم عرفۃ وانہ لیدنو ثم یباھی بھم الملائکۃ فیقول ما اراد ھؤلاء ۔ (مسلم)

ترجمہ : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عر[فہ] کے دن جس قدر لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے اس سے زیادہ کسی اور دن نہیں کرتا ، اور وہ قریب ہوتا ہے ، اور فرشت[وں] سے فخر کرتے ہوئے کہتا ہے یہ بندے مجھ سے کیا چاہتے ہیں ۔ (میں نے ان کو بخش دیا)

اس حدیث پاک میں عرفہ کے دن کی فضیلت بیان کی گئی ہے ، اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرفہ کا دن علی الا[طلاق] سال کے تمام دنوں سے افضل ترین دن ہے ، یہاں تک کہ بعض شافعیہ نے یہ بھی کہدیا ہے کہ میری بیوی کو اس [دن] طلاق ہے جو دن سب سے افضل ہے ، تو بعض شافعیہ کے یہاں جمعہ کے دن طلاق واقع ہو جائے گی ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر یوم طلعت فیہ الشمس یوم الجمعۃ ۔ (مسلم) جبکہ بعض دوسرے شافعیہ ک[ا] کہنا ہے کہ عرفہ کے روز طلاق واقع ہوگی کیونکہ وہ افضل ترین دن ہے ، اور یہی زیادہ صحیح ہے ، اور جمعہ کی فضیلت والی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ہفتہ کے دنوں میں سے سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے ، اور عرفہ کا دن سال کے تما[م] دنوں سے افضل ہے ، جیسا کہ اس حدیث میں ذکر ہے اور اس لئے بھی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام و اکرام عام ہوتا ہے اور وہ اپنے بے شمار بندوں کو گلو خلاصی کر دیتا ہے اور یہ کہ بندوں سے قریب ہوتا ہے ، اور بعض روایتوں کے مطابق آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے ، اور فرشتوں میں اہل عرفہ کا ذکر کرکے فخر و مباہات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ میرے بندے ہیں جو میری رضاجوئی کے طالب ہیں ، (نووی شرح مسلم)

ایک دوسری حدیث میں عرفہ کے دن کی فضیلت یوں مذکور ہے ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ شیطان کو عرفہ کے دن سے زیادہ ذلیل و خوار حقیر ترین اور مذموم اور غیض و غضب میں کبھی نہیں دیکھا گیا اور وہ اسلئے کہ وہ اللہ کے رحمت کی نزول کا مشاہدہ کرتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو بڑے بڑے گناہوں کی معافی کو دیکھتا ہے، ہاں بدر کے دن بھی اسی طرح سے ذلت اور غیض و غضب میں بھرا ہوا دیکھا گیا تھا جب اس نے جبرئیل کو دیکھا کہ وہ جنگ کیلئے فرشتوں کی صف بندی کر رہے ہیں، اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عرفہ کا دن سب سے افضل دن ہے اسلئے اس دن میں دعا کرنا سب سے زیادہ قبولیت کا مستحق ہے اور فضیلت اور اہمیت کا حامل ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سب سے افضل دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے، اور سب سے افضل کلمہ جو میں نے پڑھا اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام نے پڑھا وہ کلمہ " لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ " ہے ۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر تنہا اللہ تعالیٰ جس کا کوئی شریک نہیں ہے ۔

اسی لئے حدیث شریف میں مذکور ہے کہ حقیقت میں حج وقوف عرفہ کا نام ہے (الحج عرفۃ) لہذا حجاج کرام کو اس دن سے زیادہ زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اپنے تمام اوقات کو عبادت الٰہی دعاء و استغفار تضرع اور ابتہال اور آہ و زاری میں صرف کرنا چاہیئے، اس دن کا ایک ایک لمحہ غنیمت جان کر اللہ کی رحمتوں کی طلب حصول جنت کا سوال، بخشش و مغفرت کی درخواست کرنی چاہیئے، کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں ہوتی ہے اور ہر اس بندے کو جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے، اور خدا کے وہ بندے جن کو وقوف عرفہ کی سعادت مندیاں نصیب نہیں ہوتیں ان کو اس دن میں روزہ رکھ کر رب کی خوشنودی کا اور اپنی گناہوں کی مغفرت کا خواستگار رہنا چاہیئے کیونکہ جو شخص وقوف عرفہ نہیں کرتا اس کے لئے عرفہ کے دن روزہ رکھنا بہت زیادہ فضیلت کا حامل ہے، یہاں تک کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے والے کے اگلے ایک سال اور پچھلے ایک سال کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں ۔

ابو قتادہ انصاری کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یکفر السنۃ الماضیۃ والباقیۃ ۔ یعنی عرفہ کے دن کا روزہ ایک سال پیچھے اور ایک سال آگے کے گناہ کا کفارہ ہوتا ہے ۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ ۔ ••••

افتتاحیہ

امریکہ کا نیا عالمی نظام

امریکی صدر مسٹر جارج بش نے سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد "نئے عالمی نظام" کا اعلان واضح الفاظ میں کیا ہے جس سے اس کے مقاصد عیاں ہیں، اس وقت تجزیہ نگاروں کے لئے یہ بڑا جاذب فکر و نظر موضوع ہے۔ بعض اہل نظر کہتے ہیں کہ عالمی نظام کا امکان نہیں ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے ماضی قریب کی انسانی تاریخ بتاتی ہے کہ اقوام عالم ایک مخصوص طرز فکر و عمل کی اتباع میں یا از راہ مجبوری دو عالمی گروپوں کی شکل اختیار کر کے دو عالمی جنگوں میں شریک ہوئیں اور فتح و شکست کے فیصلہ کے بعد صلح و امن کے دور میں اقوام متحدہ کے عالمی فرامین کی بجاآوری کی سعی بیشتر اقوام کی طرف سے ہوئی ہے، ان فرامین میں عدل و قسط اور مساوات حقوق انسانی کی پاسداری کس مقدار سے کی گئی ہے، یہ ایک دوسرا مسئلہ ہے لیکن نفس فرامین کا وجود ایک حقیقت ہے۔ انسانی تاریخ یہ بھی بتاتی ہے کہ تمدنی ترقی کے قدم جس طرح آگے بڑھتے جاتے ہیں کرۂ ارض کے وسیع و عریض صحراؤں اور سمندروں کے فاصلے اسی قدر سمٹتے جاتے ہیں یہاں تک کہ تمام اقوام عالم ایک کنبہ کے افراد معلوم ہونے لگیں، ایسے میں عالمی نظام کا وجود نہ صرف ممکن بلکہ ضروری ہوگا، ساتھ ہی پاکیزہ انسانی شعور ایسے کامل عادلانہ عالمی نظام سے بھی انکار نہیں کر سکتا جو کرۂ ارض پر بسنے والی تمام اقوام اور سارے بنو آدم کو مساوات حقوق، عدل و انصاف حریت اور حقیقی امن سے ہمکنار کر دے۔ خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے علم نبوت سے ایسے دور کا پتہ دیا ہے جب کرۂ ارض کا عالمی نظام صرف اسلام ہوگا، اس سے پہلے کا دور عالم انسانیت پر نہایت مہیب گھنی تاریکیوں کا دور ہوگا، ظلم اور شیطنت سے بھرا ہوا اقوام یہود کا دور، آج کی تمدنی ترقی نے اقوام عالم کو ایک دوسرے سے کتنا قریب کر دیا ہے وہی قربت عالمی نظام کی اساس ہے، البتہ وہ قربت جو سیاہ و سفید اور نسل و قوم کے مصنوعی مگر سنگین امتیاز کو مٹا کر اقوام عالم کے

دلوں بلکہ روحوں کو ایک کر دے یہ کام جس عالمی نظام کا ہے وہ صرف اور صرف اسلامی عالمی نظام ہے ، تاریخ انسانی کا یہ عظیم ترین عمل اقوام عالم کے وہ جیالے انجام دیں گے جن کے دل نورِ اسلام سے منور ہو چکے ہیں، جن کی نمازیں اور قربانیاں اور جن کا جینا اور مرنا صرف اللہ رب العٰلمین کے لئے ہے جنہیں رنگ و نسل کے پُرغرور سروں کے مقابل تمام انسانوں میں مساوات عزیز ہے ۔

مسٹر بش کا نیا عالمی نظام بنیادی طور پر سیاسی اور اقتصادی ہے، لیکن اس کا ایک قوی محرک یہ بھی ہے کہ اس کے جلو میں امریکہ اور یورپ کی مغربی تہذیب و ثقافت اور مذہب کو بطور آئیڈیل سارے عالم پر نافذ کیا جائے، امریکی صدر نے اسے "نئے نظام" کا نام اس لئے دیا ہے کہ سوویت یونین جو سیاسی اور حربی قوت کے اعتبار سے امریکہ اور آزاد صلیبی دنیا کا حریف تھا ٹوٹ چکا ہے، اس کے آہنی پنجوں سے مشرقی یورپ آزاد ہو چکا ہے، مسٹر بش اب دونوں عالمی جنگوں سے پہلے کا ایسا متحدہ یورپ دیکھنے کا عزم رکھتے ہیں جو امریکی عالمی سیادت پر ایمان رکھتے ہوئے دیگر اقوام کے مقابل متحدہ سیادت کا حامل ہو، امریکی صدر نے اسے "نئے نظام" کا نام اس لئے بھی دیا ہے کہ اب انھیں دنیائے صلیبیت کے قدیم حریف "عالم اسلام" میں سیاسی اقتصادی، تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی زاویوں سے بلا واسطہ نئے نئے تصرفات کے مواقع میسر آ سکتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ سرزمین عالم اسلام سے اس نئے نظام کا آغاز ہو چکا ہے، جنگ خلیج اس کا عملی نقطۂ آغاز ہے مشرق وسطٰی دولِ خلیج، الجزائر، لیبیا، پاکستان، افغانستان، سوویت یونین کی آزاد مسلم جمہوریتوں اور عالم اسلام کے شرق و غرب اور شمال و جنوب میں واضح تصرفات دیکھے جا رہے ہیں، اسی طرح دنیا کے دوسرے چھوٹے بڑے ممالک کو بڑی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کے ذریعہ سیاست و اقتصاد کے زاویہ سے نقطہائے اشتراک مہیا کئے جا رہے ہیں جن میں سیادت کا براہ راست ابیب واشنگٹن سے نیا رابطہ بالکل نمایاں ہے ۔

بعض سیاسی مبصرین یہ رائے رکھتے ہیں کہ مسٹر بش کا "نیا عالمی نظام" اقوام عالم پر نافذ ہو سکے گا ؟ اس کا امکان نہیں ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ عین ممکن ہے، اگر جارج بش اور ان کے لفظ "نیا" کو ہٹا کر عالمی تاریخی تسلسل پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایک مضبوط عالمی نظام ایک صدی پیشتر سے دنیا پر نافذ ہے اور جارج بش کے نئے عالمی نظام کا اعلان اپنی اصل کے اعتبار سے اسی کا امتداد ہے، دنیا کی تمام اقوام سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے اس نظام کی اسیر ہیں، وہ قوم یہود کی عالمی شہنشاہیت کا یہ دن چڑھتا عالمی نظام

ہے، عالمی اقتصادیات کی روح سونا، عالمی سرمایہ، عالمی میڈیا، عالمی بینک اور کثیرالقومی مالیاتی اور تجارتی ادارے اور بھاری سودی قرضوں کے عوض اقوام عالم کے تمام حکمراں طبقات قوم یہود کی ملکیت ہیں، سیاسی اقتصادیات میں اس قوم کی بے مثل مہارت ہی کا کرشمہ ہے کہ سرد جنگ کے خطرناک دور میں دو حریف سپر پاور طاقتوں کی یکساں طور پر یہ قوم منظور نظر رہی ہے، اقوام عالم کے بڑے بڑے انقلابات اور طوفانوں کے بیچ سے گذرتی ہوئی تاریخ ایک صدی سے زیادہ عرصہ سے ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں ہے، ہر آنے والا انقلاب یہودی عالمی شہنشاہیت کو مضبوط تر کر جاتا ہے، اس لئے کہ ہر انقلاب کے پیچھے عالمی صہیونیت کی منصوبہ بندی اور حکمت عملی کی مضبوط ترین کارفرمائی ہوتی ہے۔ دو عالمی جنگوں سے نظام عالم شکست و ریخت ہو کر ازسرنو یہودی عالمی شہنشاہیت کے زیر فرمان آگیا اس لئے کہ دونوں جنگیں ٹھیک ٹھیک یہودی منصوبے کے مطابق لڑی گئیں، یورپ کی زبردست طاقت جرمنی کو نسلی غرور کا نشہ پلانے اور عالمی جنگ میں ٹکرا کر ذلیل خوار کر دینے کا منصوبہ یہود کا تھا، روس کو الحادی کمیونزم کی شراب پلا کر مشرقی یورپ اور وسط ایشیائی مسلم ممالک کو اس کے خونیں پنجوں میں تھما دینے کی حکمت عملی عالمی صہیونیت کی تھی، مشرق میں ترک نما یہودی مصطفےٰ کمال کے ذریعہ خلافت عثمانیہ کو لخت لخت کرکے عالم اسلام کو نت نئے فتنوں کے حوالہ کرنے اور مغرب میں منتشر یورپ سے صلیبی قیادت ریاستہائے متحدہ امریکہ منتقل کرنے کی حکمت عملی عالمی صہیونیت کی تھی، عرب نما یہودی صدام حسین کو ام المعارک کا جنون عطا کرکے عربوں کو دفاع پر مجبور کرنے اور اٹھائیس اتحادی طاقتوں کو طویل عرصہ کے لئے خلیج میں اکٹھا کر دینے کی حکمت عملی عالمی صہیونیت کی تھی۔ خلیج میں اتحادی قوتوں کے اجتماع سے جب عالمی صہیونیت کو یقین ہوگیا کہ عظیم اسرائیل کی منزل قریب آگئی ہے اور وقت آگیا ہے کہ یہودی عالمی شہنشاہیت کے رخ پر طویل مدت سے پڑے ہوئے پردے کو ہٹا دیا جائے تو سوویت یونین کے شکست و ریخت اور امریکی صدر مسٹر جارج بش کو "نئے عالمی نظام" کے برملا اعلان کا اذن صادر کر دیا۔ جارج بش نے اپنے اعلان میں کہا ہے کہ: ہم مغربی دنیا کے قائد ہیں اس لئے ساری دنیا کے قائد ہیں، ہم دنیا کی تمام تحریکات حریت کی حمایت کسی تکبر یا جذبۂ ایثار کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اپنی نئی نسل کے تحفظ کے لئے کریں گے، ہمیں دنیا کا معاشی قائد بھی برقرار رہنا ہے، ہمیں عالمی تجارت کی سب رکاوٹیں دور کرکے ہر جگہ "کھلے بازار" کے قیام کی سعی کرنی ہے، ہمیں تعلیم میں بھی دنیا کا قائد رہنا ہے، ہم سب سے حریت پسند سب سے رحم دل اور سب سے طاقتور

قوم ہیں۔ صدر بش کے یہ بڑے بول اصلاً عالمی صہیونیت کی نئی منصوبہ بندی اور جدید حکمت عملی ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے پون صدی تک عالمی کمیونزم اس کے منصوبہ اور حکمت عملی کا ایک حصہ تھا، ایک خاص مرحلہ پر اسے بھی تاریخ کے حوالہ کر دیا جائے گا کیونکہ بالآخر تمام اقوام عالم پر مطلق العنان یہودی عالمی شہنشاہیت نافذ کرنی ہے، ویسے تاریخ کے موجودہ احوال و ظروف میں اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہود اور اقوام نصاریٰ کے حکمراں طبقات نے ۔ عام نصرانی اس سے مستثنیٰ ہیں ۔ اپنے تمام مذہبی اور سیاسی اختلافات کو بظاہر فراموش کر کے ایسی ہم آہنگی اختیار کر لی ہے کہ عالمی سطح پر ان کے سیاسی اور معاشی مفادات میں کسی بڑے تصادم کا امکان نظر نہیں آتا، اس لئے اس کا قوی امکان ہے کہ مسٹر بش کا " نیا عالمی نظام " اس شرط کے ساتھ نافذ ہو جائے کہ مسیحی دنیا عظیم اسرائیل اور مطلق العنان یہودی عالمی شہنشاہیت کی راہ کی تمام رکاوٹیں دور کرنے میں عالمی صہیونیت کے لئے ماضی کی طرح مستقبل میں بھی خاموش اطاعت گذار اور آلۂ کار کا کام مسلسل دیتی رہے۔ یہود کو اپنے اس منصوبہ میں کامیابی کا مکمل یقین ہے، دنیائے مسیحیت کے حکمراں طبقات کو چھوڑ کر بقیہ لوگوں کی اکثریت یہودیوں سے متعلق صدیوں سے تلخ ترین تجربہ رکھتی ہے اور صہیونیوں کے شیطانی عالمی عزائم سے متوحش اور متنفر ہے، بقیہ دنیا کے عوام کو خاص طور سے بھارت کے عوام کو اب تاریخ میں پہلی مرتبہ یہودیوں سے قربت کے تجربات ہوں گے جو یقیناً مسلمانوں اور عیسائیوں کے تجربات کی طرح تلخ ترین ہی ہوں گے۔

بہرحال امریکی صدر مسٹر بش کے " نئے عالمی نظام " کا آغاز ہو چکا ہے، اس کا آغاز اسلام کی مقدس سرزمین سے ہوا ہے، عالم اسلام کے اہم ترین ممالک کے اشتراک سے اس کا آغاز ہوا ہے، تاریخ عالم میں پہلی بار اسلام اور عیسائیت نے ظلم و عدوان اور سلب و نہب کے خلاف نہایت عظیم پیمانہ پر متحد ہو کر فتح و کامرانی حاصل کی ہے، ہمیں اس عظیم اشتراک و اتحاد کو ملت اسلامیہ کی جدید تعمیر، دنیائے عیسائیت کے ساتھ افہام و تفہیم اور قربت و مودت اور اقوام عالم میں رنگ و نسل کی تمیز مٹا کر مساوات کے قیام کے لئے استعمال کرنا چاہئے، اس موقعہ پر ہمیں خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ: مومن کا ہر معاملہ خیر ہی خیر ہے، یہ خصوصیت مومن کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں، اگر اسے مسرت کا مرحلہ درپیش ہو تو شکریہ ادا کرتا ہے۔ اور یہ اس کے لئے خیر ہے، اور اگر اسے مضرت کا مرحلہ درپیش ہو تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لئے خیر ہے، ناشکرے اور ناصبرے غیر مومن لوگ اپنا ہر کام فساد اور بگاڑ کے حوالہ کر دیتے ہیں

اگر ملت اسلامیہ واقعتاً ایمان کے وصف سے متصف ہے تو یقیناً اسلام اور عیسائیت کے اس عظیم اشتراک واتحاد سے وہ وہی فوائد حاصل کر سکتی ہے جو عصر نبوت میں پاکباز گروہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صلح حدیبیہ کی عظیم الشان صلح سے حاصل کئے تھے، اس موقعہ پر اگر ہم ملت کو خدشات کے حوالہ کر دیں کہ خلیج میں اتحادی فوجوں کی آمد سے ہم دب گئے، عالمی سازش کے شکار ہو گئے، عربوں کی دولت پوری طرح لٹ جانے کا وقت قریب آگیا، عظیم اسرائیل کے قیام کی منزل اب دور نہیں! تیسری عالمی جنگ اب سرزمین اسلام پر لڑی جائیگی اور ملت اسلامیہ تباہ و برباد ہو جائے گی، اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ان میں بیشتر خدشات بجا ہیں تو کیا صرف خدشات سے ہماری مشکلات رفع ہو سکتی ہیں؟ یا ہمیں اس کے لئے کوئی منصوبہ بندی اور حکمت عملی بھی اختیار کرنی چاہئے ہم اپنے خدشات سے امت محمدیہ کو تہتر فرقوں میں بٹنے سے نہیں روک سکے، ہمارے خدشات عظیم بغداد کی تباہی، خلافت عثمانیہ کے سقوط اور اپنی ہی سرزمین پر اسرائیل کے بطور ایک حقیقت وجود پذیر ہو جانے کو نہیں روک سکے اور نہ ہی ہم اپنے خدشات سے مستقبل میں ظہور دجال کے فتنۂ عظیم کو ناممکن الظہور بنا سکتے ہیں، ایسی صورت میں ہمارے اوپر یہی پہلی اور آخری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ: تم سب سے بھلی امت ہو تمہیں صرف اسلئے برپا کیا گیا ہے کہ تمام انسانوں کو تمام بھلائیوں کا حکم دو اور تمام برائیوں سے روکو، اور اللہ پر ایمان رکھو، یہ فریضہ نہ صرف عام مسلمانوں کا بلکہ سب سے پہلے تمام مسلم حکمرانوں کا ہے انہیں چاہئے کہ دعوت دین اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وزارتیں اپنے اپنے ملک میں قائم کریں اور اس دعوتی سلسلہ کو پورے زور و شور سے قائم و دائم رکھیں جسے عالمی پیمانہ پر مملکۂ سعودیہ عربیہ کویت اور دوسرے اسلامی ممالک قطر کب سے عرصہ سے قائم کئے ہوئے ہیں، یاد رکھئے عالمی صیہونیت کی تجوریاں سونے اور سرمائے سے بھری پڑی ہیں لیکن اس کی جھولیاں پیغمبروں کی تعلیمات سے یکسر خالی ہیں، وہ بھاری سودی قرضوں سے لوگوں کے جسم و دماغ خرید کر انہیں اپنی طرح انسانیت سے عاری اور شرافت سے بانجھ بنا سکتی ہے لیکن اسلامی تعلیمات کے ستاروں کی روشنی سے کالوں اور گوروں کی مصنوعی مگر سنگین تمیز مٹانا، نسل و قوم کے جاہلانہ غرور کو ختم کر کے بنو آدم میں مساوات قائم کرنا، رسولوں کی اس بیش بہا دولت کے امین ہم ہیں، اسی راہ سے ہم اقوام عالم کو حقیقی حریت، حقیقی امن اور حقیقی عظمت کے مقام پر فائز کر سکتے ہیں، اگر عالم اسلام اور اسکے حکمراں اپنے اس حقیقی اور اولین فریضہ کی ادائیگی کے لئے دل سے تیار ہو جائیں تو مسٹر بش کے نئے عالمی نظام کیلئے اس سے بہتر اور کوئی تعاون نہ ہوگا، اس میں عظیم امریکی قوم کیلئے حقیقی سعادت اور حقیقی امن مضمر ہے، اس سے مغربی عوام کی پیاسی روحوں کو لازوال سیرابی حاصل ہوگی اور مشرقی عوام اس سے نئی زندگی پائیں گے۔ ....

برطانیہ کی
مسلم پارلیمنٹ

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی

اسال ۴؍ جنوری کو لندن میں، اس برطانوی پارلیمنٹ کے بخیر و عافیت موجود ہوتے ہوئے جو مادرِ پارلیمان (MOTHER OF PARLIAMENTS) کہلاتی ہے، ایک نئی پارلیمنٹ کا افتتاح ہوا جس کا نام "مسلم پارلیمنٹ" بتایا گیا ہے، اور بی بی سی لندن نے ان نشریوں میں جو ہندوستان کے اندر سنے جاتے ہیں، اس پارلیمنٹ کی افتتاحی کارروائیوں کا اتنا متواتر تذکرہ اور ان پر تبصرہ کیا کہ ہندوستان کے دوران قیام گذشتہ دو ماہ (جنوری، فروری) میں جہاں کہیں آنا جانا اور رہنا ہوا، لوگوں نے اس پارلیمنٹ اور اس کے بانی مبانی ڈاکٹر کلیم صدیقی کے بارے میں ضرور پوچھا۔ حتیٰ کہ خیال ہونے لگا کہ ایک لندن باسی (LONDON BASED) کی حیثیت سے اس بارے میں اپنی معلومات، خیالات اور تاثرات کا کچھ تفصیل سے اظہار شاید ایک مفید کام ہوگا، ذیل کی یہ سطریں اسی خیال کے ماتحت تحریر میں لائی جا رہی ہیں۔

برطانیہ کی ۵½ کروڑ آبادی میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس لاکھ ہے، اور اس تعداد کا بیشتر حصہ گذشتہ تیس پینتیس سال کے اندر ہندوستان، پاکستان اور دوسرے ایشیائی، افریقی ممالک سے وہاں پہونچا ہے، یہ "آٹے میں نمک" جیسی نسبت رکھنے والے نو وارد بیرونی عناصر۔ اور وہ بھی مسلمان۔ قلب لندن میں ایک "پارلیمنٹ" کے نام سے کوئی چیز بنائیں، اور برطانوی ذرائع نشر و اشاعت اسے ایک فراخدلانہ اور غیر جانبدارانہ قسم کی پبلسٹی سے نوازیں تو ایک غیر معمولی درجے کا سادہ لوح ہی کوئی ہو سکتا ہے جو بدیہی طور پر اس دال میں کچھ کالا نہ محسوس کرے۔

اور وہ "کالا" یہ ہے کہ اس پارلیمنٹ کی تخلیق بھی دراصل اسی برٹش میڈیا کی رہین منت ہے جس نے اسے حیرت انگیز قسم کی پبلسٹی سے نوازا ہے، اتنا تو خود ڈاکٹر صدیقی کا اپنا بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ وہ جو

ادارہ قائم کر رہے تھے اس کا نام "کاؤنسل آف برٹش مسلمز" تجویز کیا گیا تھا، اسے "مسلم پارلیمنٹ" کا نا
میڈیا نے دیا ہے جسے انہوں نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا۔ اس کے علاوہ میڈیا کا جو حصہ اس کی تخلیق
میں ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

جیسا کہ عام طور پر معلوم ہے ستمبر ۸۸ء میں سلمان رشدی کا ناول "شیطانی آیات" لندن
ایک بڑے پبلشر نے شائع کیا تو بعض اسباب سے اسکے خلاف سب سے پہلا مسلم ردعمل ہندوستان سے ہوا
اور اس کی بازگشت نے برطانیہ کے مسلم حلقوں میں فوراً ہی ایک حرکت پیدا کر دی جو برطانوی حکومت
سرد مہری اور پبلشر کے نامناسب رویئے کی بناء پر شدت پکڑتی گئی حتی کہ ۱۴ر جنوری ۸۹ء کو بھاری مسلم آبا
کے شہر بریڈفورڈ میں وہاں کی مساجد کونسل کے زیر اہتمام اس شیطانی کتاب کو سر عام جلا کر اپنی ناراضگی
اظہار کیا گیا، اور ۲۸ر جنوری کو لندن کی اسلامک ڈیفنس کونسل کے زیر اہتمام ملک بھر سے جمع ہونے وا
۲۵ - ۳۰ ہزار آدمیوں نے لندن کے مشہور ہائیڈپارک کارنر سے پبلشر پینگوئن کے آفس تک ایک مثا
قسم کا طویل مارچ کر کے اپنا احتجاجی میمورنڈم دیا۔

ڈاکٹر کلیم صدیقی اور ان کی سرکردگی میں کام کرنیوالا مسلم انسٹی ٹیوٹ (لندن) جو ایرانی انقلاب
بعد سے ایران پسند سرگرمیوں کا ایک سرگرم مرکز ہے، اور ایک پندرہ روزہ اخبار بھی اس سلسلے میں نکا
ہے۔ اکتوبر، نومبر، دسمبر اور جنوری یعنی پورے چار ماہ کے عرصہ میں اس تمام قضیئے سے پورے طور پر یکسو ا
بے تعلق رہے، حالانکہ اس دوران میں وہ وقت بھی آیا کہ بریڈفورڈ کی کتاب سوزی پر برطانوی میڈیا
اٹھا، اور مسلمانوں کے خلاف آسمان سر پر اٹھا لیا۔ شاید اس کا راز یہ ہو کہ ایران بھی اس وقت تک
بے تعلق چل رہا تھا جیسا کہ بیشتر مسلم ممالک کا حال تھا، لیکن اُدھر ایک دن (۱۴ر فروری کو) ایرا
کی خاموشی ایک دھماکہ خیز انداز میں (یعنی آیت اللہ خمینی صاحب کے ایک "امامی" فرمان سے) ٹوٹی، جس میں
مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ اس کتاب کے مصنف اور ناشر کو قتل کر ڈالیں، اور اِدھر کلیم صاحب اور ان
کے اخبار اور انسٹی ٹیوٹ کی خاموشی بھی اسی کے ساتھ ٹوٹ گئی۔

برٹش میڈیا جو کتاب سوزی کے واقعہ پر چراغ پا ہو رہا تھا، دیکھنے والوں نے بڑی حیرت سے دیکھا
ڈاکٹر کلیم صاحب خمینی صاحب کے فرمان قتل کی حمایت میں شمشیر برہنہ ہو کر اس میڈیا کے سامنے آئے تو ان

ساتھ اس کا معاملہ وہ نہیں تھا جو کتاب سوزی کا "جرم" کرنے والوں بلکہ خود خمینی صاحب کے ساتھ تھا، رشدی سے یکجہتی کا وہ پرجوش اظہار کرتے ہوئے جو پوری مغربی میڈیا برادری کر رہی تھی، یہ برٹش میڈیا مسٹر صدیقی کو بھی بھرپور مواقع فراہم کر رہا تھا کہ رشدی کے لئے خمینی صاحب کے فرمانِ قتل کی پرزور حمایت کر کے مسلمانوں کی داہ داہ لوٹیں اور ہیرو بنیں، وہی اخبارات جو خمینی صاحب سے بیحد خفا تھے کلیم صاحب کے پورے پورے صفحے کے انٹرویوان کی آدھے آدھے صفحے کی پرکشش تصویروں کے ساتھ چھاپ رہے تھے، اور مختلف بہانوں سے وقتاً فوقتاً چھاپتے رہے۔

فروری ۱۹۷۹ء سے (جب سے کہ خمینی صاحب ایران میں انقلاب لائے) فروری ۱۹۸۹ء تک (جب کہ خمینی صاحب نے رشدی کے لئے قتل کا فرمان جاری کیا) ڈاکٹر صدیقی ایرانی انقلاب کے پیغام کی توسیع واشاعت میں جو کچھ بھی سرگرمیاں کرتے رہے، اور بڑے استقلال وانہماک سے کرتے رہے، ان سب میں برطانیہ کے اندر ان کی جولانیوں کا رقبہ مسلم انسٹی ٹیوٹ کی عمارت سے لندن یونیورسٹی کے لوگن ہال تک محدود رہا، جہاں وہ اپنے سیمینار اور جلسے کیا کرتے تھے اور جس کا انسٹی ٹیوٹ سے فاصلہ بس کوئی دو سو گز ہوگا، مگر برطانوی میڈیا کی نوازش نے انھیں دو سال کے اندر اس حیثیت پر پہونچا دیا کہ مسلمانوں کی ایک تعداد کی نگاہ میں وہ ہیرو بن جائیں، اور کل برطانیہ ان کی جولانگاہ بنے، اور بس یہیں سے "مسلم پارلیمنٹ" کی تخلیق ہوتی ہے۔

برٹش میڈیا کے علاوہ ایک اور مقامی عنصر کی معاونت کا بھی اس پارلیمنٹ کی تخلیق میں قابلِ ذکر حصہ ہے اور وہ عنصر ہے ہمارے بریلوی المسلک علماء اور پیرانِ طریقت کا۔

برطانیہ میں رشدی کی کتاب پر جو لوگ فوراً ہی حرکت میں آئے اور پھر ایک عمومی حرکت کے لئے کوشاں ہوئے وہ اتفاق سے وہ لوگ تھے جو بریلوی علماء کی زبان میں "وہابی" کہلاتے ہیں، قدرتی بات ہے کہ جو آگے بڑھے گا وہی قائد بھی بن جائیگا۔ الحمدللہ کہ مسلم عوام نے اس معاملے میں کسی تفریق کے خیال کو راہ نہ دی، جس شہر میں جس آدمی نے آواز لگائی لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہوگئے، مگر افسوس کہ بریلوی علماء اور پیرانِ طریقت کا طبقہ اس صورت حال سے خوش نہ رہا، اور (بعض مستثنیات کے ساتھ) عموماً کچھ دور دور رہنے کی وہی پالیسی ان حضرات نے اپنائی جو ایسے موقعوں پر عام طور سے تجربے میں آتی رہی ہے، ایسی حالت میں

جو کلیم صاحب کا سکوت ٹوٹا اور ایرانی فرمان کی حمایت میں وہ تمام تر ایرانی آداب و انداز کے ساتھ بایں طور میدان میں آئے کہ جو لوگ پہلے دن سے اس میدان میں کھڑے تھے، اور اتفاق سے ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو ایران نوازی کے سلسلے میں بھی منسلک ہو، ان کو انہوں نے سعودی ایجنٹ ہونے کی گالی دی اور ان دور کھڑے علماء و مشائخ کی طرف اعانت طلبی کا ہاتھ بڑھایا، تو ان حضرات کے لئے اس سے زیادہ خوش آئند بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ ان کو "وہابیوں" سے جدا ہی نہیں بلکہ سعودیوں کو گالی دینے والا بھی اسٹیج مل گیا، مسلم پارلیمنٹ کی تخلیق میں برٹش میڈیا کے ساتھ ان حضرات کی معاونت کا بھی یقیناً بڑا حصہ ہے۔

ان دو گروہوں کے تعاون سے برطانوی مسلمانوں کی زمین کا جو حصہ ڈاکٹر کلیم صاحب کے لئے ہموار ہوا اس کو انہوں نے ایک سیاسی گروہ کی شکل میں منظم کرنے کا فیصلہ کر کے "مسلم مینی فیسٹو" یا (مسلم منشور) کے نام سے ایک لائحہ عمل تیار کیا، اس کے بنیاد پر اپنے حلقۂ اثر کے شہروں میں "مسلم مینی فیسٹو گروپ" بنائے ان گروپس سے اس لائحہ عمل کی بنیاد پر نمائندے مانگے جن کا مجموعہ "مسلم پارلیمنٹ" کہلایا، اس بنا پر یہ منتخب لوگوں کی مجلس تو ضرور ہے، مگر بس ایک محدود حلقے کے لوگوں کی، اور اس محدودیت کے ذمہ دار خود کلیم صاحب ہیں ورنہ وہ اگر ایران کی خاص "انقلابی" زبان اور اس کے خصوصی آداب اپنے انسٹی ٹیوٹ ہی میں چھوڑ کر مسلم مسائل کے میدان میں آتے تو یقیناً آج ان کے ساتھ مسلمانان برطانیہ کا ایک وسیع تر حلقہ ہوتا۔

برطانوی مسلمان ایک اچھے لیڈر کے ضرورتمند ہیں، خاص کر رشدی قضیے کے بعد سے ان کی ضرورت زیادہ ہی بڑھ گئی ہے، اور متعدد افراد اور گروہ ہیں جو اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کوشاں ہیں، ایک لیڈر کو جن خصوصیات کا حامل ہونے کی ضرورت ہے ان خصوصیات کے اعتبار سے اگر ان سب امیدواروں کو جانچا جائے تو کم از کم راقم الحروف کی نظر میں سب سے زیادہ پوائنٹ لینے کے حقدار ڈاکٹر کلیم صدیقی نکلیں گے لیکن اس بدقسمتی کو کیا کیا جائے کہ انھیں مسلم قیادت کے لئے ایرانی ادائیں اس درجہ پسند آگئی ہیں کہ وہ ایران کی سرزمین اور برطانوی سرزمین کا فرق بھی اس معاملے میں محسوس نہیں کر سکتے، حالانکہ ایران کی نئی قیادت اب خود ایران میں ان ریڈیکل اداؤں کا باب بند دیکھنا چاہتی ہے، اور ادائیں ہی نہیں پسند آگئیں بلکہ ایرانی ریڈیکلزم

کی متابعت کا ایسا قلادہ انہوں نے اپنی گردن میں ڈال رکھا ہے کہ اس کے ٹیون (TUNE) کے بغیر وہ کوئی رقص نہیں کر سکتے اور اس کے ٹیون پر ہر رقص کے لئے آمادہ ہو سکتے ہیں، برطانیہ کے مسلم مسائل رشدی کے قضیے سے پہلے بھی تھے جن سے کبھی کلیم صاحب نے سروکار نہ رکھا اور خود رشدی کا قصہ عین کلیم صاحب کی ناک کے نیچے ساڑھے چار ماہ سے چل رہا تھا مگر اس میں بھی جب تک تہران سے سگنل نہ ہوا اُن کو اور ان کے نسٹی ٹیوٹ کو خبر تک نہ ہوئی، اور جب سگنل ہو گیا تو قتل و قتال تک کو بھی آمادہ ہو گئے۔

اس کے علاوہ ایک ایسی قیادت کی خطرناکی کا کیا اندازہ ٹھیرایا جا سکتا ہے جس کی نظر اپنے عمل کا رُخ اور انداز متعین کرنے کے لئے برٹش میڈیا کی توجہ اور بے توجہی پر رہتی ہو، اپنی مشاورتی کاؤنسل کیلئے "کاؤنسل آف برٹش مسلمز" کا مجوزہ نام چھوڑ کر "مسلم پارلیمنٹ" کا عنوان اختیار کرنے کے سلسلے میں کلیم صاحب خود ہی اقرار کر چکے ہیں کہ جب ہماری مجوزہ کونسل کو میڈیا نے پارلیمنٹ کا نام دینا شروع کیا تو ہمیں اندازہ ہوا کہ اس نام کے ساتھ ہماری کارروائیوں کا زیادہ نوٹس لیا جائے گا، اس لئے یہ نام ہم نے قبول کر لیا۔ برٹش قوم اور برٹش میڈیا کو دن رات خالص "خمینی" اسٹائل میں اسلام دشمن اور مسلم دشمن گردانا مگر پبلسٹی نے ور (FAVOUR) حاصل کرنے کے لئے اس کی پسند کا پوز دینا، کم از کم برطانیہ میں تو ایک مسلم قیادت کے لئے اس سے بڑھ کر خطرناک کمزوری مشکل ہی سے کوئی دوسری ہو سکتی ہے؟

ڈاکٹر کلیم صدیقی میں اگر یہ تین کمزوریاں نہ ہوتیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا، تو برطانوی مسلمانوں کے جس حلقے نے بھی انہیں اپنا لیڈر مانا تھا اس کو واقعی ایک اچھا لیڈر پانے کے لئے مبارکباد دی جا سکتی تھی۔ لیکن اگر یہ نہیں دی جا سکتی تو اس میں قصور ڈاکٹر صاحب کا نہیں اپنی مسلمان قوم کا ہے۔ قوم اگر مسلم مسائل میں ڈاکٹر صاحب کی سرپرستی اور رہنمائی قبول کرنے سے پہلے اس ضروری سوال کا بھی کوئی اطمینان بخش جواب اُن سے لینے کی ضرورت نہیں سمجھتی کہ دوسرے مسائل تو درکنار رُشدی کے جیسے قیامت خیز مسئلے میں بھی آپ اس وقت تک برطانوی مسلمانوں سے کیونکر بے تعلق رہ سکے جب تک ایران سے سگنل نہ مل گیا؟ تو ظاہر ہے کہ اسے ڈاکٹر صاحب سے زیادہ اچھے لیڈر کی بازیافت ہو بھی نہیں سکتی۔

اور یہ ڈاکٹر صاحب کی سرپرستی کا قصہ تو پھر بھی ایک چھوٹا قصہ ہے، ہمارا حال تو جذباتی معاملات میں فہم و فکر کے تقاضوں سے بے اعتنائی میں اس درجے کو پہونچا ہوا ہے کہ افغانستان میں جہاد کا علم بلند ہوا،

اور اس کا مقصد کمیونسٹ حکومت کو ہٹا کر ایک خالص اسلامی حکومت کا قیام ٹھیرا مگر جب اس جہاد اسلامی کو امریکہ نے اپنے ایک مقصد (روس کی روسیاہی) کے لئے استعمال کرنے اور اس کے بعد مجاہدین کا مقصد ہرگز پورا نہ ہونے دینے کا منصوبہ باندھ کر ان مجاہدین کی طرف" دامے درمے قدمے سخنے " مددگاری اور سرپرستی کا ہاتھ بڑھایا جن کے اپنے وسائل روس سے نبرد آزما ہونے کے ہرگز نہ تھے تو جوش جہاد میں مجاہدین کے تمام گروپوں میں سے کسی ایک گروپ کی بابت بھی تو سننے میں نہ آیا کہ اُسے اسلامی حکومت کے لئے جہاد اور امریکہ کی سرپرستی میں کوئی تضاد نظر آیا ہو! ہاں اب جب اس تضاد نے اپنے طبعی نتائج بھی سامنے لاکر رکھ دیئے تو ہمیں کچھ سمجھ تو آئی، مگر افسوس کہ اب بھی ملامت کا نشانہ اپنے بجائے امریکہ ہے۔ ظاہر ہے کہ امریکہ کی سرپرستی قبول کرنے کے مقابلے میں کلیم صدیقی صاحب کی سرپرستی قبول کرنے کا معاملہ یقیناً بہت چھوٹا ہے اور کم از کم برطانیہ کے ان مسلمانوں کو اس پر اعتراض نہ ہونا چاہیئے جو اس سرپرستی پر راضی رہے اور آخر تک اچھے نتائج کی امید لگائے رہے۔

خدا ہماری مدد فرمائے اور ٹھنڈی سمجھ سے نوازے۔ آمین!

...

(بشکریہ الفرقان لکھنؤ)

جماعت اہلحدیث ہند کے چند بڑے لوگ

ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی

کسی قوم کو مٹانے کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس کی یادداشت ختم کر دی جائے۔ اس کی ثقافت اور اس کی تاریخ کو برباد کر دو، کچھ ہی زمانہ گذرے گا کہ وہ قوم بھول جائے گی کہ وہ کیا ہے اور کیا تھی ۔ ــــــــــــ (ایک ادیب کنڈیرا)

یوں تو ہندوستان میں تحریک اہلحدیث کے اثرات ہر زمانے میں کہیں کہیں ضرور پائے جاتے رہے (الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر) لیکن قدرت نے ہندوستان کی تیرہ و تاریک فضا کو قال اللہ و قال الرسول کے ذریعے منور کرنے کے لئے " ولی اللہ " کی شخصیت کو مخصوص کر دیا تھا، اسلامی شعار بلکہ خود اسلام عجمیت کے باطل نظریات کے نرغے میں آچکا تھا، عجمی عقائد و رسومات مسلمانوں کے رگ و پے میں سرایت کر چکے تھے، اجتہادؔ پر قفل پڑ چکا تھا، احادیث صحیحہ کا پیش کرنا " شافعیت " کی تبلیغ سمجھا جانے لگا تھا۔ پورے ہندوستان میں " مردے مقلد روایتے از ابوحنیفہ بیار " کا نعرہ گونج رہا تھا۔ " محل حجت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیثیں سننے سے انکار " "فقہ حدیث پر مقدم ہے" " حدیث شافعی کی متمسک ہے " یہ تھے اس وقت کے مذہبی رجحانات اور خیالات، ان حالات میں کسی عالم کا براہ راست کتاب و سنت کی اشاعت و تبلیغ کتنا مشکل اور کٹھن کام تھا، لیکن یہ اللہ کا فضل ہے جسے نواز دے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ ۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ولادت باسعادت ۴ر شوال ۱۱۱۴ھ وفات ۱۱۷۶ھ ، شاہ صاحب کا گھرانہ علم و عمل کی دولت سے معمور تھا، شاہ صاحب نے اپنے گھر کے چشمۂ فیض سے اکتساب کیا، تعلیمی مراحل سے گذر کر درس و تدریس کی منزل کو پہونچے، دل میں

امت مسلمہ کا غم تھا، اصل دین سے مسلمانوں کی بے رغبتی کا مشاہدہ کر چکے تھے، اس لئے انہوں نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو کتاب وسنت کی دوری قرار دیا، چنانچہ سب سے پہلے قرآن حکیم کا دیسی زبان میں ترجمہ کیا تاکہ عوام قرآنی احکام ومطالب سے براہ راست فیض یاب ہو سکیں، افہام وتفہیم کا سلسلہ بھی شروع کیا، ایوان بدعت میں زلزلہ آنا ہی چاہئے تھا آیا اور خوب آیا لیکن باعزیمت انسانوں نے اس کی پرواہ کب کی، شاہ صاحبؒ اپنے موقف پر ڈٹے رہے، صدیوں کے زنگ آلود ذہنوں کو صیقل کرنا اور پھر قرآن وسنت کا چسکہ لگانا کوئی سہل کام نہ تھا مگر اللہ کے نیک بندے جنہیں دعوت الٰہی کا کام سونپا جاتا ہے وہ سب صرف اللہ کے بھروسے اپنے مشن میں جٹ جاتے ہیں، آپ نے تقلیدی رجحانات کے مضرات سے لوگوں کو آگاہ کیا، مسلمانوں میں فکری، نظری جمود وتعطل کو اس کا سبب قرار دیا، شاہ صاحبؒ نے محدثین کے طریقۂ کار کے مطابق احادیث وسنت کی تشریح وتعبیر کیا، بلا کسی حیل وحجت کے صحیح مرفوع احادیث کو قبول کیا خواہ وہ کسی بھی علماء کے آراء کے خلاف ہی کیوں نہ رہی ہو۔ توحید کے تقاضوں کو (مسلمانوں میں غلط عقائد سرایت کر چکے تھے) اجاگر کیا۔ کون جانتا تھا کہ یہ بنیاد جس کو یہ قائم کر رہے تھے آگے چل کر ہندوستانی مسلمانوں کے لئے سنگ میل کا کام دے گی۔ شاہ صاحب کے علمی وفکری کارنامے ہمارے لئے باعث افتخار ہیں، آپ کی تصنیفات کی تعداد تقریباً ۵۰ ہے، جس میں مختلف موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔ سب سے اہم تصنیف حجۃ اللہ البالغہ ہے، اس میں اسرار شریعت کے مباحث کا بیان ہے، یہ بڑی معلوماتی کتاب ہے حکمت وفلسفہ سے معمور ہے۔ مسئلہ تقلید اور عمل بالحدیث اور باب الفرق بین اہل الحدیث والرائے، جیسے موضوعات پر سیر حاصل بحث کیا ہے، اس کتاب کو سمجھنے کے لئے شاہ صاحب کی دیگر کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے، بہرحال شاہ صاحب کے فکری ونظری کارنامے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے رہنما ہیں۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۱۵۹ھ، وفات ۱۲۳۹ھ۔

کہتے ہیں کہ " ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات " اسی کو عربی میں یوں کہا گیا ہے " اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ " یہ شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے، مسند تحدیث اور خلافت انہیں کو تفویض ہوئی، علم وعمل، فکری ونظری آگہی ورثے میں ملی تھی، انہوں

نے اپنے والد کی چلائی ہوئی تحریک کو قائم ودائم رکھا، درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے ذریعے اس کو سیراب کرتے رہے۔ اس دور میں سب سے بڑی بیماری مسلمانوں میں تقلید کی تھی، ایسی تقلید کہ قرآن وسنت کا سمجھنا اور براہ راست اخذ کرنا گناہ عظیم تھا، ایسے وقت میں کسی عالم کا کھل کر رد کرنا بڑی عزیمت کا کام تھا۔ شاہ عبدالعزیز کا خامۂ مبارک تقلید کے رد میں یوں رواں ہوتا ہے "حقیقت میں اگر مقلدین مذہب میں تلاش کریں تو پائیں گے کہ یہ تقلید یہاں تک پہنچا چکی ہے کہ فقہاء کو قول حدیث کے مقابل لاتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں اور یہ اسی قبیل سے ہے کہ علماء کو پیغمبر کا درجہ دیتے ہیں بلکہ خدا تک .. ظاہر ہے تکلیف اور نصب شریعت کا منصب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور بغیر نص قطعی کے کسی کو اس قسم کا منصب دینا شرک محض ہے، نعوذ باللہ منہا" فتاویٰ عزیزی ص ۱۷۵ بحوالہ تراجم علماء اہلحدیث ہند۔

اسی طرح فاتحہ خلف الامام کے متعلق ارشاد گرامی ہے۔ نزد فقیر ہم قول شافعی راجح است واولیٰ چراکہ بملاحظہ حدیث صحیح لاصلوٰۃ الخ، اہلحدیث امرتسر ستمبر ۱۹۳۴ء۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک آزادیٔ فکر کے سلسلے میں آپ کے صاحب زادگان کو جن آزمائشوں سے گذرنا پڑا تھا اس کا اندازہ صرف اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب شاہ رفیع الدین نے ۱۷۷۶ء میں قرآن پاک کا اردو ترجمہ کیا تو آپ کا ہاتھ قلم کرادیا گیا۔

شاہ صاحب کے کارناموں کو سمجھنے کے لئے اس دور کے تاریخی، مذہبی حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔ شاہ صاحب (ولی اللہ) کو دس سلاطین دہلی کو دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ عالمگیر اعظم، بہادر شاہ اول، معز الدین جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع اللہ، رفیع الدولہ محمد شاہ، احمد شاہ، عالمگیر ثانی، اور شاہ عالم ثانی۔

اس تحریک نے جس دور میں جنم لیا وہ ہندوستان کی تاریخ کا بڑا ہی عبرتناک دور تھا، ملک میں بدامنی، طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی۔ علماء سو کا طبقہ اپنے حلوے مانڈے میں مگن تھا، محمد شاہ رنگیلے کا دور نشاط ومستی، شراب وشباب سے معمور تھا۔ حالات، واقعات سے بے خبر شہنشاہ اپنی دنیا الگ بسائے بڑا تھا ایسے حالات میں ایک مرد مومن اسلام کی شمع فروزاں کر رہا تھا۔ نادر شاہ ۱۷۳۹ء میں قہر الٰہی بن کر آیا اور قتل عام کرادیا۔ ۱۷۵۶ء میں احمد شاہ ابدالی نے یورش کی، ٹھیک ۴ سال بعد ۱۷۶۰ء میں

مرہٹوں نے قتل و غارت گری اور لوٹ مار سے ملک میں طوفان برپا کر دیا۔ ۱۷۸۸ء میں غلام قادر روہیلہ نے اپنی مکاری، عیاری سے دلی کے اقتدار کو پامال کر دیا، بالآخر ۱۸۵۷ء میں اس بیمار سلطنت کا جنازہ نکل گیا۔

کسی قوم کے عروج وزوال کا انحصار اس کے کردار وعمل پر ہوتا، قدرت نے ولی اللہ کے ذریعے اس قوم کو سنبھلنے کا موقع فراہم کیا تھا مگر اس قوم کے افراد اس تحریک کو آگے بڑھانے کے بجائے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اللہ کی حجت پوری ہو چکی تھی اس لئے عذاب کا آنا ضروری تھا، یہ اللہ کا فیصلہ ہے شاہ صاحب کے صاحبزادگان اس تحریک کی آبیاری قلم و قرطاس سے کرتے رہے تاآنکہ مشیت ایزدی نے فیصلہ صادر کیا کہ اب سیف وسنان بھی اٹھالو، چنانچہ آپ کے پوتے نے توکل علی اللہ یہ محاذ بھی کھول دیا۔

سید اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۱۹۳ھ - شہادت ۱۲۴۶ھ۔

نام کا اثر انسان کی شخصیت اور کردار پر کبھی کبھی بہت زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے، عالم بالا سے شہید رحمۃ اللہ علیہ کا اسمعیل نام تجویز ہوا تو انہوں نے راہ حق میں جان سپاری، جاں نثاری کے ذریعے ذبیح اللہ کی سنت کو تابندہ و پائندہ کر دیا۔

حجۃ اللہ کے پوتے سیدنا اسماعیل شہید جنہوں نے پرچم اسلام کی سربلندی و رفعت کے لئے اپنی جان عزیز کو بالاکوٹ کی قربان گاہ میں سپرد جاناں کر دیا۔ عجمیت کے اثرات جو مسلمانوں میں سرایت کر گئے تھے اور انہوں نے اس کو عین دین سمجھ رکھا تھا، غلط سلط من گھڑت عقیدے اسلامی عقیدے بن گئے تھے، اگر صحابۂ کرام دوبارہ دنیا میں تشریف لاتے تو اس ہندی اسلام کے پہچاننے سے انکار کر دیتے، اگر آپ اس زمانے کے سماجی حالات کا مشاہدہ فرمائیں تو دیکھیں گے کہ وہ تمام دیومالائی رسومات، خرافات و بدعات، جاہلی عقائد جو غیر مسلموں کے تھے، وہی ان نام نہاد مسلمانوں نے اپنا رکھا تھا۔ الاماشاءاللہ ہی محفوظ تھے، شاہ اسمعیل شہید نے ان خیالات، مزعومات فاسدہ کو دور کرنے کے لئے ایک رسالہ تقویۃ الایمان نام کے لکھا، اس رسالہ کا شائع ہونا تھا کہ کفر کی توپیں ہر چہار جانب سے چلنے لگیں، لیکن اس مرد مجاہد کے پائے استقلال میں قدہ برابر لغزش نہیں آئی، کفر کے تیر و تفنگ کام نہ آسکے تو بادشاہ وقت سے دہائی مانگی گئی، لیکن یہ کیا؟ یہاں بھی دال نہیں گلی، اب اپنی اپنی خانقاہوں میں بیٹھ کر ہفوات کا

پلندہ بنا بنا کر عوام کو اس کے قریب جانے سے روکتے رہے، لیکن حق کی روشنی برصغیر ہندو پاک میں پھیلتی گئی اور آج اس کے برگ و بار دور دور تک پھیل چکے ہیں۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے اپنے دادا کی تحریک کو تحریر و تقریر کے حصار سے نکال کر میدان جہاد میں لا کھڑا کیا، مسلمانوں کے رگوں میں اسلامی اسپرٹ، ملی بیداری کی روح پھونک دی، صدیوں سے مسلمانوں میں مجاہدانہ سرگرمیاں مفقود ہو چکی تھیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت مسلمانوں کے ذہنوں سے یکسر غائب ہو چکی تھی، جہاد کا مفہوم محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ شریعت اور طریقت اسلام کی دو شاہراہیں بن گئی تھیں۔ معرفت الٰہی کے تمام اسرار و رموز طریقت میں پنہاں تھے، اس کا حصول بغیر شیخ طریقت کے ممکن نہ تھا چنانچہ ملک کے طول و عرض میں سیکڑوں شیخ طریقت کے اسکول قائم ہو چکے تھے، ایسے حالات میں جبکہ ہر چہار جانب طریقت کا ہی ڈنکا بج رہا تھا، ایک مرد مجاہد کلمۂ حق کو بلند کرنے کا اعلان کر دے، بڑی ہی عجیب بات ہوئی۔ معاندین، مخالفین جن کے پیروں میں ایک کانٹا بھی کبھی اسلام کے غلبہ کے جدوجہد میں نہیں چبھا تھا وہ بے چارے تحریک ولی اللہی کو ملیا میٹ کرنے پر تُل گئے تھے۔

شاہ اسماعیل شہید کی شہادت کے بعد تحریک اہل حدیث کے دو بازو (vings) ہو گئے، ایک بازو نے جہاد بالسیف کا علم سنبھالا، دوسری تحدیث و تدریس میں لگ گئی، جہاد بالنفس والمال کا سہرا علمائے صادق پور میں مولانا ولایت علی رحمۃ اللہ علیہ کے حصہ میں آیا، تحدیث و تدریس کا سہرا شیخ الکل میاں صاحبؒ کو ملا، حسن اتفاق دیکھئے دونوں کامل شخصیتیں ایک ہی مقام سے وابستہ تھیں۔ یہاں تحریک اہل حدیث کے انھیں اکابر کا ذکر مقصود ہے جو تحدیث و تدریس میں نمایاں مقام رکھتے تھے، جن کی شہرت ان کے علمی، فنی کارناموں کی وجہ سے عالم اسلام میں اہمیت رکھتی تھی۔ سارے اکابرین کا احاطہ مقصود نہیں اور نہ ہی یہ میرا نظریہ ہے کہ وہ اکابرین سے نہ تھے، بے شک ان کے کارنامے بھی اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں۔

شاہ محمد اسحاق

ولادت ۱۱۹۲ھ۔ وفات ۱۲۶۲ھ۔

والد کا نام محمد افضل (فاروقی) تھا، یہ شاہ عبدالعزیزؒ کے نواسے تھے نانا کے انتقال کے بعد مسند تحدیث و تدریس کے جانشین ہوئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ فرمایا کرتے تھے:

"میری تقریر اسماعیل (شہید) نے تحریر رشید الدین نے اور تقویٰ اسحاق نے لے لیا " درس تدریس زندگی کا محبوب مشغلہ رہا، فن حدیث میں بہت ہی بڑا مرتبہ پایا، تصانیف گو مختصر ہیں مگر تلامذہ کی تعداد ان گنت ہے ۔ آپ کے شاگردوں میں نمایاں کامیابی اور علماء سلف کا نقش ہندوستان میں بٹھانے والے ۔ چوتھی صدی سے قبل علماء سلف کا نقشہ پیش کرنے والے شیخ الکل میاں صاحب السید نذیر حسین محدث دہلوی ہیں ۔

میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ

وفات ۱۰ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ ۔ ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ء

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تقلید شخصی کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ اس کی پیدائش چوتھی صدی کے بعد ہوئی ہے ، اس کے قبل اس کا وجود پایا نہیں جاتا تھا مسلمانو میں فکری جمود و تعطل اور قومی تنزل کا یہ سب سے بڑا سبب تھا ، چنانچہ مسلمانوں کے باہمی فرقے ، شافعی ، حنفی ، مالکی ، حنبلی اسی کے دین ہیں ۔ ہر فرد اپنے پیرو کی بات کو اونچا کرنے میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کرتا تھا ، اسی کا شاخسانہ تھا کہ حرم میں چار مصلے قائم ہو گئے تھے ، نفرت کی خلیج اتنی زبردست ہو گئی تھی کہ ایک کے پیچھے دوسرا نماز نہیں پڑھتا تھا ، آج بھی کہیں کہیں سے چار مصلے برحق کی صدائیں آتی رہتی ہیں ۔ کاش مسلمان ان تنگنائیوں سے نکل کر کتاب و سنت کی وسعت بیکراں میں گم ہو جاتا ۔!

ہندوستان میں فقہ حنفی کا دور دورہ تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر نقد کر سکتا ، قرآن و حدیث بطور تبرک کے طاقوں میں زیب و زینت کا کام دے رہے تھے ، فقہ ہی اسلام کا ماخذ و منبع تھا ، فقہ کو حدیث پر " ترجیح " ، حدیث رسول سے انکار ، امام شافعی کو علماء حنفیہ کا دشمن قرار دینا شعار اسلام بن چکا تھا ، (بحوالہ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۳۱۷ سیر العارفین ص ۸۹)

اجتہاد کا دروازہ تو عرصے سے بند کر دیا گیا تھا اس لئے " ہرچہ " تو مجتہد نیستی کہ تمسک بحدیث نمائی مروے مقلد روایتے از ابو حنیفہ بیار " کا غلغلہ تھا ، ایسے وقت میں میاں صاحبؒ نے محدثین کا طرز اختیار کیا اور ولی اللہی تحریک کو عملی جامہ پہنایا ، مسند تحدیث کا ایک عظیم مدرسہ قائم کیا جہاں سے سیراب ہو کر اللہ کے بندے دنیا کے کونے کونے ، چپے چپے میں پھیل گئے ، اور " اخبرنا " و " حدثنا " کی آوازیں

گھر گھر پہونچ گئیں، آج احادیث سے بلا واسطہ استنباط آپ ہی کا کارنامہ ہے، آپ ہی کے تگ و دو کا نتیجہ ہے، اس سلسلے میں معاندین نے جو سلوک کیا اس کی تفصیل اہلحدیث اور سیاست میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں، بہرحال راہ حق میں آزمائشیں تو ہوتی ہی ہیں قرآن شاہد ہے۔

زمانے نے شیخ الکل کا خطاب دیا، کُل کے معنی زمانہ کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ فرشتہ ج ا ص ۶۳، طبقات اکبری ج ا ص ۴۲ میں قطب الدین کے سلسلے میں مذکور ہے۔

"تا امروز اہل ہند کسے را کہ در جود و سخاوت ستائش کنند کُل قطب الدین گویند کل زمانہ گویند یعنی قطب الدین زمانہ۔ (بحوالہ سلاطین ہند کے مذہبی رجحانات ص ۸۵)

حکومت وقت نے شمس العلماء کے خطاب سے نوازا لیکن میاں صاحبؒ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہ تھی اور نہ کبھی آپ کے شاگردوں نے اسے باعث افتخار جانا۔

اس تحریک ولی اللّٰہی کے بڑھتے ہوئے اثرات سے (مسلمانوں کا وہ طبقہ جو تقلید شخصی کو عین اسلام سمجھتا تھا اور اس سے انکار کو کفر جانتا تھا) سخت پریشان اور ہراساں تھا، چنانچہ میاں صاحب کو ختم کرنے کے لئے مختلف چالیں چلی گئیں مگر سب ناکام ہوگئیں، اسی طرح اس تحریک سے وابستگی رکھنے والوں کو "قتل" کر ڈالنے تک کا فتویٰ صادر کیا گیا۔ حکومت وقت (انگریزوں) کے کان بھرے گئے کہ یہ سب باغی ہیں، چنانچہ "وہابی" کا مطلب ہی باغی تھا، ادھر آزادی کی تحریک چلانے والوں میں یہ افواہ پھیلائی گئی کہ یہ لوگ انگریزوں کے "وفادار" ہیں۔ اللہ نے ان تمام مکر و فریب کے چالوں کو ناکام کر دیا، اور یہ کتاب و سنت کا چرچا مقلدین، منکرین کی ڈیوڑھیوں تک جا پہونچا، فللّٰہ الحمد۔

نواب صدیق حسن خاںؒ

ولادت ۱۲۴۸ھ ـ وفات ۱۳۰۷ھ ـ ۱۷ر فروری ۱۸۹۰ء ـ

انسانی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو ان گنت واقعات آپ ایسے پائیں گے کہ اللہ جسے اٹھانا چاہتا ہے ساری دنیا مل کر بھی گرا نہیں سکتی، بلکہ دنیا جس تدبیر کو اس کو گرانے کی نہایت کارگر اور یقینی تدبیر سمجھ کر اختیار کرتی ہے اللہ اسی تدبیر میں سے اس کے اٹھنے کی صورتیں نکال دیتا ہے اور ان لوگوں کے حصے میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں آتا جنھوں نے اسے گرانا چاہا تھا، اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے سورہ یوسف کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

اہل حدیث تحریک کے چلانے والوں میں "توکل علی اللہ" اور "تفویض الی اللہ" کے ساتھ خود حقیقی اسلامی سیرت کا رنگ چڑھا ہوا تھا، کتاب وسنت اور علماء سلف کی راہوں سے سرمو تجاوز کرنا موجب گمراہی سمجھتے تھے، یہ لوگ صرف گفتار کے غازی نہ تھے بلکہ کردار کے بھی غازی تھے، یہی وجہ تھی کہ اپنے اخلاق کے زور سے اس تحریک کو سارے عالم میں پھیلا دیا تھا۔

نواب صاحبؒ کی ابتدائی زندگی عسرت میں گذری، تحریک اہل حدیث کا یہ تابندہ تارا افق بھوپال سے نمودار ہوا، اسی نے قرآن واحادیث کی عظیم خدمات انجام دیں جس سے ساری دنیا منور ہوگئی، تمام کتب احادیث جو طاق نسیاں ہوچکیں تھیں ان کو زیور طبع سے آراستہ کرکے عالم اسلام میں مفت تقسیم کرایا، باکمال علماء وفضلاء کے لئے وظائف جاری کئے خود تصنیف وتالیف کے ذریعے مسلمانوں کے مسائل کا حل کتاب وسنت بتایا، مختلف علوم وفنون میں ان کی کتابوں کی تعداد اردو، عربی، فارسی میں ۲۲۳ تک پہونچتی ہے۔

مولانا عبداللہ غازی پوریؒ

ولادت ۱۲۶۰ھ، وفات ۲۱ صفر ۱۳۳۷ھ، ۲۰ نومبر ۱۹۱۸ء۔

میاں صاحب کے شاگردوں میں ایک سے ایک باکمال عالم، فاضل تھے، جنہوں نے عالم اسلام کے طول وعرض میں کتاب وسنت کی اشاعت میں اپنی جان کی بازی لگادی تھی، معاندین، مخالفین نے کوئی دقیقہ نہیں لگائے رکھا جور وستم، اذیت پہنچانے ظلم ڈھانے کی کوئی راہ بھی نہیں چھوڑی تھی، چنانچہ مولانا غازیپوری کے ساتھ بھی یہی رویّہ رہا، کتنے دنوں تک مسجد میں نماز پڑھنے کے بارے میں مقدمہ چلتا رہا، مسند تحدیث وتدریس پر کئی جگہ فائز رہے۔ میاں صاحب فخریہ بیان کرتے ہیں: "میرے درس میں دو عبداللہ آئے ہیں ایک عبداللہ غزنوی دوسرے عبداللہ غازیپوری۔"

"یادرفتگاں" میں سید سلیمان ندویؒ یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں: "اگلی صحبتوں کے تنہا یادگار تھے، اتباع سنت، طہارت وتقویٰ، زہد وورع، تبحر علم، وسعت نظر اور کتاب وسنت کی تفسیر وتعبیر میں یگانہ عہد تھے۔"

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ

وفات ۱۳۵۳ھ۔

اعظم گڈھ یوپی کے مردم خیز زمین میں پیدا ہوئے، حافظ

ہ اللہ غازیپوری سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، تحفۃ الاحوذی فی شرح ترمذی لکھ کر محدثین کے
یم زمرے میں شامل ہوئے، اس طرح عرب وعجم میں خصوصی مقبولیت حاصل کئے، خدا معلوم مصر کے
ر الفقی نے کس طرح منتقیٰ کے حاشیہ میں ان کو احناف کے زمرے میں شمار کردیا، شاگردوں کی تعداد
گنت ہے، ممتاز شاگردوں میں مراکش کے شیخ تقی الدین ھلالی، مولانا عبیداللہ رحمانی شارح مشکوٰۃ
رعاۃ المفاتیح) مولانا نذیر احمد رحمانیؒ ہیں۔

ولانا شمس الحق ڈیانوی

ولادت ۱۲۷۳ھ۔ وفات ۱۳۲۹ھ۔

مولانا کی شخصیت کتاب وسنت کے احیاء میں ممتاز مقام رکھتی ہے
ت کے نامور علماء سے آپ نے اکتساب علم کیا، لکھنؤ، دلی کی خاک چھانی اور گوہر مطلوب لے کر وطن
س ہوئے، اور یہیں درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہو گئے۔ طالبان علم حدیث
ی تعداد میں ہمہ وقت موجود رہتے، آپ کے بے پایاں شفقت ومحبت سے مستفیض ہوتے، آپ کے پاس
ر ادر نایاب کتابوں کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا، مولانا سیف بنارسیؒ نے لکھا ہے: "آپ کے
ب خانہ میں میں نے حسب ذیل نادر نایاب کتابیں دیکھیں:

۱۔ مختار مختصر تاریخ بغداد ۲۔ معرفۃ السنن والآثار البیہقی ۳۔ مصنف ابن شیبہ کامل
۔ صحیح ابن حبان ۵۔ مسند بزار ناقص ۶۔ صحیح ابو عوانہ جس پر امام ذہبی کے دستخط ثبت ہیں
۔ مسند عبد بن حمید ۸۔ مسند حمیدی ۹۔ ابن عبدالبر وغیرہ۔

غرض صوبہ بہار میں خدا بخش خاں مرحوم کے کتب خانہ کے بعد جو بانکی پور میں ہے آپ کا کتب خانہ
ل ذکر تھا، لیکن ذخیرہ حدیث وتفسیر واسماء الرجال کے لحاظ سے آپ کے کتب خانہ کا نمبر اول ہے۔"

ارنامے

آپ کثیر التصانیف تھے، عربی، فارسی، اردو میں تقریباً تعداد ۲۰ تک ہے۔

اہلحدیثوں کا ہمیشہ سے یہ المیہ رہا ہے کہ ان کی تصنیفات وتالیفات اگر ایک بار منظر عام پر آئیں تو
بارہ بہت ہی کم ایسا ہوا کہ پھر زیور طبع سے آراستہ ہوئیں ہوں، یہی وجہ ہے کہ ان کی تخلیقات کا
ت بیشتر ذخیرہ گردش روزگار کی نذر ہوگیا، اس کی بنیادی وجہ میرے نزدیک یہی ہے کہ اجتماعی حیثیت

سے کسی ادارہ کی تشکیل نہ ہو سکی تھی جو علماء اہلحدیث کی تخلیقات کو اپنے تحویل میں لے کر طبع کراتا ، اہل حدیث اخبار امرتسر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ علماء میں ایسے ادارہ کی خواہش تو تھی عملی اعتبار سے یہ کام نہ ہو سکا جس کی وجہ سے تحریک اہل حدیث کا گرانمایہ اثاثہ ہم تک نہ پہونچ سکا۔

مولانا ڈیانوی نے ابوداؤد کی شرح غایۃ المقصود نام کی ۳۲ جلدوں میں لکھی تھی، مگر ادھر مولانا شمس الحق صاحب سلفی مرحوم (سابق شیخ الحدیث مرکزی دارالعلوم) کے صاحبزادے مولانا محمد عزیر سلمہٗ نے کچھ کام کیا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی رحمۃ اللہ علیہ

ولادت ۱۲۶۴ھ۔ وفات ۱۳۲۰ھ۔

مولانا اسلم صاحب جیراجپوری لکھتے ہیں

" آرہ کے رئیس تھے اور علماء اہل حدیث میں ممتاز، علم کے لحاظ سے بھی۔ غالباً ۱۳۰۹ھ میں رمضان کے مہینہ میں بھوپال تشریف لائے تھے، حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری بھی ساتھ تھے۔۔ یہ دونوں حضرات جماعت اہل حدیث کے شمس وقمر خیال کئے جاتے تھے۔۔

مولانا ابراہیم صاحب کا وعظ ہندوستان بھر میں مشہور تھا، جمعہ کے دن جامع مسجد میں ان کے وعظ کا اعلان کر دیا گیا ... بے اندازہ مجمع تھا، وسط مسجد میں کھڑے ہو کر وعظ فرمایا۔"

عربوں میں بڑے بڑے مشہور باکمال مقرر ہوئے ہیں، تاریخ میں جن کی شعلہ بیانی کے تذکرے ملتے ہیں اسلامی تاریخ میں بھی فن خطابت کے ماہرین کا ذکر موجود ہے۔ ہندوستان میں علماء اہل حدیث نے اس فن کے ذریعہ اشاعت اسلام کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے، اگر آج کی طرح ذرائع ووسائل مہیا ہوتے تو علمی خزانہ میں ایک بیش بہا اضافہ ہوتا۔

مولانا آروی فن خطابت کے عظیم شہسوار تھے، اللہ نے وہ زور بیاں عطا فرمایا تھا کہ جس سے روح تڑپ جاتی اور قلب گرما جاتا، قرآنی آیات واحادیث پیش کرنے کا انداز حکیمانہ اور مبلغانہ ہوتا تھا، سننے والے ان کے خلوص وتقوی سے متاثر ہو جاتے، مخالف وموافق ان کا گرویدہ ہو جاتا، یہ سب دراصل خلوص اور للّٰہیت کا ثمرہ تھا۔

جماعتی نظم کے سلسلے میں آل انڈیا اہل حدیث کی جو تنظیم قائم ہوئی تھی اس میں مولانا نے اہم رول ادا

کیا تھا، مدرسہ احمدیہ آپ کی زندہ یادگار ہے، آپ ہی نے سب سے پہلے مدرسہ کے ساتھ دارالاقامہ یعنی طالبان کتاب وسنت کے قیام وطعام کی بناء ڈالی تھی۔

تعجب ہوتا ہے کہ ایک انسان رات ودن اودھ، پنجاب، مدراس، بمبئی، بنگال، دکن، مدھیہ پردیش کے دور دراز کے شہروں، علاقوں میں پند ونصیحت، وعظ وتبلیغ کرتا پھرے اور تصنیف وتالیف، درس وتدریس کی مسند بھی سجائے رکھے۔ سچ ہے بڑے لوگوں نے کبھی بھی "مجھے فرصت نہیں" کا نعرہ نہیں لگایا۔

آپ کی مشہور تصنیف میں تفسیر خلیلی، طریق النجاۃ، رسالہ اتفاق، سلیمان وبلقیس، ارشاد الطالب الی علم الادب کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کا ایک اہم کارنامہ "مذاکرہ علمیہ" بھی ہے۔ آج مدرسوں میں سیمینار کا انعقاد ہونے لگا ہے، بزرگوں نے پہلے ہی سے اس کی بناء ڈال دی تھی۔

حافظ عبدالعزیز رحیم آبادی

ولادت ۱۲۷۱ھ - وفات ۱۳۳۶ھ

میاں صاحب کے حلقۂ درس وتدریس میں جو بھی داخل ہوا کتاب وسنت کا شیدائی بن کر نکلا، چنانچہ اس زمانے کے علماء اہل حدیث نے ہندوستان کے طول وعرض میں سنت نبویہ کی اشاعت وترویج میں وہ کارنامہ انجام دیا ہے جو تاریخ میں ہمیشہ روشن اور تابناک رہے گا، مگر افسوس اس کا ہے کہ ابھی تک ان کے علمی کارنامے دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں، غیروں کی فسوں کاری کہیے یا اپنوں کی غفلت شعاری۔

حافظ صاحبؒ رحیم آباد ضلع دربھنگہ بہار کے رہنے والے تھے، ذہانت وفطانت خداداد تھی، فن مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے، مرشد آباد بنگال کا مناظرہ بہت مشہور رہے جو کہ علماء اہلحدیث اور علماء احناف کے مابین ہوا تھا، آخر میں مقابلہ کے لئے مولانا عبدالحق صاحب مرحوم مفسر تفسیر حقانی آئے تھے، ادھر علماء اہل حدیث میں صرف حافظ صاحب ہی مناظر اخیر تک رہے، اس سب کے باوجود اخلاق کریمانہ کا یہ حال تھا کہ معاندین ومخالفین کو بھی دانستہ رنج نہ پہونچاتے، زبردست مقرر بھی تھے، توحید اور بدعت کا رد اتباع سنت جیسے موضوعات پر ہر اہل حدیث عالم اس وقت مہارت تامہ رکھتا تھا، آج ہندوستان میں آپ تھوڑا بہت جو مسلمانوں میں بدعت کے خلاف بیزاری کا ماحول دیکھتے ہیں یہ انہیں بزرگوں کے

بے لچک اور بے لوث خدمات کا نتیجہ ہے۔

حافظ صاحب ادب و شاعری اور تاریخ میں بھی مہارت رکھتے تھے، آپ کی شاہکار تصنیف حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان ہے، جو علامہ شبلی کے فرد گذاشتوں کے جواب میں ہے۔ دوسری تصنیف سواء الطریق ہے، اس میں صحیحین کی حدیثوں کا اردو ترجمہ ہے، اردو زبان میں حدیثوں کے انتخاب کا یہ پہلا نقش ہے، زہد و ورع، سادگی مزاج کا خاصہ تھا۔

مولانا محمد بشیر سہسوانیؒ

مولانا اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں: "علم و فضل میں وحید عصر تھے، والد مولانا سلامت اللہ فرمایا کرتے تھے کہ: "مولوی محمد بشیر صاحب کی قوت مطالعہ بے مثل ہے، عبارات و اشارات کا صحیح مفہوم سمجھنے والا ان سے بہتر میں نے کسی کو نہیں پایا نواب صدیق حسن خان مدرسہ سلیمانیہ کی مہتممی سے جب میر دبیر کے عہدے پر گئے تو ان کی جگہ یہ مہتمم مدارس ہوئے۔" شاہ جہاں بیگم ہر دوشنبہ کو تاج محل میں بلا کر ان کا وعظ سنا کرتی تھیں، مناظرہ میں بے نظیر تھے، حج کیلئے گئے وہاں شیخ دحلان سے مقابلہ ہوا، اس کے رد میں "صیانۃ الانسان" ایسی کتاب لکھی کہ وہ جواب نہ دے سکا، عربی نہایت عمدہ لکھتے تھے، مولانا عبدالحئی لکھنوی جن سے رسالہ بازی ہوتی تھی، وہ ان کی عربیت کی فوقیت کو تسلیم کرتے تھے۔

مولانا محمد جونا گڈھی

ولادت

جس کام کا آغاز شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا اس کا اتمام اور تکمیل علماء اہل حدیث نے کیا، چنانچہ کتب احادیث کے تراجم، قرآن کی تفسیریں جو عربی میں تھیں ان کا ترجمہ کے ذریعے عوام تک پہونچایا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کتاب و سنت پر مبنی مسائل بھی اردو زبان میں منتقل کر دیئے، اس سلسلے میں مولانا محمد صاحب جونا گڈھی کا نام سرفہرست ہے، دلچسپ پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ساری تصنیفات کو "محمدی" کے نام سے معنون کیا، تفسیر ابن کثیر کا ترجمہ تفسیر محمدی، اعلام الموقعین کا ترجمہ دین محمدی، اور دیگر اسلامی موضوعات پر بہت ساری محمدیات تصنیف کر ڈالا اسی طرح احادیث میں منقول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خطبات یکجا کر کے اس کا نام خطبات محمدی رکھا تھا، آج کل کے مترجموں کی طرح سرہانے کے پاتانے والی بات آپ نہیں پائیں گے اور نہ ہی اصل مصنف

کے نام کو مخفی رکھا تھا، علماء سلف کے یہ عظیم الشان کارنامے کہ مصنف بھی وہی، مترجم بھی وہی، طابع بھی نہ معلوم کس جگہ کے یہ لوگ تھے اللہ ہی بہتر جانتا ہے، آج زمانہ ان شخصیتوں سے نابلد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ان کے کارنامے موجود ہیں مگر ہماری بیگانگی کا یہ عالم ہے کہ سنبھالے نہیں سنبھال پا رہے ہیں، کئی ادارے علماءِ اہل حدیث کی کتابوں کو کتر بیونت کرکے اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

ولادت ۱۸۶۸ء ۔ وفات ۱۹۴۸ء ۔

مولانا امرتسری کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، تحریک اہل حدیث کے وہ مایۂ ناز فرزند ہیں جنہوں نے اسلام کی حقانیت کا (متحدہ) ہندوستان میں پرچم بلند کر رکھا تھا، تحریر و تقریر میں یکساں کمال رکھتے تھے۔ معاندین اسلام کے اعتراضوں کا مسکت و دنداں شکن جواب دیتے تھے، مسلمانوں اور قادیانیوں، آریوں، عیسائیوں میں جو مناظرے ہوا کرتے تھے تو مرحوم عموماً مسلمانوں کی طرف سے نمائندہ ہوتے تھے اور اس سلسلے میں وہ ہمالیہ سے لیکر خلیج بنگال تک رواں دواں رہتے تھے۔ (یاد رفتگاں ص ۴۱۸) مولانا کی شخصیت جمالی تھی، استحضار غضب کا تھا، مخاطب کو خاموش کرنے کے لئے الزامی جواب اس خوبصورتی سے دیتے تھے کہ اس کے ذہن پر گراں نہیں گزرتا تھا، ایک داعی کے اندر جو اوصاف ہونا چاہئے اس کے مکمل آئینہ دار تھے، اخلاق عالیہ کے پیکر تھے، جود و سخا کا یہ عالم تھا کہ دوست و دشمن، مسلم غیر مسلم ہر ایک فیضیاب ہوتا تھا، عفو و درگذر کا یہ حال تھا کہ قاتل بھی دعائیں دیتے تھے، جو لوگ راہ میں کانٹے بوتے تھے ان کی راہ میں پھول برساتے تھے، بڑے بڑے اہل علم ان کی شخصیت سے متاثر تھے۔ عبدالماجد دریاآبادی اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں؛ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ زندگی کے مختلف دوروں میں متاثر بہتوں کی تحریروں سے رہا ہوں، شعوری اور لاشعوری تقلید خدا معلوم کتنوں کے قلم کی ہے۔ بالکل بچپن میں یہ اثر مولوی احسان اللہ عباسی چریا کوٹی ثم گورکھپوری (صاحب "الاسلام" و تاریخ اسلام وغیرہ) تک محدود رہا، پھر نمبر مولوی ثناء اللہ امرتسریؒ کا آیا۔

رد آریہ میں سب سے پیش پیش اس وقت مولانا امرتسری تھے، ترک اسلام، اور حق پرکاش والے

آپ بیتی از عبدالماجد دریاآبادی ص ۳۰۷ و ص ۲۰۹ ۔

مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تھے، تحریر میں اثر آفرینی

، زبان سادہ استعمال کرتے تھے، اہل حدیث اخبار اس وقت کا معیاری اخبار تھا، اس کی مقبولیت کا
ل تھا کہ عوام وخواص سب پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے، ہر ہر گھر میں پڑھا جاتا تھا، اس میں قادیانیوں
آریوں کے خلاف کوئی نہ کوئی مضمون ہر اشاعت میں ضرور ہوتا، اسی طرح حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ
خبریں بھی ہوتیں، جماعتی کوائف بھی ہوتے، نظمیں بھی ہوتیں، غرضیکہ اردو زبان کی ترقی میں مولانا کا
دست با تھ ہے، تاریخ ادب اردو میں گرچہ ان شخصیتوں کا نام نہ آئے لیکن ان کے کارنامے سدا اہلِ دل
واز دیتے رہیں گے۔

مولانا کی طبیعت میں بذلہ سنجی بھی غضب کی تھی، آپ کے لطائف بھی بہت مشہور ہیں۔ تحریک
حدیث کو منظم ومستحکم کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہتے۔ ــــــــــ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس اور دیگر ملی کاموں
ں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، عوام نے "شیرِ اسلام" کا خطاب دے رکھا تھا، آپ کی دینی، علمی، ملی
مات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس کو سمیٹنے کے لئے مستقل ایک اکیڈمی کی ضرورت ہے تاکہ مختلف اور بکھرے
ئے مواد یکجا ہو سکیں، مثال کے طور پر اہل حدیث اخبار کے مضامین کے عنوانات اور اشعار کو جمع کرنا،
قعات وحادثات، جماعتی سرگرمیوں کو الگ سے ترتیب دینا ضروری ہے، مولانا کی دلی خواہش تھی کہ یہ
ب کام جماعتی سطح سے انجام پذیر ہوتا۔ مولانا کی تصنیفات ان گنت ہیں۔ تقسیم ہند کے سانحہ کے بعد پاکستان
رت کر گئے تھے، ظاہر ہے کہ سارا علمی اثاثہ گردش زمانہ کے نذر ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ولانا محمد سعید بنارسیؒ ولادت وفات ۱۳۲۲ھ

اللہ نے سچ فرمایا ہے "اللہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دے"
مد سعید جن کا سابق نام "مولی سنگھ" خاندان کے چھتری، کنجاہ (پنجاب) کے رہنے والے تھے، دل میں
اش حق کا ولولہ پیدا ہوا، عزیز واقارب، گھر وبار چھوڑ کر دہلی پہونچے، وہاں سے دیوبند وارد ہوئے، اس
علیم سے تشنگی نہیں بجھی، تو دہلی دوبارہ پہونچ کر میاں صاحب کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے، اتباعِ سنت
سول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی بن گئے، مدرسہ احمدیہ آرہ میں کچھ دنوں تک مدرسی کے فرائض انجام
ینے کے بعد بنارس کو اپنا نشیمن بنایا، یہیں سے کتاب وسنت کی اشاعت میں مصروف عمل رہے، مدرسہ
سعیدیہ بنارس کا اہم ترین مدرسہ شمار ہوتا تھا، مولانا سیفؒ بنارسی تک اس ادارہ کی مقبولیت علم حدیث

ں بہت زیادہ تھی، ہر مسلک کے طلباء درس حدیث میں شامل ہوتے اور فیضیاب ہوتے۔ ایک مطبع بھی
ائم کر لیا تھا، نواب صدیق حسن رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے وظیفہ بھی ملتا تھا۔ مولانا مسعود عالم ندوی کے
الد بزرگوار بھی مدرسہ سعیدیہ میں تعلیم حاصل کئے تھے، جامعہ اسلامیہ عربیہ مدنپورہ بنارس (اب جامعہ رحمانیہ)
ں جب بنیاد پڑی تو اہل حدیثوں نے مولانا سے عربی پڑھانے کے لئے ایک مدرس کی خواہش کا اظہار کیا تھا
مولانا نے مولوی منیر خاں کو سپرد کیا تھا، درس و تدریس کے علاوہ معاندین اہل حدیث کے اعتراضات
جواب بھی دیتے رہتے تھے۔ اس طرح کاشی نگری میں احادیث کا چرچا بڑھتا رہا، ہندوستان میں اس
شہر کی شہرت جہاں ہندؤں کے مقدس مقامات کی وجہ سے ہے وہیں علم حدیث کے مرکز کی وجہ سے
بھی ہے۔ فللہ الحمد۔

مولانا سیف بنارسیؒ

ولادت ۱۳۰۷ھ ۔ وفات ۱۹۵۰ء

مثل مشہور ہے "ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات" ، نام محمد،
نیت ابوالقاسم، تخلص سیف، اپنے والد (محمد سعید) کے سچے جانشین، علم حدیث میں اپنے وقت کے ابن
بیہ، صحیح بخاری پر اتھارٹی، معاندین و معترضین احادیث کے لئے شمشیر بے نیام، معقولات میں بھی
مہارت تامہ رکھتے تھے، استدلال کا انداز منطقیانہ تھا، فن مناظرہ میں بھی کمال حاصل تھا، تحریر ہو یا
قریر دلائل و براہین سے معمور ہوتی تھی۔ عبارت آرائی، لفظوں کی بازیگری کا قطعاً دخل نہ ہوتا تھا، مخالفین
ر ایسے انداز میں چھا جاتے کہ وہ بغلیں جھانکنے پر مجبور ہو جاتا تھا، خاص کر احادیث پر اور علم رجال پر اتنی
ہری نظر تھی کہ ان تمام شکوک و شبہات کے پرخچے اڑا دیا کرتے تھے جو مقلدین اور منکرین احادیث کی
طرف سے کئے جاتے تھے، مشغلہ درس و تدریس جلسہ و جلوس اور رد بدعت رد تقلید پر تحریریں لکھنا،
خبارات میں مضامین لکھنا غرضیکہ ہر محاذ سے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہمہ تن معرکہ
رار رہنا۔ یہ تھے مولانا سیف بنارسی۔ کتاب و رسائل کی تعداد ۴۰ تک ہے۔

تقسیم ہند کے سانحہ کے بعد تحریک اہل حدیث کا شیرازہ منتشر ہوگیا، ان نامور ہستیوں کے بعد
ند شخصیتیں باحیات رہ گئیں جو پاک و ہند میں اس تحریک کے بقاء کے لئے ہمہ تن سرگرم رہیں، ان
یں مولانا عبیداللہ رحمانی (شیخ الحدیث) اللہ ان کا سایہ ہم سب پر قائم رکھے (آمین)، جنہوں نے

مشکوۃ کی شرح مرعاۃ المفاتیح لکھ کر (اللہ تکمیل کو پہونچائے) سلف صالحین کی روش کو برقرار رکھا، اس شرح کی مقبولیت نے یہ ثابت کردیا کہ ابھی علماء اہل حدیث کے رگوں میں اپنے بزرگوں کا خون باقی ہے۔

دوسری شخصیت مولانا نذیر احمد رحمانی رحمۃ اللہ علیہ شیخ المعقولات والمنقولات کی ہے جنہوں نے درس و تدریس کے ذریعے قال اللہ وقال الرسول کی صدا کو باقی رکھا، تصنیف وتالیف کے ذریعے اس تحریک پر لگائے جانے والے اعتراضوں کا بحسن وخوبی مدافعت کیا، آپ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تاریخ اہل حدیث میں سنہرے حرفوں میں لکھا جائیگا وہ ہے بزرگوں کے دیرینہ خواب کی تعبیر مرکزی دارالعلوم کا بنارس میں قیام، آپ نے اپنی تقریروں کے ذریعے جماعت اہل حدیث بنارس کے اندر بیداری کی روح پھونکی جس کی وجہ سے یہ عظیم الشان ادارہ معرض وجود میں آیا۔ افسوس موت نے مہلت نہ دی اور گلشن رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بہار نہ دیکھ سکے۔

اس مضمون میں سارے بزرگان اہل حدیث کے تذکرے کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ صرف چند اکابرین کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ کم ازکم ہمارے اسلاف کے نام تو ہمارے ذہنوں میں باقی رہ

•••

اعتراف

ڈاکٹر اسلم حنیف گنوری بدایونی

مرا جرم توحید ہے
وہ توحید جس کے اسباق
گذشتہ مقدس صحائف میں بکھرے ہوئے تھے
مگر یوں ہوا
ہمارے ہی اسلاف نے ان میں تحریف کی
ہماری طرح ہاں ! ہماری طرح
مگر وہ نگاہیں
ازل اور ابد کی حدوں سے مبرا نگاہیں
خود اپنے قوانین میں خرد برد کے منظروں پر جمی تھیں
تو پھر یوں ہوا
نگاہوں میں جنبش ہویدا ہوئی
گذشتہ صحائف کو مبسوط صورت عطا کی گئی
زمیں تا فلک ایک ہلچل ہوئی اور ام الکتاب
محمدؐ پہ نازل ہوئی
کہ اس مالکِ دوجہاں کی نگاہیں
یہ دیکھیں زمیں پر
دہکتی ہوئی سرخ آنکھوں کے حامل کبوتر
رحل اور جزدان میں منہ چھپائے ہوئے دیمکوں کے
ارادوں کو کس طور پسپا کریں گے ؟
میں جب دیمکوں کے بدن چاٹتا ہوں
یہی سوچتا ہوں
میں مجرم ہوں
مرا جرم توحید ہے

فلسفۂ تجدّد امثال

ڈاکٹر اسلم حنیف

محی الدین ابن عربی کے نظریات

سوال اندر سوال
اک حقیقت کا زوال
آیتوں کو کاٹ کر
خود ساختہ مطالب پر اصرار
موضوعات کی ریل پیل
من چاہا کھیل
ادھ کچرے منطق و فلسفے کی آمیزش
خادم فکر کی برتش
ریت پر ریت کی دیوار
سراب اندر سراب
اپنی تیغ اپنی ڈھال
فلسفۂ تجدّد امثال

دعوتِ اتحاد اور ہمارا عمل

مقتدیٰ حسن ازہری

اتفاق واتحاد بین المسلمین کے موضوع پر علماء ومصلحین کی تحریر وتقریر کا انبار ہے، اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ اس نوعیت کی تحریر وتقریر کو اگر ہم شمار کرنا چاہیں تو شاید مشکل ہوگا، پھر بھی مسلم قوم کی حالت دن بدن روبہ زوال ہے، ان کے مابین افتراق وانتشار کا نیا شاخسانہ ہر روز نظر آتا ہے۔

مسلمانوں کے مابین افتراق وتقسیم کی بنیادیں متنوع ہیں، کہیں فقہی مسلک کی بنیاد پر تفریق ہے کہیں ذات برادری کی بنیاد پر، کہیں سیاسی رجحانات ونظریات کے سبب اور کہیں ذاتی مفادات وترجیحات نے دلوں کو بغض وعداوت کے جذبات کی آماجگاہ بنا رکھا ہے، لیکن ان اسباب افتراق میں سب سے قوی سبب فقہی مسالک کا اختلاف ہے، اسی بنیاد پر برصغیر میں مسلمانوں کی مسجدیں اور مدرسے وغیرہ سب الگ الگ ہیں۔

جب معاشرہ میں کوئی مرض پرانا ہوجاتا ہے تو اس کا قبیح پہلو اور مضر اثرات نگاہوں سے اوجھل ہونے لگتے ہیں، یا عام طور پر لوگ انہیں برداشت کرنے کے عادی ہوجاتے ہیں، اختلاف وانتشار کا مرض بھی کچھ اسی نوعیت کا معلوم ہوتا ہے، چونکہ عرصہ سے ہم مسلمانوں میں اس مرض کو جاگزیں دیکھ رہے ہیں، اس لئے اس کی فتنہ سامانیوں سے غافل ہوگئے ہیں یا اس کو چھپانے کے لئے بھونڈے قسم کے خول تیار کرلئے ہیں، چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ مختلف مناسبتوں پر اور اجتماعی کاموں کے لئے جب مسلمان اکٹھا ہوتے ہیں تو سمجھا جاتا ہے کہ ان کا اتحاد باقی ہے، عیدین کی اور جمعہ کی نمازوں کے لئے مسلمانوں کے اجتماع سے بلاشبہ ان کے ظاہری اتحاد کا تصور ملتا ہے لیکن اندیشہ ہے کہ یہ اتحاد ایسا نہ ہو جس کا تذکرہ قرآن کریم نے سورہ حشر میں کیا ہے کہ " تحسبہم جمیعا وقلوبہم شتی "، یعنی تم انھیں اکٹھا سمجھتے ہو لیکن ان کے دل مختلف ہیں۔

امت مسلمہ کا وہی اتحاد مفید وپائیدار ہوگا جو کتاب وسنت پر عمل کے جذبہ اور صحیح نیت سے ہو،

شرک وبدعت پر مسلمانوں کے متحد ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، اور نہ اسلام کو ایسے کسی اتحاد کی ضرورت ہے، اس نوعیت کے اتحاد سے اگر عارضی طور پر کوئی مقصد حاصل بھی ہوگا تو بعد میں امت کو اس سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا ۔ موجودہ دور میں اور مسلمانوں کی قدیم تاریخ میں بھی ہمیں باطل بنیادوں پر اتحاد کے نمونے نظر آتے ہیں، لیکن اس سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں وہ بھی ہمارے سامنے ہیں ۔ ہم اتحاد کی اہمیت وضرورت کے منکر نہیں ہیں لیکن اس کے لئے صحیح بنیاد کی تلاش وتعیین ضروری ہے، ورنہ اتحاد سے پہلے ہمارا جو حال ہے اندیشہ ہے کہ اتحاد کے بعد بھی وہی برقرار رہے گا اور ہم اتحاد کی خوش فہمی میں اپنی زبوں حالی کا احساس نہ کرسکیں گے ۔

مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ قول وعمل کا تضاد اور حق پرستی کا بیجا غرور ہے، ہم زبان سے بات اتحاد کی کرتے ہیں لیکن ہمارا عمل افتراق پیدا کرتا ہے ۔ نیز ہم اپنی حق پرستی کے زعم میں اتنی دور تک چلے جاتے ہیں کہ دوسروں کو سراسر غلط تصور کرنے لگتے ہیں ۔ مذکورہ تضاد اور خوش فہمی کبھی کبھی بڑی افسوسناک اور مضحکہ خیز صورت اختیار کرلیتی ہے ۔

بنارس میں ماہ اپریل ۹۲ء کے وسط میں "تعلیمی کارواں" آیا تھا، اس میں ملک کے نامور اہل علم وفکر اور معروف مصلحین ودانشور شریک تھے، ان لوگوں نے بنارس کے مسلمانوں کو مختلف امور اور بالخصوص تعلیمی میدان میں سبقت اور باہمی اتفاق واتحاد کی ترغیب دی اور یہ واضح کیا کہ ان امور پر خصوصی توجہ کے بغیر ہماری پسماندگی دور نہ ہوگی ۔

مسلمانوں کے باہمی انقسام کی چھاپ اس پروگرام پر کس حد تک تھی، فی الحال اس سے بحث نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ باہمی اتحاد کے اپنے مشن میں ہم کس حد تک مخلص ہیں؟ تعلیمی کارواں کے دانشوروں نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد کے لئے مختلف مقامات پر خطاب کیا، اور مسلمانوں نے ان کے بیانات کو سنا لیکن عملی زندگی میں اسے کس حد تک جگہ ملی، اس کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے، اور اسی سے حق پرستی کا ہمارا غرور اور قول وعمل کا تضاد بھی پوری طرح واضح ہوجائے گا ۔

بنارس میں واقع جامعہ سلفیہ ایک معروف تعلیمی ادارہ ہے جس کی کارکردگی کسی سے مخفی نہیں، اس ادارہ کی پالیسی صلح کل کی ہے، لیکن اس کے پڑوس میں مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ [illegible] ہے جو اس ادارہ کی

املاک کو نقصان پہونچانے اور اس کے افراد کو تکلیف دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے، جس مہینہ میں تعلیمی کارواں نے بنارس کے مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کا درس دیا اسی مہینہ کی بات ہے کہ ادارہ کے مشرقی حصہ میں واقع غسل خانوں میں لگی ہوئی لوہے کی جالیوں کو پڑوس کے مسلمانوں نے توڑ کر اندر بہت سے پتھر پھینکے، اسی طرح مشرقی جانب کے میدان سے اکثر اس طرح پتھر پھینکتے ہیں کہ عمارت میں رہنے والے احتیاط سے کام نہ لیں تو زخمی ہو جائیں یہ سلسلہ پورے سال جاری رہتا ہے اور بہت سے دوسرے ایسے کام بھی ہوتے ہیں جن پر صبر نہ کیا جائے تو صورتحال سنگین ہو سکتی ہے۔ ایک باوقار و باعتبار تعلیمی ادارہ کے ساتھ اس کے مسلم پڑوسیوں کا مذکورہ رویہ ہمارے قول و عمل کے تضاد اور حق پرستی کے غرور کو پوری طرح واضح کر رہا ہے، اہل علم کے سامنے مجلسوں میں ہم اور ہمارے قائدین اتفاق و اتحاد کی بات کرتے ہیں اور دلوں کی تنگی و تعصب کا یہ حال ہے کہ کسی دوسرے مسلک کا ایک روشن دان ہمیں برداشت نہیں! اس صورت میں سوچنے والا کیا یہ نہیں سوچ سکتا کہ نظریاتی طور پر اتحاد کی جو کوششیں ہوتی ہیں اور اتحاد کی فضیلت میں جو تقریریں کی جاتی ہیں ان کا مقصد مسلمانوں کی عملی اصلاح نہیں بلکہ اس طرح خیر پسندی کا ایک مظاہرہ اور قیادت و سیادت کی تقویت مقصود ہوتی ہے؟ خیر پسندی کے مظاہرہ کی بجائے اگر عملی طور پر صحیح اتحاد مقصود ہوتا تو ضرور ان عوامل پر غور کیا جاتا جن کی وجہ سے باہم اتنی نفرت موجود ہے، اور ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے دلوں میں کوئی جگہ نہیں رکھتا۔ کاروبار سیاست میں کچھ گھسے پٹے نعرے ہوتے ہیں جنہیں انتخابات کے موسم میں ہمارے لیڈران دہراتے اور عوام کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں، شاید اسی طرح ملی رہنمائی کے میدان میں بھی کچھ نعرے متعین کر لئے گئے ہیں جن کی بنیاد پر ہمارے بزرگ اپنی قیادت کا تاثر مسلمانوں پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اپنے قائدین کی ہمارے دلوں میں بڑی عزت ہے، اور ایسی عزت کا ہونا ضروری ہے، ورنہ اعتماد و بھروسہ ختم ہو جائے گا، اور ہمارے اندر مہلک انتشار پیدا ہو جائے گا، لیکن ساتھ ہی ہمیں قائدین سے یہ توقع بھی ہے کہ وہ کلم معاشرہ کا ایسا احتساب کریں کہ اسکے تمام امراض ختم ہو جائیں، بڑی بڑی بیماریوں اور کمزوریوں کے ہوتے ہوئے اگر ہم تعلیمی ترقی اور باہمی اتفاق و اتحاد کی بات کریں گے تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ: "یحبون ان یحمدوا بمالم یفعلوا۔" یعنی ہم اچھے کاموں کی انجام دہی کے بغیر مدح و ستائش کے متمنی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ شیطان کی گرفت سے ہم کو نجات دے کر ہمارے دلوں میں اسلامی اخوت و محبت پیدا کر دے، آمین، وصلی اللہ علی النبی وسلم۔

●●●

استاذ کا احترام

عبدالسمیع محمد ہارون انصاری

اللہ بزرگ برتر خالق حقیقی ہے، خدا کی ذات اقدس کے بعد جو ذات انسان کی سب سے زیادہ خدمت
دراحترام کی طالب ہے وہ والدین ہیں۔ ان ہی دونوں ذاتوں کے الطاف عمیم کے صدقے اور بے انتہا جود و کرم کے صلے
ں انسان کی جسمانی، ذہنی، فکری، دینی اور حقیقی تربیت اور سچی کامیابی کی راہ نمائی ملتی ہے" لیکن ایسا قطعی
ہیں ہے کہ انسان کی صالح اور صحت مند تربیت میں خدا کے بعد والدین ہی کا یوگدان ہوتا ہے اور بس" والدین کے
بعد ایک اور ہستی ہے جو انسان کی صحت مند اور اخلاقی تربیت کرتا ہے اور وہ ان کا وہ استاذ ہے جس کے سامنے
انوئے تلمذ تہ کر کے دین و ایمان اور اخلاق و انسانیت کے درس حاصل کرتا ہے جس کے ظل عاطفت میں علم کے
بدار گوہر اور فطرت کے راز ہائے دروں کے بیش بہا معلومات سے اپنے تہی دامن کو بھرتا ہے اور وہ جس کے صدقے
ں حقیقت زندگی سمجھنے اور مطلوب حیات پانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے، بھلا جو ذات انسان کیلئے استقدر
طف و احسان کی بارش کرتی ہو جو انسان کی اتنی گہری اور عظیم تربیت کرتی ہو وہ بھلا کیوں کر نہیں بے پایاں
حترام اور بے انتہا عزت و ادب کی سزاوار ہے۔ سچ تو بس یہ ہے کہ ایسی ذات کبھی والدین سے بھی زیادہ ادب
حترام اور تعظیم کے لائق ہے، کیونکہ والدین تو اللہ کے حکم سے انسان کی تخلیق کا باعث ہیں، اور ان کی جسمانی اور
روحانی تربیت ان کی ذمہ داری بنتی ہے، مگر کیا والدین اپنی اس تربیتی ذمہ داری سے مکمل طور پر عہدہ برآ ہوتے
ہیں، نہیں۔ والدین (وہ بھی تمام نہیں) اس تربیت کے بیج بوتے ہیں، مگر استاذ اس بیج کی خون جگر سے
آبیاری کرتا ہے، والدین کو اس کی بہت کم فکر ہوتی ہے کہ باغ عالم کے اس ننھے پھول میں حقیقی زندگی کی رعنائی
ورجمال کیوں کر اور کیسے پیدا ہو مگر استاد تو اس کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہے۔ والدین تو اولاد کو بتاتے ہیں کہ تم کون

اور تمہاری حقیقت و منزل کہاں ہے لیکن استاذ تو انسان کو اپنی حقیقت سے گہری آشنائی کا مکمل درس دیتا ہے۔ ________ ، القصہ اگر والدین گلشن اولاد کا مالک ہے تو استاذ اس گلشن کا مالی ہے جس کی خون جگر کی آبیاری ہی سے اس گلشن میں جمال و رعنائی آتی ہے اور جس کے صدقے ہی اس باغ کی غنچگی کو دوام و قیام حاصل ہے۔

انسان کی تربیت بلکہ بنیادی اور عظیم ترین تربیت میں استاذ کی اسی عظمت و منزلت کے صلے میں یقیناً دنیا نے دنیا کے دانشوروں نے، علمائے کرام نے اور فلسفیوں نے وہ مقام و احترام کیا ہے جو بلاشبہ اسی کے لائق و سزاوار ہے، اور یقیناً وہ ذات ایسی ہی ہے کہ انہیں عزت و احترام اور ادب و تعظیم کے اس اہم مقام پر فائز کیا جاسکے۔

دنیا کے دانشوروں اور اسلاف و علماء نے استاذ کا جو احترام کیا اور انہیں جو عزت و مقام دیا، کتابوں میں پڑھ کر کبھی تعجب ہوتا اور بے انتہا تعجب ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں استاذ کا کتنا بڑا مقام تھا اور کس خلوص دل سے استاذ کا احترام کرتے تھے تو کبھی اس معاشرہ پر ہم گریہ کناں اور مائل فغاں ہوتے ہیں کہ اس دور میں اساتذہ کے ساتھ طلبہ کا کیا سلوک ہے۔

ذیل میں ایسی ہی کچھ باتیں بیان کی جاتی ہیں جن سے ہم کو بھی معلوم ہو کہ استاذ کا کتنا بڑا مقام ہے، اور ہمارے اسلاف اپنے اساتذہ کا کتنا احترام کرتے تھے اسی طرح ہمارے طلبہ کو بھی سوچنا، سمجھنا اور پھر عمل کرنا چاہئے کہ استاذ کا کتنا بڑا مقام ہے، اور وہ ہماری خدمت و احترام کے کتنے اور کس قدر لائق و سزاوار ہیں۔

مشہور محدث سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد کی نصیحت تھی کہ اپنے اساتذہ کی خدمت واطاعت کو واجب سمجھو اس لئے میں اساتذہ کی خدمت میں مشہور تھا۔ میرے والد کا مقولہ تھا۔ لن یسعد بالعلماء الا من اطاعهم فاطعهم تسعد واخدمهم تقتبس من علمهم۔ (العلم والعلماء بحوالہ تہذیب الاسماء ج ۱) یعنی علماء واساتذہ سے وہی فیض اٹھائے گا جو ان کی خدمت کرے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے تھے: "كنت اصفح الورقة بين يدى مالك صفحا رفيقا هيبة لئلا يسمع وقعها"۔ یعنی (میں اپنے استاذ) مالکؒ کے سامنے کتاب کا صفحہ بھی الٹتا تو (احترام اور) ہیبت کی وجہ سے آہستہ الٹتا تو اس کی آواز ان پر گراں نہ معلوم ہو۔ اور پھر امام شافعی ہی کے شاگرد ربیع

اپنے استاذ کے بارے میں فرماتے ہیں: "واللہ ما اجترأت أن اشرب الماء والشافعی ینظر الی هیبة له" یعنی قسم بخدا مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہوتی تھی کہ میں اس حال میں پانی پیوں کہ میری طرف امام شافعیؒ دیکھ رہے ہوں۔ ایسا ان کے (احترام اور) ہیبت کی وجہ سے تھا۔ (تربیت الاولاد فی الاسلام ج ۱ ص۲۵۴) یہ تھا ہمارے اسلاف کرام کا شیوہ کہ وہ اپنے اساتذہ کرام کے ساتھ کتنے ادب اوراحترام سے پیش آتے تھے اور یقیناً اسی ادب واحترام اور خدمت واطاعت کا ثمرہ تھا کہ وہ اپنے ہی اساتذہ کی طرح وقت کے علم وادب کے امام بنے، مگر ہمارے زمانے میں ہمارے طلبہ کا اپنے اساتذہ کے ساتھ جو سلوک ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ یہ طلبہ اپنے اساتذہ کا ادب واحترام اور خدمت واطاعت تو کجا جن سے علم وادب کے بیش بہا گوہر حاصل کرتے ہیں انہیں زک پہونچانے، آزار دینے اور ان کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنے کو ہی اپنا کمال وعظمت اور افتخار سمجھتے ہیں، اور بلاشبہ یہی وجہ ہے کہ ان میں آج کوئی بڑا عالم نہیں پیدا ہوتا ان میں علم وادب کی خوبو تک نہیں ہوتی، جیسا کہ علماء کہا کرتے تھے۔" من تأذى منه استاذه یحرم برکة العلم" یعنی وہ طالب علم جس سے اس کا استاذ تکلیف اٹھاتا ہے وہ علم کی برکت (اور انتفاع) سے محروم رہے گا۔

بنا بریں ہمارے طلبہ کو سوچنا اور سمجھنا چاہئے کہ اساتذہ کے حقوق ان پر کیا ہیں ان کا ادب واحترام کس قدر اور کیوں ضروری ہے؟ کچھ طلبہ کا یہ شکوہ ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے استاذ کا رویہ ٹھیک نہیں ہوتا، اسی بنا پر وہ بھی ان کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں تو کیا برا ہے؟ ایسا ہرگز نہیں سوچنا اور کرنا چاہئے انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح طلبہ کے اوپر اساتذہ کے حقوق ہیں اسی طرح اساتذہ کے اوپر بھی طلبہ کے حقوق ہیں۔ اب اگر وہ غلطی پر ہیں اور اپنے طلبہ کے حقوق نہیں ادا کرتے تو ان کا عمل ان کے ساتھ ہے، البتہ طلبہ کو دیکھنا چاہئے کہ ان کے اوپر اساتذہ کے کیا حقوق ہیں؟ اگر وہ اپنے اساتذہ کے حقوق ادا کرتے ہیں تو لاریب کہ وہی کامراں ہیں

عزیز طلبہ یاد رکھئے! آپ کے اساتذہ آپ کے ادب، احترام اور خدمت واطاعت کے بیحد مستحق ہیں، یہاں تک کہ کبھی آپکے اپنے والدین سے بھی زیادہ۔ کیونکہ ایک آپ کے جسمانی تخلیق کا سبب ہیں تو دوسرے آپکے روحانی اور اخلاقی تربیت کے ضامن ایک آپکے گلشن ہستی کے مالک ہیں تو دوسرے اس گلشن کے باغباں ہیں جو اس کی باغبانی کو جزو ایمان سمجھتے اور اس کے تحفظ وارتقاء کے لئے اپنے خون جگر سے آبیاری کرتے ہیں۔

●●●

بابُ الفتاویٰ

رخصت کیوقت مصافحہ کا حکم

انتخاب ـــــ محفوظ الرحمن سلفی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں:

یہ جو عوام اور خواص میں مشہور ہے کہ " رخصت کے وقت مصافحہ سنت نبوی سے ثابت نہیں ہے " تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ امید کہ واضح دلائل کے ساتھ اس مسئلہ کے متعلق تشفی بخش جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

السائل

عبدالعلیم چمپارنی، متعلم جامعہ رحمانیہ

الجواب بعون اللّٰہ الوھاب وھوالموفق للصواب:

رخصت کے وقت مصافحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے صحیح حدیث سے ثابت ہے، اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں، انؓ سے یہ حدیث دو طرق سے آتی ہے۔

۱- من طریق نافع، عنہ، قال:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا ودّع رجلا أخذ بیدہ فلا یدعھا حتی یکون الرجل ھو یدع ید النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ویقول: "استودع اللہ دینك وأمانتك وآخر عملك"

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی آدمی کو رخصت کرتے تو اس کا ہاتھ پکڑ لیتے، اور اس وقت تک اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہ چھڑاتے جب تک کہ وہ آدمی خود اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے نہ چھڑاتا۔ اور آپ کہتے تھے: استودع اللہ ....

اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ (یعنی ہاتھ پکڑنے کے ذکر کے ساتھ) امام ترمذی نے اپنی سنن میں (۱) بطریق ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن یزید، عن نافع، عنہ روایت کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ: " هذا حدیث غریب من هٰذا الوجه " اس جملہ سے ان کا اشارہ حدیث کے ضعف کی طرف ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن یزید ایک مجہول آدمی ہے۔ (۲)

لیکن علامہ احمد شاکر (۳) اور علامہ البانی (۴) نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (یعنی متابعت کی وجہ سے جس کا ذکر آگے آرہا ہے)

۲ ۔ من طریق قزعة بن یحیی، عنه، قال قزعة :

ارسلني (ابن عمر) في حاجة له، فقال: تعالیٰ حتی أودّعك كما ودّعني رسول الله صلی الله علیه وسلم، وأرسلني في حاجة له فأخذ بيدي، فقال: " استودع الله " الحديث

قزعہ بن یحییٰ کی یہ روایت ان سے چند طرق سے مروی ہے ۔

ا ۔ من طریق عبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز، عن قزعة ۔

ب ۔ بعض رواۃ نے عبدالعزیز (جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے لڑکے ہیں) اور قزعہ بن یحییٰ کے درمیان اسماعیل (۵) ابن جریر، اور بعض نے ان کے بیٹے یحییٰ (۶) بن اسماعیل بن جریر کو داخل کیا ہے، حافظ ابن حجر کا فیصلہ ہے کہ صواب " یحییٰ بن اسماعیل " ہی ہے (۷) لیکن یہ یحییٰ ایک ضعیف راوی ہیں۔ (قال الحافظ: لین الحدیث) ۔

---

(۱) كتاب الدعوات: باب ما يقول إذا ودّع إنسانا ۔

(۲) تقريب التهذيب ، ۔ (۳) تحقيق مسند الإمام أحمد رقم ۴۹۵۷ و ۶۱۹۹ ۔

(۴) صحيح سنن الترمذي رقم ۲۷۳۸ ۔ (۵) مسند الامام احمد ج ۲ / ص ۳۸ ۔

(۶) مسند الامام احمد ج ۲ /ص ۱۳۶ ، وتاريخ ابن عساكر ج ۱۴ /ص ۴۱۸ ترجمة: قزعة ۔

(۷) تقريب التهذيب ۔ ترجمة : اسماعيل بن جرير ۔

قزعہ کی یہ روایت عبدالعزیز بن عمر نے خواہ براہ راست قزعہ سے لی ہو، یا یحیی بن اسماعیل کے واسطہ سے، دونوں ممکن ہے۔ حافظ ابن عساکر تاریخ میں عبدالعزیز مذکور کے ترجمہ میں (۱) فرماتے ہیں: روی عن قزعة، وعن یحی بن اسماعیل بن جریر عنه ایضا" نیز قزعہ کے ترجمہ میں (۲) فرماتے ہیں: " قدم (قزعة) دمشق فحدث من اهلها مکحول و ....

وعبد العزیز بن عمر بن عبد العزیز وروی عبد العزیز، عن یحی بن اسمٰعیل عنه۔ یعنی عبدالعزیز مذکور کی قزعہ سے براہ راست لقاء وسماع ثابت ہے اور یہ کتب ستہ کے قابل احتجاج راوی ہیں (کمافی کتب الرجال) بنا بریں یحیی بن اسماعیل کا ضعف اس حدیث کی صحت میں مانع نہیں، ہاں جہاں عبدالعزیز اور قزعہ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے (۳) وہاں مصافحہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصافحہ کا تذکرہ ایک ضعیف راوی کی روایت میں ہے لیکن:

ج ۔ یہ ضعف اسماعیل بن محمد بن سعد بن ابی وقاص کی متابعت سے دور ہو جاتی ہے جو ایک ثقہ راوی ہیں (۴) یہ متابعت عمل الیوم واللیلة (رقم ۵۱۴) میں پائی جاتی ہے، اس کو امام نسائی ہی کے طریقے سے ابن عساکر نے بھی روایت کیا ہے (۵) اس کے الفاظ ہیں:

(قال قزعة:) أتیت ابن عمر أودعه، فقال: أودعك كما ودّعني رسول الله صلی الله علیه وسلم فأخذ بیدی فحرکها، وقال: استودع الله، الحدیث۔

اس حدیث کے دونوں طرق (طریق نافع وقزعہ) میں " فأخذ بیده "، " فأخذ بیدی، فأخذ بیدی فحرکها " فأخذ بیدی فصافحنی " کے الفاظ واضح طور پر رخصت کے وقت مصافحہ پر دلالت کر رہے ہیں۔

(۱) ج ۱۰/ ۳۷۷ ۔ من تصویر مکتبة الدار بالمدینة المنورة

(۲) ج ۱۴/ ۱۷ ۴

(۳) مسند الامام احمد ج ۲/ ص ۲۵، وتاریخ دمشق حوالہ سابق ۔

(۴) تقریب التهذیب، ودیگر کتب الرجال ۔

(۵) حوالہ سابق ص ۳۱۹

مولانا حمید اللہ میرٹھی ایک استفتار کے جواب میں فرماتے ہیں (ان کے جواب کی تصدیق حضرت میاں صاحب نے بھی کی ہے) (۱)

" ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس طرح آتے وقت مصافحہ کرنا سنت ہے اسی طرح رخصت ہوتے وقت بھی سنت ہے، حالانکہ اکثر لوگ یوں کہتے ہیں کہ رخصت کے وقت کا مصافحہ درست نہیں، پس یاد رکھیں کہ درست اور سنت ہے "

اس فتویٰ پر تعقب کرتے ہوئے محدث مبارکپوری فرماتے ہیں :

مجیب رحمہ اللہ کا یہ فرمانا ٹھیک نہیں ہے، اس واسطے کہ رخصت ہوتے وقت کے مصافحہ کے سنت ہونے کو مجیب نے حدیث (کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا ودع رجلا اخذ بیدہ) الخ سے ثابت کیا ہے، حالانکہ اس حدیث سے صرف مسافر کو رخصت کرتے وقت مصافحہ کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے، اور غیر مسافر کے لئے رخصت ہوتے وقت کا مصافحہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اس حدیث میں تودیع سے مراد مسافر کو رخصت کرنا ہے۔ (۲)

اخیر میں فرماتے ہیں :

خلاصہ یہ کہ رخصت کے وقت غیر مسافر کے لئے مصافحہ کا مسنون ہونا نہ کسی حدیث مرفوع صحیح سے ثابت ہے اور نہ کسی اثر صحیح سے، ہاں مسافر کے لئے رخصت ہوتے وقت مصافحہ ثابت ہے (۳)

قلت : عوام اور خواص میں یہی تو مشہور ہے کہ مطلق رخصت کے وقت مصافحہ ثابت نہیں کم سے کم محدث مبارکپوری نے یہ تو مان لیا کہ مسافر کے لئے مصافحہ ثابت ہے تو عام رواج یہی ہے کہ کسی چھوٹے یا لمبے سفر ہی پر جاتے وقت رخصتی مصافحہ کیا جاتا ہے۔

حضرت العلام شیخ الحدیث رحمانی صاحب مرعاۃ سے جب احقر نے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آنجناب

---

(۱) فتاوی نذیریہ ج ۳/ص ۴۱۸

(۲) فتاوی نذیریہ ج ۳/ص ۴۲۱

(۳) حوالہ سابق ص ۴۲۲

نے بھی اس فرق کی طرف اشارہ کیا تھا۔ علامہ البانی اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حدیث صحیح سے تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ رخصت کے وقت بھی مصافحہ مشروع ہے، اس بات کی تائید حدیث (من تمام التحیۃ المصافحۃ) سے بھی ہوتی ہے، یہ حدیث گرچہ سخت ضعیف ہے اور اس سے کسی حدیث کی تقویت جائز نہیں مگر اس سے یوں استشہاد لیا جاسکتا ہے کہ حدیث نبوی (اذا دخل احدکم المسجد فلیسلم، واذا خرج فلیسلم فلیست الاولی باحق من الاخریٰ) سے رخصت کے وقت بھی سلام کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے (اور ملاقات کے وقت کا مصافحہ ثابت ہے) تو رخصت کے وقت مصافحہ کی مشروعیت بھی اسی طرح ثابت ہوجاتی ہے، اس لئے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ "رخصت کے وقت مصافحہ بدعت ہے" درست نہیں، ہاں ملاقات کے وقت مصافحہ کے متعلق وارد احادیث بہ نسبت رخصت کے وقت مصافحہ کے متعلق احادیث کے کثیر، اور زیادہ قوی ہیں۔ جو آدمی فقیہ النفس ہوگا وہ اس بات سے یہ مسئلہ اخذ کریگا کہ دوسرے مصافحہ کی مشروعیت پہلے مصافحہ کی مشروعیت کی طرح نہیں۔ پہلا تو سنت ہے اور دوسرا مستحب، لیکن یہ کہ یہ دوسرا بدعت ہے ایسا نہیں۔ (صحیحہ رقم ۱۴، ۱۵، ۱۶)

ھٰذا ما عندی واللہ أعلم وعلمہ أتم۔

الجواب صحیح
محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ، بنارس
۱/۱/۱۹۹۲ء

احمد مجتبیٰ سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس
۱/۱/۱۹۹۲ء

دوسری عظمتِ حج کانفرنس میں جامعہ سلفیہ کی شرکت

مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے زیر اہتمام ۳/۴/۹۲ء کو بمبئی میں منعقد ہونے والی دوسری عظمت حج کانفرنس میں شرکت کیلئے جامعہ سلفیہ کو دعوت نامہ موصول ہوا تھا، اس کانفرنس میں شرکت کیلئے جامعہ نے اپنا ایک نمائندہ وفد بھیجنے کا فیصلہ کیا، اور اس کے لئے راقم اور مولانا سعید میسور صاحب استاذ جامعہ سلفیہ بنارس کو نامزد کیا، تنگی وقت کے باوجود وفد وقت مقررہ پر بمبئی پہونچا، کانفرنس میں امام حرم مکی فضیلۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل حفظہ اللہ، اور داعی اسلام فضیلۃ الشیخ عبداللہ الجلالی حفظہ اللہ کی شرکت متوقع تھی، لیکن امام حرم کسی مجبوری کے باعث تشریف نہ لاسکے جب کہ شیخ عبداللہ الجلالی ایک دن کی تاخیر سے بمبئی پہونچے، بیرون ہند سے تشریف لانے والی شخصیات میں ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف حفظہ اللہ جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت، وزارت حج واوقاف کویت کے الگ الگ نمائندے سرفہرست تھے۔

کانفرنس کی کارروائی بمبئی کے بیت الحجاج (حج ہاؤس) میں تقریباً ساڑھے دس بجے صبح تلاوت کلام پاک کے بعد ڈاکٹر نصیف کے افتتاحی خطاب سے شروع ہوئی، عرب مہمانان کے علاوہ مولانا مختار احمد صاحب ندوی امیر جمعیۃ وصدر کانفرنس، مولانا سعید الاعظمی (ندوۃ العلماء لکھنؤ) مولانا حفیظ الرحمٰن صاحب اعظمی (جامعہ دارالسلام عمر آباد) اور جناب احمد زکریا صاحب نائب صدر مرکزی حج کمیٹی نے خطاب کیا، مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیۃ اہل حدیث نے استقبالیہ پڑھا، راقم کو قرار دادیں اور تجاویز پڑھنے کا موقعہ دیا گیا، لیکن وقت کی تنگی کے باعث پورا نہ پڑھا جاسکا۔ نظامت کے فرائض مولانا عبداللہ عبدالتواب صاحب جھنڈانگری نے انجام دیئے، جملہ مقررین نے فریضۂ حج کے تقدس، اس سے حاصل ہونیوالے دروس وعبر اور حرمت حرمین شریفین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حج کے سلسلے میں فراہم کی جانے والی سعودی خدمات و سہولیات کو سراہا اور حکومت سعودیہ کا شکریہ ادا کیا، نماز ظہر تک یہ کارروائی چلتی رہی۔

پھر دوسرے دن یعنی یکم مئی ۹۲ء جمعہ کو شرکاء کانفرنس بذریعہ خصوصی طیارہ منصورہ مالیگاؤں لے جائے گئے جہاں مہمان خصوصی ڈاکٹر نصیف نے جامعہ محمدیہ اور اس سے ملحق شعبہ جات کا معائنہ کیا اور یک عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

تیسرے دن ۲ مئی ۹۲ء سنیچر کو کوسہ (بمبئی) میں جامعہ محمدیہ کی ایک شاخ کی افتتاحی قریب رکھی گئی۔

وفد جامعہ سلفیہ نے ہند و بیرون ہند سے آئے مہمانان سے ملاقات کی۔ اور ذمہ داران جامعہ کا نہیں سلام پہونچایا، تمام لوگوں نے خصوصاً عرب مشایخ نے، بالأخص شیخ الجلالی نے جامعہ سلفیہ سے اپنی ہری وابستگی کا اظہار کیا اور اس کی تعمیر و ترقی کی دعائیں دیں، اور مستقبل قریب میں اس کی زیارت کا وعدہ کیا۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء۔

رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس کا جدید انتخاب

مربی انجمن جناب شیخ الجامعہ صاحب اور اساتذۂ کرام کی موجودگی میں ۲۸/اپریل ۱۹۹۲ء کو درج ذیل عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر	عبدالقیوم دین محمد	ع ۳
نائب صدر	محمد سلطان عبدالجبار	" "
ناظم	عبدالمالک حبیب اللہ	" "
نائب ناظم	شہاب الدین محمد سلیمان	" "
مراقب	ابو طاہر عزیز الرحمٰن	" "
خازن	ابو سفیان ابوبکر	" "
ایڈیٹر	عبدالسلام مقبول احمد	" "
نائب ایڈیٹر	محمد صہیب محمد ایوب	" "
معتمد خطابت عربی (الف)	محمد ارشد محمد اکرم	" "
نائب معتمد خطابت عربی (الف)	عطاء الرحمٰن ضیاء اللہ	ع ۲
معتمد خطابت عربی (ب)	شمس الزماں شوکت علی	" "
نائب معتمد خطابت عربی (ب)	کرم اللہ احمد حسین	" "
معتمد خطابت اردو (الف)	آفتاب عالم محمد انس	ع ۲
نائب معتمد خطابت اردو (الف)	عبداللہ عبدالحکیم	" "
معتمد خطابت اردو (ب)	کلیم اللہ محمد تسلیم	ع ۲
نائب معتمد خطابت اردو (ب)	شمیم احمد عبدالحلیم	" "

امین الکتب	محمد رفیق یار محمد	ع ۳
نائب امین الکتب	ریحان احمد عبدالحلیم	" "
معاون دارالکتب	ابوالوفاء شفیع اللہ	ع ۱
" "	ارشاد احمد محمد جنید	" "
" "	ریاض احمد عزیز اللہ	ث ۲
" "	عبدالخالق احسان اللہ	" "
" "	عبدالصمد مجیب اللہ	ع ۳
امین دارالاخبار	محمد ایوب عبدالغنی	" "
نائب " "	اشرف الحق عبدالباری	" "
معاون دارالاخبار	جمال العین نور العین	ع ۱
" "	عبدالغنی ثناء اللہ	ث ۲
" "	احسان اللہ فرید الدین	ع ۲
" "	ذاکر حسین رئیس احمد	" "
امین البرید	عبدالنور عبدالخالق	ع ۱
نائب امین البرید	عبدالغنی جسیر الدین	" "
رکن ندوہ	غیاث الرحمٰن محفوظ الرحمٰن	ث ۲

(عبدالمالک حبیب اللہ، ناظم ندوۃ الطلبہ)

ماہنامہ

محدث

بنارس

جلد ۱۰	محرم ۱۴۱۳ھ	جولائی ۱۹۹۲ء	شمارہ ۷

مدیر
عبدالوہاب حجازی

پتہ
دارالتالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب، وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک
سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

اِس شمارہ میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درسِ قرآن

انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ زندگی

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

ماکان لبشر أن یؤتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون۔ (آل عمران)

کسی بشر کے لئے یہ مناسب نہیں کہ خدا اس کو کتاب آسمانی سکھا دے اور علم پڑھا دے اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کے علاوہ میرے بندے بنو، لیکن ہاں! (یہ ضرور کہے گا کہ لوگو!) تم کتاب اللہ کو پڑھو پڑھاؤ اور اللہ والے بنو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو رافع قرظی رضی اللہ نے کہا کہ جب نجران کے یہود ونصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکٹھا ہوئے اور آپ نے جب ان کو اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے کہا کہ اے محمد! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی ویسے ہی عبادت کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ بن مریمؑ کی عبادت کرتے ہیں؟ ساتھ ہی نجران کا ایک دوسرا رئیس نامی نصرانی بھی بول اٹھا کہ ہاں اے محمد! کیا حقیقت میں آپ یہی چاہتے ہیں اور اسی کی دعوت ہمیں دے رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ ہم غیر اللہ کی عبادت کریں یا غیر اللہ کی عبادت کرنے کا لوگوں کو حکم دیں جس کے لئے نہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا اور نہ جس کا ہمیں حکم دیا (بھلا وہ کام ہم کیسے کرسکتے ہیں) ساتھ ہی اللہ نے ان ہر دو سوال کے جواب اور رد میں یہ آیت کریمہ نازل فرمایا:

جب صورتحال یہ ہے کہ نبی ورسول جس کے اوپر کتاب مقدس نازل ہوئی جس کے پاس اللہ کا پیغام اور جس کو نبوت ورسالت کا سب سے اعلیٰ وارفع اعزاز بخشا گیا اور اس کو سب سے افضل انسان قرار دیا گیا اس کی عبادت روا نہیں رکھی گئی تو بھلا عام علماء، مشائخ اور انسانوں کی عبادت کیونکر روا ہو سکتا

یہ تو یہود و نصاریٰ کا معاملہ تھا کہ وہ ہٹ دھرمی اور گمراہی کے دلدل میں اس طرح پھنس گئے کہ علما کی عبادت کرنے لگے ۔ اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ علیہا السلام کو معبود بنا لیا، ان کو مشکل کشا غوث اور ناصر و مددگار اور پروردگار کا درجہ دے دیا جس کی تردید کے لئے آیت کریمہ بالا نازل کی گئی، اور قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں ان کو عذاب الیم کی دھمکی دی گئی۔ مگر افسوس کہ یہ وبا امت مسلمہ کے اندر روز بروز پھیلتی گئی، غیر قوموں کے اندر ہر کنکر شنکر کیا بنا کہ ان کے یہاں ہر صاحب جبہ و دستار معبود حقیقی کا درجہ پا گیا۔ یہ محرم الحرام کا باعظمت اور باحرمت مہینہ اور اسکی نویں و دسویں تاریخ اس بات کی متقاضی تھی کہ مسلمان اسمیں امن و آشتی اور اطمینان و سکون سے روزے کی حالت میں زندگی گذارتے، مگر ہوتا یہ ہیکہ ان دنوں میں کچھ اہل بیت کا نام لینے والے سینہ کوبی کرتے، غم مناتے اور سوگ کرتے ہیں تو کچھ دوسرے ان دنوں میں کھیل تماشہ کرتے جلوس نکالتے غیر اللہ کی دہائی دیتے ڈھول بجاتے اور رقص کرتے ہیں۔ ان افعال قبیحہ اور بدعات و شرکیات پر کوئی قدغن لگانا چاہے، خلاف اسلام بتائے اور اس میں تیر و تفنگ اور لاٹھی بھالا نکالنے کے نتیجہ میں اکثر مسلمانوں میں خونریزی ہوجایا کرتی ہے، اس کی قباحت و شناعت کو گنائے تو اس کو شوکت اسلام کے اظہار کا نام دیکر روا قرار دینے کی جسارت کی جاتی ہے اور عذر گناہ بدتر از گناہ کا ارتکاب کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے لو لگانے عبادت کرنے اور پکارنے سے بار بار منع کیا ہے اور اسے منافی اسلام قرار دیتا ہے مگر محرم الحرام کے مہینہ میں خاص طور پر مسلمانوں کا جم غفیر حسن حسین کی قبر کی تمثیل بناتا ہے اس سے منتیں مانگتا ہے یا حسن یا حسین یا علی کے نعرے لگاتا ہے۔

افسوس ہے کہ اسلام نے جن چیزوں کو اسلام کے مکمل منافی قرار دیا ہے، اسی کو دین اور شعار ملت قرار دیتے ہیں، تعجب ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو کوفہ کے چند غداروں سے نمٹ نہ سکے اور بالآخر ان کی غداری کے نتیجہ میں ان کو حالت مظلومیت میں شہید ہونا پڑا، مگر آج کے پیروان اسلام جو نور اسلام عقل و خرد سے عاری ہیں ان کی دہائی دیتے ہیں اور اپنی مصیبتوں میں ان کو مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہیں۔

حالانکہ ان کو حکم تھا کہ وہ قرآن کو یاد کرتے اور اس کی تعلیمات کو اپنا کر ربانی بن جاتے۔

ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون۔

درس حدیث

یوم عاشوراء کی فضیلت

اصغر علی امام مہدی السلفی

عن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أفضل الصیام بعد رمضان شہر اللہ المحرم وأفضل الصلوٰۃ بعد الفریضۃ صلاۃ اللیل۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے روزے کے بعد سب سے افضل روزہ ماہ محرم الحرام کا روزہ ہے اور فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز ہے۔ (مسلم)

محرم الحرام کا مہینہ ایک مبارک مہینہ ہے اسی مہینہ سے اسلامی سال کی ابتداء ہوتی ہے جس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے رکھی گئی، اسی لئے اسے سنہ ہجری کہتے ہیں۔

کتب تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت اسی ماہ میں عاشوراء کے دن ہوئی تھی، اور یہ کہ عاشوراء کے دن ہی قیامت قائم ہوگی، اسلام میں اس مہینہ کی عظمت اور اس میں روزہ رکھنے کی فضیلت کا تعلق عاشوراء کے دن موسیٰ علیہ السلام کے فرعون سے نجات پانے اور فرعون کے اپنے لاؤلشکر کے ساتھ غرقاب ہونے سے ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ صحیح حدیث میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہیں آپ نے جب ان سے اس کی وجہ پوچھی تو یہود نے جواب دیا کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکریوں کو غرق کیا تھا اور اسکی ستم رانیوں اور مظالم سے موسیٰ علیہ السلام کو نجات بخشی تھی، اسی کے نتیجہ میں موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر اس دن روزہ رکھا تھا اور ہم بھی اسی کی خوشی میں روزہ رکھتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نحن احق بموسی منکم" یعنی ہم موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں اس شکریہ کے تم سے

زیادہ حقدار ہیں، چنانچہ آپ نے عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا اور فرمایا کہ آئندہ سال اگر باحیات رہا تو نویں تاریخ کو بھی ضرور روزہ رکھونگا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ اور اس کے رکھنے کا لوگوں کو حکم دیا تو لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہود و نصاریٰ اس دن کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے مشابہت سے بچنے کے لئے فرمایا کہ اگر آئندہ سال تک زندہ رہا تو نویں ذی الحجہ کو بھی روزہ رکھوں گا۔ (مسلم)

یہود کی مشابہت سے سختی سے منع کیا گیا ہے اور ایک دن کی روزہ رکھنے میں مشابہت لازم آتی تھی اس لئے آپ نے مشابہت سے بچنے کے لئے آئندہ سال ایک روزہ نویں یا گیارہویں کو ملالینے کا حکم دیا چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ: "صوموا یوم عاشوراء وخالفوا فیہ الیہود وصوموا قبلہ أو بعدہ" یعنی عاشوراء کے دن روزہ رکھو اس میں یہود کی مشابہت توڑنے کے لئے اس سے ایک دن پہلے یا بعد میں روزہ رکھو۔

ماہ محرم کی نویں و دسویں یا دسویں و گیارہویں تاریخ کو روزہ رکھنا چاہیے گرچہ یہ روزے نفلی ہیں مگر اس کی بڑی فضیلت ہے بعض روایتوں کے مطابق ابتداء اسلام میں جبکہ رمضان المبارک کے روزے فرض نہیں کئے گئے تھے عاشوراء کا روزہ فرض تھا آج اسکی فرضیت تو باقی نہیں مگر اسکی اہمیت اور فضیلت باقی اور مسلم ہے۔ اور جسطرح ماہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ ابراہیم علیہ السلام کی سنت قربانی اس امت کے لئے ایک عظیم یادگار ہے، ویسے ماہ محرم کی دسویں تاریخ موسیٰ علیہ السلام کے ایک عظیم حادثہ سے بچنے اور اس میں سرخروئی و نجات حاصل کرنے کی یادگار اور پروردگار عالم کے اس عطیہ و احسان کے بدلے میں امت محمدیہ کی طرف سے شکرانے کا روزہ ہے جو رب کریم کو بیحد محبوب ہے اور بندوں کے خطاؤں اور لغزشوں کی بخشش کا سبب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: صوم عاشوراء احتسب علی اللہ أن یکفر السنۃ التی قبلہ۔ یعنی عاشوراء کے روزہ کے بدلے میں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ پچھلے ایک سال کا گناہ معاف فرمادیگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو اس افضل ترین روزے کی برکت سے بہرہ ور ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کے لایعنی باتوں اور خرافات و شرکیات سے محفوظ رکھے، آمین!

-o-

افتتاحیہ

یورپ کی نوآزاد مسلم اکثریتی ریاست بوسنیا اور مغرب کا عبرت انگیز رویّہ

سوویت سوشلسٹ ری پبلک کے خاتمہ کے ساتھ ایشیا اور یورپ کی دا جمنوں مسلم اور صلیبی ریاستوں میں جمہوریت اور آزادی کا آفتاب ضوفشاں ہوگیا، ان آزاد ہونے والی ریاستوں میں سوشلسٹ وفاقی جمہوریہ یوگوسلاویہ کے وفاق سے آزادی کا اعلان کرنے والی وہ تین جمہوریتیں بھی ہیں جنہیں جمہوریہ کروشیا جمہوریہ سلوینیا، اور جمہوریہ بوسنیا کہتے ہیں، اس طرح ۱۹۲۹ء میں روس کے تعاون سے مارشل ٹیٹو کی قیادت میں جیتی گئی جنگ آزادی کے بعد تشکیل یافتہ وفاقی یوگوسلاویہ جو چھ ریاستوں پر مشتمل تھا اب صرف سربیا اور مانٹی نیگرو پر مشتمل ہے، سربیا اپنے آپ کو یوگوسلاوی وفاق کا جانشین سمجھتا ہے اور اس نے تینوں جمہوریتوں کی آزادی کو تسلیم نہیں کیا ہے، یہ بہت طاقت در ہے، وفاق کی فوج بھی اسی کے کنٹرول میں ہے۔ جون ۱۹۹۱ء میں سب سے پہلے کروشیا نے یوگوسلاوی وفاق سے آزادی کا اعلان کیا تھا اور اس کے بعد سلوینیا نے، امریکہ اور یورپین برادری نے ان کی آزادی کو تسلیم کیا اور بحیثیت آزاد اقوام انھیں اقوام متحدہ کا ممبر بھی بنا لیا گیا، جمہوریہ بوسنیا کے صدر علی جاہ عشرت بیگ نے مارچ ۱۹۹۲ء میں آزادی کے لئے ریفرنڈم کرایا تو ننانوے فیصد لوگوں نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا، اسے بھی یورپین برادری اور امریکہ نے تسلیم کیا، اور اقوام متحدہ نے ۲۲ مئی کو آزاد ملک کی حیثیت سے اسے اپنا ممبر بنالیا، لیکن سابق یوگوسلاوی وفاق کا جانشین سربیا کروشیا اور سلوینیا کو چھوڑ کر جمہوریہ بوسنیا کی نسل کشی تباہی اور بربادی کی طرف مائل ہوگیا، سربیا نے اپنی اور اپنے زیر کنٹرول وفاقی فوجوں کے ذریعہ

جمہوریہ بوسنیا کے دو تہائی رقبہ پر قبضہ جمالیا ہے۔ حقوق انسانی سے متعلق اہل مغرب کی عبرت انگیز دھاندلی لائق دید ہے کہ اگر اعلان آزادی کے سبب بوسنیا مجرم ہے تو یہی جرم سال بھر پہلے جمہوریہ کروشیا نے بھی کیا ہے لیکن دس ہزار کروش فوج بھی بوسنیا کی آزادی سلب کرنے کے لئے اس کی سرزمین پر چڑھ آئی ہے، کروشس لیڈروں نے بھی بوسنیا کی آزادی کو تسلیم نہیں کیا ہے اور کروش عوام کو اس کی آزادی کی راہ میں سینہ سپر کر دیا ہے۔

کل تک سربیا کروشیا کی آزادی کے خلاف برسرپیکار تھا لیکن بوسنیا کے مقابلہ میں دونوں متفق ہو گئے شاید اسی لئے کہ دونوں خالص صلیبی ملک ہیں، اور بوسنیا مسلم اکثریتی جمہوریہ ہے جو خلافت عثمانیہ کے ساتھ اپنا تاریخی پس منظر رکھتا ہے، یہاں کے مسلمان نسل کو نہیں بلکہ اسلام کو اپنی قومی شناخت مانتے ہیں اگرچہ یہ سرب، کروش، سلاو کی یوروپین نسلوں اور ترک نیز دیگر نسلوں پر مشتمل ہیں، تعجب ہے کہ علمی ترقی اور اہل مغرب کے بقول روشن خیالی کے گہوارہ جدید یورپ میں آج بھی اسلام جیسے دائمی اور آفاقی دین کے نام سے گھبرا کر نسل اور قوم کا بھوت اپنے اوپر سوار کر کے بے بس حق پرستوں کا خون بہایا جاتا اور اسی کو دانائی اور قومی مفاد گردانا جاتا ہے، عجب نہیں کہ ان مظلوم شہیدوں کا لہو جدید یورپ کی روشن خیالی کا منظر بدل دے اور آنے والی نسل اپنے آباء و اجداد کی اس جاہلانہ قومیت و مفاد پرستی پر ندامت کے آنسو بہائے، اسی قوم پرستی اور مفاد پرستی کے ہاتھوں یوگوسلاوی وفاق سے آزاد ہونے والی جمہوریتوں کے درمیان حریت اور آزادی کے مفاہیم آناً فاناً بدل دیئے گئے، کروشیا کی تائید حاصل کرنے کے ساتھ بوسنیا میں آباد سربوں کو اس کی آزادی کے خلاف کھڑے ہو جانے پر ابھارا گیا، پھر ان کے حقوق کی نگہداشت کے نام پر بوسنیا پر حملے شروع کر دیئے گئے، بوسنیا کی فوج میں سربیوں کی اکثریت ہے یہ بھی سربیا کے اشارے پر بوسنیا کے مفاد کے خلاف نقل و حرکت کرتی ہے، مارچ سے اب تک سات ہزار سے زیادہ بوسنیائی موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں، بوڑھوں کو قتل کیا جا رہا ہے، عورتوں کی بیحرمتی کی جا رہی ہے، بچوں کو جان سے مارا جا رہا ہے، بوسنیا کے دار الحکومت سراجیو کو جہاں مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں مسلسل گولہ باری کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، سیکڑوں تاریخی عمارات اور مساجد تباہ و برباد ہو گئیں، لوگ جان بچا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ بھاگ رہے ہیں لیکن حقوق انسانی کے علم بردار یورپ

کے دل وضمیر میں ان کی ہمدردی کے لئے کوئی جگہ نہیں، سنا ہے اقوام متحدہ نے عوامی مظاہروں اور کچھ سیاست کار حلقوں کے دباؤ کا لحاظ کرتے ہوئے سربیا پر اقتصادی ناکہ بندی کے گھیرے ڈالے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نام نہاد ناکہ بندی سے پہلے بوسنیا مکمل طور پر نہ صرف گھیر لیا گیا ہے بلکہ سربیا اور کروشیا اس کی دو تہائی زمین پر اپنی فوجوں کے ساتھ قابض ہو چکے ہیں۔

اقتصادی ناکہ بندی کا جب کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا جنگ کے شعلے بھڑکتے ہی رہے، مصالحت کی ساری کارروائیاں نقش آب کی طرح مٹتی رہیں تو فوجی کارروائی کے مطالبے ہونے لگے، اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری بطرس غالی نے کہا کہ فوجی کارروائی کی کوئی ضرورت نہیں ہے، برطانوی وزیر اعظم جان میجر اور دوسرے مغربی لیڈران نے فوجی کارروائی کو امکان سے خارج بتایا اور "نئے عالمی نظام" کے قائد امریکہ نے کہا کہ فوجی کارروائی امریکہ کے مفاد کے خلاف ہے، بطرس غالی صاحب نے ایک عجیب بہانہ بنا کر بوسنیا کے لئے بھیجی گئی اقوام متحدہ کی امن فوج کو واپس بلا لیا کہ امن دستوں کے لئے بڑے خطرات لاحق تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ موصوف اگر ایسا نہ کرتے تو حقوق انسانی کے علمبرداروں کی طرف سے اقوام متحدہ میں ان کی کرسی کے حقوق کے لئے بڑے خطرات لاحق ہوتے۔

بوسنیا کے خلاف سربیا اور کروشیا کی یہ وحشت ناک اور نسل کش جارحیت جب تھمتی نظر نہ آئی اور مغرب نے اس قضیہ کے تئیں سرد مہری نہیں بلکہ مسلسل جانبداری کا رویہ اپنایا تو ترکی میں تینتالیس مسلم ممالک کے وزراء خارجہ کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں بوسنیا کے وزیر خارجہ حارث بھی مدعو تھے، انہوں نے اپنے اور اپنے عوام کی طرف سے کانفرنس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ مسلم ممالک کو بوسنیا کے تحفظ کے لئے اپنی ایک امن فوج بھیجنی چاہئے، کانفرنس نے بوسنیا کی انتہائی نازک صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا اور اقوام متحدہ سے اپیل کی وہ فوجی مداخلت کرے، ساتھ ہی ترکی کے وزیر اعظم نے اسلامی ممالک سے اپنی اپنی فوجیں تیار رکھنے کی اپیل کی تاکہ اقوام متحدہ کی امن فوج کو اگر تعاون کی ضرورت پڑے تو انھیں بر وقت روانہ کیا جا سکے، یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ مملکت سعودیہ عربیہ نے اقوام متحدہ کی امن فوج برائے تحفظ بوسنیا کے جملہ مصارف خود اپنے ذمہ لینے کا اشارہ دیا ہے۔

اب خبریں آرہی ہیں کہ اقوام متحدہ دوبارہ سراجیو امن فوج بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہے، اور امریکہ

وزیر خارجہ نے بوسنیا کے دارالحکومت سراجیو کو جانے والی اشیاء کو روکنے اور وہاں کے عوام پر مظالم ڈھانے کے خلاف یوگوسلاوی حکومت کو متنبہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر یہ کارروائی بند نہ کی گئی تو اقتصادی ناکہ بندی سخت کر دی جائے گی، ساتھ ہی یورپی برادری نے بھی اپنی مشترکہ فوج بوسنیا بھیجنے کا اعلان کیا ہے، بعض اہل نظر کے مطابق قضیۂ بوسنیا سے متعلق اقوام متحدہ اور اہل مغرب کا یہ نیا اعلان ہمدردی دراصل ایک طے شدہ منصوبہ کا ابتدائی اظہار ہے، اہل مغرب اس نئی دلچسپی سے اولاً تو دنیائے اسلام کو قضیۂ بوسنیا سے الگ تھلگ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ مسلم ممالک بوسنیا کے تعاون کے لئے نہ کوئی فوج تیار کریں اور نہ اسے روانہ کریں، اور ثانیاً سربیائی اور کروشیائی افواج کے قبضہ کے مطابق بوسنیا کی تقسیم کا منصوبہ ان کی زیر نگرانی تکمیل پذیر ہو جائے

یوگوسلاوی وفاق کے اندر انتشار کی دراڑیں اصلاً سب سے پہلے سرب لیڈر سیلوسیوک نے پیدا کی تھیں جس نے وفاق کی دوسری جمہوریتوں میں بسنے والے سربیوں کے حقوق اور علاقائی خود مختاری کا نعرہ آج سے چھ سات سال پہلے بلند کیا تھا، جس کے رد عمل میں دوسری نسلوں اور قومیتوں میں بھی اس طرح کے رجحانات پرورش پانے لگے، اس لئے سربیا کو بوسنیا سے پہلے اپنے آپ کو آزادی اور جمہوریت کا مجرم گردانا چاہیئے، بوسنیا کے خلاف سربیا کی وحشیانہ جنگی کارروائیاں اس وقت اور زیادہ گھناؤنی ٹھہرتی ہیں جب کہ عالمی برادری نے اس کی آزادی کو تسلیم کر لیا ہے۔ یورپی برادری اور اقوام متحدہ کو بوسنیا کو مزید مغلوب بنانے اور اس کے پر کترنے کی پالیسی اختیار کرنے کے بجائے امن وسکون اور حقیقی حریت وجمہوریت کے مواقع مہیا کرنے چاہئیں، اور یوگوسلاوی وفاق کی تمام آزاد جمہوریتوں کے اندر اقلیات کے حقوق کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرنی چاہیئے۔ مغربی قیادت کی مفاد پرستانہ اور متعصبانہ سیاسی بازیگری کے نتیجہ میں فلسطینی قوم نصف صدی سے اپنے ہی وطن میں جس طرح بے خانماں برباد ہے تنہا یہی زخم دنیائے انسانیت کو صدیوں تک مضطرب رکھنے کے لئے کافی ہے، اگر بوسنیا کے مسلمان بھی بے خانماں برباد رکھے گئے تو ڈر ہے کہ انسانیت کے دونوں بازو نہ شل ہو جائیں اور انسانی روپ میں شیطان لعین کا لشکر سارے عالم پر جہانبانی کا برملا اعلان کر دے۔

دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ

میرے تاثرات کے آئینہ میں

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی
جھنڈانگر ، نیپال

زیر نظر مقالہ تین دینی مدارس کا تذکرہ ہے ، اگر ایک قسط میں پورا مقالہ شائع ہو جاتا تو یقینا اچھا ہوتا لیکن صفحات کی کمی کے باعث ہم مذکورہ مقالہ کو تین قسطوں میں دینے کے لئے مجبور ہیں۔ ادارہ

ہندوستان کے اندر مختلف النوع اور مختلف المقاصد مدارس کا جال بچھا ہوا ہے اور ان کے مختلف مسلک کے تحت ملک میں بے شمار مدارس و مکاتب بھی اور کچھ جامعات و معاہد بھی موجود ہیں ، ہندوستان میں ہمارے گردوپیش جو چھوٹے چھوٹے مدارس و مکاتب ہیں ان کا ذکر چھوڑ دیا جائے تو مئو کے تین عربی مدارس فیض عام ، دارالحدیث ، مدرسہ عالیہ اور دہلی کے مدارس ریاض العلوم ، مدرسہ میاں صاحب مرحوم ، مدرسہ معہدالاسلامی جوگابائی نئی دھلی اور بمبئی میں ضیاء العلوم محلہ مومن پورہ اور تحفیظ القرآن کا ندیولی ، اور مالیگاؤں کا مدرسہ جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں قابل ذکر ہیں اور سب اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں ، لیکن تین مدارس ان میں بڑے نامی گرامی اور معروف و مشہور رہیں جو جامعہ و دارالعلوم کہے جانے کے مستحق ہیں ۔

ہم اس مقالہ میں ان تین مدارس کا تعارف پیش کر رہے ہیں جن کی ایک شاندار تاریخ اور شاندار ماضی رہا ہے ۔

ابھی حال ہی میں مرکزی دارالعلوم بنارس ۲۷ ، ۲۸ / اکتوبر ۱۹۹۱ء میں سیرت کانفرنس میں گیا تھا ،

وہاں مختلف مکتبات والے کتابوں کا ذخیرہ لے کر آئے تھے، ایک کتاب حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ کی "حیات وخدمات" پر میں نے بھی خریدی، اس کے مطالعہ سے میں بہت مستفیض ومتاثر ہوا اس میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی، حضرت مولانا عبداللہ صاحب غازی پوریؒ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب آروی کے اوصاف جمیلہ، ان کے ورع وتقویٰ، کمال درجہ پرہیزگاری اور کمال علم وفضل کے دلچسپ ودلنواز ودل گداز واقعات بھی مرقوم تھے۔

میں نے محسوس کیا کہ جتنے مشہور عربی مدارس ہیں ان کے قیام کے لئے کوئی نہ کوئی صاحب فضل اہل علم بزرگ محرک ہوئے ہیں، میں نے اس کتاب میں پڑھا کہ حضرت مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری نے اپنا فیض و اثر مئو وبنارس پر ڈالا، مئو وبنارس کی حنفی بستیاں ان کے فیض صحبت سے اتنا زیادہ متاثر ہوئیں کہ انہوں نے کتاب وسنت کے پیرو کار رہنے کی دعوت کو شرح صدر سے قبول کر لیا اور کھلے طور پر حنفیت سے اہل حدیث جماعت میں شامل ہونے کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھا۔

اسی طرح مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کا علم وفضل پورے ہندوستان کی علمی دنیا میں مشہور تھا آپ نے بہت سی مسجدوں کو جماعت اہلحدیث کے حوالہ کیا، بہت سے مقدمات میں دلچسپی سے حصہ لیا، بہت سے مناظرات میں کامیاب وسرفراز ہوئے۔

علامہ شبلی مرحوم کی مایہ ناز کتاب سیرۃ النعمان کے ابطال وتردید میں ایک بہترین ومدلّل کتاب "حسن البیان فیما فی سیرۃ النعمان" نامی تصنیف فرمائی، جس کے بیان کی خوبیوں اور دلائل کی قوت کو علامہ شبلی نے بھی تسلیم کیا، بنگال کا مناظرہ مرشد آباد مشہور زمانہ ہے، اسی طرح مولانا رحیم آبادی صاحب کا ذکر خیر اور شہرہ وچرچا بہار، بنگال سے نکلتا ہوا دہلی کی راجدھانی تک پہونچا اور دہلی کے خواص بلکہ اخص الخواص نے آپ کی وہ پذیرائی کی جو حد قیاس سے باہر ہے ان کا اثر بھی دہلی کے شیخ عطاء الرحمٰن اور عبدالرحمٰن پر پڑا، اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے طفیل مدرسہ" دارالحدیث رحمانیہ" کا آغاز ہوا، اور انھیں کے مشوروں کی برکت سے دارالحدیث رحمانیہ کا سنگ بنیاد رکھا گیا، پس دراصل یہ سارے مدارس انھیں صاحب تقوی، ائمہ ھدی کی یادگار ہیں۔ ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے یہ سب پود انھیں کی لگائی ہوئی ہے

"مدرسہ احمدیہ آرہ سے مدارس احمدیہ سلفیہ دربھنگہ تک"

غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے ہندوستان میں درسگاہ ولی اللہی ہی ایک ایسی درسگاہ تھی جہاں سے پوری دنیا میں علم حدیث کی روشنی پھیل رہی تھی، اگر اس وقت اس کے بعد کوئی درسگاہ تھی تو سوائے فقہ اور کلام کے کسی دوسرے فن پر کوئی توجہ نہ تھی، جب غدر کے بعد مکمل طور پر ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط ہو گیا، اور دین خطرہ میں محسوس ہونے لگا تو جناب میاں سید نذیر حسین صاحب کے تلامذہ نے مختلف مقامات پر ایسی درسگاہیں جاری کرنے کی سوچی جہاں سے اس کی روشنی کو عام کیا جا سکے، چنانچہ ۱۸۹۸ء میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مہاجر مکی آرہ شہر میں ایک مدرسہ بنام "مدرسہ احمدیہ" کی بنیاد ڈالی، دیگر جید علماء کے علاوہ استاذ الاساتذہ جناب حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری کو صدر المدرسین کی حیثیت سے مقرر فرمایا، قوم و جماعت دین کے لئے مائل اور قرآن و حدیث کے علم کی پیاسی تھی، پورے ہندوستان سے اس درسگاہ میں علم کی پیاس بجھانے کے لئے شائقین کا تانتا بندھ گیا اور حقیقت یہ ہے اس دور میں اس کے مقابلہ کا کوئی دوسرا مدرسہ موجود بھی نہ تھا۔

چند سال کے بعد حضرت مولانا ابراہیم آروی نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ایک ایسے آدمی کی تلاش شروع ہوئی جو اس مدرسہ کو بحسن و خوبی چلا سکے، چونکہ سرداری کے سلسلہ میں آپ کی نظر مولانا رحیم آبادی ہی پر مرکوز ہو کر رہ گئی، چنانچہ مدرسہ کی باگ ڈور مولانا رحیم آبادی کے حوالہ کر کے آپ عازم مکہ شریف ہو گئے۔

مولانا مرحوم نے جب بار اہتمام اٹھایا تو سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے اسی شان کے ساتھ مدرسہ کو چلاتے رہے، آخر عمر میں جب ضعف غالب آگیا اور مدرسہ میں زیادہ وقت دینا دشوار ہو گیا، نیز مولانا آروی صاحب کے ورثاء کی طرف سے بھی کچھ گڑبڑ شروع ہونے لگی تو مولانا نے سوچا کہ اب اس عمر میں آرہ میں اس مدرسہ کو رکھ انتظام کرنا مشکل ہے، دوسرے اخراجات کا اکثر حصہ علاقہ ترہت سے وصول ہوتا تھا جس میں آپ کے پیرانہ سالی کی وجہ سے کمی واقع ہونے لگی تو خیال پیدا ہوا کہ اس مدرسہ کو یہاں سے منتقل کر کے دربھنگہ ہی لے جایا جائے جہاں انتظام کرنا آسان ہو گا چنانچہ اس مقصد کے تحت دربھنگہ شہر کے بلواگنج محلہ میں تھوڑی سی زمین حاصل کی اور ایک جھونپڑی کھڑی کر دی جس میں وقتاً فوقتاً قیام فرماتے اور پھر ایک مدرس

جناب حافظ عبداللہ صاحب بھواروی کو رکھ کر بچوں کی تعلیم کا نظم ونسق فرمایا اب وہی جھونپڑی عملاً تربیت کا مرکز تھی، جہاں سے مولانا کے مشن کی کامیابی کی تدبیریں ہوتی تھیں، اور اسی ہیڈ کوارٹر سے پروگرام طے ہوکر عمل درآمد ہوا کرتا تھا۔

یہی جھونپڑی مدرسہ کی بحالی اور بچوں کی تعلیم وتربیت کا مرکز اور "دارالعلوم احمدیہ سلفیہ" کے سنگ بنیاد کا باعث بنی۔ (حیات وخدمات ص ۶۲-۶۳)

محلہ بلوا گنج میں مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادیؒ مدرسہ کے لئے زمین حاصل کر چکے تھے، جیسا کہ ذکر آچکا ہے کہ مولانا موصوف اپنی کبرسنی اور علالت کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ میں زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے اس لئے خیال تھا کہ مدرسہ کو وہاں سے منتقل کرکے دربھنگہ لے آؤں، چنانچہ اسی مکان میں جو اپنی زمین میں تیار کیا تھا اہل چک زہرہ کی معاونت سے منشی اصغر حسین صاحب پیغمبر پوری اور پھر حافظ عبداللہ صاحب بھواروی کو رکھ کر بچوں کی تعلیم وتربیت کا انتظام فرمایا اور اس کے چند مہینوں کے بعد ہی آپ کا انتقال ہوگیا۔

بابو عبداللہ صاحب مرحوم آپ کی جگہ جماعت کے امیر مقرر ہوئے اس لئے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کی اسکیموں کو عملی جامہ پہنانا اپنا فرض سمجھ کر اس مکتب کو مدرسہ احمدیہ سلفیہ آرہ کا بدل بنانا اپنی ذمہ داری بنائی، چونکہ خود تو مستقل طور پر دربھنگہ میں سکونت نہیں اختیار کرسکتے تھے اور اس وقت شہر میں جناب ڈاکٹر سید محمد فرید صاحب علیہ الرحمہ موجود تھے جو دینی کاموں میں پیش پیش تھے، مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم کی علالت کے زمانہ میں روزانہ حاضری دیتے تھے اس لئے بابو عبداللہ مرحوم نے اپنے نائب کی حیثیت سے ڈاکٹر سید فرید صاحب کا انتخاب فرمایا۔

۱۳۳۶ھ سے ۱۳۴۷ھ تک تقریباً ۱۱ سال بابو عبداللہ مرحوم کے بعد جناب ڈاکٹر سید فرید صاحب مرحوم اندرونی وبیرونی معاملات کو خود ہی دیکھتے رہے اور انتظام کرتے رہے، باقاعدہ کمیٹی بھی بنی جس میں علماء شہر وبیرون شہر کے ہمدردان جماعت بحیثیت اراکین مجلس شریک رہے، اور بہت جلد وہ وقت آیا کہ مکتب کی جھونپڑی محل میں تبدیل ہوگئی، اور مکتب احمدیہ پھر "مدرسہ احمدیہ سلفیہ دارالعلوم احمدیہ

سلفیہ" بن گیا جس سے ہزاروں علماء اور تشنگان علوم سیراب ہو کر نکلے اور ملک و بیرون ملک میں بانی و ناظمین اور اساتذہ کا نام روشن کر رہے ہیں، فی الحال جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے بعد جماعت نے یہ ذمہ داری سید عبدالحفیظ صاحب سلفی کے سر ڈالی دی جو اپنے پیش رؤں سے بھی زیادہ انہماک کے سا دار العلوم کی خدمت میں مصروف ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے بزرگوں کی اس دینی خدمت کو قبول فرما کر زادِ آخرت بنادے اور موجودہ منتظمین کو مدرسہ کے مقاصد کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ اسلا اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ آمین! (حیات وخدمات ص ۹۱)

مدرسہ احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ کی علمی خدمات اور اچھے مدرسین کا بہت زمانے سے شہ ہے، جس زمانہ میں ہم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں مدرس تھا ڈاکٹر سید فرید صاحب نے بحیثیت مہتمم مجھے خط لکھا تھا کہ آپ بحیثیت مدرس میرے یہاں آنا منظور کریں، میرے یہاں سے آپ کو /50 ماہانہ مشاہرہ ملے گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ کا کوئی بھانجہ بھتیجہ یا رشتہ کا کوئی لڑکا آپ کے ساتھ نہ ہو، کیونکہ رشتہ داروں کے لڑکوں کے ساتھ ہونے سے مدرسہ کے نظام میں بڑا خلل ہوتا ہے۔

چونکہ اس وقت ہم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر سے وابستہ ہو چکے تھے اس لئے محترم والد صاحب مرحوم نے جانے کی اجازت نہیں دی، لیکن اس واقعہ سے ڈاکٹر سید فرید صاحب کا فہم و تدبر اور دور اندیشی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے، تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ استاذ کے ساتھ کسی رشتہ دار کا ہونا واقعی مدرسہ کے نظام میں خلل کا باعث ہوتا ہے۔

مولانا سید احمد فرید صاحب سے ایک دو بار جلسوں میں ملاقات ہوئی ہے لیکن جب ڈاکٹر سید عبدالحفیظ کا زمانہ آیا تو اس وقت میری تقریروں کے شباب کا زمانہ تھا، انہوں نے بار بار مجھے اپنے مذاکرہ کے جلسوں میں مدعو کیا اور وہاں میرا بار بار جانا ہوا اور ڈاکٹر سید عبدالحفیظ صاحب برابر کہتے رہے کہ آپ کا ہمارے جلسے میں آجانا ہی ہمارے جلسے کی کامیابی کی دلیل ہے چاہے آپ کی تقریر ہو یا نہ ہو۔ ہمیشہ بہت فرحت کے ساتھ پرتپاک استقبال کرتے رہے اور بڑے ہی عزت واحترام کے ساتھ رخصت کرتے رہے، ہمارے ان کے درمیان بہت اچھے تعلقات رہے جو اس وقت سے اب تک قائم ہیں، اور ڈاکٹر صاحب

موصوف جب تک سفر کے قابل رہے سعودیہ، کویت، قطر وغیرہ کا دورہ مدرسہ کے لئے خود کرتے رہے، مدرسہ احمدیہ سلفیہ کی خاص یادگار یہ ہے کہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے اس کو قائم کیا تھا، اور اس بزرگ وحید عالم نے اس کی آبیاری کی تھی ان کے بعد کے جانشین حضرات نے بڑی کافی جد وجہد اور محنت کیا اور تعلیمی وتعمیری خدمات میں احمدیہ سلفیہ کو ایک جامعہ کی شکل میں تبدیل کر دیا اس سے بہت اچھے سلفی علماء وفضلا پیدا ہوئے، انہیں سلفی علماء میں سے گل سرسبد قابل فخر سید لقمان صاحب سلفی ہیں جو اپنے مشہور ادارہ احمدیہ سلفیہ کو ہمیشہ ترقی یافتہ اور ممتاز دیکھنا چاہتے ہیں۔

آج کل مولانا خوبی قسمت سے ریاض میں محترم ومکرم شیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ کے دفتر کے ترجمان ہیں، ان کی وجہ سے احمدیہ سلفیہ کو بڑا وقار حاصل ہے اور ہمیشہ وہ اپنے مادر علمی کو اپنے سینۂ بے کینہ میں یاد رکھتے ہیں۔

اگرچہ مولانا لقمان سلفی نے اپنے خصوصی تعلقات واثرات کلکنا پر اپنے گاؤں "چندن بارہ" میں ایک بڑا پرشکوہ وعالیشان مدرسہ ایک مستحکم نظام کے ساتھ کھول دیا ہے اور اس میں سلفی حضرات اور کچھ مندوبین ومبعوثین بھی تعلیمی وتدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن اس کی وجہ سے احمدیہ سلفیہ کا وقار ومقام کچھ فروتر نہ ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ ہمارے محترم لقمان صاحب سلفی اس حقیقی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھیں گے قرآن کا ارشاد ہے: السابقون السابقون اولئك المقربون۔ سابق لوگ سابق ہوں گے وہی لوگ دراصل خدا کے مقرب ہوں گے۔ کسی عربی شاعر نے کہا ہے: ؎

الفضل للمتقدم یعنی جنہوں نے پہلی پیش رفت کی ہے فضیلت کے وہی مستحق ہیں۔

یہ میری پرخلوص دعا ہے کہ احمدیہ سلفیہ اپنی تعلیمی وتعمیری، دعوتی وتبلیغی، تصنیفی وتالیفی سرگرمیوں میں ترقی کرے اور اس کا پریس بھی روز افزوں ترقی پذیر رہے۔ بالخصوص مدرسہ نسواں اور طبیہ کالج اور نرسری اسکول کو اللہ تعالیٰ عروج وفروغ عطا فرمائے اور میرے محترم سید ڈاکٹر عبدالحفیظ کے ابناء کرام اور جانشین حضرات کو ان خاکوں میں مزید رنگ بھرنے اور جملہ مشروعات ومدارس کو بام عروج پر پہونچانے کی بہترین توفیق عطا فرمائے۔

اسلام میں
بیوہ اور مطلقہ عورتوں کا عقدِ ثانی

از مقتدی حسن یاسین ازہری

اسلامی شریعت کی جامعیت اور کمال

اسلامی شریعت کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے جملہ احکام و قوانین میں انسانی فطرت کے تقاضوں اور معاشرہ کی مصلحتوں کی رعایت کی ہے، یہ شریعت چونکہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے جو بندوں کے احوال سے پوری طرح باخبر اور ان کے نفع و نقصان سے واقف ہے، اس لئے اس کے احکام میں خیر و فلاح کے ایسے پہلو مضمر ہیں جن تک انسانی ذہن کی رسائی نہیں ہوسکتی اسلامی شریعت کا یہ وصف اسے اُن انسانی قوانین سے ممتاز و برتر بنا دیتا ہے جو انسان کے محدود ذہن اور ناقص عقل کی پیداوار ہوتے ہیں اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ انسان کے بنائے ہوئے قوانین میں وقتاً فوقتاً ترمیم و اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے، اور مخصوص اوقات و احوال کے بعد ان کی افادیت و معنویت ختم ہوجاتی ہے جبکہ ان کو وضع کرتے ہوئے ایسے ایسے ماہرینِ قانون کی خدمات حاصل کی جاتی ہیں جن کی حیثیت و شہرت قانون سازی کے باب میں مسلم ہوتی ہے، اور معاملہ کا باریک سے باریک پہلو بھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ اسلامی شریعت اور انسانی قوانین کے مابین فرق و امتیاز کا یہ وہ پہلو ہے جسے بیشتر ماہرین و دانشور تسلیم کرتے ہیں، اور موقع بموقع ان کی زبان و قلم سے اسلامی شریعت کی برتری و جامعیت کیلئے شہادت حق نکل جاتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کا مذکورہ کمال عقائد و عبادات اخلاق و معاملات سے متعلق جملہ احکام و آدا

میں پوری طرح نمایاں ہے، لیکن خاندان و معاشرہ سے متعلق اس کمال کی جلوہ آرائی زیادہ نمایاں ہے، یا بالفاظ دیگر انسان کو معاشرتی احکام میں اس کمال کا ادراک آسانی سے ہوجاتا ہے۔

انسان کی عائلی زندگی میں گوناگوں احوال و تعلقات کے پیش نظر بڑی نزاکتیں اور گہرائیاں ہوتی ہیں اور اس میں ایسے ایسے موڑ آتے ہیں کہ تھوڑی سی بے توجہی پورے خاندانی اور معاشرتی نظام کو درہم برہم کردیتی ہے، ملے ہوئے دل بچھڑ جاتے ہیں اور دیرینہ تعلقات کا سبزہ زار نفرت و عداوت کی خزاں سے جھلس جاتا ہے۔

مگر یہ رب ذوالجلال کی رحمت و عنایت ہے کہ اس نے معاشرہ و خاندان کی اصلاح و سدھار کے لئے ایسا جامع نظام نازل فرمایا جس کی پابندی انسانوں کے لئے جملہ خیر و سعادت کی ضامن ہے اور جس کے ذریعہ انہیں زندگی کے سرد و گرم تمام حالات میں تسلی و سہارا ملتا ہے، اس نظام میں معاشرہ کے افراد سے متعلق انتہائی دقیق و جامع احکام بیان کئے گئے ہیں، اور عائلی نظام کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے ہر طرح کی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔ کتاب و سنت میں اس نظام کے عمومی قواعد درج ہیں، اور اسلامی فقہ کی کتابوں میں تفصیلات و جزئیات کا بیان ہے، ان تفصیلات کو سامنے رکھ کر اسلامی نظام پر کوئی تبصرہ مقصود نہیں، صرف اس نظام کے ایک جزئی مسئلہ پر اس وقت کچھ گذارشات پیش کرنی ہیں۔ یعنی مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کا مسئلہ۔

نکاح فطری امر ہے

سابقہ تمہید میں ہم نے اسلام کی جس خوبی کی طرف اشارہ کیا ہے اس کا ایک مظہر نکاح سے متعلق اسلامی احکام بھی ہیں۔ چونکہ اسلام دین فطرت ہے، اس لئے اس نے انسانی وجود کی تمام ضرورتوں کو جائز طور پر پورا کیا ہے، اور کسی ایسے رجحان و جذبہ کو دبانے کی تعلیم نہیں دی ہے جس سے فرد یا معاشرہ کی تعمیر میں مدد ملتی ہو۔

انسانی طبیعت پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اہم ضرورتوں میں ایک ضرورت نکاح ہے جس کے ذریعہ انسان کے جنسی جذبہ کی تسکین ہوتی ہے، اور ساتھ ہی افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اگر انسانی طبیعت کے اس تقاضہ کو مناسب طور پر پورا نہ کیا جائے تو اس سے ایک طرف انسان کا جسم و دماغ متاثر ہوگا، اور دوسری طرف تمدن کی ترقی رک جائے گی، اور معاشرہ میں اخلاقی برائیوں

ورذہنی تناؤ کی کثرت ہو جائے گی۔ شادی کی اسی اہمیت وافادیت کے پیش نظر اسلام نے اسے عبادت
ا درجہ دیا ہے اور اس کے لئے تفصیلی احکام بتائے ہیں۔

اسلام نے مرد وعورت کے لئے جس طرح عام حالات میں شادی کو ضروری قرار دیا ہے اور اس
ا ترغیب دی ہے، اسی طرح اتفاقی حالات میں بھی اس نے اسے تجرد کی زندگی سے بہتر قرار دیا ہے، بلکہ
سلامی تعلیمات کی روح ومقصد پر نظر کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ بعض اتفاقی حالات میں انسان
کے لئے شادی زیادہ ضروری قرار پاتی ہے، اور اس سے چشم پوشی کے نتائج زیادہ سنگین ہوتے ہیں۔
بوہ اور مطلقہ عورت کے عقد ثانی کے جس موضوع پر ہم اظہار خیال کر رہے ہیں اس کی بیشتر صورتیں
یسی ہی ہوتی ہیں کہ اگر ان میں شادی سے صرف نظر کیا جائے تو فرد اور معاشرہ دونوں کو زبردست
ذہبی واخلاقی نقصان کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے۔

شرعی احکام اور اسوۂ نبوی کی اہمیت

قرآن کریم کی متعدد آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر
وجود ہے کہ ایک سچے مومن کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کے کسی حکم سے سرتابی نہ کرے، کتاب وسنت سے جو
حکام ثابت ہوں، اور اسوۂ رسول اللہؐ سے اسے جس طرح کی رہنمائی حاصل ہو اس کی جان ودل
سے پیروی کرے اور کسی بھی دباؤ یا رکاوٹ کے نتیجہ میں اسلام کے کسی حکم کو نظر انداز نہ کرے۔ یہی ایمان
ا تقاضہ اور ایک مسلمان سے اسلام کا مطالبہ ہے۔ شریعت کی رو سے کسی حکم کے ثبوت اور اس کے علم کے
عد کوئی مسلمان اسے تسلیم کرنے اور اپنا دستور العمل بنانے میں پس وپیش کرے تو اس سے ایمان کے
ضائع ہونے کا اندیشہ ہو جاتا ہے، اور ایسا آدمی اللہ تعالیٰ کی وعید کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ اسلام کے کسی حکم
دیدہ ودانستہ نظر انداز کرنے کی صورت میں جو وعید مسلمانوں کو سنائی گئی ہے اس کی سنگینی کا اندازہ
بعض آیات واحادیث پر غور کرنے سے ہو سکتا ہے۔

سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۶ میں ارشاد ہے کہ:

وماكان لمؤمن ولا مؤمنة اذا	یعنی کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق
قضى الله ورسوله امرا ان	نہیں کہ جب کسی کام میں اللہ اور اسکا رسول

يكون لهم الخيرة من امرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا ۔

فیصلہ کر دیں تو ان کو بھی اپنے کام میں اختیار باقی ہو، اور جو کوئی اللہ اور اسکے رسول کی بے فرمانی کرتا ہے وہ صریح گمراہی میں پڑ جاتا ہے ۔

ایک حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا یہانتک کہ اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ بن جائے ۔

اس حدیث سے اور اسی طرح اس سے پہلے مذکورہ آیت سے ایک اصولی بات کا علم ہوتا ہے، یعنی اسلام کا دعویٰ کرنے کے بعد انسان اپنی مرضی اور خواہشات کے سلسلہ میں آزاد نہیں رہ جاتا، بلکہ ایمان کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ شریعت کے کسی بھی حکم کے سامنے وہ اپنی کسی خواہش یا ارادے کو نہ لائے، اللہ اور رسول جس بات کا حکم دیں اس کے لئے اپنی ہر خواہش اور ہر ارادے کو قربان کر دے، اللہ اور رسول کی اطاعت کا اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم نہیں ۔ جو لوگ شریعت کے احکام میں تفریق کرکے اپنی مرضی کے مطابق احکام کو مانتے ہیں اور مرضی کے خلاف احکام سے گریز کرتے ہیں ان کا دعویٰ ایمان سچا نہیں، مومن کی شان یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جو بات بھی کہی جائے اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، ایسے موقع پر دل کی کوئی خواہش اور سماج کا کوئی نظام ومزاج شریعت کے حکم کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکے ۔

بیوہ عورتوں کے عقدِ ثانی کا حکم شریعت میں بہت واضح ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں، لیکن ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں نے اس مسئلہ میں ہندو مذہب اور ہندو سماج سے متاثر ہو کر بیوہ عورتوں کے دوسرے نکاح کو برا سمجھنا شروع کر دیا انہیں ایسا کرنے میں شرم کا احساس ہونے لگا، شریعت کا حکم جب ان کے سامنے آیا تو غیر اسلامی رسم ورواج کے دباؤ سے مجبور ہو کر انہوں نے شریعت کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اگر انہیں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کا صحیح مفہوم اور اس اطاعت کی ضرورت واہمیت کا اندازہ ہوتا تو شریعت کے حکم کے مقابلہ میں وہ رسم ورواج پر کوئی توجہ نہ دیتے ۔ اور جو بات قرآن وحدیث سے ثابت ہوتی اسی پر عمل کرتے، جس کام کو اسلام نے اچھا قرار دیا اسی کو اچھا سمجھتے، اور جس کام کو برا قرار دیا اسے برا سمجھتے۔ لیکن غلط رسم ورواج کی پابندی اور بیجا قسم کے سماجی دباؤ نے ان کے مزاج کو ایسا بنا دیا کہ شریعت

حکم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے میں انہیں شرم محسوس ہوتی ہے، اور رسم و رواج
پابندی میں وہ عزت محسوس کرتے ہیں۔ اسلامی شریعت پر عمل کا مسئلہ ان کی نظر میں اتنا اہم نہیں
س کے لئے رسم و رواج کو چھوڑ دیا جائے، بلکہ رسم و رواج کے لئے شرعی حکم کو نظر انداز کرنا ان کے لئے
ان معلوم ہوتا ہے، یہی وہ مہلک مرض ہے جس میں گرفتار ہونے کے بعد انسان اسلام سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔

کتب سیرت و حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ بیویوں میں
، صرف ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا شادی کے وقت کنواری تھیں، ان کے علاوہ دیگر
واج مطہرات میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ شادی کے وقت کنواری نہ تھیں۔ سب سے پہلے آپ
حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تھا جو ایک بیوہ خاتون تھیں۔ آپ کا یہ اسوۂ مبارکہ ان تمام
الات فاسدہ کی بیخ کنی کے لئے کافی ہے جن کی وجہ سے آج کے بہت سے مسلم معاشروں اور گھرانوں میں بیوہ
دوسری شادی کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت مبارکہ کی کوئی ایسی تخصیص
ں جس سے یہ سمجھا جائے کہ امت کے لئے بیوہ یا مطلقہ سے نکاح درست نہیں بلکہ آپ کی ذات کے ساتھ یہ
خاص ہے، اس نوعیت کی کسی تخصیص کا دعویٰ اسی وقت تسلیم کیا جا سکتا ہے جب اس کے لئے کوئی
یح عبارت موجود ہو، لیکن کتاب و سنت میں کوئی بھی آیت یا حدیث اور صحابہ کرامؓ کی زندگی میں
ئی بھی ایسا واقعہ موجود نہیں جس سے یہ ثابت کیا جا سکے کہ اسلام میں عورتوں کا عقد ثانی ممنوع یا کسی بھی
جہ میں ناپسندیدہ ہے۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی میں عقد ثانی کی مثالیں موجود
، اسی طرح صحابہ کی زندگی میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی کے متعلق مذکور ہے کہ انہوں نے ایک رانڈ عورت
، شادی کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت پر اس کی وجہ بھی پیش کی۔ (فتح الباری ۹/۱۲۱)

اسی طرح بخاری شریف ہی میں مذکور ہے کہ جب حضرت حفصہؓ بیوہ ہو گئیں تو حضرت عمرؓ نے حضرت
نانؓ سے خواہش ظاہر کی کہ ان سے شادی کر لیں، ان کی خاموشی کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے سامنے اسی
اہش کا اظہار کیا، انہوں نے بھی کچھ نہیں کہا، پھر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کو اپنے
د میں لے لیا۔ (فتح الباری ۹/۱۷۵)

یہ دونوں واقعے بیحد واضح ہیں، ان کے سیاق و سباق سے کہیں بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ عقد ثانی کے سلسلہ میں عصر نبوت میں کسی بھی مسلمان کے دل میں کوئی ادنی سا خیال بھی ایسا تھا جس سے اس کام کے ناپسندیدہ ہونے کا تصور قائم کیا جا سکے۔ جس کام کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو، اور آپؐ کے صحابہؓ نے کیا ہو اور آپ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو تو پھر ایسے کام کے سلسلہ میں کسی طرح کی کراہیت اگر دل میں پیدا کی جائے تو اس کا کھلا مطلب یہ ہوگا کہ ہم اتباع رسولؐ کے دعوے میں سچے نہیں ہیں شریعت کے جو مسائل و احکام ہماری طبیعت کے مطابق ہوتے ہیں ان کو مانتے ہیں، اور جن احکام کو اپنے مزاج و ماحول کے مخالف تصور کرتے ہیں ان پر عمل سے دامن بچاتے ہیں، ایمان کے لئے ایسا رویہ بیحد مضر ہے۔

تحریک شہیدین اور نکاح بیوگاں

ہندوستان میں تحریک شہیدین کو توحید کی اشاعت اور شرک و بدعت کی تردید نیز مخالف شرع رسم و رواج کا قلع قمع کرنے میں خاص امتیاز حاصل ہے، اس تحریک کے قائدین و متبعین ہر ایک کی عملی زندگی میں اس طرح کی جرأت و غیرت کے بہت سے نمونے ملتے ہیں کہ اسلام کی تعلیمات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ پر عمل کرنے کیلئے ان پاک طینت نفوس نے ہر چیز کو قربان کر دیا، مولانا غلام رسول مہرؒ لکھتے ہیں کہ :

" قیام وطن کی اس مہلت میں (شعبان ۱۲۳۴ سے شوال ۱۲۳۶ھ تک جب کہ سید احمد شہیدؒ رائے بریلی میں مقیم تھے) سید صاحب نے احیاء سنت کے جو ممتاز کارنامے انجام دیئے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے گھر سے نکاح بیوگاں کا آغاز کیا۔

" سید صاحب کے منجھلے بھائی سید اسحاق کی بیوہ جوان تھی، اس کا صرف ایک بچہ تھا سید اسماعیل جس کی عمر بہ مشکل چھ سات برس کی ہوگی، سید صاحب نکاح بیوگاں کا اجراء چاہتے تھے، احیاء سنت اور تجدید شیوۂ اسلامیت کے سلسلہ میں وعظ و تبلیغ سے کہیں بڑھ کر فائدہ عملی اقدام سے پہنچ سکتا تھا، اسی بناء پر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کے لئے تیار ہو گئے۔ "

(سید احمد شہید ص ۱۴۴)

مہر صاحب مزید لکھتے ہیں :

"بعض اولوالعزم اصحاب نے بندش کو محو کرنے اور اصل سنت کو رواج عام دینے کے شوق میں ضرورت کے بغیر بھی بیوہ خواتین کے نکاح کر دیئے۔ اس کی ایک مثال شاہ اسماعیل کی ہمشیر بی بی رقیہ کا نکاح تھا۔ بی بی رقیہ شاہ اسماعیل سے بڑی تھیں، ان کی عمر پچاس سے اوپر ہو چکی تھی، وہ شیخ ولی محمد پھلتی کے چچا شیخ کمال الدین سے بیاہی گئی تھیں، اور غالباً جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ اگرچہ حد یاس کو پہونچ چکی تھیں اور انہیں نکاح کی ضرورت نہیں رہی تھی لیکن شاہ اسماعیل کو احیاء سنت کے ثواب میں شریک ہونے کا اتنا شوق اور ایسا ولولہ تھا کہ بہن کو راضی کیا اور مولانا عبدالحی سے ان کا نکاح کر دیا۔" (سید احمد شہید ص ۱۴۸)

تحریک شہیدین کا زمانہ مسلمانوں کے عملی زوال اور اسلامی تعلیمات سے دوری و بے توجہی کا زمانہ تھا، توحید و سنت کے مسائل کی ان کی نظر میں اہمیت کم تھی، اور رسم و رواج کو اسلامی تعلیمات کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت دیتے تھے، مسلم گھرانوں میں خلاف شرع جو باتیں رواج پاگئی تھیں انہیں میں نکاح بیوگاں کی مخالفت بھی تھی، مہر صاحب اس کراہت کا ماخذ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ میل جول میں جو معیوب اور سراسر غیر شرعی رسمیں اختیار کر لی تھیں، ان میں سے ایک رسم یہ بھی تھی کہ کسی خاتون کا شوہر فوت ہو جاتا تو ضرورت کے باوجود دوسرا نکاح نہ کرتی، اور ایسے نکاح کو نجابت و شرافت کے منافی سمجھا جاتا تھا، خصوصاً اونچے گھرانوں میں تو اس کا تصور بھی موجب ننگ تھا۔" (سید احمد شہید ص ۱۴۴)

اس بیان سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں ایمان کی کمزوری کا کیا حال تھا، اسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں خبر نہ تھی، ہندوانہ رسم و رواج پر چل رہے تھے، پھر بھی شرافت و عظمت کے مدعی تھے! ۔

عقد ثانی کیلئے علماء کی ترغیب

سنت نبویہ کے احیاء اور شرک و بدعت کی تردید کے سلسلہ میں علماء اسلام نے غیر منقسم ہندوستان میں جو خدمت انجام دی ہے اس میں ایک کام نکاح بیوگاں کے موضوع پر رسائل و کتب اور مضامین کی تصنیف کا بھی ہے۔ دہلی کے مولانا عبدالرحیم صاحب نے ایک کتاب بعنوان "رانڈوں کی شادی" تصنیف

کی تھی، اس میں مکہ مکرمہ و مدینہ طیبہ کے تقریباً سوا سو (۱۲۵) علماء کرام کے دستخط و مہر ہیں، ان سب نے نکاح بیوگاں کی حمایت کی ہے، اور اس اہم سنت نبویہ اور معاشرتی ضرورت کی مخالفت پر تعجب کا اظہار کیا ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کے ایک طبقہ کی طرف سے سامنے آئی ہے، ان کا کہنا ہے کہ جب کوئی بات کتاب و سنت سے ثابت ہو چکی ہے تو اس کے بارے میں کسی مسلمان کی طرف سے مخالفت کا مفہوم یہ ہے کہ ایمان میں نقص اور سنت رسولؐ کی پیروی کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔

مذکورہ کتاب میں یہ بھی صراحت ہے کہ عورتوں کے عقد ثانی کو برا جاننا، اس کے کرنے والوں پر لعن طعن کرنا، ان کو برادری سے خارج کرنا، جاہلوں کے کہنے میں آکر اللہ و رسولؐ کے احکام قبول نہ کرنا اور کفر پر قائم رہنا ایمان کے منافی ہے، ایسے لوگوں کا مقاطعہ کرنا چاہئے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے انکار اور سنت رسول کی تحقیر کے مرتکب ہیں۔

جن عورتوں کو اس سنت پر عمل کرنے میں تامل ہے ان کو سمجھانا بھی ضروری ہے، وہ غلط رسم و رواج کے دباؤ کی وجہ سے اسلامی تعلیم کی خلاف ورزی کی مرتکب ہو رہی ہیں، اس کا انجام کسی بھی طرح اچھا نہیں ہو سکتا۔

ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ کہیں اشراف کے گھروں میں بیوہ کا نکاح ہوا ہے؟ ایسا چھوٹی ذات والے کرتے ہیں۔

ایسے نادان لوگوں کو معلوم نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ اپنے، اپنی لڑکیوں اور اپنی نواسیوں کے سلسلہ میں کیا تھا۔ اس اسوۂ حسنہ کی موجودگی میں کسی طرح کا تامل و تردد کیا وزن رکھتا ہے؟۔

عقدِ ثانی برا کیوں؟

ہمارے معاشرہ میں بیوہ عورتوں کے نکاح ثانی کو برا سمجھنے کی چند بڑی وجوہ ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ہم صحیح اسلامی تعلیمات سے پوری طرح واقف نہیں ہیں، لہٰذا جب ہمارے سامنے کوئی معاملہ آتا ہے تو اسے اسلامی تعلیمات پر پرکھ کر فیصلہ کرنے کے بجائے اپنی پسند یا معاشرہ کے رسم و رواج کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہیں، اور اس طرح کبھی جائز کام ناجائز اور ناجائز کو جائز بنا دیتے ہیں، شریعت میں اس رویہ کی بڑی سخت مذمت

کی گئی ہے۔

دوسری وجہ ہندوانہ رسم ورواج کی تقلید کا جذبہ ہے، ہم جس ملک میں رہتے ہیں، اس میں بعض دوسرے مذہب والے بیوہ عورتوں کے نکاح کو معیوب سمجھتے ہیں۔ اس صورت میں ہمارا فرض یہ تھا کہ ان کو اسلام کی معاشرتی تعلیمات کی خوبیوں سے آگاہ کریں، اور ان تعلیمات پر عمل کرکے ایک بہتر معاشرہ ان کے سامنے پیش کریں تاکہ انھیں اسلام کی تعلیمات کے صحیح اثرات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملے۔ مگر افسوس کہ ہم نے اپنی ذمہ داری اداکرنے کے بجائے خود کو اسی غلط راہ پر ڈال دیا جس سے انسانیت کو بچانے کے لئے اسلام آیا تھا۔

نکاح بیوگان کی سنت پر عمل کی راہ میں تیسری رکاوٹ مسلمانوں کا مختلف ذات برادری میں تقسیم ہونا ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ عقدثانی کے لئے عام طور پر جوڑا آسانی سے میسر نہیں ہوتا، اور ذات برادری کی تحدید کی وجہ سے حلقہ محدود ہو جاتا ہے، اس لئے عقدثانی کی سہولت بڑی حد تک ختم ہو جاتی ہے۔

اسلام میں ذات برادری کی تقسیم بذات خود ایک لعنت ہے، اور اس لعنت سے دوسری لعنتیں جنم لیتی ہیں، اور اس طرح معاشرہ میں بھلائی کی جگہ برائی کو فروغ ملتاہے، ذات برادری کی لعنت نے مسلمانوں کو نکاح بیوگاں کی سنت کو زندہ کرنے سے جس طرح روکاہے اس کا اندازہ آپ کرسکتے ہیں، اسی طرح اس سے دوسری خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں جن کی تفصیل اس مضمون کے موضوع سے خارج ہے۔

•••

ابن خلکان اور ان کی کتاب وفیات الاعیان

محمد شاہد اسلم، ریسرچ اسکالر اے ایم یو، علی گڈھ

نام ونسب : شمس الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن ابراہیم ابن خلکان البرمکی الاربلی الشافعی۔

ریخ ولادت وحالات زندگی : ابن خلکان ۱۱ر ربیع الثانی ۶۰۸ھ/۲۲ دسمبر ۱۲۱۱ء کو موصل کے قریب اربل ARBE کے مدرسہ مظفریہ میں پیدا ہوئے جہاں انکے باپ مدرس تھے (اربل عراق کا ایک شہر ہے جو دجلہ کے مشرق ں موصل سے ۲۰ فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے) ابن خلکان نے سب سے پہلے اربل ہی میں اپنے والدِ محترم ، اورام المؤید زینب بنت عبدالرحمٰن وابن مکرم الصوفی سے تعلیم حاصل کی، پھر موصل میں کمال الدین موسیٰ ن یونس سے فیضیاب ہوئے، اس کے بعد ۶۲۶ھ میں حلب کی طرف رخت سفر باندھا وہاں الجوالیقی اور ن شداد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا بعدہ دمشق جاکر اپنی تعلیم مکمل کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ابن خلکان نے اہرہ کا سفر کیا اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد وہاں قاضی القضاۃ یوسف بن الحسن السیخاوری کے نائب مقرر د گئے، ۶۵۹ھ میں دمشق کے قاضی القضاۃ کا عہدہ عطا کیا گیا، جس پر وہ دس سال تک فائز رہے لیکن یہ عہدہ نا دیر ثابت نہ ہوا اور ۶۶۹ھ میں کسی سازش کا الزام لگنے پر چھین لیا گیا، تین سال کے بعد مذاہب اربعہ میں سے رف شافعیوں کی قضا ان کے حوالے کردی گئی اس کے بعد وہ قاہرہ واپس آئے اور سات سال تک قاہرہ کے لدرستہ الفخریہ میں مدرس رہ کر پھر دوبارہ قاضی القضاۃ دمشق مقرر ہوئے، لیکن محرم ۶۸۰ھ میں پھر یہ ہدہ ان کے ہاتھ سے جاتا رہا۔

وفات : عہدہ چھن جانے کے بعد وہ پھر دمشق کے مدرسہ امینیہ میں مدرس مقرر ہوگئے، جہاں وہ ' مہ کے دن ۱۶ر رجب ۶۸۱ھ/۲۰ر اکتوبر ۱۲۸۲ء کو پانچ دن بیمار رہ کر اس دنیا سے کوچ کرگئے۔ ۷۳ر سال

کی عمر پائی۔ ابن کثیر نے ان کی نسبت لکھا ہے "وکان لہ نظم حسن رائق ومحاضرتہ فی غایۃ الحسن ولہ التاریخ المفید الذی وسمہ بوفیات الاعیان من اکبر المصنفات"۔ وفیات کے سوا اور کوئی ان کی تصنیف نہیں ہے البتہ وفیات الاعیان کے آخر میں ان کا ترجمہ جو نصر ہورینی نے تحریر کیا ہے اس میں ڈھائی تین صفحے ان کے اشعار تحریر کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن خلکان ایک اچھے شاعر بھی تھے۔

(وفیات الاعیان وابناء ابناء الزمان)

ابن خلکان نے اپنی اس ممتاز تصنیف لطیف کو قاہرہ میں ۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء میں لکھنا شروع کیا لیکن دمشق کی ملازمت کے دوران موصوف نے کچھ عرصہ کے لئے تصنیفی سلسلہ کو روک دیا، اور بالآخر ۱۲ر جمادی الآخر ۶۷۲ھ / ۴ جنوری ۱۲۷۴ء کو اپنی تالیف لطیف کو مکمل کیا۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

یہ تھی اس کتاب کے بارے میں پرائمری معلومات۔ اب اس کتاب کے بارے میں وہ تبصرہ سنئے جو ہم نے کتاب کو پڑھ کر اخذ کیا ہے۔ مصنف نے وفیات الاعیان کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ مجھ کو مشاہیر متقدمین کے حالات اور انکی وفیات وموالد کی باعتبار زمانہ ان کی ترتیب کی تلاش رہتی تھی، کچھ تو مواد کتابوں سے ملا اور کچھ علماء کی مجالس سے دستیاب ہوا چنانچہ یہ تمام مواد متفرق یادداشتوں کی صورت میں میرے پاس جمع ہو گیا، مگر مسلسل تلاش وجستجو کے بعد یادداشتوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ ترتیب کے بغیر اس خزانے سے کسی بات کا ڈھونڈھنا مشکل ہو گیا اس لئے اس مواد کو ترتیب دینا ضروری ہو گیا چنانچہ ترتیب میں حرف معجم کا اعتبار کیا گیا۔
مصنفؒ نے صحابہ کرام وتابعین عظام میں سے چند کا ذکر کیا ہے اور خلفاء کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا گیا ہے وجہ اسکی یہ ہے ان کے متعلق لوگوں نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں جن کو بار بار دہرانے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔
مصنف نے معاصر علماء کی ایک خاص جماعت کا ذکر کیا ہے خواہ ان سے موصوف کی ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، چنانچہ اس بارے میں خود موصوف تحریر کرتے ہیں کہ میں نے کسی خاص جماعت مثلاً علماء، ملوک، امراء، وزراء وشعراء کو نہیں لیا ہے بلکہ ہر قسم کے مشاہیر جن کا حال لوگ دریافت کرتے ہیں ان کے ذکر سے کتاب کو مزین کیا ہے، ان کا تعلق خواہ کسی جماعت سے ہو، حالات میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ نسب نامہ وتاریخ ولادت ووفات بھی تحریر کی گئی ہے،

جن الفاظ کی تصحیف کا خوف تھا ان کو مقید کیا گیا ہے، مصنف نے قارئین کے تفنن طبع کے لئے ہر شخص کے محاسن میں سے کوئی نہ کوئی مناسب بات بھی لکھدی ہے۔ مصنف نے جب یہ کتاب لکھنا شروع کی تو باوجود مصروفیت کے یحیٰی بن خالد بن برمک کے حالات تک پہونچی مگر جب سلطان بیبرس کے ساتھ ۶۵۹ھ میں دمشق جانا پڑا اور پورے دس سال وہاں قیام کرنا پڑا تو اس لمبی مدت میں کتاب سے دوری رہی جسکی بنا پر نسخہ مذکورہ کو متروک کرنا پڑا اور آخر میں مصنف نے نوٹ لگا دیا کہ مشاغل کیوجہ سے کتاب تکمیل تک نہ پہونچ سکی، بعد میں ایک جامع کتاب لکھی جائیگی ۶۶۹ھ میں جب ابن خلکان قاہرہ تشریف لائے اور یہاں آکر ضروریات زندگی سے فرصت ملی تو مطبوعہ کتب سے مزید مواد فراہم کرکے موجودہ صورت میں کتاب کو مکمل کیا، تکمیل کتاب کے بعد مصنف نے آخر میں یہ خواہش تحریر فرمادی کہ جس طرح کی ایک جامع کتاب لکھنے کا وعدہ کیا گیا تھا اس کا ارادہ ابھی تک ہے (مگر افسوس مصنف کا یہ ارادہ پورا نہ ہوسکا)۔ بروکلمان وفیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ کتاب شخصی حالات اور تاریخ ادب کے مطالعہ میں مدد دینے والی نہایت اہم کتابوں میں سے ہے اسلئے کہ جن کتابوں سے اس کا مواد اخذ کیا گیا ہے وہ اب اکثر نایاب ہیں۔ وفیات الاعیان قاہرہ سے تین مرتبہ شائع ہوئی جسکی تحقیق و تعلیق کا کام محمد محی الدین عبدالحمید نے انجام دیا ہے۔ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ برٹش میوزیم میں موجود ہے۔

یہ عظیم کتاب پیرس سے ۱۸۳۸ء۔۱۸۴۲ء، بولاق سے ۱۲۷۵ھ۔ ۱۲۹۹ھ چاپ سنگی تہران ۱۲۸۴ھ استنبول سے ۱۲۸۰ھ میں شائع ہوئی۔ اور ابھی مسلسل اس کی طباعت کا سلسلہ جاری ہے۔

مراجع

۱۔ ابن شاکر : فوات الوفیات ۱/۵۵

۲۔ یافعی : مرآۃ الجنان ۴/۱۹۵

۳۔ السبکی : طبقات الشافعیۃ ۵/۱۴

۴۔ ابن کثیر : البدایۃ ۱۳/۱۱۳

۵۔ ابن تغری : النجوم الزاھرۃ ۷/۳۵۳

۶۔ السیوطی : حسن المحاضرۃ ۱/۳۲

۷۔ ابن العماد : شذرات الذھب ۵/۳۷۱

۸۔ عبدالحی لکھنوی : الفوائد البھیۃ ۱۱

۹۔ بروکلمان : ۱/۳۲۶

انکے علاوہ دوسرے شمارے ومضامین وغیرہ۔

دینِ فطرت اور ہراساں دشمنانِ اسلام

فضل اللہ انصاری سلفی، مدھوبنی، بہار

اسلام ایک دین فطرت ہے اور اس کی جملہ تعلیمات وھدایات فطرت سے ہم آہنگ ہیں۔ اس
ہمثال وباکمال دین فطرت میں پنپنے اور بڑھنے وپھیلنے کی صلاحیت قدرت کی طرف سے ودیعت ہے،
ودو تعطل اور وقوف اس کی خاصیت نہیں۔ قدرت نے اس کی فطرت میں ایک لچک دی ہے اور ہمیشہ
پھیلتے رہنے کا خاصہ عطا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنان اسلام کی ہمیشہ سے ہزار مخالفت اور محاذ آرائی
کے باوجود اس کا کچھ نہیں بگڑا اور برعکس اس کے اثرات پھیلتے گئے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آج تک نہ جانے اسلام
کے خلاف کتنی محاذ آرائی ہوئی اور اس کے ایک سے بڑھ کر ایک کتنے دشمن پیدا ہوئے لیکن ہر محاذ پر اسلام
دشمنوں کو شکست ہوئی اور انہیں منہ کی کھانا پڑی ہے۔ شاعر مشرق علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

حق وباطل کی کشمکش ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، اہل باطل اس حق کے خلاف ایک نہیں
جوڑیں گے اور اسے مٹانے کے لئے زمین وآسمان کی ایک کردیں گے، یہ اور بات ہے کہ حق جو ہے سو وہ حق
ہے، موت نہیں زندگی اور شکست نہیں فتح اس کا حق ہے۔ خاص طور سے اسلام ایک ایسا حق ہے
جس کو زندگی اور تابانی بخشنے کا وعدہ خدائے وحدہ لاشریک نے کر رکھا ہے، کس کی ہمت ہے کہ وہ اس سے
تصادم ہو۔ قرآن نے کہا کہ " یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو

کرہ الکافرون ۔ یعنی (اہل باطل) چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں حالانکہ اللہ اسے پورا کرنے والا ہے چاہے کافر ناپسند سمجھیں۔ تاریخ کے کسی طالب علم سے یہ حقیقت مخفی نہیں ہے کہ ہر دور میں اسلام کو دبانے اور اس کا زور کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن مشیئت ایزدی سے وہ بڑھتا ہی گیا اور اس کے اثرات پھیلتے گئے، کمال تو یہ ہے کہ جہاں جہاں دین اسلام کی پرزور مخالفت، اس کے زور کم کرنے کی کوشش کی گئی اور اسے دور حاضر کیلئے لایعنی وغیر موزوں قرار دیا گیا، وہاں وہاں وہ پھیلتا گیا اسکے زیر اثر لوگ آتے گئے اور رنگ اسکا جمنا شروع ہوا، گویا ع

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

روس اور امریکہ میں خاص طور پر اسلام جس طرح زور پکڑ رہا ہے اس سے ہم اور آپ بخوبی آشنا ہیں، مفتی محمد صادق (وسط ایشیا اور قازقستان کے مفتی اور سوویت یونین کے ادارۂ امور دینی کے سربراہ) مسلمانوں کی حالات کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ: "سوویت مسلمانوں نے گورباچوف کی سیاسی اصلاحات سے جو انہوں نے پچھلے پانچ سالوں سے شروع کر رکھی تھی دوسری اقوام کی طرح استفادہ کیا ہے، اب دینی مراسم ادا کرنے کی آزادی ہے، سوویت انتظامیہ نے مسلمانوں کو مسجد اور دینی تعلیم کے ادارے بنانے کی اجازت دیدی ہے، خود سرکاری طور پر بہت ساری مساجد کی مرمت کی جا رہی ہے، متعدد مساجد ایسی ہیں جن سے متصل عربی اور اسلامی مدارس کھول دیئے گئے ہیں" وہ آگے کہتے ہیں: "اسلام روس میں دوبارہ واپس آرہا ہے، مسلمانوں کی تحریک میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے" (دعوت، اسلام اور مغرب نمبر ص۱۱)۔ امریکہ میں تقریباً یہی صورتحال ہے وہاں بھی اللہ کے فضل سے اسلام کا اثر و رسوخ بڑھتا جا رہا ہے، اور مسلمان تبلیغ دین و اشاعت اسلام کا کام ذمہ داری کے ساتھ کر رہے ہیں بلکہ امریکہ اپنے یہاں مسلم عوام کی بیداری سے ہراساں و پریشان ہے۔ حال ہی میں آرچ بشپ نے یونان کا دورہ کیا اور جگہ جگہ یہ بیان دیا کہ: مشرقی یورپ میں اگر سبھی چرچ مل کر اسلام پر حملہ کریں تو عیسائیت خطرے میں پڑ جائے گی۔ لہذا اسلام کو پھیلنے سے روکنا ہمارا اولین فریضہ ہے اور کٹر پنتھی مسلمانوں سے لڑنا ہی ہمارا مقصد اعلیٰ ہوگا۔ کیونکہ آج دنیا میں اسلام ہی واحد مذہب ہے جس میں بنیادی اصولوں کو لیکر لڑنے والے مسلمانوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، مسلم علماء اور ان کے حامیوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس کا ثبوت صرف امریکہ میں آج مسلمانوں کی تعداد کا ۴۰ لاکھ ہو جانا اور کئی سو مسجدوں کی تعمیر ہے۔

مذکورہ بیان سے دو باتوں کی خاص طور سے وضاحت ہوتی ہے، پہلی تو یہ کہ اسلام کتنا اسلام دشمنوں کے بیچ کتنی تیزی سے پھیل رہا ہے اور دوسری یہ کہ اس مسئلے سے دشمن خود کتنے ہراساں و پریشان ہیں، اللہ کرے کہ اس میں مزید اور اضافہ ہو۔ آمین!

دنیا میں کہیں بھی اسلام کے خلاف جتنا پروپیگنڈہ ہوتا ہے اتنا شاید کسی اور مذہب کے خلاف نہیں، آئے دن قرآن اور پیغمبر اسلام پر جو حملے ہوتے ہیں اور اسلامی تعلیمات کو جس طرح بگاڑ کے پیش کیا جارہا ہے اس سے اہل نظر بخوبی آشنا ہیں، لیکن اس کے باوجود پیغمبر اسلام کی عظمت و مقبولیت میں کمی آتی ہے اور نہ ہی قرآن کی صداقت پر حرف آتا ہے۔ ہندوستان میں ایک خاص فرقہ تو تن، من اور دھن سے اسلام اور مسلمانوں کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور اپنے لئے اسے ایک خطرہ سمجھتا ہے، جبکہ خود ہندوستان میں بکثرت ہریجنوں کا قبول اسلام ایک تاریخی واقعہ ہے۔ مذہبی اعتبار سے جو اس کے مخالف تھے وہی اس کے حامی بن گئے اور اسلام کے سایہ تلے جمع ہو گئے۔ یہاں ایک بات جانتے اور مانتے چلیں کہ اسلامی تعلیمات کی مخالفت اور دینِ فطرت اسلام کے خلاف محاذ آرائی دشمنان اسلام کے خوف و ہراس کا مظہر ہے۔ وہ اسلام کو باطل اور خود ساختہ افکار و نظریات کے لئے بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں، اور اسے "برداشت" کرنا اپنی جھوٹی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔

دین اسلام کی شہرت اور اس کے علماء کی مقبولیت سے اور تو اور خود SUPAR POWERS امریکہ اور روس کو جو خوف و ہراس اور خطرہ ہے، اس کے بارے میں یونان کے وزیر خارجہ کہتے ہیں کہ: "آج کٹر اسلامی علماء اور ان کے حامی اس قدر مقبول ہیں کہ ان سے نہ صرف یونان، بلکہ دنیا کی دو عظیم طاقتوں (امریکہ روس) کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔" (دعوت۔ اسلام اور مغرب نمبر ص۳۹)

اس خوف اور خطرہ میں روزافزوں اضافہ ہوگا اور خود مخالفین اسلام کی نیند حرام ہو جائے گی۔ ان کو کہیں راحت و آرام نصیب نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ وہ اسلام کے زیر سایہ آجائیں اور دل سے اسے قبول کرلیں۔

مصارفِ زکاۃ

کے بارے میں ایک اہم استفتاء

محترم المقام ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب، جامعہ سلفیہ، بنارس
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ذیل میں بطور استفتاء ایک سوالنامہ جاری کیا جا رہا ہے، علماء کرام اور مفتیان عظام سے درخواست ہے کہ وہ شرعی دلائل کی روشنی میں ان کے جوابات تحریر کرکے ممنون فرمائیں، جوابات مختصر مگر مدلل ہونے چاہئیں — انشاء اللہ ان تمام جوابات کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے گا۔

(شہاب الدین ندوی، فرقانیہ اکیڈمی بنگلور)

تمہید ۔ مصارف زکوۃ میں ایک اہم مصرف فی سبیل اللہ بھی ہے (توبہ: ٦٠) مگر اس مفہوم و مصداق کے بارے میں فقہاء کرام اور علماء امت کے درمیان کافی اختلافات موجود ہیں، مگر یہ اختلافات بنیادی نہیں بلکہ فروعی قسم کے ہیں، کیونکہ ان میں جائز و ناجائز کی بحث پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ راجح اور مرجوح کی سی ہے یہی وجہ ہے کہ فقہ حنفی میں فی سبیل اللہ کی جو چار تاویلیں کی گئی ہیں وہ چاروں ہی وقت اور حالات کی مناسبت سے قابل عمل تسلیم کی گئی ہیں، جیسا کہ درمختار اور ردالمحتار کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ چار تاویلیں اس طرح ہیں:

۱۔ فی سبیل اللہ سے مراد محتاج غازی ہے۔ ۲۔ اس سے مراد محتاج حاجی ہے۔ ۳۔ اس سے

مراد طالب علم ہے۔ ۴۔ اس میں تمام امور خیر داخل ہیں۔ متقدمین نے اپنے دور میں ترجیح اولین دو اصناف کو دی ہے جب کہ متاخرین آخری دو اصناف کی ترجیح کے قائل ہیں، بہرحال ہر دور میں ایسے علماء کافی تعداد میں پائے گئے ہیں جو دوسرے موقف کے قائل ہیں اور ان میں حنفی بھی شامل ہیں اور شافعی بھی، مالکی بھی ہیں اور اہل حدیث بھی، قدیم بھی ہیں اور جدید بھی، اور اس سلسلہ میں بعض علماء مجتہدین مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور یمنی عالم محمد بن اسماعیل صنعانیؒ صاحب سبل السلام کی آراء کافی وزنی اور قابل قدر ہیں۔ چنانچہ راقم سطور نے اپنے ایک مضمون میں اس قسم کے تیس سے زیادہ علماء و فقہاء اور مفسرین کی رایوں کا استقصار کیا ہے جو فی سبیل اللہ کی توسیع یا عمومیت کے قائل ہیں، مگر آجکل کے بعض مقلد جامد قسم کے اہل علم ان سب علماء کی رایوں اور ان کے دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے محض پہلے قول پر اڑ گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جمہور کا مسلک ہے جس سے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ اور اب اس مناقشے نے ایک اچھے خاصے نزاع کی شکل اختیار کرلی ہے۔

اس سلسلے میں چند سوالات ابھر کر سامنے آگئے ہیں، جن کا جواب ناگزیر معلوم ہوتا ہے ورنہ انتشار فکری کے باعث امت کا شیرازہ منتشر ہوسکتا ہے۔ لہذا علماء کرام کی خدمت میں اس سلسلے کے بعض سوالات بغرض جواب پیش کئے جارہے ہیں، امید ہے کہ ہمارے علماء کرام اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہوئے ان سوالات کے مدلل جوابات عنایت فرمائیں گے۔

سوالات

۱۔ فی سبیل اللہ کے صرف غزوہ یا جہاد کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل کیا ہے؟

۲۔ حدیث نبوی لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِغَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ لِغَارِمٍ۔ (ابوداؤد کتاب الزکاۃ) اس سے تو ایک مالدار شخص کے لئے زکوٰۃ کا مال لینے کا محض جواز ثابت ہو رہا ہے، نہ کہ اس کا واحد مصداق۔ (دیکھئے: کتاب الاموال از ابو عبید) لہذا اس سے یہ مفہوم نکالنا کہ فی سبیل اللہ کے تحت سوائے غازی کے اور کسی کو زکاۃ لینا جائز نہیں ہے، کس منطق کی رو سے صحیح ہوگا؟

۳۔ فی سبیل اللہ کے صرف غزوہ یا جہاد کے ساتھ مخصوص نہ ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل قرار دیا ہے۔ چنانچہ مسند احمد، مستدرک اور صحیح ابن خزیمہ کے علاوہ ابوداؤد میں اس موضوع پر حضرت ام معقل صحابیہ سے تین روایات مروی ہیں جن کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر سے زکاۃ کا اونٹ حج کے لئے دلواتے ہوئے فرمایا: اَعْطِهَا فَلْتَحُجَّ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ فِي سَبِيلِ اللهِ لہ (ابوداؤد کتاب الحج) اور امام بخاریؒ کی تصریح کے مطابق حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابولاسؓ اور امام حسن بصریؒ بھی اسی کے قائل تھے۔ (بخاری کتاب الزکاۃ و کتاب التفسیر) اور ائمہ فقہ میں امام محمدؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاق بن راہویہؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ علمائے مجتہدین میں علامہ ابن تیمیہؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور علامہ شوکانی وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

بہرحال کہا جاتا ہے کہ فی سبیل اللہ میں غزوہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کو شامل کرنے سے مصارف زکاۃ آٹھ میں منحصر نہیں رہیں گے، بلکہ نو، دس اور گیارہ بارہ ہو جائیں گے، جو مصارف زکاۃ والی آیت کی رو سے "انما" کے خلاف ہے۔ مگر اوپر مذکور صراحتوں کے ملاحظہ کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حج کو فی سبیل اللہ میں شامل کر کے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے مصارف زکاۃ کے آٹھ میں منحصر ہونے کے خلاف ایک نئی اور نویں مد کا دروازہ کھولا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہ نویں مد نہیں ہے بلکہ فی سبیل اللہ میں حسب ضرورت توسیع قرار دینی پڑے گی، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی رائے گرامی ہے۔ اسی طرح موصوف کی رائے کے مطابق اس میں حسب ضرورت بعض دیگر تمدنی امور میں بھی شامل ہو سکتے۔ (دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ ۲/ ۴۵)

۴۔ درمختار اور اس کی شرح رد المحتار (فتاویٰ شامیہ) میں مذکور فی سبیل اللہ کی چار تاویلوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ فتاویٰ ظہیریہ اور فتاویٰ مرغینانی کی رو سے اس سے مراد طالب علم ہے۔ (رد المحتار

لہ ترجمہ: تم وہ اونٹ ام معقل کو دے دو تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر حج کریں، کیونکہ حج یقیناً فی سبیل اللہ میں شامل ہے۔

۶۷/۲، مطبوعہ کوئٹہ) فتاویٰ ظہیریہ کے مؤلف قاضی ظہیر الدین بخاریؒ (م ۶۱۹ھ) ساتویں صدی کے عالم ہیں جن کے فتوے پر اعتماد کرتے ہوئے تقریباً آٹھ سو سال سے اب تک عمل کیا جا رہا ہے اور عربی مدرسوں کے طلبہ کو بھی زکاۃ کا مستحق قرار دیا جا رہا ہے جب کہ اصولی طور پر یہ طبقہ زکاۃ کے آٹھ مصارف میں منصوص طور پر شامل نہیں ہے۔ غرض جب طالب علم بھی فی سبیل اللہ میں شامل ہیں تو پھر اس موقع پر حسب ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

(الف) فی سبیل اللہ کا واحد مصداق غزوہ وجہاد کہاں رہا؟

(ب) کیا اس سے جمہور کے مسلک پر حرف نہیں آئے گا؟

(ج) کیا اس سے مصارف زکاۃ میں آٹھ میں منحصر ہونے کی تردید نہیں ہو گی؟

(د) جن علماء نے اس قسم کا فتویٰ دیا اور جنہوں نے اس پر عمل کیا کیا وہ سب دین و شریعت سے منحرف تھے؟

(ھ) اگر بات ایسی ہی ہے تو پھر ہمارے علماءِ کرام نے آٹھ سو سال سے اب تک اس کے خلاف آواز بلند کیوں نہیں کی، بلکہ خاموشی کے ساتھ اس پر عمل کیوں کرتے رہے؟

۵۔ مذکورہ بالا فتوے کو اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دیں تو سوال یہ ہے کہ طلبۂ علم کے فی سبیل اللہ میں شامل ہونے کی دلیل کیا ہے؟

(ب) پھر کیا صرف طلبۂ علم ہی اس مصرف میں شامل ہو سکتے ہیں یا علماء اور دینی خدمت گاروں کو بھی اس میں شامل ہونے کی گنجائش موجود ہے؟

(ج) اگر نہیں ہے تو پھر ان دونوں طبقوں میں تفریق کی دلیل کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جس دلیل سے بھی طلبہ اس مصرف میں شامل ہوں گے ہو بہو اسی دلیل سے خود علماء بھی اس میں شامل ہوں گے۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ وہ علماء جو علمِ دین کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت میں مشغول ہوں انہیں فی سبیل اللہ میں شامل کرنے سے مصارف زکاۃ کے آٹھ میں منحصر ہونے پر حرف آئے گا جو "انما" کی تصریح کے خلاف ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ علماء کے زکاۃ لینے سے یہ بات ہو سکتی ہے تو پھر طالب علموں کو بھی اس میں شامل کرنے سے کیوں نہیں ہو سکتی؟

(ب) قرآن کے آٹھ مصارف میں اگر علماء کا نام منصوص طور پر مذکور نہیں ہے تو طلبہ کا نام ان میں کہاں پر موجود ہے ؟

۷ ۔ اگر یہ کہا جائے کہ طلبہ فقراء و مساکین کے مصرف میں شامل ہوسکتے ہیں تو پھر سوال یہ ہے کیا اسمیں خود علماء شامل کیوں نہیں ہوسکتے؟ ظاہر ہے کہ فقر و احتیاج کا وصف جن جن لوگوں پر بھی صادق آئے وہ سب اسمیں شریک ہوسکتے ہیں، خواہ وہ طلبہ ہوں یا علماء یا عام محتاج، جن میں ہر قسم کے معذور و مجبور اور بے سہارا و بے کس لوگ سبھی شامل ہو سکتے ہیں۔ (ب) لہذا اس موقع پر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب فقراء و مساکین میں ہر قسم کے محتاج لوگ شامل ہوسکتے ہیں، تو پھر طلبہ کو آٹھ سو سال پہلے فی سبیل اللہ میں شامل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟

(ج) کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ طلبہ فقراء و مساکین میں شامل نہیں ہیں ؟

(د) نیز یہ کہ جو یہ کہا جاتا ہے کہ زکاۃ کی رقم صرف طلبہ کی خورد و نوش ہی پر صرف کی جائے اس کی دلیل کیا ہے اور قرآن و حدیث یا اصل فقہی مآخذ میں اس کا تذکرہ کہاں موجود ہے ؟

۸ ۔ امام کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) کا یہ فتویٰ کہ فی سبیل اللہ میں تمام امور خیر شامل ہیں (بدائع الصنائع ۲/۴۵) کیا فی سبیل اللہ میں صرف غازی کے شامل ہونے کے دعوے کے خلاف نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ ان دونوں دعووں یا فتووں میں کھلا ہوا تناقض و تضاد موجود ہے، اور یہ دونوں دعوے بیک وقت صحیح نہیں ہوسکتے لہذا ماننا پڑے گا کہ غازی فی سبیل اللہ کا واحد مصداق نہیں ہے۔

(ب) امام کاسانی کے اس فتوے کو علمائے احناف میں قبولیت عامہ حاصل ہے، اور اسی بنیاد پر موجودہ دور میں دینی خدمت گاروں کو بھی فی سبیل اللہ میں شامل قرار دیا جا رہا ہے، یعنی ان علماء کو جو علم دین کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت مشغول ہوں، مگر اس کے برعکس بعض مقلد قسم کے اہل علم اس قسم کی صدا بلند کرنے والوں کو گمراہ یا دین سے منحرف قرار دے رہے ہیں، لہذا اس موقع پر سوال یہ ہے کہ وہ کون سے "امور خیر" ہوسکتے ہیں جن میں علم دین کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت شامل نہ ہو؟ کیا اس سے بڑھ کر دین کی کوئی اور خدمت ہوسکتی ہے ؟

۹ ۔ اگر امام کاسانیؒ کا یہ فتویٰ غلط اور باطل ہے تو پھر ہمارے علمائے کرام نے آٹھ سو سال سے اب تک اس کی تردید کیوں نہیں کی بلکہ اس کی حمایت کیوں کرتے رہے، اور وہ پندرہویں صدی ہی میں

مردود کیوں ہو جائے؟ چنانچہ اس فتوے کے قائل و مؤید بڑے بڑے علمائے احناف مثلاً علامہ ابن نجیم صاحب البحر الرائق، علامہ حصکفیؒ صاحب درمختار، علامہ ابن عابدینؒ صاحب ردّالمحتار، علامہ شہاب الدین آلوسی بغدادیؒ صاحب روح المعانی اور مفتی محمد شفیعؒ صاحب تفسیر معارف القرآن کے علاوہ بہت سے علماء بھی ہیں، اور ان سب کے فتاوی اور رائیں راقم سطور نے اپنے مضامین میں جمع کر دیئے ہیں۔ نیز علمائے احناف کے علاوہ بہت سے شافعی، مالکی اور اہل حدیث علماء کی رائیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ دورِ جدید میں ان کی تعداد اتنی ہو گئی ہے کہ وہ شمار سے بھی باہر ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنے سارے علماء کسی غلط رائے پر متفق نہیں ہو سکتے، اور پھر ایسی صورت میں جب کہ اس کی تائید خود حدیث نبوی سے بھی ہو رہی ہو۔ لہٰذا ذیل میں بطور نمونہ صرف دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں، چنانچہ ابن ماجہ کی ایک صحیح حدیث ہے جو صحیح ابن حبان، مسند احمد اور مستدرک حاکم میں بھی مروی ہے:

مَنْ دَخَلَ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ لِيُعَلِّمَهُ كَانَ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی ہماری اس مسجد میں خیر کی کوئی بات سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے آیا تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

چنانچہ اس حدیث کے مطابق "لِيَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ" کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ طالب علم کے ساتھ خود معلم بھی فی سبیل اللہ میں مجاہد ہی کی طرح داخل و شامل ہے۔ یہ ایک منصوص دلیل ہے جو علم دین کی تعلیم و تدریس اور اس کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہے۔

اب جہاں تک فی سبیل اللہ کی توسیع یا عمومیت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی ایک ایسی حدیث موجود ہے جس سے خود علمائے متقدمین نے اس موضوع پر استدلال کیا ہے، چنانچہ بخاری کتاب الدیات اور مسلم کتاب القسامہ کے تحت مذکور ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر ایک مقتول شخص کا خون بہا (سو اونٹ) زکوٰۃ کے اونٹوں میں سے ادا کیا:

فَوَدَاهُ مِائَةً مِنْ إِبِلِ الصَّدَقَةِ۔ (بخاری و مسلم)

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی شرح کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ قاضی عیاض کے بیان کے مطابق بعض علماء نے مصالح عامہ میں زکوٰۃ صرف کرنا جائز سمجھا ہے اور ان کی دلیل یہی اور دوسری حدیث ہے۔ (فتح الباری)

۱۲/۲۳۵) ظاہر ہے کہ کسی شخص کا خوں بہا ادا کرنا زکاۃ کے آٹھ منصوص مصارف کے خلاف ہے، اور بقول امام نوویؒ ایک شافعی عالم ابواسحاق مروزیؒ بھی اسی قسم کے جواز کے قائل تھے۔ (شرح نوویؒ ۱۱/۱۴۸)۔

۱۰۔ بہر حال امام کاسانیؒ کے فتوے کو علمائے احناف میں قبولِ عام حاصل ہے، اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں بھی اسے مستند قرار دیا گیا ہے، جسے مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نے مرتب کیا ہے (دیکھئے جلد ۶ ص ۲۸۲، طبع ثانی) اور یہ فتویٰ مفتی صاحب نے درمختار سے نقل کیا ہے جو فقہ حنفی کی سب سے زیادہ مقبول و متداول کتاب تسلیم کی جاتی ہے، لہٰذا اس فتوے کی موجودگی میں اب بعض علماء کا یہ کہنا کہ وہ اہل علم جو کسی علمی و دینی خدمت میں مشغول ہوں وہ بجائے زکاۃِ مفروضہ کے محض نفل صدقات یا عطیہ جات پر اکتفا کریں کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سے مذکورہ بالا فتوے کی نفی ہوتی ہے تو کیا یہ بات جائز ہوگی کہ بغیر کسی معقول وجہ کے کوئی شخص کسی بھی مستند فتوے کو جب چاہے قابل استدلال قرار دے اور جب چاہے اسے ردّی کی ٹوکری میں پھینک دے؟

نوٹ: واضح رہے اس موقع پر "غنا" اور "تملیک" کی بحثیں چنداں اہمیت نہیں رکھتیں جو محض ضمنی نوعیت کی ہیں۔ اصل اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ وہ اہل علم جو علم دین کی تعلیم و تدریس یا اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں وہ آیا زکاۃ کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ خواہ وہ فقراء و مساکین کے مصرف میں داخل سمجھے جائیں یا فی سبیل اللہ کے مصرف میں۔ امید ہے کہ ہمارے علمائے کرام ان تمام سوالات کا معقول اور تشفی بخش جواب دے کر ہماری ملت کو ذہنی انتشار سے بچائیں گے۔ جوابات کے لئے سوالات نقل کرنے کے بجائے صرف ان کے نمبروں کا حوالہ دے دینا کافی ہوگا۔

خاکسار

محمد شہاب الدین ندوی

۷ رجب ۱۴۱۲ھ

۱۳/۱/۱۹۹۲ء

الجواب بعون اللہ الوہاب

تمہید

۱۔ " فی سبیل اللہ " کے مفہوم و مصداق کے بارے میں " کافی اختلافات " کی بات محل نظر ہے۔

۲۔ " فی سبیل اللہ " کی تعیین کے سلسلہ میں اختلافات کو فروعی قرار دینا صحیح نہیں ہے کیونکہ جو لوگ حدیثِ نبوی کی بنا پر " فی سبیل اللہ " کی تعیین " غزوہ " سے کرتے ہیں وہ ہر کارِ خیر میں زکاۃ صرف کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے، اس طرح یہ جائز اور ناجائز ہی کا مسئلہ ہو گیا۔

۳۔ قدیم دور میں دوسرے قول کے قائلین موجود نہیں، لہذا یہ تعمیم صحیح نہیں کہ " ہر دور میں ایسے علماء کافی تعداد میں پائے گئے ہیں جو دوسرے موقف کے قائل ہیں "

۴۔ شاہ ولی اللہ، علامہ صنعانی اور دوسرے تیس علماء کی رائے یا فتویٰ کے مقابلہ میں کوئی نص ہو تو اس رائے یا فتویٰ کا کوئی وزن نہ ہو گا۔

۵۔ جمہور کے مسلک پر عمل کرنے والوں کے موقف پر سخت قسم کے تبصرہ کا کوئی فائدہ نہیں، آپ مطمئن نہ ہوں تو اس پر عمل نہ کیجئے، لیکن جو عمل کرتے ہیں ان کو تجریحی القاب سے یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۶۔ امت کا شیرازہ منتشر ہونے کی جو بھی وجہ ہو اسے دور کرنا چاہئے، لیکن قابل غور امر یہ بھی ہے کہ سلف کے مسلک کو چھوڑ کر جب ایک دوسری راہ اختیار کی گئی تو کیا امت کا شیرازہ اس سے منتشر نہیں ہوا؟

استفتاء کا جواب

۱۔ زکاۃ کے ایک مصرف " فی سبیل اللہ " کے غزوہ یا جہاد کے ساتھ مخصوص ہونے کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث نبوی ہے " لا تحل الصدقة لغني الا لخمسة: لغاز في سبيل الله، اولعامل عليها، اولغارم ..... الحديث۔

یہ حدیث نبوی آیت کریمہ (انما الصدقات للفقراء والمساكين، والعاملين عليها، والمؤلفة قلوبهم وفي الرقاب، والغارمين، و" في سبيل الله " وابن السبيل، فريضة من الله) (توبة ٦٠) میں واقع مصارف زکاۃ۔ " العاملين عليها، و" الغارمين " و" في سبيل الله، و" ابن السبيل " کی مُبیّن قرآن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تبیین ہے۔ اس لئے اس تفسیر سے عدول جائز نہیں، اور یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی صحت پر مفصل بحث کے لئے دیکھئے:

مستدرك الامام الحاكم مع تلخيصه للذهبي (ج ۱/ص ۴۰۷) و مختصر الامام المنذري لسنن أبي داود (ج ۲/ص ۲۳۵) والتلخيص الحبير (ج ۳/ص ۱۱۱) ومرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (ج ۶/ص ۲۴۵) ومشكوة المصابيح بتحقيق الالباني (رقم ۱۸۳۳) وارواء الغليل للألباني (ج ۳ ص ۳۷۷/رقم ۸۷۰) وصحيح سنن أبي داود (ج ۱/ص ۳۰۸) وصحيح سنن ابن ماجه للألباني (ج ۱/ص ۳۰۹) ———

فہم نصوص کے لئے اسلاف کے اصول ہی معتبر ہیں، اور سلف صالحین نے " فی سبیل اللہ " سے " غازی فی سبیل اللہ " ہی سمجھا ہے، امام ابوبکر ابن العربی کے مطابق امام مالک کا ارشاد ہے:
" سبيل الله كثيرة، ولكني لا اعلم خلافا في ان المراد بسبيل الله ههنا

الغزو " (احکام القرآن)

سیوطی نے درمنثور میں متعدد مفسرین سے یہی تفسیر نقل کی ہے، امام طبری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: " اما قوله (فی سبیل الله) فإنه یعنی: فی النفقة فی نصرة دین الله وطریقه وشریعته التی شرعها لعباده بقتال اعدائه وذلك هو غزو الكفار۔

اور ابن قدامہ فرماتے ہیں: " هذا اصح، لأن "سبیل الله" عند الإطلاق إنما ینصرف إلى الجهاد، فإن كل ما جاء فی القرآن من ذكر "سبیل الله" إنما أرید به الجهاد إلا الیسیر فیجب أن یحمل ما فی هذه الآیة على ذلك، لأن الظاهر إرادته به (مرعاة المفاتیح ج ۶/ص ۲۳۹) ۔

اور صاحب مرعاۃ فرماتے ہیں: وهو الذی صححه الخازن فی تفسیره حیث قال: والقول الأول هو الصحیح لإجماع الجمهور علیه، وبه فسر الشوكانی، ورجحه العلامة القنوجی البوفالی، واختاره ایضاً غیرهم من المفسرین (حوالۂ سابق)

غرض تمام متقدمین " فی سبیل اللہ" کو غزوہ کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں، اور صرف متقدمین ہی ہمارے لئے مقتدیٰ ہیں، تو اس حصر سے عدول ہم متاخرین کے لئے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

۲ــــ اس بات کا کوئی قائل نہیں کہ " اس حدیث نبوی سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ غازی فی سبیل اللہ زکاۃ کا واحد مصداق ہے، اس سے تو خود ہی پانچ قسم کے مالداروں کے لئے زکاۃ کا مال لینے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ اسی کے ساتھ اس سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ کسی چھٹی قسم کے مالدار کو زکوٰۃ لینے کا جواز نہیں ہے، نیز یہ کہ اس سے طلبہ یا علماء (مدرسین و مبلغین) کے لئے بھی زکاۃ کا مال لینے کا جواز ثابت نہیں ہو رہا ہے، اگر وہ مالدار ہوں، طلبہ پر اسی وقت زکاۃ کے فنڈ سے صرف کیا جاتا ہے، جب وہ "فقراء" یا " مساکین" کے زمرے میں آتے ہوں، محض صفتِ طلبِ علم کی بنا پر ان پر زکاۃ کے

فنڈ سے صرف نہیں کیا جاتا ۔

۳۔ **اوّلاً** : تو ام معقل والی حدیث پر علماء جرح وتعدیل کا شدید کلام ہے ، صاحب مرعاۃ المفاتیح فرماتے ہیں : واما حدیث ام معقل ففیہ اضطراب کثیر، واختلاف شدید فی سندہ ومتنہ ، حتی تعذر الجمع والترجیح ، مع ما فی بعض طرقہ من راوٍ ضعیف ومجہول ومدلس قد عنعن ، وھذا مما یوجب التوقف فیہ ، وذلک لایشک فیہ من ینظر فی طرق ھذا الحدیث فی مسند الإمام احمد وفی السنن ، مع حدیث ابن عباس عند الشیخین ، و أبی داود ، وابن ابی شیبہ ، ومع قصۃ أم طلیق عند ابن السکن وابن مندہ ، والدولابی ، وقد حمل ذلک بعضھم علی وقائع متعددۃ ولا یخفی بعدہ ۔" (مرعاۃ ج۶/ص ۲۳۹ - ۲۴۰)

اسی طرح حدیث ابی لاس اور اثر ابن عباس پر بھی علماء کا کلام ہے ، صاحب مرعاۃ فرماتے ہیں : واما حدیث ابی لاس فقال الحافظ فی الفتح (۳۳۲/۳) : رجالہ ثقات ، إلا أن فیہ عنعنۃ ابن اسحاق ، ولھذا توقف ابن المنذر فی ثبوتہ (انتھی) یشیر بذلک إلی ما حکی عنہ أنہ قال : ان ثبت حدیث ابی لاس قلت بذلک ، قال الحافظ وتعقب بأنہ یحتمل أنھم کانوا فقراء ، وحملوا علیھا خاصۃ ولم یتملکوھا ، انتھی (ص۲۴۰)

واما أثر ابن عباس فھو ایضا مضطرب ، جرح بہ احمد کما فی الفتح (۳۳۲/۳) وقد بین الحافظ اضطرابہ ولذلک کف أحمد عن القول بالإعتاق من الزکاۃ تورعًا ، وقیل : بل رجع عن ھذا القول ۔

ثانیًا : (الف) صحیح کیا ؟ بلکہ تمام اعمال خیر " فی سبیل اللہ " کے قبیل سے ہیں ، لیکن ضروری نہیں کہ حدیث ام معقل میں مذکور " فی سبیل اللہ " سے مراد آیت میں مذکور " فی سبیل اللہ " ہو ،

حدیث میں " فی سبیل اللہ " عام معنی میں ہے ، اور آیت میں خاص معنی میں (یعنی غزوہ اور جہاد کے معنی میں) امام ابن حزم فرماتے ہیں : فإن قيل : قد روى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أن الحج من سبيل الله ، وصح عن ابن عباس أن يعطى منها فى الحج ؟ قلنا : نعم ، وكل فعل خير فهو من سبيل الله تعالى ، إلا أنه لاخلاف فى أنه تعالى لم يرد كل وجه من وجوه الخير فى قسمة الصدقات فلم يجز أن توضع إلا حيث بيّن النّص ، و هو الذى ذكرنا ۔ انتہی ۔

(بحوالہ مرعاۃ ص۲۲۴)

صاحب تفسیر " المنار " فرماتے ہیں : إنّ جعلَ أبى معقل جملَه فى سبيل الله أو وصيته به صدقة تطوع ، وهى لا تشترط فيها أن تصرف فى هذه الأصناف التى قصرتها عليها الآية ۔ وثانياً : إنّ حجّ امرأته عليه ليس تمليكا لها يخرج الجمل عن إبقاءه على ما أوصى به أبو معقل ، ويقال مثل هذا فى حديث ابى لاس ۔ وثالثاً : إن الحج من سبيل الله بالمعنى العام للفظ ، والراجح المختار أنه غير مراد فى الآية ۔ انتہی ۔ (حوالہ سابق)

(ب) ام معقل کی حدیث پر بعض علماء کے حکم صحت کو تسلیم کر کے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ : شارع علیہ السلام ہی کو یہ حق تھا کہ : " فی سبیل اللہ " کے اندر جا ہیں جن اعمال خیر کو داخل فرمادیں ، ان کے بعد کسی امت کو یہ حق نہیں ۔ اس لئے ان دو قسم کے افراد کو آپ نے اس مد میں شامل کیا تھا ہم اس پر تجاوز کر کے تیسری قسم کو شامل کرنے کا حق نہیں رکھتے ، اب کوئی اس حد سے تجاوز کر کے (اجتہاداً سہی) اس مد میں بعض دیگر تمدنی امور کو شامل کر دے (جیسے شاہ ولی اللہ ، یا کاسانی یا قاضی ظہیر الدین بخاری) تو ہم اس کے مکلف نہیں ہیں ۔ بقول امام مالک : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر ایک امتی کا قول مقبول بھی ہو سکتا ہے ، اور مردود بھی ، مذکورہ تینوں حضرات گرامی ۔ رحمہم اللہ ۔ شارع نہیں ہیں کہ نص کے خلاف ہم ان کے فتاوے تسلیم کرلیں ۔

۴ ـ نص اور جمہور سلف کے قول کے خلاف ہونے کے سبب ہم قاضی ظہیر الدین بخاری رحمہ اللہ کا فتوی ہی تسلیم نہیں کرتے کہ اس سوال کے اندر مندرجہ چار سوالات پیدا ہوں ۔ پھر بھی آپ کے اٹھائے چار سوالات کے جوابات حاضر ہیں :

(الف) غریب طلبہ پر، " فقراء و مساکین " کی مد سے صرف کیا جاتا ہے " فی سبیل اللہ " کے مصداق کے طور پر صرف نہیں کیا جاتا کہ " فی سبیل اللہ " کے واحد مصداق " غازی فی سبیل اللہ " کے ہونے کی بات ختم ہو جائے ۔

(ب) قاضی ظہیر الدین بخاری کے فتوی سے جمہور سلف کے مسلک پر حرف آتا ہے، اس لئے ہم قاضی صاحب کا فتوی رد کرتے ہیں، جو لوگ ان کے فتوی پر اعتماد کرتے ہیں وہ اس کے جواب کے مکلف ہیں، ہمارے نزدیک طلبہ پر " فقراء و مساکین " کی مد سے صرف کیا جاتا ہے، اس لئے ہمارے نزدیک طلبہ پر صرف کرنے سے جمہور سلف کے مسلک پر حرف نہیں آئے گا ۔

(ج) یہ بچکانہ شق ہے، اجتہاد کی بنیاد پر اختلاف دین سے انحراف نہیں ہے، جن علماء نے ایسا فتوی دیا ہے اپنے اجتہاد ہی کی بنیاد پر دیا ہے (والمجتهد قد يصيب وقد يخطئ إذا أصاب فله أجران، وإذا أخطأ فله أجر) اور حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران، وإذا حكم فاجتهد، ثم أخطأ فله أجر (متفق عليه)

(د) نہ تو تمام علماء نے خاموشی اختیار کی، اور نہ ہی خاموشی کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہے ۔ جنہوں نے خاموشی اختیار کی ان سے دریافت کیجئے کہ کیوں خاموشی اختیار کی ؟ جنہوں نے ان کے فتوے کو تسلیم کیا ظاہر بات ہے کہ وہ خاموشی اختیار کریں گے ہی، اور وہ آج بھی خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں اور خاموشی سے عمل بھی کر رہے ہیں (بلکہ ببانگ دہل) ۔ اور جنہوں نے اس فتوے کو تسلیم نہیں کیا وہ پہلے بھی " فی سبیل اللہ " کے اس معنی پر مصر تھے جو معنی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا، اور جسے جمہور سلف نے اختیار کیا، اور آج بھی مصر ہیں ۔

۵ ـــ (الف) طلبہ علم " فی سبیل اللہ " میں داخل نہیں ہیں ان پر فقراء و مساکین کی مد

صرف کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کے عموم میں داخل ہیں ۔

ب) " فی سبیل اللہ " کی مد میں نہ طلبہ داخل ہیں اور نہ ہی علماء اور دینی خدمت گار، ہاں "فقرا و مساکین " والی مد سے ان پر صرف کیا جا سکتا ہے لیکن بطور اُجرت کے نہیں بلکہ بطور صدقہ کے اور بلا معاوضہ ۔

ا) شق نمبر (الف) اور (ب) میں اس کا جواب آگیا ۔

— (الف) طلبہ پر " فی سبیل اللہ " کی مد سے صرف نہیں کیا جاتا اس لئے مصارف زکاۃ کے آٹھ میں منحصر ہونے پر حرف نہیں آئے گا ۔

ب) یہ نظر کا قصور ہے ، قرآن میں " فقر و مسکنت " کی مد صراحت سے مذکور ہے ، اور طلبہ پر اسی مد سے صرف کیا جاتا ہے ، اگر بعض علماء میں " فقر و مسکنت کی صفت پائی جائے تو وہ بھی اس مد میں داخل ہو سکتے ہیں (لیکن بطور اجرت کے نہیں بلکہ بطور صدقہ اور بلا معاوضہ کے)

— (الف) بشرط " فقر و مسکنت " طلبہ ، علماء ، اور امت کے دیگر افراد بھی شامل ہو سکتے ہیں ۔

ب) ہم تو نزول قرآن کے وقت ہی سے فقیر و مسکین طلبہ کو اس میں شامل مانتے ہیں ، ہم نے آٹھ سو سال پہلے طلبہ کو " فی سبیل اللہ " میں شامل نہیں کیا جنہوں نے کیا وہ جواب دیں ۔

ج) اس کی تنقیح اوپر آچکی ۔

د) زکوٰۃ کی رقم سے طلبہ کے صرف خورد و نوش ہی پر صرف نہیں کیا جاتا ، خورد و نوش کے ساتھ علاج و معالجہ ، کتب ، نیز دیگر ضروریات پر بھی صرف کیا جاتا ہے ، جہاں جن کو جیسی ضرورت ہو اسی کے حساب سے ان پر صرف کیا جاتا ہے ، نیز اگر کوئی فقیر یا مسکین ہم سے صرف اپنی کسی ایک یا دو ہی ضرورتوں کے لئے زکوٰۃ سے تعاون طلب کرے تو کیا ضرورت ہے کہ ہم اس پر زور دیں کہ " نہیں ، تمام ضرورتوں کے لئے طلب کرو " اس لئے جہاں فقیر و مسکین طلبہ صرف خورد و نوش ہی کے لئے طلب کرتے ہیں ، انھیں ان کی طلب کے مطابق دیا جاتا ہے ، اور جہاں مزید ضرورتوں کے لئے طلب کرتے ہیں وہاں مزید صرف کیا جاتا ہے ۔

۸ ۔ (الف) امام کاسانی شارع نہیں ہیں کہ اگر انہوں نے مذکورہ فتویٰ دے دیا ہے تو ہم ان کے فتوے کی وجہ سے " فی سبیل اللہ " کے واحد مصداق " غازی فی سبیل اللہ " کی نص صریح، اور فتاوائے جمہور سلف سے عدول کر جائیں، یا ان کے فتوے اور نص وجمہور کے فتوے میں جو تناقض وتضاد پیدا ہو رہا ہے، ان کی بنا پر " فی سبیل اللہ " کے منصوص معنی سے تجاوز کر جائیں۔

(ب) ہماری مندرجہ بالا تصریحات سے واضح ہے کہ ہم دینی خدمت گاروں کو " فی سبیل اللہ " میں شامل نہیں مانتے، دین اس کی نشر واشاعت " امور خیر " تو ہیں، مگر آیت توبہ میں وارد۔ فی سبیل اللہ۔ سے عام امور خیر مراد نہیں، جیسا کہ امام مالک، اور امام ابن حزم کے قول سے واضح ہے ۔

امام کاسانی کے فتوے کو اگر احناف میں قبولیت عامہ حاصل ہے تو ہوا کرے، لیکن ہمارے علم کی حد تک تمام علماء احناف ان کے فتوے کو تسلیم نہیں کرتے، خود علامہ شامی نے " غنی طالب علم کے لئے اخذ زکاۃ کو حرام قرار دیا ہے (ردالمحتار، باب المصرف ج ۲ ص ۸۱) بحوالہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مرتبہ مولانا مفتی ظفیرالدین صاحب ج ۶ ص ۲۸۰)

حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب نے تعمیر مدرسہ اور تنخواہ مدرسین پر زکاۃ سے صرف کو بشرط حیلہ جائز قرار دیا ہے، یعنی کسی فقیر ومسکین کو پہلے اس کا مالک بنا دیا جائے پھر اس کی طرف سے خرچ کیا جائے، بات وہی ثابت ہوئی کہ ان کے نزدیک بھی " فی سبیل اللہ " میں مدرسہ براہ راست شامل نہیں ہے (دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم ج ۶ ص ۱۹۷، ۲۰۱، ۲۰۷، ۲۰۸، وغیرہ)

مفتی صاحب نے تو کہیں کہیں صاف لکھا ہے کہ " معلم کو تنخواہ میں زکاۃ کا روپیہ دینا درست نہیں ہے، زکوٰۃ بلا کسی معاوضہ تعلیم وغیرہ کے للہ مساکین اور غرباء کو دینا، اور ان کو مالک بنانا ضروری ہے۔ ھکذا فی کتب الفقہ (ج ۶ ص ۲۰۸)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: جب وہ معلم مالک نصاب ہے زکوٰۃ دینا اس کو درست نہیں، اور زکاۃ ادا نہیں ہوگی۔ اور استاذ مدرسہ جو مالک نصاب ہے وہ بھی مصرف زکوٰۃ نہیں ہے، اور مدرسین اگرچہ مالک نصاب نہ ہوتے بھی اس کو تنخواہ میں زکاۃ کا روپیہ دینا درست نہیں ہے،

اور مدرس عیالدار جو کہ مالک نصاب ہے مصرف عشر وغیرہ نہیں ۔ (ص ۲۰۵)

" اس قسم کی صدا بلند کرنے والوں کو گمراہ یا دین سے منحرف قرار دینا " درست نہیں ہے کیونکہ بہرحال ان لوگوں نے اجتہاداً ہی " فی سبیل اللہ " میں تمام امور خیر کو شامل کیا ہے ۔

)ـــ امام کاسانی کے فتوے کی عام حمایت کی بات صحیح نہیں ہے، کچھ لوگ حمایت کر رہے ہیں تو کچھ لوگ مخالفت بھی کر رہے ہیں جیسا کہ نمبر ۸ میں گذرا ۔

نیز امت کے کسی فرد کی بات مقبول بھی ہو سکتی ہے اور مردود بھی (نص کی موافقت یا مخالفت کی بنیاد پر)

امام کاسانی کے فتوے کے قائلین صرف متأخرین ہیں، سلف میں اس کے قائلین نہیں ملتے، متأخرین کی تعداد کی کثرت معتبر نہیں، یہ کوئی مستبعد بات نہیں کہ سیکڑوں علماء متأخرین کسی مخالف نص و مخالف جمہور سلف فتوے پر مجتمع ہو جائیں، معیار حق نص اور جمہور سلف کا اجماع ہے نہ کہ افراد

حدیث نبوی من دخل فی مسجدنا، الخ، سے معلم کے " فی سبیل اللہ " میں داخل ہونے پر استدلال درست نہیں ہے کیونکہ :

الف) اس میں " کالمجاھد " یا " بمنزلۃ المجاھد " کے الفاظ ہیں، جن سے صرف اتنا ثابت ہو رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو مجاہد فی سبیل اللہ جیسا ثواب ملے گا، نہ کہ وہ مجاہد فی سبیل اللہ ہیں، اور نہ ہی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ کسی پر جہاد واجب ہو رہا ہو، تو وہ بجائے غزوہ میں جانے کے مسجد نبوی میں جاکر تعلیم دینے لگے تو اس پر واجب شدہ فرضیت جہاد ساقط ہو جائے گی، نیز " ہماری مسجد " کے الفاظ بھی ملحوظ رہیں " عام مسجد " کے الفاظ وارد نہیں ۔

ب) یہ ایسا ہی ہے جیسے بہت سے نیک اعمال پر حج کے جیسا ثواب ملنے کی بشارت دی گئی ہے ان احادیث سے آج تک کسی فقیہ نے یہ ثابت نہیں کیا کہ ان نیک اعمال کے کر لینے سے بندے پر فرض شدہ حج ساقط بھی ہو جائے گا ۔

حدیث " فوادہ من ابل الصدقۃ " سے استدلال کر کے بھی " فی سبیل اللہ " کے مفہوم کو وسیع نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ بقول حافظ ابن حجر :

(الف) ووقع فی روایۃ أبی لیلیٰ: " فواده من عنده " وفی روایۃ یحی بن سعید : " فعقله النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من عنده ، أی اعطی دیته ، وفی روایۃ حماد بن زید :" من قِبَله " بکسر القاف وفتح الموحدة ، أی من جهته ، وفی روایۃ اللیث عنه :" فلما رأی ذلك النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم اعطی عقله "۔

وقوله " من ابل الصدقة " زعم بعضهم أنه غلط من سعید بن عبید لتصریح یحی بن سعید بقوله " من عنده "

(ب) وجمع بعضهم بین الروایتین باحتمال أن یکون اشتراها من ابل الصدقة بمال دفعه من عنده ، أوالمراد بقوله " من عنده " أی بیت المال المرصد للمصالح ، وأطلق علیه " الصدقة " باعتبار الانتفاع به مجانا "۔

پھر فرماتے ہیں :

وروایۃ من قال " من عنده " أصح من روایۃ من قال ، " من ابل الصدقة " وقد قیل : انها غلط ، والأولیٰ أن لا یغلط الراوی ما أمکن ، فیحتمل أوجها ، منها ــ فذکر ما تقدم وزاد ــ أن یکون تسلف من ابل الصدقة لیدفعه من مال الفئ (حوالۂ مذکور)

حافظ ابن حجر کے مذکورہ توجیہات کی بنا پر اس حدیث سے حتمی طور پر ایک منصوص معنی کی توسیع پر استدلال درست نہیں۔

قاضی عیاض نے "بعض" غیر معروف علماء کا خیال بیان کیا ہے، معروف اور جمہور سلف کا نہیں ــ

۱۰ــ مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے امام کاسانی کے فتوے پہ جو ریمارک لگایا ہے اسے بھی تو

"غرض یہ ہے کہ " فی سبیل اللہ " میں بے شک موافق تفسیر صاحب بدائع (امام کاسانی) جملہ مصارف خیر داخل ہیں، لیکن جو شرط ادا، زکوٰۃ کی ہے وہ سب جگہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ " بلامعاوضہ تملیک محتاج کی ہونی ضروری ہے "۔

اب ذرا لفظ " بلامعاوضہ " اور لفظ " محتاج " پر غور فرمائیں کہ کیا انہوں نے مستقلاً طلبۂ علم اور ملازمین تبلیغ کو " فی سبیل اللہ " میں داخل مانا ہے، یا بشرط " بلامعاوضہ " وبشرط " محتاج " اور پھر بشرط حیلہ ؟ ۔

نیز درمختار کی عبارت میں : " وقیل طلبة العلم " ہے، اس کے پہلے کی عبارت یوں ہے " وفی سبیل اللہ ھو منقطع الغزاۃ، وقیل: الحاج " یعنی ان کے نزدیک بھی معتمد تفسیر " غزاۃ " کی ہی ہے، حاجی اور طالب علم کو لفظ " قیل " سے بیان کیا ہے جو ضعیف تفسیر پر دال ہے ۔

جب بھی کسی عالم کا فتویٰ نص اور جمہور سلف کے خلاف ہوگا رد کیا جاسکتا ہے، امام کاسانی کا فتویٰ مذکورہ کوئی ایسا مستند فتویٰ نہیں جس کی مخالفت جائز نہیں ۔

امام کاسانی کے فتوے کو " بغیر کسی معقول وجہ " کے رد نہیں کیا گیا ہے، نص وجمہور سلف کے قول کے مخالف ہونے کی بنا پر رد کیا گیا ہے ۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم وعلمہ أتم ۔

احمد مجتبیٰ سلفی

۳ / ۸ / ۱۴۱۲ھ

عابد حسن رحمانی ــــــــ محمد رئیس ندوی

۱۰ر فروری ۱۹۹۲ء ۱۰ر فروری ۱۹۹۲ء

شعبۂ افتاء جامعہ سلفیہ بنارس

مُحدّث

ماہنامہ — مُحدّث — بنارس

شمارہ ۸	اگست ۱۹۹۲ء	صفر ۱۴۱۳ھ	جلد ۱۰

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

فی پرچہ ۴ روپئے ۰ سالانہ ۴۵ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

درسِ قرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یتیم کا مال کھانے پر وعید

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

ان الذین یاکلون أموال الیتامیٰ ظلماً انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا ۔ (النساء)

وہ لوگ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں بے شک وہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں، اور عنقریب ان کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے گا ۔

وہ بچہ جس کے سر سے اس کے والد یا والدین کا سایہ اٹھ گیا ہو اسے یتیم کہتے ہیں، یتیم کے اُولیا اور وہ تمام لوگ جن کے ہاتھ میں یتیم کا مال جائے اور وہ اس میں ناحق تصرف کریں یا کھا جائیں تو ان کو سخت وعید سنائی گئی ہے کہ وہ حقیقت میں اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھرنے والے ہیں، اور جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جانے والے ہیں۔ احادیث میں یتیم کے مال کی حفاظت کرنے والے اور ان کی پرورش و پرداخت اور ان کی کفالت کرنے والے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور ان کیلئے آخرت میں بلند درجات عطا کئے جانے کا وعدہ کیا گیا ہے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح سے رہیں گے، پھر آپ نے اپنے وسطی اور سبابہ انگلی سے اشارہ کیا کہ اس طرح ۔

جہاں ان یتیموں کے سرپرستوں اور کفیلوں کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے وہیں ان کے مال میں خرد برد کرنے والوں اور ان کے مال کو ناحق کھا جانے والوں کو وعید شدید بھی سنائی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی صحیحین میں یوں مذکور ہے کہ فرمایا: سات گناہوں سے بچو جو باعث ہلاکت ہیں، پوچھا گیا وہ کیا ہیں

فرمایا، اللہ کے ساتھ شرک، جادو، بے وجہ قتل، سود خوری، یتیم کا مال کھا جانا، جہاد سے منہ موڑنا، بھولی بھالی سیدھی سادھی عورت پر تہمت لگانا۔ ابن مردویہ میں مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
یبعث یوم القیامۃ القوم من قبورھم تأجج افواھھم نارا۔ الحدیث۔ قیامت کے دن کچھ لوگ اپنی قبروں سے ایسی حالت میں اٹھائے جائیں گے کہ ان کے منہ آگ جوش مار رہی ہوگی۔ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ: کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا قول " ان الذین یاکلون اموال الیتامیٰ ظلماً " الآیۃ۔ (جو لوگ یتیم کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں) نہیں پڑھا۔

حضرت سدیؒ فرماتے ہیں کہ یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ، آنکھوں، نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے، ہر شخص دیکھتے ہی جان جائیگا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے (ابن کثیر، نسائی وغیرہ)۔ یتیم کا مال ناحق کھا جانے والے کی اتنی بڑی سزا اور اتنا دردناک عذاب اسلئے ہے کہ وہ ایک ایسے انسان کا مال کھاتا ہے جو اپنی ہر طرح کی مجبوری سے دوچار ہے۔ یتیم پریشانی اور بے چارگی کے ایسے دور میں ہوتا ہے کہ اسکی عاجزی و بے بسی اور اسکی بیکسی پر ہر شخص کو خصوصاً اسکے ولی کو اس پر ترس کھانا چاہیئے اور اسکے اموال کی حتی الامکان حفاظت کرنی چاہیئے۔ اب اگر وہ زور و زبردستی سے یا حیلہ بہانہ سے یا کسی اور ناجائز طور سے اس کا مال کھا جاتا ہے تو بھلا اس سے بڑھکر ظالم کون ہوگا، لہذا ایسے ظالم کیلئے رب کریم کی جانب سے یہ دردناک عذاب متعین کیا گیا ہے۔

یہ آیت کریمہ جب نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں سے جن کے پاس یتیم تھے انہوں نے ان کا مال اور کھانا پانی الگ کردیا، مبادا کہیں ان کے حصے کا کھانا پیٹ میں نہ چلا جائے، اب عموماً ایسا ہونے لگا کہ کھانے پینے کی اگر ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یتیم پھر اسی چیز کو دوسرے وقت کھاتا یا خراب ہو جائے تو پھینک دیا جاتا، گھر والوں میں سے کوئی اسے چھوتا تک نہیں۔ یہ بات دونوں کیلئے پریشانی کی باعث تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہونچی، چنانچہ یسئلونک عن الیتامیٰ، الآیۃ۔ نازل ہوئی، جس میں حکم دیا گیا کہ یتیم کے مال میں جس صورت میں بہتری ہو وہی کرو۔
ہر وہ شخص جو یتیم کا مال کسی طرح سے بھی ضامن ہو اللہ اس کو اچھی نگہبانی کی توفیق دے، آمین!

درسِ حدیث

مصیبت باعثِ محوِ سیئات وسببِ رفعِ درجات

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : ما من مصیبۃ تصیب المسلم الا کفر اللہ بہا عنہ ، حتی الشوکۃ یشاکہا ۔ (البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، کہتی ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر وہ مصیبت جو مسلمان آدمی کو پہونچتی ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ کانٹا بھی کفارہ ہے جو اس کو چبھتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بیحد مہربان ہے ، وہ اس پر ہر حال میں اپنی رحمت برساتے رہتے ہیں اور مادی ومعنوی نعمتیں نچھاور کرتے رہتے ہیں ، بسا اوقات انسان جن جن چیزوں کو اپنے لئے باعث نقصان وضرر رساں سمجھتا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتا ہے ، اور وہ خیال کرتا ہے کہ یہ پریشانی جسمانی ومالی جو لاحق ہو گئی ہے یہ رب کا غضب ہے جو اس پر نازل ہوا ہے ، حالانکہ بندے پر جو مصیبت آتی ہے اکثر اس کے کرتوت کا نتیجہ ہوتا ہے ، اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو آزمانے کے لئے بھی مصائب میں مبتلا فرماتے ہیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر ۔	یعنی جو مصیبت تم کو پہونچ سکتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کا کیا دھرا ہوتا ہے حالانکہ بہت سا تو اللہ تعالیٰ معاف ہی فرما دیتا ہے ۔

لیکن یہ زحمت بھی مومن کے لئے رحمت کا پیش خیمہ ہوتی ہے ، اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے بدلے اس کے کئے ہوئے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے ۔ یہ سب کو معلوم ہے کہ آخرت کا عذاب اور وہاں کی مصیبت دنیا کے

عذاب وآلام کے مقابلے میں بدرجہا سخت، دردناک اور ہولناک ہے، اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کا بدلہ دے کر بندۂ مومن پر کرم کرتا ہے اور اس کو عذاب آخرت سے بچا لیتا ہے بلکہ بندۂ مومن اگر اس نازل ہونے والے مرض ومصیبت میں صبر ورضا سے کام لے تو پھر اس کے گناہوں کے کفارہ کے ساتھ اس کے لئے حسنات بھی لکھ دیئے جاتے ہیں اور آخرت میں رفع درجات بھی کر دیا جاتا ہے، بلکہ بعض روایتوں کے بموجب اللہ تعالیٰ جب بندے کا بھلا چاہتا ہے تو اس کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اس پر مصیبت نازل کرتا ہے۔ (البخاری)

طبرانی اور ابن حبان کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مصیبت کے بدلے میں اس کے گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اجر وثواب سے نوازتے ہیں اور اس کا درجہ بلند کر دیتے ہیں۔ عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ ثواب وعقاب کسب سے حاصل ہوتا ہے اور مصیبت انسان کا کسب نہیں کہ اس پر ثواب حاصل ہو، ثواب ومحو سیئات تو مصیبت میں صبر ورضا سے حاصل ہوتا ہے جبکہ دوسرے علماء کہتے ہیں کہ مجرد نزول مصیبت ہی کفارۂ ذنوب ہے اگر صبر ورضا بھی پایا جائے تو یہ ایک بہت بڑا درجۂ فضیلت ہے اور اس سے ثواب میں زیادتی ہوتی ہے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصیبت میں اگر صبر ورضا حاصل ہو تو نور علیٰ نور گناہ بھی معاف اجر وثواب بھی حاصل اور بلندی درجات کا موجب بھی، اور اگر صبر ورضا تو نہیں پایا گیا مگر جزع فزع جو شرعاً ممنوع ومذموم ہے وہ مصیبت زدہ نہیں کرتا تو بھی مصیبت کفارۂ ذنوب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اور اس کا فضل وسیع اور عام ہے، لیکن بہرحال اس کا درجہ شاکر وصابر سے فروتر ہوگا۔ (فتح الباری)

انسان کو جو مصائب وآلام اور غم وحزن لاحق ہوتے ہیں ایا اس سے صرف صغیرہ گناہ ہی معاف ہوتے ہیں یا کبیرہ بھی اکثر لوگ کہتے ہیں صرف صغائر ہی معاف ہوتے ہیں کبائر کیلئے توبہ وانابت شرط ہے، جبکہ دوسرے علماء کا خیال ہے کہ صغائر وکبائر کا کفارہ مصیبت کے چھوٹے یا بڑے ہونے پر موقوف ہے جس طرح کی مصیبت ہوگی اسی کے مقدار گناہ بھی معاف ہوگا۔

الغرض مصیبت ومرض اور تکلیف چاہے جسمانی ہو یا روحانی مؤمن کیلئے باعث محو سیئات موجب حسنات اور سبب رفع درجات ہے، اور اس حدیث میں مؤمن کیلئے عظیم خوشخبری اور بڑی تسلی ہے کیونکہ بندہ اس دار الحزن والمصائب میں اکثر ان چیزوں کا شکار ہوتا رہتا ہے۔ اللھم اجعلنا شاکرین علی السراء وصابرین علی الضراء۔ آمین

افتتاحیہ

جامعہ ملیہ کا بحران!

ہائے یہ گردشِ دوراں مجھے لائی ہے کہاں

جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے نائب شیخ الجامعہ پروفیسر مشیر الحسن نے سلمان رشدی کی بدنامِ زمانہ
تاب "شیطانی آیات" کے متعلق ایسے وقت میں ایک انٹرویو داغ دیا جب طلباء جامعہ امتحانات کی تیاریوں
ں مصروف تھے، انٹرویو مرکزی وزیر سلمان خورشید کی عیسائی بیوی لوئی فرنانڈیز نے لیا، پروائس چانسلر
، انٹرویو میں حکومت ہند کی جانب سے "شیطانی آیات" پر عائد پابندی اٹھا لینے کا موقف پیش کیا ہے
س ناپاک کتاب کے خلاف عالمی پیمانہ پر مسلمانوں کے شدید احتجاج کے علی الرغم یہودیوں اور عیسائیوں
، ملی بھگت سے اسے چھاپا اور کھلے چھپے پڑھا پڑھایا جا رہا ہے۔ عالمی میڈیا جس پر یہود و نصاریٰ کا قبضہ ہے
فازہی سے احتجاج کرنے والوں کو "بنیاد پرست" اور کتاب سے پابندی اٹھانے کی حمایت کرنے والوں
" روشن خیال" کا خطاب دیتا رہا ہے، ایک نام نہاد مسلمان کی روشن خیالی کے تقاضہ میں اگر کتاب سے
بندی اٹھالی جائے، اور یہود سے بھارتی عوام کی نئی نئی دوستی کا مہورت شیطانی آیات کے اشلوکوں
سے ہو جائے تو نئے دور کے نام نہاد روشن خیالوں کو اپنی ظلمات بکھیرنے کے نئے نئے میدان میسر آجائیں۔
راغور فرمائیے کہ سے بے کس و بے بس ملت اسلامیہ ہندیہ کو روشنی کا سبق سکھانے کے لئے شیطانی آیات کے
ش گیر مادے کو آگ دکھا کر روشنی پھیلانے کا عزم رکھنے والا عملہ کتنی ترتیب و تنسیق رکھتا ہے۔ شیعی نائب شیخ الجامعہ
دیانی شیخ الجامعہ انٹرویو لینے والی عیسائی خاتون، کتاب شیطانی آیات، اور یہ بشر یہودی پورا شجرہ
ر سلسلہ صدیوں سے شیطانی آیات کیا ہی محکم محکم، روشن روشن اور نور بالائے نور ہے! ایک سرد و گرم

چشیدہ شاعر پہلے ہی کہہ گیا ہے :

نور کے نام پہ بکتی ہے یہاں تاریکی — لوگ کہتے ہیں خزاؤں کو یہاں فصلِ بہار
علم ہے خاک بسر، زخم بدل آہ بلب — جہل نے سر پہ سجائی ہے کلاہ و دستار
حسنِ کردار کا نیلام ہے چوراہوں پر — عصمتِ لوح و قلم بیچ رہے ہیں فن کار
بے ضمیری کے لئے عام ہے صہبائے نشاط — ہدفِ سنگِ ملامت ہے ضمیر بیدار
ناطقہ سر بگریباں ہے خرد نوحہ کناں — ہائے یہ گردشِ دوراں مجھے لائی ہے کہاں

مسٹر مشیر الحسن کے انٹرویو سے امتحانات کی تیاری میں معروف جامعہ کے طلبار کے جذبات کو سخت ٹھ
پہونچا چنانچہ انہوں نے مشیر صاحب کو ان کے منصب سے ہٹا دیئے جانے کا مطالبہ پیش کر دیا لیکن شیخ الجامعہ
نے طلبار کے جذبات کی پرواہ کئے بغیر یونیورسٹی کو غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دینے کی دھمکی دی، ادھر طلبا
اپنے مطالبہ پر قائم رہے ادھر مشیر الحسن کبھی کبھی اظہار معذرت کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہے، آخر ایک رات
بھاری تعداد میں پی، اے، سی یونیورسٹی کے احاطہ میں سونے کے وقت داخل ہوئی اور زبردستی طلبائ
ہوسٹل خالی کرالیا گیا، بہت سے طلبار کو پس دیوارِ زنداں ڈال دیا گیا اور وائس چانسلر نے غیر معینہ مدت
کے لئے یونیورسٹی کے بند کئے جانے کا اعلان کر دیا۔ اپنے مطالبہ کو لے کر طلبار کی تحریک پر امن طور پر اب بھ
جاری ہے، جامعہ کے اساتذہ اور ملازمین کی اکثریت ان کے ساتھ ہے، لیکن میڈیا حسب عادت طلبا و
جذبات سے صرفِ نظر کر کے ان کی تحریک کو رجعت پرستی قرار دینے اور اس کی آڑ میں ملت اسلامیہ کی کردا
کشی میں رات دن معروف ہے، اور اس موقف کی تائید میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے کہ مشیر الحسن
صاحب کو ان کے منصب سے کسی حال میں نہیں ہٹایا جانا چاہئے۔ غرض ناگہانی طور پر اس مسئلہ کو چھیڑ کر
طلبہ کی تعلیم، جامعہ کے اقلیتی کردار، اور ملت اسلامیہ کے عزت و وقار کو داؤ پر لگا دیا گیا ہے

باغباں کہتا ہے جب برق چمکتی دیکھو — خیر مقدم کو اٹھو برق پہ خرمن رکھ دو
آتشِ گل کو ضرورت ہو اگر ایندھن کی — اس کے آغوش میں اپنا ہی نشیمن رکھ دو
خار جب آئیں نظر مشقِ ستم پر مائل — سامنے اطلس و کمخواب کے دامن رکھ دو
اور صیاد اگر تیغ بکف آجائے — تیغ کو پیار کرو دھار پہ گردن رکھ دو

نہ سنی جائے چمن میں کہیں آوازِ فغاں ہائے یہ گردشِ دوراں مجھے لائی ہے کہاں

اس پورے عرصہ میں حکومت ہند طویل سکوت اور سناٹے میں رہی، اب سنا ہے فروغ انسانی وسائل کے مرکزی وزیر ارجن سنگھ کو مکلف کیا گیا ہے کہ جامعہ کے بحران کو حل کرنے کی راہیں تلاش کریں، موصوف نے پانچ ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی بنادی ہے جس کے سربراہ تامل ناڈو کے سابق چیف جسٹس ایم ایم اسمٰعیل ہیں، اور دوسرے ممبران پروفیسر علی محمد خسرو سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جناب سید حامد سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ، جناب اصغر علی انجینئر اور ظفر جنگ ممبر دہلی وقف بورڈ ہیں، ہم توقع رکھتے ہیں کہ کمیٹی تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے بحران کا دیرپا حل تلاش کرسکے گی، اور جو مسئلہ بحران کا اصل سبب ہے اس کے متعلق جامعہ کے طلباء، اساتذہ، ملازمین بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے جذبات کو پورے خلوص اور دانشمندی سے سمجھنے اور اس کے مطابق بحران کا حل ڈھونڈنے کی سعی مشکور کرے گی۔

پیغمبر اسلام خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کے دینی، ایمانی، علمی اور جذباتی لگاؤ کی گہرائی وگیرائی کا اندازہ اس بات سے کرنا چاہیئے کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو اس وقت تک مسلمان نہیں سمجھتا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس کے والدین، اولاد وأحفاد، بھائی بند، خاندان اور اعزار واقربار، جان، مال ودولت، گھربار اور دنیا کی ہر شئی کی محبت پر غالب نہ ہو، اگر ایسا نہ ہو تو اسے حدِ اعتدال سے خروج اور فسق سمجھا جاتا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں ایسے مسلمانوں پر عذاب نازل ہونے کی خبر دی ہے۔ اندازہ لگانا چاہیئے کہ جب رسولؐ کی شان میں کسی طرح کی بے ادبی وگستاخی کی جائے گی تو مسلمانوں کو تمام صدمات سے بڑھ کر اس سے صدمہ پہونچے گا۔ رسولؐ کے بعد نوع انسانی میں یہ احترام وتقدس اگر کسی کو حاصل ہے تو وہ آپؐ کے صحابہ کرام کا مقدس اور بے نفس گروہ ہے جن کی بے نفسی کی نظیر پیش کرنے سے انسانی تاریخ عاجز ہے، یہ شرف بلاکسی تفریق کے تمام صحابہ کرام کو حاصل ہے، سلف امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس پاکیزہ گروہ کے فضائل گنائے ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے صحابہؓ سے متعلق اللہ سے ڈرو، انھیں میرے بعد سب وشتم اور لعن طعن کا نشانہ نہ بناؤ۔ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کے عنوان سے ان سے محبت کی، جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض کے عنوان سے ان سے بغض رکھا، جس نے انھیں تکلیف پہونچائی اس نے

مجھے تکلیف پہونچائی، جس نے مجھے تکلیف پہونچائی اس نے اللہ کو تکلیف پہونچائی اور جس نے اللہ کو تکلیف پہونچائی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑلے۔

آپؐ نے فرمایا جس نے میرے صحابہ کو برا بھلا کہا اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے مسلمانوں کے یہاں صحابہ کے تقدس وعظمت اور ان سے محبت کی بنیا د رسول اکرمؐ کی یہی ہدایات ہیں۔

مشیر الحسن صاحب نے شیطانی آیات سے پابندی اٹھالینے کے موقف پر اصرار کرکے دراصل یہ واضح کردیا ہے کہ ان کا دل جذبۂ محبتِ رسولؐ واصحاب رسول سے خالی ہے۔ سلمان رشدی سے متعلق خمینیؒ کے فتوی سے اگر اسی نوع کی روشن خیالی کشید ہوتی ہے تو انہیں کم ازکم اپنے نونہال طلبا اور اساتذۂ جامعہ اور پوری ملت اسلامیہ کے زخم خوردہ جذبات ہی کا لحاظ کرنا چاہئے تھا، بہرحال نامزد کمیٹی سے ہم یہی توقع رکھتے ہیں کہ وہ جامعہ اس کے طلباء واساتذہ، ملازمین اور ملت اسلامیہ کو روشن خیالوں کی روشن خیالی کا تختۂ مشق نہیں بننے دے گی۔

جو رک سکے تو روک دو یہ سیل رنگ ونور کا
مری نظر کو چاہئے وہی چراغ دور کا
کھٹک رہی ہے ہر کرن نظر میں خار کی طرح
چھپا دیا ہے تابشوں نے آئنہ شعور کا
نگاہ شوق جل اٹھی حجاب ڈھونڈتا ہوں میں
جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں

" شیطانی آیات " کی اشاعت سے ساری دنیا کے مسلمان جو تڑپ اٹھے اس کا سبب اسی غالب ترین جذبہ محبت رسولؐ واصحاب رسول کی جراحت تھی، اس ناپاک اور شیطانی کتاب میں رسولؐ اور بعض اصحاب رسولؐ کے کردار کو نہایت دریدہ دہنی کے ساتھ بڑے گھٹیا اور گھناؤنے انداز میں پیش کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عام انسانوں کے لئے پیغمبر اسلام اور آپؐ کے بے نفس جاں نثار صحابہ کی سیرت وکردار میں کوئی کشش باقی نہ رہے اور معاشرہ میں اپنے بڑوں کے سوا ان اجنبی ہستیوں کے گن نہ گائے جاسکیں۔ مغرب صدیوں سے یہ تیر آزمارہا ہے لیکن اس کے علی الرغم وہاں ان

مقدس ہستیوں کے جاں نثاروں میں ایک پُراسرار تسلسل کے ساتھ روز بروز اضافہ ہی ہو رہا ہے بھارت کے عیسائی دور حکومت میں علم و عقل کے نابالغ لوگوں نے " رنگیلا رسول " نام کی کتاب لکھی لکھوائی تھی، شیخ الاسلام علامہ امرتسریؒ نے جس کا رد لکھا اور اپنی بلیغ اور شگفتہ و شائستہ تحریر کا کوثر پلا کر برصغیر کے باسیوں کو بتایا تھا کہ وہ رسول رنگیلا نہیں بلکہ اللہ کے رنگ میں رنگا ہوا ہے بھارتی معاشرہ میں اس نوع کی منفی کوششوں کے علی الرغم مقدس رسولؐ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کی پاکیزہ سیرت کے نور کا دائرہ پر اسرار طور پر بڑھتا ہی جارہا ہے۔ شیطانی آیات سے متعلق مسٹر مشیر کا اٹل موقف ان کے خیالات کے ایسے کباڑ خانے کا پتہ دے رہا ہے جس میں روشنی تو کجا ظلمات ہی ظلمات ہیں، بے قید حریت کے ان جیسے علم برداروں سے بعید نہیں کہ روشن خیالی کی ترنگ میں آکر یہ پیش کش کردیں کہ " رنگیلا رسول " کے فارسی ایڈیشن کی اشاعت کے جملہ مصارف میں اپنی جیب خاص سے ادا کروں گا۔

حاصل گفتگو یہ کہ شیطانی آیات سے متعلق مشیر صاحب کے اس تیرہ و تار اور ناعاقبت اندیشانہ موقف کے خلاف جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلباء، اساتذہ اور عام ملازمین نے جس تحریک کا آغاز کیا ہے اور اس پر اب تک قائم ہیں اس کے لئے وہ سو بار مبارکباد کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ رسولؐ اور اصحابؓ رسول سے متعلق ان کے جذبات کی صداقت کو شاداب و آباد رکھے کہ یہ باقی ہے تو اللہ کا دین باقی ہے اور یہ فساد کی نذر ہو جائے تو دین خالص کے آثار مٹنے لگیں۔

اس جذبۂ صادق کی قدر و منزلت اس وقت اور فزوں ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک معروف دینی درسگاہ کے معتمد تعلیمات نے ایک صاحب کے خلاف غصہ میں آکر اپنی ایک تحریر میں بعض صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسلام کو استسلام سے تعبیر کیا ہے، اور دوسرے صحابۂ کرام، اسلام اور رسولؐ کے خلاف عناد اور تکدر رکھنے کا دل ہلا دینے والا غلط الزام لگا دیا؟ ایک صحیح الاعتقاد اور صحیح الایمان مسلمان کے خواب و خیال میں بھی اس طرح کی بات کا گذر نہیں ہو سکتا، یہ خالص مستشرقین استشراق سے متاثرین، منافقین اور روافض و شیعہ کی بات ہے جسے ایک کتاب پر تبصرہ کے ضمن میں اہل السنۃ والجماعۃ کے پلیٹ فارم سے پیش کیا گیا ہے، افسوس کی بات ہے کہ اس سے متعلق تحریری زد و

خورد کا سلسلہ اب بھی جاری ہے جب کہ رسولؐ اور اصحاب رسول کی مقدس سیرت پر گندا کیچڑ اچھالنے والی بدنام زمانہ کتاب شیطانی آیات سے پابندی اٹھالینے سے متعلق مسٹر مشیر کے موقف کے خلاف جامعہ ملیہ اسلامیہ کے طلباء، اساتذہ و ملازمین اپنے مجروح جذبات کی پاسداری کے مطالبہ کو لے کر پُر امن تحریک چلا رہے ہیں، کسی بھی صحابیٔ رسولؐ میں نفاق اور رسول سے عناد کی بات سلف امت میں سے کسی نے بھی نہیں کہی ہے، اس بات پر امت کا اجماع ہے کہ تمام اصحاب رسول سچے پکے مومن تھے، ان کے خلاف طعنہ زنی کرنے والے احادیث رسول اور اقوال ائمہ کی روشنی میں اللہ کی لعنت اور تعزیر کے مستحق ہیں غور فرمایا جائے کہ اگر اہل السنۃ والجماعۃ کے حلقہ سے بھی وہی باتیں کہی جانی لگیں تو ہمارے اور مستشرق یہود و نصاریٰ اور روافض و شیعہ کے منہج فکر و نظر اور عقیدہ و ایمان میں کیا فرق رہ جائے گا، اور شیطانی آیات سے متعلق مسٹر مشیر کے موقف کے خلاف احتجاج میں کیا معنویت باقی رہ جائے گی۔

وہ جو اک سرخ ستارہ ہے افق کے نزدیک ہے یہ اک آتش صد برق بداماں کا الاؤ

اس کی کرنوں میں ہے چلتی ہوئی تلوار کی کاٹ
اس کی سرخی میں ہے اُمڈے ہوئے دریا کا بہاؤ

اس کے دامن میں ہے آسودہ وہ فتنہ جس سے
جسم تو جسم میسر نہیں روحوں کو اماں

دل، نظر، ذہن، خیالات اصول و اقدار
سب کے سب اس کی تگ و تاز سے لرزاں ترساں

اس کی پرچھائیں بھی پڑ جائیں تو سبزہ جل جائے
دیکھتے دیکھتے ماحول پہ چھا جائے دھواں

اس کے شعلوں کا تو کیا ذکر کہ شعلے ٹھہرے
اس کی شبنم بھی گلستاں کیلئے برق تپاں

مدرسہ رحمانیہ دہلی

میرے احساسات وتاثرات کے آئینہ میں

حضرت مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری

دارالحدیث رحمانیہ دہلی یوں توساری علمی دنیا میں معروف ومشہور ہے لیکن اس کی حقیقی وجہ آغاز .رواقعی سبب سے ہماری آج کی علمی دنیا بھی ناواقف اور بے خبر ہے ۔ حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی کی حیات خدمات پر جو کتاب لکھی گئی ہے اور جسے میں مرکزی دارالعلوم بنارس کی کانفرنس سے خرید کرلایا ہوں ، اب اس پڑھ چکا ہوں ۔ یہ کتاب کیا ہے ؟ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم کے حالات ومجاہدات پر اور ان کی تبلیغی علمی کوششوں کا ایک گنجینہ معلومات ہے ، اس کو پڑھ کر امام المناظرین حسن البیان کے عظیم مؤلف اور ناظر اسلام کے تقوی وتدین ، کمال درجہ کی ورع وپرہیزگاری کا بخوبی علم ہوا ، مولانا کا دربھنگہ کے نواح سے بھی لق تھا ، اور بہار میں رحیم آبادی کے قرب وجوار میں بھی آپ کے عقیدتمند لوگ سیکڑوں نہیں ہزاروں تھے ۔ آپ کا نام نامی اسم گرامی دھلی کے مقتدر وموقر حضرات تک پہونچ چکا تھا ۔ دھلی کے مشہور حکیم اجمل خاں صاحب مولانا کے علم وفضل کے معترف ومعتقد تھے ، اور شیخ عبدالرحمٰن وعطاء الرحمٰن صاحبان جو صدر بازار دہلی میں اپنا مشہور تجارتی فرم رکھتے تھے ، یہ سب حضرات بھی مولانا کے نہایت عقیدتمندوں میں سے تھے وہ لوگ بھی ان کے مقتدی وپیشوا تھے ، یہ حضرات مولانا کی جوتیاں اٹھانے کو اپنا شرف اور اپنی سعادت سمجھتے تھے ۔

حضرت مولانا ہی کے ایک مبارک مشورہ پر شیخ عبدالرحمٰن وعطاء الرحمٰن صاحبان نے مدرسہ " دارالحدیث رحمانیہ " کھولا ، یہ دونوں حضرات رئیس التجار تھے لاکھوں نہیں بلکہ اربوں روپئے کے

مالک تھے جیسا کہ آگے آنے والے واقعات سے ہمارے ناظرین کو بخوبی علم ہو جائے گا۔

ہم آج بڑے فخر و ابتہاج کے ساتھ یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ حضرت شیخ عبدالعزیز رحیم آبادی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ کاملۃ کی یادگار ہے اور انھیں کی ایک دین ہے، اب "حیات و خدمات" سے مکمل حالات پڑھئے۔

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی کے قیام کی سرگزشت

ایک مرتبہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم دہلی تشریف لے گئے شیخ عبدالرحمٰن و عطاء الرحمٰن صاحبان کے یہاں قیام تھا اتفاق سے ان کی بہن کو کچھ ایسی تکلیف تھی کہ لوگوں کو شبہ ہوا کہ جناتی حرکت ہے مولانا کے سامنے تذکرہ آیا، مولانا عبدالعزیز صاحب نے ایک تعویذ دے دیا، بہن بھلی چنگی ہو گئی، لیکن اس کے بعد ہی شیخ صاحبان کا بھانجہ لاپتہ ہو گیا، ایک سیٹھ کا بھانجہ تھا اس کی تلاش پر کافی اخراجات ہوئے لیکن پتہ نہ چل سکا، کچھ دنوں کے بعد "پاربتی پور" بنگال کے اسٹیشن پر کسی نے پہچانا، شیخ صاحب کو خبر دی گئی، آدمی آیا، اور اس لڑکے کو دہلی لے گیا۔

اس بچہ کے مل جانے کی خوشی میں یہ لوگ اپنی دولت سے شکر ادا کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی مرحوم نے مشورہ دیا کہ سب سے اچھا شکرانہ یہ ہے کہ ایک مدرسہ کھول دیں، چنانچہ یہ مشورہ ان لوگوں کو بہت پسند آیا اور عبدالرحمٰن صاحب کے نام کی مناسبت سے مدرسہ رحمانیہ کھول دیا جس کی افادیت سے ہندوستان ہی نہیں پوری دنیا واقف ہے، افسوس کہ ۱۹۴۷ء کے تقسیم ملک اور فساد میں یہ چشمہ صافی ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

الحاج عبدالرحمٰن صاحب مولانا عبدالعزیز مرحوم کے ایسے گرویدہ تھے کہ ہر حکم کو فوراً بجا لانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے، شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کو شوق پیدا ہوا کہ زمین داری حاصل کی جائے اور زمین دارانہ ٹھاٹ باٹ سے زندگی بسر کی جائے، بڑے بھائی کے سامنے اس خیال کا اظہار کیا تو وہ اس کے لئے تیار نہیں تھے ان کا خیال تھا کہ ہم لوگ شہر کے باسی تجارت کے ماہر ہیں، زمین داری کا انتظام ہم لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے

بن وہ ضد پر قائم رہے کہ زمینداری خریدنی ہے، آخر عبدالرحمٰن صاحب نے مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی
ؤم سے اس کا تذکرہ کیا، مقصد یہ تھا کہ مولانا برادر خرد یعنی عطاء الرحمٰن کو سمجھا دیں گے تو وہ اس خیال
ے باز آجائیں گے، لیکن مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی نے مشورہ دیا کہ جب وہ اس کے لئے بضد ہیں تو آپ
ن کی یہ خواہش پوری کر دیں تجربہ خود ان کو راستہ معین کرنے میں مددگار رہے گا، چنانچہ اس کے بعد اس پر
ں عمل کیا کہ نوتے لاکھ میں ایک بہت بڑی زمینداری خرید کر ان کے حوالہ کر دیا، یہ دوسری بات ہے کہ سال
یڑھ سال کے بعد ہی شیخ صاحب کو جب اس پیشہ کے حالات سے سابقہ پڑا تو دل برداشتہ ہو گئے اور توبہ کرنے
لے، آخر ش اس زمینداری کو لاکھوں روپئے خسارہ پر فروخت کر کے چھٹکارا حاصل کیا اور اپنے سابقہ کارو
رمیں مشغول ہو گئے۔

یہ لوگ مولانا کے اتنے دلدادہ تھے کہ برابر دہلی سے رحیم آباد خدمت میں حاضر ہوتے رہتے اور تحفہ تحائف
ا انبار اپنے ساتھ لاتے رہتے۔ ایسی عقیدت تھی کہ زمانہ علالت میں تو گویا ڈاک بٹھا دی تھی کہ مولانا عبدالعزیز
حیم آبادی کے حالات ہر دم ملتے رہیں اور مرض کے لحاظ سے ہر سامان بھیجتے رہتے تھے۔

دھلی کے مشہور حکیم حکیم اجمل خاں صاحب بھی بے حد عقیدت مند تھے، واقعہ ذیل سے اس کی تفصیل
معلوم ہو جائے گی۔

رحیم آباد کے پڑوس میں موضع بگھونی میں ایک مختار صاحب جن کا نام محب الحق تھا، مولانا کے بڑے
معتقد اور فدائی تھے، ان کے برادر زادہ عبدالرحیم صاحب عرف دمڑی بابو سخت علیل تھے کبھی کبھی منہ سے
ون آجاتا تھا بہت علاج کرایا لیکن فائدہ نہ ہوا آخر مولانا نے اپنا ایک رقعہ دے کر حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم
ی خدمت میں دہلی روانہ کر دیا، وہاں کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے رؤسا اور لیڈران قوم کی بھی جلدی رسائی
ہوتی تھی اور کئی کئی دن انتظار کرنا پڑتا تھا۔ یہ نوجوان دہلی پہونچ گیا وہاں کا منظر دیکھ کر سوائے ناکامی کے
کچھ نظر نہ آیا لیکن ضرورت نے مجبور کیا اور ناامیدی کی حالت میں وہ خط جو مولانا نے دیا تھا دربان کے حوالہ
کر دیا، دربان نے خط حکیم صاحب کو پہونچا دیا، حکیم صاحب نے خط پڑھا اور فوراً اس نوجوان کو طلب فرما کر
معائنہ کیا اور فرمایا کہ تم میرے پاس قیام کرو لیکن چونکہ مولانا مرحوم نے تاکید کر دی تھی کہ حکیم صاحب تم کو اپنے یہاں
ہدکنے کی کوشش کریں گے مگر تم وہاں قیام نہ کرنا، اس لئے انہوں نے معذرت کر دی، حکیم صاحب نے فرمایا:

کہ اگر دوسری جگہ قیام کرتے ہو تو تمہارے لئے کھلی اجازت ہے جب چاہو آؤ اور سامنے چہل قدمی کر دیں خود تم کو بلالوں گا، چنانچہ یہ کچھ دنوں تک وہاں رہے اور حکیم صاحب سے اسی طرح ملتے رہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکیم صاحب کے دل میں مولانا مرحوم کی کتنی عزت تھی اور کیسے اچھے تعلقات تھے۔

دہلی میں الحاج عبدالرحمٰن و شیخ عطاءالرحمٰن صاحبان تو آپ کے اتنے گرویدہ تھے کہ آپ کی جوتی سیدھی کرنے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور اتنے بڑے صاحب ثروت ہونے کے باوجود آپ کی خدمت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ (حیات وخدمات ص۹۳)

ان تفصیلی حالات کو پڑھ کر ہمیں حسب ذیل معلومات حاصل ہوئیں۔

اوّل یہ کہ "مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ" کو مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی مرحوم کے نیک مشوروں سے قائم کیا گیا۔ کہاں شیخ عبدالرحمٰن صاحب وعطاءالرحمٰن صاحب اپنے گمشدہ بھانجے کے مل جانے پر فرحت و شکرانے کے طور پر کھلانے پلانے پر ہزار ہا ہزار روپیہ صرف کرنا چاہتے تھے لیکن مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے حقیقی مشورہ کو ان دونوں بھائیوں نے قبول کر لیا اور اس رقم کو کارآمد و نفع بخش یادگار یعنی مدرسہ کا بنانا منظور کر لیا اور پھر مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ عالم وجود میں آگیا تو دراصل مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی علیہ الرحمہ کی صحیح یادگار ہے، اور انھیں کے نیک مشورہ کو ان حضرات نے سرآنکھوں پر رکھ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ کا افتتاح وآغاز کیا، وہ حضرات آپ کی باتوں کی قدروقیمت کو سمجھتے تھے، اور تحریر بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دارالحدیث رحمانیہ بنوانے والے کتنی اونچی حیثیت کے مالک اور دہلی کے مالداروں میں ان کا رتبہ کتنا بلند و بالا تھا، شیخ عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے اپنے چھوٹے بھائی عطاءالرحمٰن کو زمینداری خریدنے کے خبط میں ان کو حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے مشورہ مل جانے کے بعد کتنی عظیم دولت زمینداری خریدنے کے لئے دیدی، یعنی نوے لاکھ روپئے کا گرانقدر سرمایہ ان کے حوالہ کر دیا۔ یہ زمانہ ۱۳۳۰ھ کا تھا آج کے زمانہ کے اعتبار سے یہ اربوں روپیہ کی ملکیت ہوتی ہے جب یہ وہ زمانہ تھا کہ دو آنہ سیر گوشت ملتا تھا اور دس روپئے ماہانہ ہر ہوٹلوں پر کھانا ملتا تھا اس حساب سے جوڑیئے تو یہ زمین داری کئی ارب روپیہ کی ثابت ہوتی ہے۔

یہ زمین داری کا مرحلہ بڑے ہی مشقت آمیز مسائل اپنے ساتھ رکھتا ہے، طرح طرح کے پیچیدہ مقدمات

و پریشانیاں اس کے ساتھ لوازمات میں سے ہیں ہمارے والد ماجد حاجی نعمت اللہ خاں مرحوم نے سات سو روپئے میں نیپال سونپور میں ایک زمین داری خریدی تھی لیکن اسامیوں کے حالات و معاملات کی وجہ سے ہمیشہ تولہوا، بٹول، کاٹھمنڈو میں انھیں رہنا پڑتا تھا اور مقدمات کے مسائل پر ہمیشہ وکیل و مختار و دیگر عملہ کی ناز برداری اٹھانے پر وہ مجبور رہتے تھے اور ہمیشہ ان کا فکر و دماغ طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا رہتا تھا پہلے خوش آیند معلوم ہوتی تھی مگر بعد میں اس زمین داری میں کوئی بھلا نہیں نکلا۔

اکبر الہ آبادی مرحوم الہ آباد کے زمیندار تھے، انہوں نے مجبور ہو کر لکھا تھا۔ ؎

ذرہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں ٭ عافیت چاہے جو انساں تو زمیندار نہ ہو

اور ایک قطعہ بھی اکبر الہ آبادی نے زمین داری کی مشکلات پر کیا خوب لکھا ہے ؎

محتاج در وکیل و مختار ہیں آپ ٭ سارے عملہ کے ناز بردار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار ٭ معلوم ہوا مجھے کہ زمیں دار ہیں آپ

بہت اچھا ہوا کہ شیخ عطاء الرحمن صاحب نے اس مشکل و پریشان کن کام کو تلخ تجربہ کے بعد چھوڑ دیا اور کچھ خسارہ اٹھا کر زمین داری کو ترک کر کے تجارت جیسے بابرکت کام میں پھر لگ گئے، یہ وہ پیشہ ہے جس کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے اور آپ نے سچے و دیانتدار تاجر کی بڑی خوبی و فضیلت بتلائی ہے اسی تجارت کی برکت سے نو لاکھ روپئے میں زمین داری حاصل کی تھی یہ تجارت ہی کی برکت تھی۔

دارالحدیث رحمانیہ دہلی کا حسن انتظام اب تک لوگوں کو یاد ہے۔ ہر ماہ تمام طلبہ کی نفیس و پرتکلف دعوت ناظم رحمانیہ اپنے دولت کدہ پر کیا کرتے تھے، ہر ہفتہ علماء و مدرسین کی دعوت بہت ہی لذیذ و نفیس کھانوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی، سال میں دو مرتبہ اوکھلا یا قطب لاٹ کی طرف سیر کرائی جاتی تھی، متعدد بسوں اور لاریوں پر طلبہ اور کھانے کے جملہ تمام پکے پکائے ہنڈے پہونچتے تھے اور وہاں سیر و تفریح کے بعد گرم گرم اور تازہ و نفیس کھانے کھانے کو ملتے تھے اس کے علاوہ اوڑھنے بچھانے کے لئے گدا اور چادر و لحاف ملتا تھا، جاڑے کے موسم میں مدرسوں پر لڑکوں کے لئے اونی سوئٹر اور اونی کوٹ اور تمام قسم کے کمبل اور نئے نئے لحاف و گدے آتے تھے۔

لڑکوں کے سیر و تفریح اور ورزشی کھیل کے بعد بادام کا شربت برف آلود پیش کیا جاتا تھا۔ طبعاً کھیل کود

کی مجلسوں میں میں شریک نہیں ہوتا تھا لیکن ایک دو بار شرکت کا اتفاق ہوا اور میں نے بھی کبڈی مدرسہ کے صحن میں کھیلا ہے اور میں نے بھی ایک دو بار شربت پیا ہے۔ بالعموم میرا کام پڑھنے پڑھانے کا تھا اور شب و روز اسی مشغلہ میں مشغول رہتا تھا، ضلع اٹاوہ وغیرہ کے پڑھنے والے رحمانی علماء مجھ سے پہلے وفات پاگئے جو میری محنت و مشقت کو دیکھ کر مجھ سے کہا کرتے تھے کہ تم دیوانہ ہو جاؤ گے اور پاگل ہو کر مرو گے، میں ہمیشہ سبق کو حاصل کر کے آتا اس کے بعد میرے کمرے میں کھانا آجاتا تھا کیونکہ میں نے فیس طعام دے کر ہی بنارس اور دہلی میں کھانا کھایا ہے لیکن کھانا کمرے میں آکر رکھا رہتا تھا اور میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کے سمجھے ہوئے مضمون کو لکھا کرتا تھا یہاں تک کہ ظہر کی اذان ہو جاتی ہم ظہر کی نماز پڑھ کر آتے تو اپنا کھانا کھاتے اس وقت ناشتہ دان کا کھانا ٹھنڈا ہو جاتا تھا اور گوشت کے سالن پر ڈالڈا یا گھی وغیرہ جو ہوتا وہ جم جاتا اس کو کائی کی طرح نکال کر میں باہر پھینکتا، صرف جمعہ کے دن گرم اور تازہ کھانا نصیب ہوتا تھا کیونکہ اس دن کوئی سبق نوٹ نہیں کرنا ہوتا تھا۔ عموماً رات کے ۱۲ بجے کے بعد سوتا تھا، میں نے دلی میں پڑھنے کے زمانے میں کسی محلے یا بازار کو نہیں دیکھا۔ شاعر کا یہ شعر میرے اس حال پر منطبق ہے ؎

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

ہمارے مدرسہ رحمانیہ میں طلبہ کو نقدی انعام دینے کا بھی دستور تھا، امتحان کا نتیجہ سنایا جاتا اور نقد روپیہ، گھڑی اور جبّہ و دستار کا انعام دیا جاتا تھا۔ ہم بھی اپنے زمانہ میں جماعت میں اول آتے رہے اور انعامات سے نوازے گئے۔

اس دن میں شیخ عطاء الرحمٰن صاحب دلّی کے تمام مدارس عربیہ کے علماء حتیٰ کہ جامعہ ملیہ عربیہ دہلی کے بڑے بڑے عربی ٹیچر خواجہ اسلم صاحب جے راجپوری، خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی، محترم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ جو بعد کو ہندوستان کے صدر جمہوریہ کے منصب پر فائز ہوئے وہ بھی تشریف لاتے تھے۔

میاں صاحب اس دن بڑی شاندار دپر تکلف دعوت کرتے تھے، تمام مدارس عربیہ کے مہمانوں کو اور طلبہ و اساتذہ کو بہترین دپر تکلف کھانا کھلاتے تھے۔

میاں صاحب نے تعلیمی نظام کو بڑا ہی چوکس کر رکھا تھا، پابندی، وضع قطع کا بڑا لحاظ تھا، نمازوں کی

بندی کے لئے حاضری لگی ہوئی تھی، تعلیم و تربیت کے لئے بہترین مواقع نصیب تھے، اس درسگاہ کے علمی وقار
بڑھانے کے لئے میرے استاد مولانا احمد اللہ صاحب پرتاپگڈھی تشریف فرما تھے جو صحیح بخاری کا بہترین اور
ل درس دیا کرتے تھے لیکن تقسیم ہند کا معاملہ ایسا پیش آیا کہ سارا علمی سرمایہ اور کتب خانہ اور بڑے بڑے
دارالحدیث دوسروں کے ہاتھ لٹ گئے۔

مقام حسرت وافسوس

یہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی چونکہ شیخ عبدالرحمٰن و شیخ عطاء الرحمٰن صاحبان کا ذاتی تھا وہ اپنی آمدنی سے چلاتے تھے اس
بش ربا عالم میں شیخ عبدالوہاب صاحب کو خیال نہ رہا، اس کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سپرد کر دیں[1]
افسوس! اب یہ مدرسہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جنہوں نے اس کو ناچ گھر بنا دیا اور وہاں ناچنے،
نے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ بہت ہی حسرت و افسوس کے ساتھ یہ شعر عرض کرتا ہوں ؎

چہ نسبت است بر ندی صلاح تقوی را
سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا

لفاظ اقبال ؎

اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

اس سے معلوم ہوا کہ جو مدرسے ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں ان کی جماعتی حیثیت نہیں رہ جاتی ان کے
ائع ہو جانے کا ہمیشہ غم رہے گا، اور ہمیشہ اس کا ماتم کیا جائے گا۔

ہم اس علمی زوال پر اور اس " دارالحدیث " کے فنا پذیر ہونے پر اسی طرح غمگسار ہیں جس طرح شیخ سعدی

---

[1] اور حادثۂ تقسیم سے قبل انتقال فرما گئے، شیخ عطاء الرحمٰن کے بڑے صاحبزادے حاجی عبدالوہاب صاحب مرحوم
درسہ رحمانیہ کے ناظم بنے، میرے استاد محترم علامہ نذیر احمد رحمانی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس تھے، اسی
نا میں تقسیم کا حادثہ پیش آگیا اور مدرسہ رحمانیہ کے لٹ جانے کا اور علامہ نذیر احمد رحمانی کے پکڑے جانے کا حادثہ
بش آگیا اس وقت حاجی عبدالوہاب نے مدرسہ رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالہ کر دیا۔

علیہ الرحمہ نے بغداد کے زوال پر غم سے لبریز جذبات کو اشعار کی شکل میں ظاہر کیا ہے، وہ زوالِ بغداد پر لکھتے ہیں اور ہم زوالِ دارالحدیث رحمانیہ پر ماتم سرا ہیں، اور شیخ سعدی ہی کے الفاظ میں ہم اس کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنیں

یہ آسمانی انقلاب اور حادثہ تقسیم اتنے زبردست پیمانے پر دہلی اور اطراف دہلی بلکہ پورے پنجاب اور اس کے ماحول پر چھایا ہوا تھا کہ لوگوں کے ہوش و حواس کے طوطے اڑ گئے۔

اس ہوشربا عالم میں کس کو قصوروار ٹھہرایا جائے، ہمارے غم کی تسلی کے لئے یہی کافی ہے کہ ہم اس سانحہ عظمیٰ پر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وبشر الصابرین	اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو
الذین إذا أصابتهم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی یہ
مصیبة قالوا إنا للہ	بشارت دی ہے کہ جب ان کو کوئی
وإنا إلیه راجعون	مصیبت پہونچتی ہے تو زبان حال و
أولٰئك علیهم صلوات	قال سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہم اور ہماری
من ربهم ورحمة	تمام چیزیں خدا کی امانت ہیں اور ہمیں اللہ
وأولٰئك هم المهتدون	ہی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، یہ وہی لوگ
	ہیں جن پر اللہ کی طرف سے سلامتی و رحمت
(سورۃ البقرۃ)	نازل ہوتی ہے اور یہی لوگ ہدایت یاب ہیں

اللہ کے لطف و کرم کا ظہور

جب مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی پردۂ عدم میں چلا گیا اور جماعت کے لوگ شیرازہ منتشر ہونے کے سبب اپنی اتحادی قوت سے محروم ہو گئے تو لوگوں نے طرح طرح کے طعنے جماعت کو دیئے اور ہمارے

طلبہ بھی دیوبند وغیرہ سے نکالے گئے جس کا تفصیلی بیان مرکزی دار العلوم بنارس کے حالات میں آئے گا۔

ہمارے زمانہ میں جامعہ سلفیہ بنارس کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو اللہ تعالیٰ کے حسب وعدہ انعام و رحمت کے طور پر دار الحدیث رحمانیہ کا نعم البدل مرکزی دار العلوم بنارس کی شکل میں ہمیں عطا کیا گیا۔

ہم اس فضل و اکرام پر خدائے پاک کا بے پایاں شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمیں ایک قیمتی موتی ملا ہوا تھا وہ کھو گیا لیکن اب در شہوار مل گیا، ہمیں پہلے ایک نفیس پھول ملا تھا جس کی رعنائی و زیبائی سے ہم سب مسرور و سرشار تھے لیکن اب ہمیں " مرکزی دار العلوم " کی شکل میں ایک گلستاں مل گیا جو گل فشاں بھی ہے اور گل بداماں بھی ہے۔ اب ہم فخر کے ساتھ یہ شعر برمحل عرض کر رہے ہیں ؎

آفتاب تازہ پیدا بطن گیتی سے ہوا
آسماں ٹوٹے ہوئے تاروں کا ماتم کب تلک ؟

خریداران محدث سے

ماہنامہ محدث کے ان خریداران حضرات کی خدمت میں بارہا خطوط ارسال کئے جاتے رہے ہیں جن کے ذمہ ماہنامہ کے بدل اشتراک کی رقم باقی ہے ایسے حضرات پہلی فرصت میں اپنے بقایاجات دفتر محدث کو ارسال فرمائیں، جن حضرات کو پرچہ نہ ملتا ہو وہ اپنا صحیح پتہ پن کوڈ کے حوالے کے ساتھ ارسال فرمائیں۔ (ادارہ محدث)

مناجات

حضرت مولانا عبد القدوس صاحب نسیم بناری

بندہ ترا دراصل گنہگار بہت ہے
یہ بھی تو حقیقت ہے تو غفار بہت ہے

سبقت تری رحمت کو ہے جب تیرے غضب پر
تو ڈھانپ لے رحمت میں تو ستار بہت ہے

تو مجھ پہ کرم کر تو جہنم سے بچالے
اس بندہ پہ ہلکی سی بھی اک مار بہت ہے

ہے دل سے یہ اقرار کہ تو رب ہے حقیقی
سب جھوٹے خداؤں کا تو دربار بہت ہے

تو خالق کونین ہے، تو مالکِ کونین
یہ سچ ہے کہ تو واقفِ اسرار بہت ہے

تو نے مجھے ہر طرح کی نعمت سے نوازا
بندہ ترے احساں سے گرانبار بہت ہے

تا عمر رہا میں تری توحید کا قائل
دِل شرک سے اور کفر سے بیزار بہت ہے

جنت میں نگاہوں کو تو دے طاقتِ دیدار
ہر لمحہ یہاں حسرت دیدار بہت ہے

شیطاں کے ہر اک مکر سے تو مجھ کو بچالے
دھوکہ دیا آدم کو وہ مکار بہت ہے

انعام بہت ہے ترا ہو کیسے ترا شکر
یہ ایک زباں کے لئے دشوار بہت ہے

کرتا ہے مناجات نسیم اپنے خدا سے
ہے دل کی صدا اس کے جو بیمار بہت ہے

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی شرعی حیثیت

مولانا محمد مستقیم سلفی

اللہ تعالیٰ نے اس دنیائے فانی میں راحت و آرام، رنج و غم، عیش و عشرت، صحت و توانائی، بیماری و تندرستی وغیرہ کو پیدا کیا۔ اور تمام مخلوقات خصوصاً انسان کو ان میں وقتاً فوقتاً مبتلا کرتا رہتا ہے، مگر ساتھ ہی ان آفتوں و مصیبتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے مختلف احتیاطی تدبیریں بھی مقرر کردی ہیں، مثلاً سردی سے بچاؤ کے لئے گرم چیزیں اور رنج و غم دور کرنے کے لئے راحت کے اسباب، بیماری کو دور کرنے کے لئے دعائیں اور دوائیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما أنزل الله داءً إلا أنزل له شفاء (بخاری) یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی بیماری نہیں نازل کی جس کے لئے دوا نہ پیدا کردی ہو۔

درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی رنج و غم، تکلیف و مصیبت کو دور کرنے والا ہے اور اس بات کو بہت پسند کرتا ہے کہ اسے پکارا جائے، اور اسی پکار کا نام دعا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: أمن یجیب المضطر إذا دعاه ویکشف السوء ویجعلکم خلفاء الأرض ءإله مع الله قلیلا ما تذکرون (النمل آیت ۶۲) بھلا کون بے قرار کی التجا قبول کرتا ہے جب اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اسکی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں) کا جانشین بناتا ہے (یہ سب کچھ خدا کرتا ہے) تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔

وقال ربکم أدعونی أستجب لکم (مومن آیت ۶۰) اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے: کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: الدعاء مخ العبادۃ (ترمذی) دعا
ت کا مغز دگودا ہے۔ الدعا ھو العبادۃ (ترمذی) دعا ہی عبادت ہے۔ حضرت
ہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قیل یارسول اللہ ای الدعاء أسمع ؟ قال جوف
ل الاخیر و دبر الصلوات المکتوبات (تحفۃ الأحوذی ج۲ ص۱۹۸) کہا گیا اے اللہ کے
صلی اللہ علیہ وسلم کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا: آخری رات اور فرائض نماز
عد کی دعائیں۔

اب رہا یہ سوال کہ جب دعا کی اتنی فضیلت آئی ہے تو وہ کس طرح مانگی جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
فرماتے ہیں کہ: إن اللہ یستحی أن یبسط إلیہ عبدہ یدہ یسألہ بہما خیرا
دہما خائبتین۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱۰ ص۲۲۴) یعنی تمہارا رب بڑا ہی حیا اور
ش والا ہے، جب کوئی بندہ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر اس سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خالی ہاتھ
س نہیں کرتا۔

دعا میں ہاتھ اٹھانے کے دو طریقے ہیں: (۱) دعا فی الاستسقاء۔ (۲) دعا فی غیر
ستسقاء۔ دعائے استسقاء میں دونوں ہاتھ چہرے کے برابر اٹھایا جائے اور ہتھیلیاں سر کے مقابل
طرح ہوں کہ ہتھیلی زمین کی طرف ہو اور ہتھیلی کی پشت آسمان کی طرف، حضرت انس رضی اللہ عنہ
تے ہیں کہ: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یرفع یدیہ حتی یری بیاض
یہ (بخاری ج۱ ص۱۴۰)۔ "وفی روایۃ فأشار بظہر کفہ الی السماء" (صحیح مسلم ج۱ ص۲۹۳)
نماز استسقاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہاتھ اوپر اٹھاتے تھے کہ آپ کے بغل کی سفیدی
جاتی تھی اور آپ کے ہتھیلی کی پشت آسمان کی طرف ہوتی، لیکن استسقاء کے علاوہ دوسرے مواقع
تھ اٹھانے کا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کا اگلا حصہ سامنے ہو اور ہتھیلی کی پشت زمین کی طرف، جیسا کہ آنے والی
یث سے معلوم ہوتا ہے۔

اب رہا یہ مسئلہ کہ نماز وغیرہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں عرض
نماز فرائض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، البتہ جن روایتوں میں

صراحت کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ذکر آیا ہے، ان میں سے ہر ایک پر محدثین کرام نے کلام کیا ہے، لیکن وہ کلام ایسا نہیں ہے کہ جس سے ان احادیث پر موضوع ہونے کا حکم لگایا جائے، بلکہ تمام روایتیں ایک دوسرے کو تقویت دے کر حسن لغیرہ کے درجہ میں پہونچ جاتی ہیں، لہذا ان روایتوں سے جواز یا استحباب ثابت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی ممانعت یا آپ کے لئے مخصوصیت کسی طرح ثابت نہیں، اس لئے امام و مقتدی دونوں اجتماعی وانفرادی حیثیت سے نماز کے بعد دعا مانگیں تو کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر کوئی فرض یا نفل نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا واجب اور ضروری سمجھتا ہو تو اس کی غلط فہمی کو قولاً و عملاً دور کر دینا ضروری ہے۔

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی پہلی دلیل :

حدثنی احمد بن الحسن اُدیبویہ ثنا ابو یعقوب اسحاق بن خالد بن یزید البالسی ثنا عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی عن خصیف عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال ما من عبد بسط کفیہ فی دبر کل صلوۃ ثم یقول اللھم الٰھی والٰہ ابراھیم واسحاق ویعقوب والٰہ جبرئیل ومیکائیل واسرافیل اسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر. الا کان حقا علی اللہ عز وجل ان لا یرد یدیہ خائبتین (عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، حدیث ۱۳۵)

یعنی نہیں ہے کوئی بندہ جو اپنے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو ہر نماز (چاہے فرض ہو یا نفل) کے بعد پھیلائے اور کہے: " اللھم الٰھی والٰہ ابراھیم الخ " مگر اللہ تعالیٰ ضرور اس کو نامراد واپس نہیں کرے گا۔

اس روایت میں ایک راوی " خصیف بن عبد الرحمٰن " ہیں جن کو حافظ نے کہا ہے: " صدوق سئ الحفظ خلط بآخرہ " اور ابن حبان نے کہا: ترکہ جماعۃ من ائمتنا واحتج بہ آخرون وکان شیخا صالحا فقیہا عابدا الا انہ کان یخطئ کثیرا فیما یروی وینفرد

عن المشاهیر بما لا یتابع علیه وهو صدوق فی روایته الا ان الانصاف فیه قبول ما وافق الثقات فی الروایات وترك ما لم یتابع علیه وقد حدث عبد العزیز عنه عن انس بحدیث منکر ولا یعرف له سماع عن اُنس۔
(تهذیب التهذیب ج ۳ ص ۱۴۴)

اور عبد العزیز بن عبد الرحمٰن القرشی کے سلسلہ میں حافظ لکھتے ہیں: " قال ابن عدی اذا حدث عن خصیف ثقة فلا بأس بحدیثه وروایته الا ان یروی عنه عبد العزیز بن عبد الرحمٰن فان روایته عنه بواطل والبلاء من عبد العزیز لا من خصیف
(تهذیب التهذیب ج ۳ ص ۱۴۴)

محدثین کرام کے اس جرح وتنقید سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث اس حد تک ضعیف ومجروح ہے کہ تنہا اس روایت سے فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعا مانگنے پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔

دوسری دلیل

قال ابن حاتم حدثنا ابی حدثنا ابو معمر المقری حدثنی عبد الوارث حدثنا علی بن زید عن سعید بن المسیب عن ابی هریرة ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رفع یده بعد ما سلم (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۷، نساء، آیت ۹۷)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد اپنے ہاتھ کو دعا کے لئے اٹھایا۔

اس حدیث پر سنداً ومتناً دونوں طرح سے کلام کیا گیا ہے، اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان ہیں جو متکلم فیہ ہیں، اکثر محدثین نے انھیں ضعیف بتایا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: " علی بن زید بن عبد اللّٰه بن زهیر بن عبد اللّٰه بن جدعان التیمی البصری اصله حجازی وهو المعروف بعلی بن زید بن جدعان ینسب ابوه الی جد جده ضعیف۔ (تقریب التهذیب ج ۲ ص ۳۷)

امام ترمذی کہتے ہیں: " صدوق الا انه ربما رفع الشیٔ الذی یوقفه غیره "

رساجی نے کہا ہے: "کان من اھل الصدق ویحتمل الروایۃ الجلۃ عنہ ولیس
ری مجری من اجمع علی ثبتہ" اور عجلی نے کہا ہے: "کان یتشیع لا بأس بہ
نال مرۃ یکتب حدیثہ ولیس بالقوی"۔ اور یعقوب بن شیبہ کہتے ہیں: "ھو ثقۃ صالح
حدیث والی اللین ماھو" (تہذیب التہذیب ج۷ ص ۳۲۳، ۳۲۴) اور اس کتاب
ص ۳۲۴ پر یہ عبارت بھی درج ہے "روی لہ مسلم مقرونا بغیرہ"۔

یہ بات مسلم ہے کہ ایسے مختلف فیہ راوی کی حدیث کو ضعیف تو کہا جا سکتا ہے لیکن ناقابل اعتبار و استشہا
کم لگانا کسی طرح صحیح نہیں ہے بالخصوص جب کہ اس کی تائید میں دوسری روایتیں بھی موجود ہیں۔

سری دلیل

عن محمد بن ابی یحیٰ قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر و رأی رجلا رافعا یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ
ھا قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من
صلاتہ قال الہیثمی رواہ الطبرانی وترجم لہ فقال محمد بن ابی یحیٰ الاسلمی عن
بد اللہ الزبیر ورجالہ ثقات انتہی۔ (مجمع الزوائد ج۱۰ ص ۱۶۹)

یعنی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو نماز سے فارغ ہونے
ہ پہلے ہی اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے، جب وہ نماز سے فارغ ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
پنے ہاتھوں کو (دعا کیلئے) اس وقت تک نہیں اٹھاتے تھے جب تک کہ اپنی نماز سے فارغ نہ ہو جاتے۔

محمد بن ابی یحیٰ مذکور ابوداؤد، ترمذی فی الشمائل، نسائی، ابن ماجہ کے رجال میں سے ہیں، ان کو حافظ
نے صدوق کہا ہے اور عجلی نے لکھا ہے "ثقہ" اور ابن شاہین کہتے ہیں "فیہ لین" اور خلیل نے کہا "ثقہ"
تہذیب التہذیب ج۹ ص ۵۲۲)۔

واضح ہو کہ یہ روایت حسن سے کم درجہ کی نہیں ہے۔

وتھی دلیل

عن فضل بن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ مثنی مثنی تشھد فی کل رکعتین وتخشع وتضرع وتمسکن
تقنع یدیک یقول ترفعھما الی ربک مستقبلا ببطونھما وجھک وتقول یارب

یارب ومن لم یفعل ذلك فقال فیه قولا شدیدا. (الجامع للترمذی ج ا۔ ص ۵۰ ۔ باب ماجاء فی التخشع فی الصلوة)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ (نفل) نماز دو دو رکعت ہے، ہر دو رکعت میں تشہد پڑھنا ہے اور خشوع وخضوع کرنا ہے اور تو اپنے دونوں ہاتھوں کو (نماز کے بعد) اپنے رب کے سامنے اس طرح اٹھائے کہ تیری ہتھیلی تیرے چہرے کے آمنے سامنے ہو اور تو کہے یارب یارب اور جو ایسا نہ کرے اس کے سلسلہ میں آپ نے سخت بات کہی۔

اس روایت میں ایک راوی عبداللہ بن نافع بن العمیا ہیں، ان کے بارے میں حافظ فرماتے ہیں: "مجہول من الثالثة" (تقریب التہذیب ج ا ص ۴۵۶)۔ (اور ثالثہ سے حافظ اپنی مراد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "من افرد بصفة كثقة او متقن اوثبت اوعدل" اور امام بخاری فرماتے ہیں: لا یصح حدیثه وذكره ابن حبان من الثقات. (تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۵۰)

مذکورہ چاروں روایات پر محدثین کرام کے جرح وتعدیل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان روایات کے اندر اگرچہ ضعف ہے لیکن چونکہ یہ متعدد طرق سے مروی ہیں اس لئے یہ روایتیں بلاشبہ حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہیں۔ لہٰذا ان روایتوں کی بنیاد پر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد اجتماعی وانفرادی حیثیت سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے۔

(جاری)

بقیہ ص ۴۸ کا

کے تقریباً سبھی پہلوؤں کو محیط، مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری حفظہ اللہ کا بھی ایک مختصر مقالہ ہے۔ صاحب تذکرہ کی چند تقریریں وتحریریں بھی اس مجموعہ میں شائع کردی گئی ہیں جس سے شیخ الحدیث مولانا واحدی کی اس ناحیہ سے علمی گہرائی وگیرائی کی معمولی سی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ دعا ہے کہ رب العالمین مولانا ثناء اللہ عمری کی کوشش کو کامیاب فرمائے، علمی حلقوں میں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور سراہا جائے، قبولیت عام سے بہرہ ور ہوں۔ آمین!

اِسلام، ایڈز اور مغربی ممالک

بقلم، عبدالمنان محمد شفیق سلفی، جامعہ ام القریٰ، مکۃ مکرمہ

فرمان رسول کے مطابق جب کوئی قوم جنسی آوارگی، فحاشی بدکاری اور اخلاقی بے راہ روی کے اندر اس قدر غرق ہوجاتی ہے کہ اس کے افراد زنا و لواطت جیسے بدترین، حیاسوز، فحش اور مذموم افعال کے علی الاعلان ارتکاب میں کوئی حیا نہیں محسوس کرتے اور اخلاق و آداب، شرافت و تمدن کے تمام حدود و قیود کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں تو ان کے اندر ایسے امراض پیدا ہوتے ہیں جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

یہی حال آج کے دور میں مغربی ممالک کا ہے، جنسی آوارگی، فحاشی بدکاری حتی کہ صحبت ہم جنس یا ذوجنسیت (Homonexuality) ان کے اندر اس قدر عام ہوچکی ہے کہ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اور اب عالم یہ ہے کہ یہ قوم جنسی تلذذ، سفلی جذبات اور آزاد شہوت رانی میں قوم لوط سے بھی بہت آگے نکل گئی ہے، ایسی صورت میں نبی کریمؐ کی وہ پیشین گوئی جو آپ نے چودہ سو صدی قبل فرمائی تھی، حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔ نتیجتاً ایک نامعلوم اور عجیب و غریب مرض " ایڈز " نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے جو کہ بقول شخصے (Black death) سے بھی کئی گنا زیادہ خطرناک، مہلک اور تباہ کن ہے جس نے چودھویں صدی عیسوی میں یورپ میں تباہی و بربادی پھیلادی تھی اور اس دور کی نصف آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا بلکہ یہ مرض حقیقت میں نیوکلیائی جنگ سے بھی زیادہ پرخطر اور سنگین ہے کیونکہ یہ بغیر کسی جدوجہد اور مزاحمت کے یکے بعد دیگرے تمام اقوام عالم کا نام و نشان مٹا سکتا ہے

ایڈز کا لفظ انگلش زبان کے حروف AIDS سے مل کر بنا ہے جو دراصل (Acquired Immune Deficiency Syndrome) کا مخفف ہے، اس کے معنی اکتسابی قوت مدافعت میں کمی ہے۔

سب سے پہلے اس مرض کی تحقیق ایک قول کے مطابق ۱۹۸۱ء میں ہوئی ، اسے امریکہ کے ایک مشہور ڈاکٹر رابرٹ گیلوب Micjael GoTTlieb نے دریافت کیا جب کہ وہ مرکز برائے کنٹرول امراض اٹلانٹا میں کام کر رہے تھے ، انہوں نے اس کا نام ایڈز رکھا ۔

ایڈز بطریق جنس پھیلنے والے (Sexually Transmitted disease) ایک جدید مرض کا نام ہے جو مہلک ، خطرناک اور ہولناک بیماریوں میں سرفہرست ہے ، یہ ایک عجیب و غریب اور اپنی نوعیت کا واحد مرض ہے جو انسان کے نظام مدافعت پر حملہ کر کے اس کو تباہ کر دیتا ہے جس کے نتیجہ میں چند مہینوں یا سالوں کے اندر انسان موت کی آغوش میں پہونچ جاتا ہے ، یہ مرض ابھی تک لاعلاج ہے اور اس کا کوئی صحیح و مناسب علاج اب تک نہیں تلاش کیا جا سکا ہے ۔

اس مرض کا سبب ایک معکوس وائرس Retrovirus ہوتا ہے جسے ہم Human Immune Deficiency virus کہتے ہیں اور مختصراً HIV کے نام سے جانا جاتا ہے ۔ یہ دو قسم کا ہوتا ہے :

(۱) HIV اول (۲) HIV دوم ۔ ہائیو دوم کی تحقیق سب سے پہلے ۱۹۸۵ء میں مغربی افریقہ میں ہوئی ، یہ وائرس اس معنی میں دنیا کی تمام مخلوقات سے مختلف اور انوکھا ہوتا ہے کہ یہ اپنا جینی مادہ (Genetic Material) ڈی ، این ، اے Deoxyribonucleic Acid کے بجائے آر ، این ، اے Ribonucleic Acid میں رکھتا ہے جب کہ دنیا کی دیگر تمام مخلوقات اپنا جینی مادہ ڈی ، این ، اے ، میں رکھتی ہیں ۔

ایڈز کا وائرس انسانی جسم میں داخل ہونے کے بعد اپنی نشو و نما شروع کر دیتا ہے ، البتہ ناسازگار حالات میں مہینوں بلکہ سالوں خلیے میں چھپا رہتا ہے لیکن سازگار حالات کے پیدا ہوتے ہی دوبارہ اپنا عمل شروع کر دیتا ہے ، یہ اولاً دوران خون میں شامل ہو جاتا ہے اور ایک مخصوص قسم کے کریات بیضاء W.B.C کے کریات لمفاویہ ٹی ۴ خلیات Lym Phocytic T4 cells کی تلاش میں رہتا ہے جس میں امراض سے لڑنے کیلئے قوت مدافعت Antibody کی تعمیر ہوتی ہے اس کے بعد یہ وائرس ایک مخصوص کیمیائی مدد سے ان خلیات سے چپک جاتا ہے اور پھر خلیہ کی دیوار توڑ کر اندر داخل ہو جاتا ہے ۔ خلیہ میں پہونچنے کے بعد اس کے جسم سے ریورس ٹرانس کرپٹیز ۔ Reverse TranscriPtase نامی خامرہ Enzyme خارج ہوتا ہے جو خلیات کے

R.N.A کو D.N.A میں بدل دیتا ہے جس کی بنا پر ان خلیات سے ایڈز کے وائرس کی تشکیل ہونے لگتی ہے اور یہ وائرس دوسرے خلیات پر حملہ آور ہوتے ہیں اور اس طرح سے تمام ٹی ہم خلیات کو نیست و نابود کر دیتے ہیں جس سے انسانی جسم کا مدافعتی نظام ختم ہو جاتا ہے یعنی وہ امراض کے خلاف نبرد آزما ہونے کی صلاحیت کھو دیتا ہے اور ہر چھوٹی سی چھوٹی بیماری کے خلاف بھی اپنی حفاظت نہیں کر سکتا ہے اور یوں وہ نت نئے متعدی بیماریوں، امراض خبیثہ Malignancies اور دماغی امراض کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ وائرس اعصابی خلیات Nerve cells کو بھی نقصان پہونچاتا ہے جس کی وجہ سے انسان کا دماغ معطل ہو جاتا ہے اور کام کرنا بند کر دیتا ہے، نتیجتاً ایسا انسان مختلف بیماریوں کا شکار ہو کر جلد ہی موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔

اس مرض کی مدت حضانت Incubation Period یعنی وہ مدت جس میں تعدیہ کے بعد علامتیں ظاہر نہیں ہو پاتیں مختلف ہوتی ہے حتیٰ کہ بسا اوقات کئی سال کے بعد اس کی علامتیں ظاہر ہونا شروع ہوتی ہیں۔ انفکشن کے بعد سے قوت ضدیہ کے بننے تک کے وقفہ کا علم صحیح طریقہ سے اب تک نہیں ہو پایا ہے یہ چار ہفتے جیسا مختصر اور ایک سال جیسا لمبا عرصہ بھی ہو سکتا ہے اور شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وائرل انفکشن میں مبتلا افراد جن میں مرض پیدا ہو چکا ہو قوت ضدیہ کی تعمیر نہ ہو

اس مرض میں عام طور سے مریض ضعف و اضمحلال کا شکار ہو جاتا ہے بدن لاغر ہو جاتا ہے، اور اس کا وزن برابر کم ہوتا رہتا ہے، مریض اسہال مزمن Chronic Diarrhaea میں مبتلا ہو جاتا ہے وزن میں کمی خصوصاً ایڈز میں مبتلا بچوں میں ایک عام بات ہے، انسان اتنا لاغر ہو جاتا ہے کہ وہ صرف چلتا پھرتا ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ جاتا ہے اسی لئے یہ بیماری یوگینڈا میں Slim Disease کہلاتی ہے البتہ اس مرض کے بالکل ابتدائی ایام میں حاد Acute قلیل وقفی Brief اور غیر مخصوص وائرس کے متعدی امراض ہوتے ہیں جن میں بخار آتا ہے جوڑوں میں درد ہوتا ہے، جسم میں پھنسیاں نکل آتی ہیں اور غدد ملفاویہ بہت زیادہ بڑھ جاتے ہیں اس کے بعد مصل الدم Serum میں مرض کی تشخیص ممکن ہو پاتی ہے اور اکثر مریضوں کو وائرس کے انفکشن کا احساس نہیں ہوتا ہے اس کے علاوہ مریض مزمن کھانسی Chronic cough میں مبتلا ہو سکتا ہے اور اس کے اوپر مختلف جراثیم اور فنگس کے متعدی امراض کا حملہ ہو سکتا ہے، اور یہ تمام

علامات ان افراد میں بھی ہوسکتی ہیں جن کے نظام مدافعت میں پہلے سے کسی قسم کی خرابی موجود نہ رہی ہو۔
اس مرض کا شکار شخص پانچ سال سے زائد عرصہ تک بھی باحیات رہ سکتا ہے لیکن امریکہ میں ۵۰ فیصدی مریض ۱۸ مہینے کے اندر ہی فوت ہوجاتے ہیں اور اس میں مبتلا مریضوں کی تقریباً نصف تعداد موت کا شکار ہوجاتی ہے اور آج کل فی ماہ ۱۵ تا ۶۰ افراد اس مرض میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

تعدیہ کے ذرائع

اب تک ایڈز کے جو معاملات سامنے آئے ہیں ان کے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مرض کے منتقل ہونے کی خاص وجہ متاثرہ افراد سے جنسی تعلق کا قیام تھا خصوصاً امریکہ میں صحبت ہم جنس Homonexuality اور وہ بھی دُبر کی جانب سے کیا جانے والا لواطت Anal Receptive form اس کی خاص وجہ ہے اس کے علاوہ یہ وائرس بواسطہ آنسو یا لعاب خون میں یا خون سے خون میں منتقل ہوجاتا ہے، اس طرح بہت سے امراض جن میں مریض کو زیادہ سے زیادہ خون یا ماحصل دموی Blood Product کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً سرطان دموی Blood Cancer نزف دموی Haemophilia یا دل اور گردہ کی پیوندکاری ان تمام صورتوں میں اگر معطی کا خون ایڈز کس وائرس زدہ ہے تو محصل Recpient کو بھی ایڈز کا مرض ہوسکتا ہے، اور یہ وائرس مرد عورت دونوں کی رطوبتوں میں پایا جاتا ہے۔ مرد سے عورت اور عورت سے مرد کو منتقل ہوسکتا ہے، اس مرض کے پھیلنے کے کچھ اور ذرائع بھی ہیں جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ جراثیم سے آلودہ زیر جلد استعمال کی جانے والی سوئی سے یہ مرض پھیلتا ہے۔
۲۔ اس مرض میں مبتلا ماں کے ذریعہ جنین میں بھی یہ مرض منتقل ہوسکتا ہے۔
۳۔ یہ مرض بعض ایسی دواؤں سے بھی پھیلتا ہے جن کے استعمال سے خون گاڑھا ہوتا ہے۔ اس قسم کے مریضوں کی تعداد تقریباً ۲۰ فیصد ہے۔

غذا، کھانسی اور گفتگو کے ذریعہ اس مرض کے پھیلنے کی ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی ہے، یہ مرض ہم جنس پرستی کے ذریعہ خصوصاً مغربی ممالک میں اور متغائر الجنس پرستی Heterosexuality کے ذریعہ خاص طور سے افریقی ممالک میں پھیل رہا ہے، البتہ اس کی شرح مقدم الذکر کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔

ایڈز سے بہت جلد متاثر ہونے والے افراد

اس مرض کے ظہور کا سب سے زیادہ خطرہ ہم جنس پرستوں یا متغائر الجنس پرستوں میں ہوتا ہے خصوصاً وہ جن کے جنسی شرکار کی تعداد بکثرت ہوتی ہے، ایڈز میں مبتلا افراد کے جنسی شرکار خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں، ورید Veins میں بذریعہ انجکشن نشہ آور ادویہ داخل کرنیوالے افراد نقل دم یا حاصل خونی کے حاجت مند افراد، مذکر اور مؤنث بدکار افراد یا طوائف پیشہ ور اشخاص۔ ان تمام طبقات میں اس مرض کے پھیلنے کا سب سے زیادہ خطرہ رہتا ہے، ماہرین کی بھی متفقہ رائے یہی ہے کہ اس مرض کا سب سے زیادہ شکار ہم جنس پرست افراد ہوئے ہیں جن کی تعداد مغربی ممالک میں سب سے زیادہ ہے۔

ہم جنس افراد کی تعداد

یہ جان لینے کے بعد کہ اس مرض کے پھیلاؤ میں سب سے اہم زبردست کردار ذو جنسیت یا ہم جنسیت کا رہا ہے۔ یہ ذکر کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ یہ کہاں اور کس جگہ پائے جاتے ہیں اور ان کی تعداد کتنی ہے۔

ایک اطلاع کے مطابق ہم جنس افراد کی سب سے زیادہ تعداد ترقی یافتہ ملک امریکہ میں پائی جاتی ہے جو ایک کروڑ بیس لاکھ ہے اس کے بعد برطانیہ کا نمبر ہے جہاں ان کی تعداد ۹۶ لاکھ ہے، جب کہ جاپان میں ان کی تعداد ۲۳ لاکھ ہے، اور تمام ممالک میں جاپان تیسرے نمبر پر ہے، اور یہ ایک حیرت انگیز لیکن مبنی بر حقیقت امر ہے کہ ایڈز کے مریضوں میں مردوں کا تناسب ۹۰ تا ۹۵ فیصدی ہے جن میں ۷۲ تا ۹۲ فیصدی افراد ہم جنس پرست یا متغائر الجنس پرست ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ مرض ان ممالک میں اس قدر تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے اور اس کے مریضوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے جس کا اندازہ مختلف اعداد و شمار سے ہوتا ہے۔

ایڈز کے متعلق فراہم اعداد و شمار

ایک عمومی جائزہ کے مطابق ۱۹۸۶ء میں تنہا نوجوانوں و جوانوں میں اضافہ کی شرح چالیس فیصدی تھی اور پوری دنیا میں گذشتہ سالوں میں چھ لاکھ افراد اس مرض کا شکار تھے جن میں سے ایک لاکھ ۲۰ ہزار صرف امریکہ کے باشندے تھے اور قیاس کیا جاتا ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد ایک کروڑ چالیس لاکھ ہے، جن میں ۵۰ لاکھ افریقہ کے رہنے والے ہیں، جو کہ ۵۵ ہزار افراد پہلے ہی اس مرض

میں مبتلا ہو کر اپنی جان گنوا بیٹھے ہیں، مزید یہ کہ اس مرض میں مبتلا ماؤں کے شکم سے جنم لینے والے بچوں میں تقریباً ۳۰ ر فیصدی کے اندر اس مرض کے لاحق ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ اس طرح سے خطرہ اس بات کا ہے کہ ۷۰ ر فیصدی بچے جلد ہی یتیم ہو جائیں گے، اور اندازہ لگایا جا رہا ہے کہ موجودہ صدی کے اخیر تک ۵۰ ر لاکھ یتیم تنہا افریقہ کے اندر موجود ہوں گے۔

ایک دوسری رپورٹ کے مطابق ستمبر ۱۹۸۷ء تک دنیا کے کل ۱۲۴ ر ممالک میں ایڈز کے مریضوں کی تعداد ۶۰۶۵۳ تھی اور شرح اموات تقریباً ۵۰ ر فیصدی تھی جن میں ۴۱۸۲۵ افراد کا تعلق امریکہ سے تھا، اور نتیجۃً یہ تمام افراد موت کے گلے لگ جائیں گے، ایک یہ تخمینہ لگایا جا رہا ہے کہ ۱۹۹۱ء تک پوری دنیا میں ۵ ر لاکھ سے ۳۰ ر لاکھ افراد ایڈز کا شکار ہوں گے جن میں سے ۲ ر لاکھ ۷۰ ر ہزار امریکی ہوں گے جن میں سے تقریباً ایک لاکھ ۹۰ ر ہزار جانبر نہ ہو سکیں گے اور صرف ۱۹۹۱ء میں ۷۴ ر افراد اس مرض میں مبتلا ہونگے جن میں ۵۴ ر ہزار افراد لقمۂ اجل بن جائیں گے۔

اور ہندوستان ٹائمس مورخہ ۳۱ ر اکتوبر ۱۹۹۰ء میں شائع شدہ تازہ ترین اطلاع کے مطابق عالمی ادارہ صحت (W.H.O) کا کہنا ہے کہ رواں صدی کے اختتام تک پوری دنیا میں ۶ ر ملین افراد ایڈز میں مبتلا ہو جائیں گے جن میں نصف تعداد افریقی باشندوں کی ہوگی۔ زائرے کی دار السلطنت میں منعقدہ حالیہ کانفرنس کے مطابق ہر چالیس افریقی افراد میں سے ایک فرد ایڈز میں مبتلا پایا گیا ہے، اور ڈاکٹر کوک (جو کہ Retro CI ایڈز تجربہ گاہ کے ڈائرکٹر بھی ہیں) کا کہنا ہے کہ ۱۹۸۶ء میں ۳ ء ۳ فیصد حاملہ عورتوں کے اندر ایڈز کا وائرس پایا گیا اور اب یہ تعداد دس فیصدی سے زیادہ ہو چکی ہے۔ انھیں کے مطابق چھوٹے معصوم بچوں کی شرح اموات میں آئیوری کوسٹ میں کچھ سالوں کے بعد اضافہ شروع ہو جائے گا کیونکہ دق کے معاملات متعینہ حد سے ۳۵ ر فیصدی بڑھ گئے ہیں، اور یہ ایک ایسی بیماری ہے جو ایڈز وائرس کے ساتھ حملہ کرتی ہے۔

اس رپورٹ میں اس امر کی بھی نشاندہی کی گئی ہے کہ آئیوری کوسٹ کے شہر عابدجان میں مردوں میں موت کا پہلا اور عورتوں میں دوسرا سب سے اہم سبب یہی ایڈز ہی ہے جب کہ صنف نازک میں اموات کا وقوع سب سے زیادہ اسقاط حمل یا ولادت میں ہوتا ہے۔ اور یہ شہر جس کی کل آبادی ۲ ء ۵ ملین ہے، اس معاملہ میں امریکہ کے بدترین متاثرہ شہروں میں سے ایک شہر نیویارک کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔

مذکورہ اعداد و شمار کے بعد یہ تحریر کرنے کی چنداں حاجت نہیں رہتی کہ یہ مہلک مرض ان ممالک میں اس قدر تیزی کے ساتھ کیوں پھیل رہا ہے اس کے عوامل و اسباب کیا کیا ہیں اور کن چیزوں نے اس مرض کو بڑھنے کا موقع فراہم کیا ہے، آیئے اب اس کے دوسرے رخ پر غور کرتے ہیں کہ یہ عوامل و اسباب کس طرح وجود میں آئے؟ یہ ماحول کس طرح بنا؟ اور مغربی ممالک کا اس میں کیا کردار ہے؟

مغربی ممالک کا کردار

فرائڈ کا کہنا ہے کہ ہم جنسی مالیخولیا (PARANOIA) ذہنی عدم توازن اور شراب خوری کی علامت ہے۔ جدید سائنس کا کہنا ہے کہ وہ جنسی خواہش یا تحریک جس سے اپنے ہی جنس کے ایک فرد کی جانب میلان ہوتا ہے انسان کی غیر طبعی خواہش کا نام ہے، اور اس حقیقت سے واقفیت کے بعد کہ یہ مرض ابھی تک لاعلاج ہے اور مستقبل قریب میں اس سے بچاؤ کی کوئی امید بھی نظر نہیں آرہی ہے، اور روزانہ مریضوں کی تعداد میں اضافہ کے ساتھ شرح اموات بھی بڑھ رہی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ مغربی معاشرہ اور مغربی ممالک اس کی اصل تک پہونچنے کی کوشش کرتے اور معاشرہ کے اندر رائج برائیوں و بے حیائیوں کا استیصال کرتے۔

لیکن حیف صد حیف کہ وہ سب ابھی تک خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اخلاق حسنہ کا درس وہ یکسر فراموش کر چکے ہیں غرضیکہ شرم و حیا ان کے اندر سے بالکل مٹ چکی ہے، اور ہر طرح کی برائیوں میں وہ سر سے پاؤں تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ ہم جنسیت مغربی تہذیب و تمدن کی علامت بن گئی ہے، ان کے معاشرہ نے اسے اپنے اندر سمو لیا ہے، ان میں اس کی جڑیں گہرائی تک پیوست ہوگئی ہیں۔ اور اب اسے کوئی معیوب شئی نہیں سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دن بدن لواطت کا فعل مقبول خاص و عام ہو رہا ہے، جس کی وجہ ان معاشرہ کی اندر آزادی جنس کا بڑھتا ہوا دائمی رجحان ہے جو جنسی گمراہی کی جڑ ہے، قدرت نے مرد اور عورت دونوں کو بہت زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور ان میں ایک دوسرے کے لئے بے حد کشش بھی رکھی ہے جس کا مقصد ہرگز حیوانوں کی طرح خواہشات کی تکمیل نہیں ہے بلکہ اس کا واحد مقصد پابند اخلاق جنسی تلذذ یعنی شادی کے ذریعہ نوع انسانی کے تسلسل کو باقی رکھنا ہے۔

لیکن زمانہ کی ستم ظریفی کہیئے کہ عورتوں نے زیادہ سے زیادہ سر بازار اپنے اجسام کی نمائش شروع کر دی اور بسہولت مردوں کی ہوس رانی کا شکار بھی ہونے لگیں جس کی وجہ سے ان میں مردوں کے لئے کوئی خاص

کشش نہیں رہ گئی اور شراب کا بکثرت استعمال بھی آزادی جنس کا متقاضی ہے، ایسی صورت میں ہم جنسیت کا فروغ پانا لازمی اور واجب ہے۔

عوام کے صراط مستقیم سے ہٹ جانے کے بعد مذہبی رہنماؤں سیاسی لیڈروں اور قوم کے دانشوروں کی مشترکہ ذمہ داری تھی کہ وہ اپنی قوم کو اس بدترین خصلت سے آگاہ کرتے، عواقب وانجام کو ان کے سامنے پیش کرکے باز رکھنے کی کوشش کرتے۔ لیکن جس قوم کے رہنماؤں میں ذمہ داری کا احساس ہی نہ ہو اور وہ خود ہی صحیح وسیدھے راستے سے مائل ہوں اس کا مقدر تباہی و بربادی ہے۔ اور بعینہٖ یہی حالت عصر حاضر کے مغربی ممالک کے دنیاوی فرماں رواؤں، مذہبی رہنماؤں اور دانشوروں وفلسفیوں کی ہے، ان تمام کا اس بدترین خصلت کو فروغ دینے میں صرف تعاون ونصرت کا ہی کردار نہیں بلکہ نگراں ومحافظ کا بھی رول رہا ہے۔ اس کی واضح اور روشن دلیل برطانوی قانون ساز اسمبلیوں ہاؤس آف کامنس اور ہاؤس آف لارڈس کا منظور شدہ وہ بل ہے کہ جس کی رو سے باہمی رضامندی سے ذکور کے درمیان رائج لواطت جرم نہیں ہے۔

امریکہ، روم اور ناروے کے قانون ساز ایوانوں میں بھی بل پیش ہوئے، بحث ومباحثے ہوئے، مذاکرے اور گفت وشنید کا دور چلا، سوال وجواب ہوا اور آخر میں قانون فطرت سے بغاوت پر آمادہ ان قانون دانوں نے اپنی کم عقلی سے یہ دلیل دے کر کہ ہر فرد آزاد ہے اور تلذذ تمام افراد کا فطری حق ہے لہذا حکومت یا کسی کو اس سے بجبر کسی شخص کو دور رکھنے کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے، اس کی موافقت میں بل پاس کردیا گیا اور قانونی سند جواز عطا کردی گئی، دوسرے لفظوں میں اس بدترین خصلت کو کھلم کھلا بنا کسی خوف اور ڈر کے پھلنے پھولنے اور نشو ونما کی اجازت دیدی گئی۔ اور اب حالت یہ ہوگئی ہے کہ مشرقی ممالک بھی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں جس کی تازہ ترین مثال چند سال پہلے بنکاک میں صحبت ہم جنس کو جائز قرار دیا جاتا ہے لہذا اب ایشیا میں بھی اس مرض کے پھیلنے کا خطرہ پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔

مذہبی رہنماؤں نے جب یہ صورت حال دیکھی کہ سیاسی حکمراں اس مسئلہ میں ان سے آگے نکل گئے ہیں اور میدان ان کے ہاتھ سے نکلتا جارہا ہے اور عوام اس کو گلے سے لگارہی ہے لہذا وہ بھی ساتھ ہولئے، اور اس کے پرزور حمایتی بن گئے، اور جواز میں طرح طرح کی مذہبی دلیلیں پیش کرنے لگے بلکہ انہوں نے

س سے بھی آگے ایک قدم بڑھ کر اور ایوانوں میں پہونچ کر اس کے حق میں شواہدات و دلائل پیش کئے،
پرجوش، شعلہ زن مقفع و مسجع پر دلیل تقریریں کیں، اور قوم لوط اور دیگر تاریخی حقائق کا حوالہ دیکر
سمجھایا کہ یہ کوئی بدعت یا نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کا وجود حضرت عیسیٰ مسیح سے ہزاروں صدیوں سال قبل
بھی رہا ہے جس کا مطلب ہے کہ اس میں ضرور کوئی لذت پنہاں ہے جس سے عدم تمتع غیر فطری، غیر دانشمندانہ
ور انسانی اخلاقی قدروں کے خلاف ہے، لہذا اس میں کوئی عیب، شرم وحجاب کی کوئی بات نہیں ہے، اس
لئے باہمی رضامندی سے ہم جنسی کے معاملہ میں ان افراد کو اسی طرح آزاد تصور کیا جائے جس طرح مغربی
معاشرہ میں مرد وزن کو باہمی رضامندی کے ساتھ جنسی عمل میں آزاد خیال کیا جاتا ہے اور ان سے کوئی
تعرض نہیں کیا جاتا ہے، اسی پر بس نہیں بلکہ ان مذہبی رہنماؤں نے اسے باعتبار مذہب بھی جائز قرار
دیا اور گرجا گھروں میں شادی کی اجازت بھی عطا کردی۔ باقی کمی امریکی مفکروں نے یہ اعلان جاری کرکے پوری
کردی کہ یہ کوئی غیر طبعی فعل نہیں ہے لیکن لواطت کے سلسلہ میں اسلام کا موقف کیا ہے آگے ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام سے ادنیٰ تعلق رکھنے والا فرد بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ اسلام اس سلسلے میں کیا رہنمائی کرتا
ہے اور اس کا موقف کیا ہے۔ وہ مذہب جو کسی مرد کو کسی عورت کے ساتھ شرعی حدود سے باہر جنسی تعلق قائم کرنے کی
جازت نہیں دیتا ہے وہ بھلا اس چیز کی اجازت کیسے اور کیونکر دے سکتا ہے کہ مرد مرد سے اور عورت عورت سے
پنی خواہش پوری کرے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اسے بنظر تحسین نہیں دیکھتا ہے اور اس کو حیوانی فعل قرار دیتا ہے
ور اس کے مرتکب کو قابل گردن زدنی قرار دیتا ہے، جس کی صراحت کھلے لفظوں میں قرآن وحدیث میں موجود ہے

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے یہ بات آشکارا ہوتی ہے کہ قوم لوط اس خصلت رذیلہ ودنیئہ میں مبتلا
تھی اور تقریبا اس کے تمام افراد اس کا شکار ہو چکے تھے جس کی وجہ سے اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ اس
قوم کا تذکرہ کیا گیا (ورنہ اگر تاریخی اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ اس کا وجود اقوام ماقبل
لوط میں بھی تھا، بلکہ دنیا کی تمام اقوام میں اس کا وجود رہا ہے اور لوطی افراد موجود رہے ہیں، اور آج بھی دنیا
کی تمام قوموں میں کچھ کمی وزیادتی کے ساتھ یہ عمل باقی ہے) لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ جنسی
بے راہ روی اخلاق باختگی دنیا کی اکثر اقوام میں الگ تھلگ، غیر معروف اور نامقبول رہی ہے اور کبھی بھی
سے سماج نے تحسین کی نظر سے نہیں دیکھا ہے جیسا کہ قوم لوط نے کیا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس واقعہ کو ذکر کرتا ہے اور

اس پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے، انسانوں خصوصاً مسلمانوں کو آگاہ کرتا ہے کہ اگر ان کی روش بھی یہی رہتی ہے اور وہ اپنے اندر کوئی تبدیلی نہیں لاتے ہیں تو خدا کا دستور اٹل ہے، اس میں کسی بھی طرح تبدیلی ہونیوالی نہیں، ان کو بھی تباہ و برباد کیا جاسکتا ہے اور اس کے لئے کوئی بھی راہ اپنائی جاسکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

ولوطا اذ قال لقومه اتاتون الفاحشة ماسبقكم بها احد من العالمين انكم لتاتون الرجال شهوة من دون النساء بل انتم قوم مسرفون
(سورۂ اعراف آیت ۸۰، ۸۱)

یاد کیجئے اس وقت کو جب لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم ایسی مذموم و بدترین برائی کا ارتکاب کرتے ہو جس میں دنیا کی تمام اقوام میں تم سرِفہرست ہو بلا شبہ تم اپنی جنسی خواہش کی تسکین عورتوں کے بجائے مردوں سے کرتے ہو تم حد سے تجاوز کرنیوالی قوم ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

كذبت قوم لوط المرسلين اذ قال لهم اخوهم لوط ألا تتقون إني لكم رسول أمين فاتقوا الله واطيعون وما أسئلكم عليه من أجر ان اجري الا على رب العالمين أتأتون الذكران من العالمين وتذرون ما خلق لكم ربكم من ازواجكم، بل انتم قوم عادون۔

قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا کہ آخر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ بلا شبہ میں تمہاری طرف فرستادہ ہوں، اور امانت دار ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، میں تم سے اپنی اُجرت کا طالب نہیں ہوں میرا اجر مجھے اللہ عطا کرے گا تم دنیا کے ذکور سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو اور خدا کی پیدا کردہ اپنی بیویوں کو چھوڑ دیتے ہو تم ایک سرکش قوم ہو۔

(سورۂ شعراء آیات ۱۶۰ تا ۱۶۶)

ایک دوسری جگہ اس سرکش قوم کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ولوطاً اذ قال لقومه انكم لتأتون الفاحشة ماسبقكم بها

نبی لوط علیہ السلام کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایک ایسی برائی میں ملوث ہو جس میں

أحد من العالمين أئنكم لتاتون الرجال و تقطعون السبيل وتاتون فى ناديكم المنكر (سورۂ عنکبوت آیت ۲۸،۲۹)	دنیا کی کوئی بھی قوم تم سے سبقت نہیں لے گئی ہے۔ تم مردوں سے اپنی جنسی حاجات کی تکمیل کرتے ہو، ڈاکے ڈالتے ہو اور مجلسوں میں فحش و مذموم افعال انجام دیتے ہو۔

ان آیات سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ قوم لوط کے افراد کس حد تک جنسی بے راہ روی کا شکار تھے، اور ں طرح بلاخوف وخطر یہ فعل انجام دیتے تھے۔ صحبت ہم جنس ان کا وطیرہ بن چکا تھا، عورتوں کے بجائے مردں ے جنسی خواہش کی تکمیل ان کی فطرت تھی حتیٰ کہ اس کے جرم ہونے کا احساس بھی ان کے اندر سے بالکلیہ ختم ہو چکا تھا، مزید برآں جب انہوں نے لوط علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کی مسلسل سعی و تبلیغ کے بعد ی باز نہ آئے تو خدا کا قہر آپہونچا اور ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور رہتی دنیا کیلئے نمونہ عبرت بنا دیا گیا۔ ٖخداوند قدوس قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

فلما جاء أمرنا جعلنا عاليها سافلها وامطرنا عليها حجارة من سجيل منضود مسومة عند ربك وما هي من الظلمين ببعيد (پارہ ۱۲ سورۂ ھود آیت ۸۲،۸۳)	جب ہمارا حکم آپہونچا تو اس بستی کو ہم نے تل پٹ کر دیا اور اس کے اوپر اللہ کے یہاں سے مقرر کنکریلے پتھروں کا ڈھیر برسا دیا، اور یہ ظالموں کے لئے کوئی امر بعید نہیں ہے۔

معلوم ہوا کہ اس بدترین برائی کی وجہ سے پوری قوم کا وجود صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور اس کے لئے جو ریقۂ کار اپنایا گیا وہ "پتھر کی بارش" تھی، لہذا اس سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ لواطت یا اس بیل کی کوئی بھی برائی جب کسی قوم میں پیدا ہوتی ہے تو اس قوم کو فنا کر دیا جاتا ہے یہی قانون الٰہی ہے، اور ستور خداوندی ہے۔ البتہ ہلاکت کا طریقہ مختلف ہو سکتا ہے اس کی مزید وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قوم میں فحش افعال و برے اعمال علی الاعلان کئے جاتے ہیں تو ان ں طاعون ظاہر ہوتا ہے۔ پوری حدیث درج ذیل ہے:

حدثنا محمود بن خالد الدمشقی حدثنا سلیمان بن عبد الرحمٰن ابوایوب عن ابن مالك عن ابیه عن عطاء ابن رباح عن عبد اللّٰه بن عمر قال اُقبل علینا رسول اللّٰه صلعم قال یا معشر المهاجرین خمس اذا ابتلیتم بهن واعوذ باللّٰه اَن تدرکوهن لم یظهر (۱) الفاحشة فی قوم قطحتی یعلنوا بها الافشی فیهم الطاعون والاُوجاع التی لم تکن مضت فی اسلافهم الذین مضوا ولم ینقصوا (۲) المکیال والمیزان الا اخذ بالسنین وشدة المؤنة وجور السلطان علیهم ولم یمنعوا (۳) زکوٰة اموالهم الامنعوا القطر من السماء ولولا البهائم لم یمطروا ولم ینقضوا (۴) عهد اللّٰه وعهد رسوله الا سلط اللّٰه علیهم عدوا من غیرهم فاخذوا بعض ما فی اَیدیهم وما لم (۵) تحکم ائمتهم بکتاب اللّٰه ویتخیروا مما اُنزل اللّٰه الاجعل اللّٰه باسهم بینهم

(باب العقوبات سنن ابن ماجه)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی کریمؐ تشریف لائے اور فرمایا اے مہاجرین پانچ خصلتیں ایسی ہیں کہ اگر تم سے ان کا صدور ہوگا تو تمہیں سخت انجام بھگتنا ہوگا اور میں اللہ کے واسطے پناہ طلب کرتا ہوں کہ تم ان سے محفوظ رہو اور تمہارا دامن ان سے پاک رہے۔

(۱) اگر کسی قوم میں فحاشی و بدکاری اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کا علی الاعلان ارتکاب کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں اس قوم میں طاعون اور بھکمری کا ظہور ہوگا جس کی مثال زمانہ گذشتہ کے لوگوں میں بھی نہیں ملے گی۔

(۲) اگر کوئی قوم اپنا وطیرہ ناپ تول میں کمی اور ڈنڈی مارنے کی بنا لیتی ہے تو ان پر قحط اور بھکمری مسلط ہوجائے گی اور بادشاہ انھیں اپنے ظلم و زیادتی کا نشانہ بنائے گا۔

(۳) اگر کوئی قوم ادائیگی زکوٰۃ بند کردیتی ہے تو بارش کا سلسلہ موقوف ہوجائے گا اور اگر بے خطا چوپایوں کا وجود نہ ہوتا تو کبھی بارش نہ ہوتی۔

(۴) اور اگر کوئی قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد و پیمان سے سرتابی کرتی ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ

ان پر دوسری قوم سے دشمن مسلط کردے گا جو ان کی قبضہ وقدرت کی چیزوں کو اپنے قبضہ میں کرلے گا۔

(۵) اور جس قوم کے ائمہ اور امراء اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق احکام کا فیصلہ نہیں کرتے اور اس کی عطا کردہ مزموذات کو نافذ نہیں کرتے تو اللہ ان پر اپنی پکڑ سخت کردے گا۔

ان آیات واحادیث کی روشنی میں قوم لوط کے واقعہ کو سامنے رکھ کر مغربی تہذیب وتمدن اور سماج ومعاشرہ کا تجزیہ کیا جائے تو صدیوں پرانی قوم اور موجودہ دور کی مغربی اقوام میں صد درجہ مشابہت ومماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے، دونوں نے ہی خدائی اصول سے انحراف کیا، شرم وحیا نام کی کوئی چیز ان کے نزدیک باقی نہ رہی۔ جنسی امتیازات واقدار ان کے درمیان سے عنقا ہو گئے۔ شادی سے پہلے اور اسکے بعد جنسی تعلق کے قائم کرنے میں دونوں نے ایک مثال قائم کی اور دونوں کے اندر سے ہی جرم کا احساس مرگیا۔ لہذا قوم لوط کی ہلاکت کا جو سلسلہ پتھروں کی بارش کے ذریعہ صدیوں پہلے شروع ہوا تھا وہ اب بصورت ایڈز موجودہ دور میں مغربی اقوام میں جاری ہے لہذا یہ کہنا حق بجانب اور قرین قیاس ہے کہ یہ مرض عذاب الٰہی ہے جو اللہ کی جانب سے ان کو ان کے جرم کے صلہ میں عطا کیا گیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ پندرہویں صدی عیسوی میں آتشک وسوزاک جیسے جنسی امراض کا ظہور بھی بطور عذاب ان میں اسی وجہ سے ہوا تھا کہ اس وقت بھی جنسی بے راہ روی اپنے عروج پر تھی۔

اور ان آیات واحادیث سے ایک بہت ہی اہم نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ امراض وافعال کا ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ افعال کا صدور انسان سے ہوتا ہے اور افعال خواہ اچھے ہوں یا برے ان کا اثر انسان پر ضرور پڑتا ہے۔ اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں لہذا جب انسانی اعمال وافعال برے ہوتے ہیں تو ان کو برے عواقب کا سامنا کرنا پڑتا ہے، تاریخ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

احتیاطی تدابیر اور جائزہ:

عصر حاضر میں ایڈز کو قابو میں کرنے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے جارہے ہیں، اور تقریباً ہر ملک میں اس کو مزید پھیلنے سے روکنے کیلئے جنگی پیمانوں پر تیاریاں جاری ہیں، ابنائے آدم کو اس مہلک مرض سے آگاہ کیا جارہا ہے اور رائے عامہ کو بیدار کرنے کی مہم چلائی جارہی ہے لاکھوں کروڑوں کا سرمایہ اس کے پیچھے پانی کی طرح صرف کیا جارہا ہے۔ لوگوں کو کنڈوم استعمال کرنے، جنسی شرکاء کو کم کرنے اور ایڈز کے مریضوں سے الگ رہنے کی

ہدایات دی جارہی ہیں، سائنسداں، اطبار، ڈاکٹرس شب وروز اس کوشش میں لگے ہیں کہ جلد از جلد اس کا کوئی دوائی علاج یا ٹیکہ دریافت کرلیں لیکن ان سب کوششوں، رکاوٹوں، پروگراموں، محنتوں کے بعد بھی یہ مرض لاعلاج پھیلتا ہی جارہا ہے اور کسی طرح سے قابو میں نہیں آرہا ہے، اور آج حال یہ ہے کہ انسانیت اس کے آگے گراہ اٹھی ہے اور بے بس ولاچار ہوکر رہ گئی ہے، ایسی صورت میں ہر کس وناکس کے ذہن میں اس سوال کا اٹھنا لازمی ہے کہ ان تمام قدغنوں وبندشوں کے باوجود یہ مرض قابو میں کیوں نہیں آرہا ہے اس کے لئے ہمیں اس مرض کے اصل سبب تک پہونچنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ جو چیز اس میں سب سے اہم کردار ادا کررہی ہے اور جو شئی اس کی اصل وجڑ ہے اس کو ختم کرنے کے لئے کتنی کوششیں ہوئیں یا ہورہی ہیں۔ جب ہم اس ناحیہ سے غور کرتے ہیں تو نتیجہ صفر نکلتا ہے لہذا ہم لاکھ جتن کرلیں پوری دنیا کا سرمایہ اس میں لگادیں تب بھی اس کو کنٹرول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس مرض کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام عوامل واسباب کا قلع قمع کردیا جائے جو بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی بھی طرح اس کے پھیلنے میں معاون ہوتی ہیں، لیکن جو کچھ ہورہا ہے وہ ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، مغرب کی آج بھی وہی حالت ہے جو کل تھی وہ اب بھی اسی راستہ پر گامزن ہے جس پر کل تھا ذرہ برابر بھی تبدیلی اس کے اندر نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی وہاں بے اخلاقی اور بے راہ روی کا دور دورہ ہے عیاشی، فحاشی، بے حیائی وعریانی کا ہر سو چلن ہے، بدکاری وبدچلنی، سفلی تلذذ وصحبت ہم جنس عام ہے، سماجی ومعاشی ناانصافی، معاشرتی وخاندانی ظلم کی کثرت ہے۔ ملکی وغیر ملکی جدال وقتال، خانہ جنگی سیاسی وغیر سیاسی مباحثے عام ہیں اس کے علاوہ جدید مادی تہذیب کے خطرناک وزہریلے اثرات، عیاشی وسرمستی میں پلا بڑھا نوجوان طبقہ، فحش لٹریچر کی کثرت، رقص گاہوں ومے خانوں کی کثیر تعداد، فلم جنس کا بڑھتا ہوا ناجائز استعمال اور نشیلی ادویہ کی بڑھتی ہوئی لت اور دیگر چیزوں کے اثرات سماج ملک اور قوم پر ان اقدامات، احتیاطات وتدابیر سے بہت زیادہ ہیں جو اس مرض کو قابو میں کرنے اور اس کو پھیلنے سے روکنے کے لئے اٹھائے گئے ہیں لہذا ایسی صورت میں اس مرض کے کنٹرول میں آنے کا کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا البتہ اضافہ کا خطرہ بدرجۂ اتم موجود ہے جو کہ مسلسل جاری وساری ہے۔

امریکہ، برطانیہ اور فرانس کے سائنسداں اس کوشش میں ہیں کہ وہ جلد از جلد اس کا کوئی دوائی علاج

دریافت کرلیں گرچہ ان کو ابھی تک اس سلسلے میں ناکامی ہی ہاتھ آئی ہے لیکن ہمارا یقین اور
نادہے کہ مستقبل قریب یا بعید میں کوئی مناسب دوائی علاج یا ٹیکہ ضرور دریافت کرلیا جائے گا کیونکہ
یث میں آیا ہے : ما انزل اللّٰہ داء الا انزل لہ دواء (کتاب الطب بخاری)
مرض کے ساتھ اللہ نے اس کی شفاء کو بھی پیدا کیا ہے۔ اور حال ہی میں ایک نئی دوا ______
AZIDOTHYMIDINE امریکہ میں دریافت ہوئی ہے جس کے متعلق کچھ کامیابی کا وعدہ کیا جارہا
یکن یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے اس مرض کے پھیلاؤ کو قطعاً نہیں روکا جاسکتا ہے اور
سی طرح کی اس پر بندش یا قدغن لگائی جاسکتی ہے کیونکہ اس کی زندہ مثالیں ہمارے سامنے
د ہیں کہ بہت سے امراض جن کا کامیاب علاج برسوں پہلے دریافت کرلیا گیا تھا آج بھی اسی رفتار
ساتھ دنیا میں پھیل رہے ہیں جیسا کہ علاج کے دریافت سے قبل مثلاً آتشک وسوزاک۔

لامی وغیر اسلامی احکاماتُ وتدابیر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اس کو دوائی علاج یا ٹیکہ سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے نہ
یر واقدامات کے ذریعہ پھر وہ کون سا طریقہ ہے جس کو اپنا کر اس سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے جیسا
سے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے لئے ہمیں اس کے جڑ پر کاری ضرب لگانی ہوگی اور ان تمام عوامل د
کا استیمال کرنا ہوگا جو کسی بھی طرح اس کے نشوونما میں تعاون دیتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ
ایسی دنیا آباد کی جائے جہاں صحیح وبرحق نظام حیات نافذ ہو، جہاں صحیح اخلاقی قدریں اور منصفانہ
ی ومعاشی احکام کا بول بالا ہو، لوگوں کا رہن سہن، تہذیب وتمدن، سماج ومعاشرہ صحیح سمت
کامزن ہو، اور صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو انسانیت کو یہ تمام اشیاء فراہم کرسکتا
، اسلام ہی واحد مذہب ہے جو زندگی کی جملہ سمتوں میں انسان کی رہنمائی کرتا ہے۔ لہذا اسلام ہی
احد مذہب ہے جو کہ اس فریضہ کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہے کیونکہ اس کے اندر ان تمام اشیاء کی
ی پوری گنجائش موجود ہے۔

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ہر دور میں موثر اور غالب رہا ہے لہذا اس قسم کے امراض کو ختم کرنے
ئے اسلام نے جو اصول بتلائے ہیں وہی سب سے بہتر اور اچھے اصول ہیں، اور اسلام نے معاشرتی زندگی کے

متعلق جو قوانین وضع کئے ہیں ان پر سختی سے عمل کر کے نہ صرف ایڈز سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے بلکہ ان تمام عوامل کا بھی خاتمہ کیا جاسکتا ہے جو اس میں تعاون دیتی ہیں ان اسلامی اصول کا ذیل میں باختصار تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

۱- لواطت یا صحبتِ ہم جنس

اسلام میں لواطت یا ذوجنسیت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے، اسلام اسے حرام قرار دیتا ہے اور اس کے فاعل کو قابل گردن زدنی قرار دیتا ہے۔

۲- زنا

اسلام نے زنا کے قریب جانے سے سختی سے منع کیا ہے، فرمان خداوندی ہے :

ولا تقربوا الزنی انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا

اے مسلمانو! زنا کے قریب مت جانا کیونکہ یہ بہت ہی فحش فعل اور بدترین راستہ ہے۔

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۳۲)

اسلام اس کو ایک ناقابل معافی جرم بتلاتا ہے اور غیر شادہ شدہ زانی و زانیہ کی سزا سو کوڑے، اور شادی شدہ زانی و زانیہ کو واجب القتل قرار دیتا ہے۔ اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا ہے کہ ایسا ماحول بنایا جائے یا سماج و معاشرہ کی تشکیل اس طرح سے کی جائے جو برے کاموں میں معاون ہوں اور ان کے لئے فضا ساز گار ہوتی ہو لہذا اس امر کو یقینی بنانے کے لئے شریعت میں حجاب کا حکم نازل کیا گیا۔ مردوں و عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کی تاکید کی گئی، اور دیگر اصول وضوابط بھی بتلائے گئے جو درج ذیل ہیں :۔

۱- پردہ

اسلام صنف نازک پر لازم قرار دیتا ہے کہ گھر سے نکلتے وقت پردہ کریں، نامحرم کے سامنے آنے اور گفتگو سے گریز کریں، بیرون خانہ خوشبو یا پاوڈر لگا کر نکلنے سے احتراز کریں اور عمومی حمامات میں غسل نہ کریں۔ وغیرہ۔

۲- اختلاطِ جنس

اسلامی تعلیمات میں قطعاً اس کی گنجائش موجود نہیں ہے کہ کوئی نامحرم عورت یا مرد آزادانہ طور پر باہم ملیں۔ میل ملاپ کی نوعیت خواہ کیسی بھی ہو، سیاسی ہو یا معاشی، سماجی ہو یا تعلیمی، غرضیکہ کسی بھی قسم کا اختلاط جائز نہیں ہے۔

۳- ازدواجی قوانین اسلام مردوں اور عورتوں کو لازم قرار دیتا ہے کہ شادی سے پہلے یا اس کے بعد بھی کوئی مرد کسی عورت یا کوئی عورت کسی مرد سے آپس میں ازدواجی تعلق قائم نہ کریں، بصورت دیگران پر شرعی حد نافذ کی جا سکتی ہے اور میاں بیوی پر حرام ہے کہ وہ اپنے جنسی تعلقات کے بارے میں دوسروں کو بتلائیں۔

۴- حرمت شراب و نشہ آور ادویات اسلام شراب یا اس نوع و قبیل کی تمام نشہ آور ادویات حرام قرار دیتا ہے جن کے استعمال سے انسان بے ہوش ہو جاتا ہے اور اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلام شراب کو "ام الخبائث" سے تعبیر کرتا ہے۔

۵- تحریم رقص شریعت رقص و سرود کی محفلوں کو حرام کہتی ہے اور میوزک و تصاویر کو ناجائز قرار دیتی ہے جو کہ بدکاری و فحاشی میں تعاون دیتی ہیں۔

اس کے علاوہ بھی چند امور اور بھی ہیں جن پر عمل کر کے اس مرض کے پھیلاؤ کو کچھ حد تک قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ ان کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے:

۱- ایڈز کے خلاف رائے عامہ کو بیدار کیا جائے۔
۲- ہم جنس پرستوں اور متغائر الجنس پرستوں کو زیادہ سے زیادہ جنسی شرکا کے بنانے سے روکا جائے۔
۳- خونی عطیہ کی جانچ کرائی جائے اور اس تصدیق کے بعد ہی استعمال کی اجازت دیجائے کہ وہ انفکشن زدہ نہیں ہے۔
۴- ایڈز میں مبتلا افراد کو بتلایا جائے کہ وہ کس طرح دوسروں کو اس مرض سے محفوظ رکھ سکتے ہیں۔
۵- ایڈز میں مبتلا افراد کا علاج بہت ہی احتیاط اور ہمدردی سے کیا جائے اور صحتمند افراد سے انھیں دور رکھا جائے اور دیگر افراد میں ایڈز کے پھیلاؤ کو روکنے کے لئے سخت احتیاطی اقدامات کئے جائیں۔

آج کے دور میں ایڈز پر تحقیق کرنے والے ہر سائنسداں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ صرف اور صرف فطرت سے بغاوت کا نتیجہ ہے، اور اس کے استیصال کا سب سے بہترین و احسن طریق وہی ہے جو اسلام پیش کرتا ہے، لہٰذا انسان جب تک دین فطرت پر خلوص اور سچے دل سے عمل پیرا نہ ہوگا اس عذاب سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

اسلامی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے کہ مسلم اقوام اور ممالک ابھی تک اس مہلک مرض سے محفوظ ہیں اور ابھی تک کسی بھی اسلامی ملک میں ایڈز کا کوئی معاملہ منظر عام پر نہیں آیا ہے، مثال کے طور پر بنگلہ دیش میں چھ ہزار افراد کا معائنہ کیا گیا لیکن کسی میں بھی ایڈز کے وائرس کی موجودگی کی تصدیق نہیں ہوئی، لہذا اب وقت آگیا ہے کہ اس سلسلے میں از سر نو غور کیا جائے، شخصی آزادی کے مغربی تصور کو ختم کیا جائے، صحبت ہم جنس، زنا اور اسقاط کے جواز کا قانون منسوخ کیا جائے، معاشرہ کو اخلاقی اقدار کا پابند بنایا جائے، اور اسلامی تعلیمات، قوانین و ضوابط پر سختی سے عمل کیا جائے کیونکہ اسی میں انسانیت کی نجات پوشیدہ ہے اور صرف اسی صورت میں اس مرض سے گلو خلاصی بھی ممکن ہے۔

مراجع

۱۔ طالب علم ایڈز نمبر مارچ ۱۹۸۸ء پاکستان

۲۔ Al-Islam, Vol 13, December 1989, No. 4
Nairobi, Kenya

۳۔ Taber's Cyclopedic Medical Dictionary
16 Th Edition, First Indian edition 1990

۴۔ المنار جلد ۱۱ ۱۹۸۸ء ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس۔

۵۔ The Hindustan Times wednesday October 31,
1990 NEW DELHI

۶۔ Science Vol 244, 16 June 1989
Washington D.C. AMERICA

بَابُ الفتاوی

مسائل چرمِ قربانی

انتخاب ــــــــــــــ محفوظ الرحمٰن سلفی

کیا فرماتے ہیں علماء دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ :؟

۱۔ چرم قربانی سے اپنا گھریلو سامان مثلاً مصلی، بیگ وغیرہ بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر بنایا جاسکتا ہے تو اس کی قیمت اپنے ذاتی مصارف میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲۔ اہل قریہ جلود اضاحی کی قیمتوں سے اجتماعی طور سے اپنے مکتب و مدرسہ کے مدرسین کو سال بھر کی تنخواہ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟ جہاں گاؤں ہی کے امیر و غریب بچے تعلیم پاتے ہیں۔

۳۔ چرم قربانی یا اس کی قیمت مسجد میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل

بندۂ خدا، کٹیہار، بہار

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب۔

۱۔ قربانی کی کھال کو بغیر فروخت کئے اپنے مصرف میں لانا ہر طرح درست اور جائز ہے، مثلاً بستر بنانا، اور مشک اور ڈول بنانا اسی طرح مصلی اور بیگ بنانا۔ حدیث شریف میں ہے: عن أبی سعید أن قتادۃ بن نعمان أخبرہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام فقال: إنی کنت أمرتکم۔

.... الحدیث، وفیہ: " واستمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا " رواہ أحمد قال الشوکانی قال فی مجمع الزوائد إنہ مرسل صحیح الاسناد ۔ یعنی قربانی کی کھال سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کو فروخت نہ کرو۔

البتہ قربانی کی کھال کی قیمت اپنے مصرف میں لانا درست اور جائز نہیں، حدیث شریف میں وارد ہے: " من باع جلد اضحیتہ فلا اضحیۃ لہ " (حاکم، بیہقی) یعنی جو شخص قربانی کی کھال بیچے گا (اپنے مصرف میں لانے کے لئے) تو اس شخص کی قربانی ہی نہیں ہو گی۔

اس حدیث کو علامہ البانی حفظہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے (دیکھئے فتاوی نذیریہ کتاب الأضحیۃ العقیقہ ج ۲ ص ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴ اور نیل الاوطار باب الصدقۃ بالجلود والجلال والنہی عن بیعہا ج ۵ ص ۲۲۰ و ۲۲۱ اور صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ للألبانی حدیث نمبر ۵۹۹۴)

۔ چونکہ چرم قربانی کے مستحق فقراء و مساکین ہیں، اس لئے چرم قربانی یا اس کی قیمت انھیں کو دی جائے اور وہ مدرسین کو تنخواہ اس سے دے سکتے ہیں۔

ا۔ چونکہ چرم قربانی کے مستحق فقراء و مساکین ہیں اس لئے مسجد میں اسے یا اس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی ہے۔ دیکھئے فتاوی نذیریہ ج ۲ ص ۲۴۰ - ۲۴۲، نیز دیکھئے فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۸۲۴

ھذا ما عندی واللہ أعلم۔

محمد حنیف فیضی
مدرس جامعہ سلفیہ بنارس

الجواب صحیح: محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ، بنارس

ہماری نظر میں

امتیاز احمد سلفی

نام کتاب : تذکرۂ واجدی ۔ یعنی شیخ الحدیث مولانا عبدالواجد عمریؒ کی حیات وخدمات ۔

مرتب : مولانا ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ ۔

ضخامت : ۱۷۴ صفحات ۔ قیمت : تیس روپئے

ملنے کے پتے : جمعیت ابناء قدیم جامعہ دارالسلام عمرآباد، ضلع شمالی آرکاٹ، تمل ناڈو ۶۳۵۸۰۸ ۔

" " مکتبہ اعظمی ایم، این سٹریٹ عمرآباد ۔

علماء اسلاف کی حیات وخدمات سے نئی نسل کو متعارف کرانا تاریخ اہلحدیث ہند کی ایک اہم ضرورت ہے، بہت سی ی ہستیاں جن کی زندگیاں اور صلاحیتیں اللہ کی راہ میں خرچ ہوئیں وہ جب تک زندہ رہیں ہزاروں انسانوں کے دلوں ا دھڑکن بن کر رہیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوئیں تو اپنے شاندار کارناموں کی وجہ سے زندہ جاوید بن گئیں، کچھ یہی ال شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالواجد عمری رحمہ اللہ کا بھی ہے ۔ موصوف بالغ نظر محدث، مفسر تھے، نصف صدی سے زائد رصہ تک خدمت علم نبوی میں بالخصوص بخاری شریف کا درس دیا، واعظ، خطیب، مبلغ، مفتی وقت، معاملات میں کھرے ہین وفطین، دوراندیش، دیانتدار ، راست معاملہ، محتاط، مدبر، منتظم، مہذب غرض بہتیری خوبیوں کے مالک اور اسلاف کا چھا نمونہ تھے، لوگوں کے قائد ورہنما، قاضی، قوم وملت کے ہمدرد وغمگسار ۔

ناظرین کرام کتاب کے مطالعہ سے ہی مرحوم کی شخصیت کے صحیح خدوخال کو معلوم کرسکتے ہیں، انکی زندگی میں ہمارے لئے بہت کچھ بق کی چیزیں ملیں گی گویا عالمانہ ومومنانہ صفات کے پیکر مجسم ۔ کتاب کے مرتب مولانا ثناء اللہ عمری ایم اے عثمانیہ حفظہ اللہ ہیں جو علمی حلقوں یں محتاج تعارف نہیں، آپکے مضامین ومقالات جماعتی رسائل وجرائد کے ہمیشہ زینت بنتے رہتے ہیں، موصوف کا خاص موضوع تذکرہ نگاری ہے نوبی ہند کے بہت سے علماء دین پسند بزرگوں کے حالات سے قوم وملت کے فرزندوں کو متعارف کرانا انہیں کا کام ہے جو لائق ستائش ہے جن میں مولانا عبدالواجد عمری رحمہ اللہ کی شخصیت سب سے ممتاز ہے، تذکرۂ واجدی کی ترتیب سے جامعہ دارالسلام عمری برادری کا رض اور حق شاگردی ادا ہوگیا ۔

اس تذکرہ میں کئی حضرات کے مقالے ہیں جن میں مولانا ثناء اللہ عمری صاحب کا مقالہ سب سے ضخیم اور کتاب کا اہم جز، تذکرۂ واجدی

باقی ص۲۶ پر

ماہنامہ

محدث

بنارس

شمارہ/۹ ستمبر ۱۹۹۲ء ربیع الاول ۱۴۱۳ھ جلد/۱۰

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ ۵۴ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے۔

اس شمارہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درسِ قرآن

عمل میں اخلاص و اتباع کی اہمیت

مولانا اصغر علی امام مہدی السلفی

ومن احسن دینا ممن اسلم وجہہ للہ وھو محسن واتبع ملۃ ابراھیم حنیفا، و اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا ۔ (النساء)

ترجمہ : کیا کوئی شخص اس سے بھی زیادہ دیندار ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کا تابعدار بنایا اور نیک کام (اخلاص سے) کرتا رہا اور ابراہیم یک طرفہ کی طرف چلا (اور کامل اخلاص کی وجہ سے) ابراہیم کو خدا نے اپنا خلیل بہت ہی مقرب بندہ بنایا تھا ۔

انسان کی زندگی کا بننا بگڑنا موقوف ہے اس کے عمل پر، خواہ وہ زندگی دنیوی زندگی ہو یا اخروی زندگی، دونوں کا دار و مدار عمل پر ہے، عمل جس قسم کا ہوگا اور اس عمل میں جیسا جذبہ کارفرما ہوگا عمل کا نتیجہ اسی نوع کا ہوگا" ان خیرا فخیر وان شرا فشر " جیسی کرنی ویسی بھرنی ۔" انما الاعمال بالنیات " جیسی نیت ویسی برکت ۔ لہذا ضروری ہے کہ انسان کی زندگی اولاً حرکت سے معنون ہو کہ بغیر حرکت کے برکت نہیں، دوم وہ عمل صالح ہو، اور عمل کا صالح ہونا اس وقت صحیح ہوگا جب وہ عمل وحی الہی کے مطابق ہو، یعنی موافق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہو، اگر وہ عمل اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا تو پھر وہ عمل بیکار ہے اس سے جو زندگی بنے گی وہ خسارے کی زندگی ہوگی، خواہ وہ زندگی دنیوی ہو یا اخروی، اور حقیقی زندگی تو آخرت ہی کی ہے، اور عمل وہی لائق تعریف اور باعث اجر و ثواب ہے جو آخرت کیلئے کیا گیا ہو ۔" ومن اراد الآخرہ وسعی لہا سعیہا وھو مومن فاولئک کان سعیہم مشکورا " اور جس نے آخرت کو چاہا اور اسی کے لئے اپنی کوشش صرف کی اس حال میں کہ وہ مومن ہے تو یہی لوگ ہیں جن کی بھاگ دوڑ کام آئے گی اور سعی مشکور ہوگی

الغرض عمل کے مقبول و محبوب الہی ہونے کے لئے اولین شرط یہ ہے کہ وہ عمل کتاب و سنت کے موافق ہو اور اخلاص کامل سے انجام دیا گیا ہو ۔ بصورت دیگر وہ عمل بظاہر جتنا بھی اچھا اور بھلا معلوم ہو اور کرنے والے کی نظر میں محبوب ہو،

اور اسے جتنا بڑا کار خیر سمجھ کر انجام دیا ہو عمل صالح نہیں ہو سکتا تاآنکہ وہ خالص طور پر رب کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کیلئے نہ کیا گیا ہو، ریا و نمود سے پاک ہو اور اس سے دنیا کا حصول مقصود نہ ہو، اس پر دنیا والوں کی تعریف و توصیف کی خواہش نہ کی گئی ہو اور نہ اہل دنیا کے سامنے شہرت و ناموری مطلوب ہو تو پھر وہ عمل خالص عمل ہے۔

لیکن کوئی عمل اپنی پسند اور رائے سے انجام دیا گیا ہو ——— مگر وہ عمل کتاب و سنت کے مطابق نہ ہونے اور ہویٰ و ہوس کے تابع ہونے کیوجہ سے مقبول نہیں ہے۔ اللہ جل شانہٗ کو من چاہی زندگی پسند نہیں، رب چاہی زندگی پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہی عمل پسندیدہ اور پیارا ہے جس پر اس کے نبی کی چھاپ موجود ہو اور اس پر اسوۂ حسنہ کی مہر ثبت ہو۔

جس کیلئے اس کے پیارے نبی کا بہترین نمونہ کافی نہیں ہے اس کا عمل اللہ تعالیٰ کو نہیں چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد" جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر پر نہیں تو وہ مردود ہے۔ یہ دو شرطیں جس شخص کے اعمال کے اندر پائی جائیں گی اس کا عمل مقبول باری تعالیٰ ہو گا اور اس مومن کا دین سب سے بہتر ہو گا۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مومن آدمی کی بہتری اور اچھائی کا بیان بحیثیت دین کے ان ہی دو بنیادی باتوں کو بتایا گیا ہے، ایک تو اپنی جبین نیاز کو مکمل طور پر احکام الٰہی کیلئے اخلاص کے ساتھ خم کر دینا، دوسری اس عمل کا اسوۂ نبیؐ کے اتباع میں ہونا۔ کیونکہ آیت میں ملت ابراہیم کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جو ہر دین باطل اور امر پر کشش سے کٹ کر اللہ کی طرف مائل ہونے والے تھے اور جنکے اعمال کی پاکیزگی کا عالم یہ تھا کہ اسکی پاداش میں رب العزت نے انکو خلۃ (دوستی اور قربت اور عزتؑ ولایت کے سب سے اعلیٰ وارفع درجہ پر فائز کر دیا تھا) عطا فرمایا اور انکو اپنا خلیل بنا لیا اور انکے دین و ملت کی پیروی کا حکم انبیاء کرام کو دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے ثم اوحینا الیک...... الآیۃ، پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کرو جو مشرک نہ تھے، گویا ابراہیمؑ کے ملت کی پیروی محمدؐ کی اتباع ہے اور آپ کا جو اطاعت گذار ہے وہ اللہ کا مطیع ہے۔ (من اطاع الرسول فقد اطاع اللہ۔ اسکے علاوہ جو کچھ ہے وہ خواہشات نفسانی کی پیروی ہے اور دین کے نام پر ہویٰ و ہوس کی اتباع ہے اور اسی نفس پرستی کو عبادت اور دین کا خوشنما اور پر کشش نام رکھ دیا گیا ہے اسلئے ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ کسی بھی عمل سے پہلے اسکی دلیل پیارے نبیؐ کے اقوال و افعال میں ڈھونڈے اگر مل گیا تو اسکو حرز جان بنالے اور سنی خوش نصیب ہو جائے ورنہ اسکے برعکس عامل بلاشبہ بدبخت بدعتی ہو جائے گا، اور بقول مسلم ؎

سنی خوش نصیب کو باغ و بہار ہے ❊ بدبخت بدعتی کو جہنم کی مار ہے

درسِ حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

رحمت یا زحمت؟

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: جاءتنی امرأۃ معہا ابنتان تسالنی، فلم تجد عندی غیر تمرۃ واحدۃ ...... فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحدثتہ، فقال: من یلی ھذہ البنات شیئاً فاحسن الیھن کن لہ ستراً من النار۔ (البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ میرے یہاں ایک عورت آئی اس کے ساتھ دو بچیاں تھیں وہ مجھ سے کچھ مانگ رہی تھی میرے پاس سوائے ایک کھجور کے کچھ نہ تھا جسے میں نے اسے دیدیا، اس نے اس کھجور کو اپنی دونوں بیٹیوں کے درمیان تقسیم کردیا اور خود کچھ نہیں کھایا پھر وہ اٹھی اور چلی گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے ان سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا، "جو شخص ان بچیوں کی دیکھ ریکھ اور پرورش و نگہداشت کرے گا اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے گا تو یہ بچیاں اس کے لئے جہنم کی آگ سے بچاؤ اور پردہ ہونگی۔

اولاد کی پرورش و پرداخت اور ان کی تعلیم و تربیت والدین کا اہم فریضہ اور ان کی عظیم ذمہ داری ہے جسے بلا نبھائے وہ عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ شریعت اسلامیہ نے اولاد کے حقوق کی ادائیگی میں بیٹا اور بیٹے کی تفریق اس معنی میں کہ بیٹے کا حق زیادہ ہو اور بیٹی کا کم، روا نہیں رکھی بلکہ دونوں کو مساوی حقوق عدل کئے ہیں، تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال اور عطیہ و انعام و اکرام میں دونوں کے حقوق میں یکسانیت برتی ہے، البتہ بچیوں کی پرورش و تربیت پر ترغیب زیادہ دلائی گئی ہے اور ان کی دیکھ بھال اور بہترین تربیت اور حسن سلوک پر جنت کی خوش خبری دی گئی ہے اور جہنم کی آگ سے بچنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔

مذکورہ بالا حدیث نبوی میں بچیوں پر شفقت کرنے اور ان پر مہربانی اور رحم و کرم کا طریقہ اپنانے پر بہت بڑی خوشخبری اور عظیم بشارت دی گئی ہے جس میں ان کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید ہے اور انکو خصوصی توجہ کا حقدار ٹھہرایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اسلام نے اسلامی فطرت اور جبلت کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے کیونکہ عام طور

پر عورت اپنے مصالح اور ضروریات کو خود پوری نہیں کر پاتی اسکو ہر مرحلے میں کسی نہ کسی شکل میں مرد کی ضرورت پڑتی ہے بخلاف مردوں کے ابتداء ہی سے اپنی جسمانی قوت اور ساخت کیوجہ سے اپنی ضروریات زندگی کو خود پورا کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں، اور مصالح زندگی اور مسائل حیات میں تصرف کر لینے کا امکان ان کے یہاں زیادہ ہوتا ہے ۔ نیز اس سلسلے میں اسلام نے انسانی فطرت وجبلت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے چنانچہ مختلف وجوہات کی بناء پر بہت انسانوں کا رجحان نرینہ اولاد کی طرف زیادہ ہوتا ہے اس بنیاد پر بہت سے ناعاقبت اندیش والدین بچیوں کی تربیت کے سلسلہ میں بے توجہی کا شکار ہوتے ہیں، بہت سے لوگ اسے پرائی دولت سمجھ کر ان کے حقوق کما حقہ ادا نہیں کرتے، جبکہ ایک رجحان یہ بھی ہے کہ بیٹے والدین کے بڑھاپے کا سہارا ہوتے ہیں اور والدین کے مجبور ولاچار اور بے سہارا ہوجانے کے بعد بڑھاپے میں کام آتے ہیں. بہت سے معاشرے میں عورتوں کو باعث عار گمان سمجھا جاتا ہے اس لیئے ان کی پیدائش بہتوں کو بار خاطر ہوتی ہے اور یہ نہیں کہ ان کی آمد کی برکت پر خوش ہوں بلکہ اسے بلائے جان تصور کر کے غم واندوہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں ۔ ایسے لوگ بدبخت، بے توفیق اور بے ایمان ہیں ۔ ارشاد باری ہے

واذا بشر احدهم بالانثی ظل وجهه مسودا وهو کظیم الآیۃ (النحل) ان (مشرکین) میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری سنائی جاتی تو (مارے عار کے) اس کا چہرہ دن بھر سیاہ پڑا رہتا ہے اور اسکا جی گھٹتا رہتا ہے اور اس کی برائی اور عار سے لوگوں سے چھپتا رہتا ہے کہ آیا اسے زندہ رکھے ذلت قبول کر کے یا اسے زندہ زمین میں داب دے ۔ چنانچہ عربوں نے اسی عار کیوجہ سے کتنی ہی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا　تھا، یہ واقعہ تو دور جاہلیت کا ہے مگر تاریک کے بہت سے متمدن دور میں بھی اس رسم جاہلیت کو اپنایا گیا ہے اور بچیوں کی پیدائش کو غم کا سامان اور ذلت ورسوائی کا پیش خیمہ سمجھا گیا ہے ۔

اس دور میں بھی بر صغیر میں بچیوں کا پیدا ہونا اکثر معاشرے میں مختلف وجوہات کی بناء پر وبال جان سمجھا گیا ہے حالانکہ بچی کی پیدائش ماں باپ کیلئے مژدہ جانفزا ہے اور جنت کی خوشخبری ہے، صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے جس شخص کی تین بچیاں یا تین بہنیں ہوں یا دو بچیاں اور دو بہنیں ہوں وہ ان کو ادب وتعلیم سے آراستہ کرے ان سے حسن سلوک اور ان کی شادی کر دے تو وہ جنت سے نوازا جائیگا (ابوداؤد)۔" حضرت ابوہریرۃ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت میں ایک بچی کی پرورش وتربیت پر بھی جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے ۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو بچیوں کی پیدائش کو باعث رحمت جانتے ہیں اور انکی پرورش وتربیت کو اخروی زندگی کیلئے باعث نجات سمجھتے ہیں ۔ ...

افتتاحیہ

امریکی معاشرہ میں کالے گورے کی تفریق کا سنگین قضیہ

امریکی معاشرہ کے متعلق عام تصور یہی ہے کہ وہ نہایت ترقی یافتہ ہے، وہ ترقی یافتہ ملک، دنیا کی واحد سپر پاور، اور موجودہ وقت میں عالمی نظام کے قائد ملک کا معاشرہ ہے، اس معاشرہ کے تمام افراد کو مساوی طور پر سارے حقوق حاصل ہوں گے، گویا انسانی ہاتھوں کی تراشی ہوئی جنت کی بہاریں ہر آن اور ہر ساعت ان کے بام و در پر خیمہ زن ہوں گی، عام انسانی ذہن میں اس تصور کے راسخ ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ امریکی سیاست داں ہمہ وقت دنیا کو یہ باور کراتے رہتے ہیں کہ جملہ اقوام عالم کے جمہوری اور انسانی حقوق کے سب سے بڑے نگہبان وہی ہیں، لیکن ۲۹ر اپریل ۱۹۹۲ء سے لیکر ۲ر مئی تک امریکہ کے دوسرے سب سے بڑے شہر لاس انجلز میں جاری رہنے والے خوفناک نسلی فسادنے خوبصورت تصورات کے بجائے سنگین نسلی تفریق کی تصدیق کی جانب عام اذہان وقلوب کو موڑ دیا، اور صاف معلوم ہو گیا کہ کالے گوروں کی صدیوں کی مشترکہ محنت وجانفشانی سے تعمیر ہونے والی یہ سفید جنت سفید فاموں کے لئے مخصوص ہے اور سیاہ فاموں کے حقوق کے تئیں ان کے خون بالکل سفید ہو چکے ہیں، اس بھیانک نسلی فساد میں سات ہزار سے زیادہ دکانیں اور مکانات جلا ڈالے گئے، اکیاون افراد قتل ہوئے، دو ہزار سے زیادہ زخمی ہوئے اور قریب چالیس ہزار بے گھر ہو گئے، اسی طرح کا ایک خوفناک نسلی فساد ۱۹۶۵ء میں ہوا تھا جو کافی عرصہ تک جاری رہا تھا، حالیہ فساد نے تو لاس انجلز سے لے کر نیویارک تک دسیوں شہروں پر مشتمل ایک بڑے خطہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

حالیہ نسلی فساد کا جو علامتی سبب ہے وہ سپریم کورٹ کے بارہ سفید فام ججوں کا وہ فیصلہ ہے جس کے ذریعہ انہوں نے چار سفید فام پولیس والوں کو صاف صاف بری قرار دیا ہے جنہوں نے ۳ر مارچ ۱۹۹۱ء کو ایک

سیاہ فام ٹیکسی ڈرائیور روڈنی کنگ کو صرف اس بناء پر مار مار کر نیم جان کر دیا تھا کہ وہ اجازت سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہا تھا، جائے واقعہ پر اتفاق سے ایک کیمرہ مین موجود تھا جس نے پورے واقعہ کی ویڈیو فلم تیار کرلی تھی، ججوں نے اس فلم کا بھی مشاہدہ کیا لیکن یہ بھی ان کے فیصلہ پر اثر انداز نہ ہو سکی، اس فساد کے بعد دنیا کے بہت سے ممالک کے قائدین، روزناموں، جرائد و مجلات، مذہبی رہنماؤں، حقوق انسانی کی تنظیموں اور خود امریکہ کے سیاسی لیڈروں نے امریکی معاشرہ کے نسلی تضادات، حکومت کی ناکامی، انسانی حقوق کی پامالی اور کالے گورے کی سنگین تفریق پر نقد، تبصرہ اور تجزیہ پیش کیا اور سروے رپورٹوں کی روشنی میں اس خلیج کو آشکارا کیا جو مہذب اور ترقی یافتہ امریکہ کے معاشرہ میں خصوصیت کے ساتھ کالے اور گوروں کے درمیان پائی جاتی ہے، حالیہ فیصلہ کو اگر امریکی سپریم کورٹ کے ۱۸۶۷ء کے ایک فیصلہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو نسلی تفریق کی سنگینی اور نمایاں ہو جاتی ہے، سپریم کورٹ نے اس فیصلہ میں صاف طور پر کہا تھا کہ سیاہ فام لوگوں کو امریکہ میں اس طرح کا کوئی حق حاصل نہیں کہ سفید فام نسل کے لوگوں کے لئے جس کا احترام ضروری ہو، نسلی تفریق پر مبنی اس تعامل کے نتیجہ میں ایک سیاہ فام کے مقابل امریکی عدالت کی نظر میں ایک کتا بھی زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ ایک خبر کے مطابق ایک امریکی عدالت نے ایک ایسے شخص کو ایک مہینہ کی سزا کا حکم دیا جس نے اپنے کتے کو بے رحمی سے مارا تھا جب کہ ایک سیاہ فام عورت کو مار ڈالنے والی سفید فام عورت عدالت سے بری قرار دے دی گئی۔

موجودہ امریکی صدر مسٹر جارج بش اپنی تمام وسعت فکر و نظر اور ذہانت و دانائی کے باوجود اس خطرناک نسلی افتراق کو ختم یا کم کرنے کے لئے کوئی یادگار مثال نہیں قائم کر سکے بلکہ اس مسئلہ میں ان کی شخصیت حالیہ فساد کے بعد عالمی پیمانہ پر گہری تنقیدوں کا نشانہ بنی ہے، صدارتی انتخاب کی مہم میں مسٹر بش کے متعدد خطابات انکی نسلی جانبداری پر دلالت کرتے ہیں جن میں انہوں نے بارہا اپنے مد مقابل کو اس بات پر تنقید کا نشانہ بنایا تھا کہ اس نے ایک ایسے سیاہ فام مجرم کو جیل سے رہائی دلائی تھی جو شہری آزادی کے حقوق سے متعلق تحریک میں ماخوذ تھا، اسی طرح شہری حقوق سے متعلق ایک بل منظور ہوا تھا، اس بل سے سیاہ فاموں کو فائدے حاصل ہو سکتے تھے لیکن صدر بش نے اس بل کو یہ کہہ کر منظور نہیں ہونے دیا تھا کہ قومی معیشت میں کوٹہ کا نظام انھیں پسند نہیں، ججوں کے اس فیصلہ پر جو حالیہ فساد کا علامتی سبب ہے صدر بش نے افسوس کا اظہار کیا، ویڈیو فلم دیکھ کر اپنے دکھ کا بھی اظہار کیا، اس فیصلہ کے نتیجہ میں پھوٹ پڑنے والے فساد کو روکنے کیلئے فی الفور انہوں نے بارہ ہزار فوج بھی بھیجی

جس سے فساد پر قابو پالیا گیا لیکن سیاہ فاموں کے خلاف عدالت میں جو ناانصافی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے، یا دیگر شعبہائے زندگی میں جو امتیاز برتا جاتا ہے اس کے متعلق کوئی ایسی خبر نہیں ملی کہ مسٹر بش نے کوئی ایسا بنیادی اقدام کیا ہو جس سے کالے گوروں کے حقوق میں مساوات قائم ہو اور نسلی تفریق کی یہ خلیج کم یا ختم ہو سکے ان کی کنزرویٹیو پارٹی کو سیاہ فاموں کی پسماندگی کا تو اعتراف ہے اس کیلئے وہ زیادہ سے زیادہ انکم ٹیکس معاف کر دیتے ہیں اور یہ احسان صرف چند سیاہ فام سرمایہ دار ہی اٹھا سکتے ہیں، غریب سیاہ فاموں کو اس احسان کی ہوا بھی نہیں لگتی۔

عدالت اور حکومت کی سطح سے سیاہ فاموں کے ساتھ امتیازی سلوک کے نتیجہ میں امریکی سماج اور معاشرہ میں ان کا کوئی باعزت مقام نہیں، عام سفید فام لوگ ان سے تذلیل و تحقیر کا برتاؤ کرتے ہیں جس کے سبب وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ کالے گوروں کی بستیاں اور شہر الگ ہوتے جا رہے ہیں، سفید فام نسل کے لوگوں کے علاقے اور بستیاں عموماً صاف ستھری ہوتی ہیں، انھیں ہر طرح کا تحفظ، صحت، تعلیمی ادارے اور جملہ سہولیات میسر ہیں جب کہ سیاہ فاموں کی بستیاں اور علاقے عموماً گندے اور ہر طرح کی سہولیات سے تقریباً محروم ہوتے ہیں۔ نوے فیصد سفید فام دولت مند ہیں جب کہ تقریباً چالیس فیصد سیاہ فام غربا کی حد سے بھی نیچے زندگی گذار رہے ہیں، غربت اور تحقیر و تذلیل کی اس مستقل حالت نے سیاہ فام نسلوں کو نشہ اور جرائم کی طرف مائل کر دیا ہے یا پھر عاجز ہو کر وہ تشدد پر اتر آتے ہیں جس کا مشاہدہ حالیہ فساد میں کیا گیا، ان میں تعلیم کی بھی بے حد کمی ہے، سیاہ فام طلبہ کی ایک بڑی تعداد ہائی اسکول کی تعلیم بھی مکمل نہیں کر پاتی۔

حالیہ فساد کے پس منظر میں فرانس کے صدر متراں نے مسٹر بش کو نہایت دانشمند اور وسیع الظرف انسان گردانا کے باوجود یہ کہہ کر تنقید بھی کیا کہ ان کا سیاسی نقطہ نظر نہایت قدامت پسندانہ ہے اور امریکی سماج بھی قدامت پرست ہے۔ لندن ٹائمز نے فساد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ سال بھر کی عدالتی تحقیقات کے بعد اس نوع کا فیصلہ حقوق انسانی کے علم بردار امریکہ کا نہیں بلکہ نسل پرست امریکہ کا فیصلہ ہے، بین الاقوامی حقوق انسانی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل" نے اس فساد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ لاس انجلز میں رونما ہونے والے واقعات سے متعلق جو رپورٹیں ہمیں موصول ہوتی ہیں، روڈنی کنگ کا واقعہ بھی ان میں شامل ہے اس تنظیم نے یہاں کے پولیس محکمہ میں مسلسل تشدد کی رپورٹوں کی عدالتی تحقیقات کا بھی مطالبہ کیا ہے، خود امریکہ کے اندر ڈیموکریٹک پارٹی کے قائدین بش انتظامیہ کے خلاف یہ تنقید کرتے ہیں کہ وہ کوئی متوازن پالیسی وضع کرنے میں ناکام ہے جس سے امریکی سماج انتشار کا شکار

یک عیسائی پادری نے اس فساد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم کو روحانی و اخلاقی زندگی کی سخت ضرورت ہے یسے موقع پر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس موضوع سے متعلق تعلیمات نور کا فوارہ بن کر نمودار وتی ہیں اور نسل و رنگ کی تفریق پر قائم زندگی کی راہوں کو مسدود کر کے صراط مستقیم کی روشن روشن شاہراہ وا ردیتی ہیں، حیات انسانی کو اس تفریق اور انتشار سے بچانے کے لئے ہی آپ نے فرمایا ہے:

لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ولا لأبيض على أسود ولا لأسود على أبيض الا بالتقوى ۔ (زاد المعاد)	کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت ہے، ہاں تقوی سے ضرور فضیلت حاصل ہوگی ۔

ایک اور روایت میں ہے:

كلكم بنو آدم وآدم من تراب	تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے ۔

آپ نے اپنے دور میں سرخ و زرد، کالے اور گورے رنگ اور مختلف نسل کے لوگوں کو صحابیت کے عظیم تر رتبہ سے نوازا اور اس طرح کہ سب اس شرف پر بیحد مسرور و مطمئن تھے، فارسی النسل صحابئ رسول سلمان رض سے جب ان کا نسب پوچھا جاتا تو وہ فی الفور کہتے: "أنا سلمان ابن الاسلام" میں اسلام کا فرزند سلمان ہوں، یہی حال صہیب رومی رض اور بلال حبشی رض کا بھی تھا۔ اسلامی معاشرہ میں یہ مختلف صوبوں کے گورنر بنائے گئے، ان کی اقتداء میں فاروق اعظم رض جیسے عالی نسب اور امیر المومنین نے نماز ادا کی ہے، موجودہ دور میں عالم اسلام کے بہت سے ممالک میں سیاہ فام افریقی نسل کے لوگ بڑی کثرت سے رہتے ہیں، صدیوں سے ان کی بود و باش ہے اور مواخاۃ کا ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ اس انگلینڈ جیسے فسادات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان ممالک کی عدالت اور حکومت ان کے ساتھ کسی طرح کی تفریق اور امتیاز کا سلوک کرتی ہے، معاشرہ کے عام افراد بھی ان کے ساتھ تحقیر و تذلیل کے بجائے اخوت، محبت اور عزت کا برتاؤ کرتے ہیں، مسلم ممالک میں مختلف رنگ و نسل کے لوگوں کے ساتھ اخوت و مساوات کا یہ برتاؤ دراصل اسلام کے اصول و تعلیمات کے اثر سے ہے، جن اصول نے مسلم معاشروں کو اخلاق اور روحانیت کے نہایت متوازن سانچے میں ڈھال دیا ہے جس سے رنگ و نسل کی تفریق و امتیاز کی حدت و شدت بڑی حد تک ختم ہو کر مساوات حقوق کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

مرکزی دارالعلوم بنارس کے قیام وبناء کی تاریخ

میرے احساسات وتاثرات کے آئینہ میں

حضرت مولانا عبدالروف رحمانی جھنڈانگری

اس سلسلہ میں ہمیں بنارس مدنپورہ کے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرنا پڑے گا وہاں کے لوگوں نے دارالعلوم کو کن حالات میں قائم کیا تھا اور اس سے قبل ان کے مذہبی حالات کیا تھے ؟ اور وہ کس مسلک کے عامل تھے ؟ ان کے پاس مسجد ومدرسہ مدنپورہ میں کس شکل میں موجود تھا اور کن حالات وتاثرات کی بناء پر وہ اپنے قدیم مسلک کو چھوڑ کر دین حنیف مسلک اہل حدیث کی طرف مائل ہوئے اور اس صحیح مسلک پر عمل کرنے کے بعد پھر ان کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی ، اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے کون سا سلفی طرز کا مدرسہ کھولا پھر وہ بتدریج کہاں کہاں قائم ہوا اور فراز ونشیب سے گذرتا ہوا جامعہ رحمانیہ کی شکل میں کب ظہور ہوا اور مرکزی دارالعلوم کن کن عوامل وجذبات کے تحت آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مفید مشورے اور تائید سے منصۂ شہود پر آیا کن افاضل روزگار اور اکابر امت حضرات نے مرکزی دارالعلوم کے لئے جدوجہد کیا ؟ اس پوری تاریخ کو سمجھنے کے لئے مولانا عبداللہ سعود رسلمہ اللہ کا وہ گرانقدر مقالہ پڑھے جسے انہوں نے اخبار ترجمان اکتوبر ۱۹۹۱ء میں اپنے والد صاحب مرحوم مولانا عبدالوحید صاحب سلفی کے حالات کے تحت سپرد قلم فرمایا ہے ، یہ مضمون بھی تمام حالات واقعات کا انکشاف کرتا ہے اور مرحوم ناظم محترم اور ان کے رفقاء کرام کی خدمات کو خوب واضح کرتا ہے ہم اس کچھ خلاصۂ اقتباس پیش کر رہے ہیں :

مدرسہ مصباح الہدیٰ سے جامعہ رحمانیہ تک پھر جامعہ رحمانیہ سے مرکزی دار العلوم تک

محلہ مدنپورہ بنارس میں نصف صدی قبل حنفی حضرات کی آبادی تھی، اسی میں جامعہ رحمانیہ مدنپورہ بنارس جو "تاجا بیوپاری" کے خاندان کا قائم کردہ پرانا ادارہ ہے، مختلف مدارج طے کرتا ہوا موجودہ منزل تک پہونچا ہے جس وقت مدنپورہ کا موجودہ خاندان حنفی سے اہل حدیث ہوا اور اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کتاب و سنت کے مطابق دلانے کی فکر رہی، ہمارا خاندان تاج محمد وارث محمد کے نام سے (تاجا وارث) کے لقب سے مشہور تھا ان میں تاج محمد وغیرہ بنارس کے اولین اہل حدیث ہیں انھیں بزرگوں کی محنت کا ثمرہ ہے جو بنارس میں اتنی بڑی تعداد میں کتاب و سنت کے متبع اور مسلک اہل حدیث کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔

۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء کچھ عرصہ سے بنارس میں جماعت اہل حدیث کا تبلیغی سلسلہ جاری تھا، اور بہت سے لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہو رہے تھے ان میں حاجی تاج محمد و حافظ عبد الرحیم و لعل محمد وغیرہ پیش پیش تھے چنانچہ مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری کی آمد پر لوگوں کے اعتقاد میں پختگی آگئی اور لوگوں نے اپنے اس فیصلے کو کھلم کھلا بنارس والوں کو سنانا چاہا اسی وقت الحاج تاج محمد صاحب حج بیت اللہ کے لئے گئے ہوئے تھے، کچھ لوگوں نے حاجی تاج محمد صاحب کی واپسی تک اس اعلان کو ملتوی رکھنا چاہا مگر جب خدا کسی کو راہ راست دکھانا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا۔ طے یہ ہوا کہ نیک کام میں کسی کا انتظار کرنا ٹھیک نہیں، اس وقت خوش خیال جماعت میں سب سے بزرگ ہستی حاجی تاج محمد کی تھی لیکن ان کی غیر موجودگی میں ہی مولانا حافظ عبد اللہ صاحب غازی پوری کی قیادت میں طیب شاہ کی مسجد میں پہلی بار آمین بالجہر اور رفع الیدین کا عمل شروع کیا گیا اور اس کے بعد پھر جماعت اہل حدیث کی بنیاد بنارس میں مضبوط ہو گئی اسی جد و جہد میں مولانا محمد منیر خان مرحوم نے بنارس میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جو خاکسار عبد الرؤف رحمانی کے بھی مرشد اور شفیق و کریم النفس استاد تھے۔ اس وقت مدرسہ کیلئے کوئی جگہ نہ تھی حاجی محمد صدیق صاحب کے مکان سے جو مسجد طیب شاہ کے بغل میں واقع ہے، درس و تدریس کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس مدرسہ مصباح الہدیٰ ہی میں میں نے اعنی عبدالرؤف رحمانی مولانا محمد منیر خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنا شروع کیا، مولانا حبیب اللہ صاحب بہاری سے بھی درس لیتا رہا، مولانا فصیح الدین غازیپوری سے بھی تعلیم حاصل کرتا رہا، ہم لوگوں کی تعلیم کا انتظام مصباح الہدیٰ میں تھا اور قیام وطعام کا انتظام باکڑبلی کی مسجد کے بغل میں ایک باغ کے کمرے میں تھا، اس وقت ہم اور مولوی مجیب اللہ صاحب مرحوم، اور مولوی عبدالحئی اور ڈاکٹر یونس اور حکیم فضل الرحمٰن وغیرہ اپنے اپنے خرچ سے باورچی کے ذریعہ کھانا پکواکر کھاتے تھے ہماری انجمن کی خطابت بھی اسی باغ کے دائرے میں ایک جگہ پر ہوا کرتی تھی، یہی مدرسہ مصباح الہدیٰ جو بعد میں مدرسہ مصباح العلوم کے نام سے معروف ہوا، جب مدرسہ نئی بلڈنگ میں منتقل ہوگیا اور ۱۳۳۹ھ میں حافظ عبدالرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد اس کا نام بدل کر انھیں کے نام پر "جامعہ رحمانیہ" رکھا گیا۔

اس وقت مدرسہ کی دیکھ بھال مولانا حافظ عبدالرحمان صاحب مرحوم کے فرزندان وغیرہ کرتے تھے اور اپنے ذاتی خرچ سے مدرسہ چلارہے تھے، ۱۹۶۰ء میں پہلے اس کے ناظم مولانا عبدالمتین صاحب مرحوم تھے اس کے بعد یہ انتظام مولانا عبدالوحید صاحب کے سپرد کردیا گیا، انھوں نے اپنے حسن انتظام سے اپنی خاندانی خواتین سے بھی چندہ لیا اور زیورات کی زکوٰۃ وصول کئے اور شوال سے پہلے مدرسہ کی مرمت اور سفیدی کرائی اساتذہ کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کیا، اسی دور میں مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی جامعہ رحمانیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے، جامعہ رحمانیہ میں بڑی وسعت اور ترقی ہوئی اور حسن انتظام میں ممتاز ہوا۔

مگر ایک مرکزی درسگاہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی اور اس کے منصوبے تیار کئے جارہے مگر ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے۔ ۲۰ رجمادی الاخریٰ ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹ر نومبر ۱۹۶۱ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس ضلع بستی کے مشہور قصبہ نوگڈھ بازار میں منعقد ہوئی اسی موقع پر مرکزی دارالعلوم کا منصوبہ بنایا گیا اور اہل بنارس نے اس کی ذمہ داری قبول کرلی، اور مرکزی دارالعلوم کا قیام بنارس شہر میں منظور کیا گیا، محلہ ریوڑی تالاب میں جامعہ کی عالیشان عمارتیں قائم ہوگئیں۔ جماعت اہل حدیث ہند کا ایک مرکزی ادارہ اسی دور میں ۱۹۶۳ء میں عالم وجود میں آگیا، مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس محبت وجانفشانی کے ساتھ اس کی حفاظت وپاسبانی کی ہے اور اس کے انتظام وانصرام میں جو کام انجام دیا ہے وہ انھیں کا حصہ تھا، اور اہل بنارس واصحاب مدنپورہ نے مولانا کی علالت کے زمانہ میں امداد

علالت سے قبل بھی جو خدمات اور قدرشناسی کی ہے وہ صاحب بصیرت پر روشن ہے۔

مولانا عبدالوحید صاحب کو لوگوں نے دیکھا تھا کہ انہوں نے کس طرح دلچسپی لے کر جامعہ رحمانیہ کو ترقی پر پہونچایا تھا اس سے آپ کی انتظامی دلچسپی وصلاحیت کا لوگوں کو صحیح اندازہ اور آپ کو مرکزی دارالعلوم جامعہ سلفیہ کی نظامت عظمیٰ کے اعلیٰ منصب پر فائز کر دیا۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں؟

اسی دوران جامعہ سلفیہ بنارس میں سالانہ اجلاس منعقد ہوا جس کی صدارت مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کر رہے تھے، اور مولانا عبدالمتین صاحب اور مولانا عبدالمجید صاحب حریری بھی اسٹیج پر موجود تھے۔ جامعہ سلفیہ کے اس اجلاس میں تقریریں ہو رہی تھیں، میری بھی ایک تقریر رکھی گئی، میں نے اپنی تقریر میں واضح کیا تھا کہ خدا کی کائنات میں دو طرح کے قوانین ہیں:

ایک تکوینی قانون ــــــــ دوسرا تشریعی قانون

تکوینی قانون غیر متبدل ہے، قانون قدرت کے تحت خدا نے جس کے ذمہ جو کام لگا دیا ہے اسی کے مطابق اس کو کرنا اور انجام دینا ہے اور اس کو ویسے ہی ہونا ہے۔ تکوینی قانون یہ ہے کہ آفتاب مشرق سے طلوع ہو اور مغرب میں ڈوبے چنانچہ شروع زمانہ ہی سے سورج پورب ہی سے نکلتا ہے اور پچھم میں غروب ہوتا ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں ہے، اسی طرح ایک قانون کے تحت آگ جلاتی ہے اور پانی ڈبوتا ہے، ایک قانون کے تحت آم کے بیج سے آم پیدا ہوتا ہے اور بادام کے بیج سے بادام پیدا ہوتا ہے اور گیہوں سے گیہوں پیدا ہوتا ہے اور جَو سے جَو پیدا ہوتا ہے، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہو اور آگ نہ جلائے بلکہ پانی جلائے یا آم کے بیج سے آم کے بجائے بادام یا انگور پیدا ہو، ایسا قانون تکوینی کے خلاف ہوگا۔

اسی طرح ریاضیات کے قانون اور فارمولے میں بھی کبھی کوئی تبدیلی نہیں آئی، ہمیشہ دو دو مل کر چار ہوتے ہیں اور چار چار مل کر آٹھ ہوتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ دو دو مل کر پانچ ہو جائیں اور چار چار مل کر نو یا دس ہو جائیں۔

ٹھیک اسی طرح شریعت کے احکام بھی یقینی اور غیر متبدل ہیں۔ نیکی ہمیشہ نیکی رہے گی، بدی

ہمیشہ بدی رہے گی، جھوٹ ہمیشہ جھوٹ رہے گا اور اسے برا مانا جائے گا اور سچ ہمیشہ سچ رہے گا اور اسے اچھا سمجھا جائیگا یتیم کی دلداری وغم خواری کو ہمیشہ اچھا کام سمجھا جائے گا اور یتامی ومساکین پر جبر وظلم کو ہمیشہ برا سمجھا جائے گا۔

الغرض جس طرح قانون تکوینی کا نظام غیر متبدل ہے اسی طرح اچھائیاں اور نیک اعمال واخلاق بھی ہمیشہ اچھے ہی رہیں گے وہ بھی تکوینی قانون کی طرح غیر متبدل ہیں۔

اور قانون تشریعی میں ہمیشہ جھوٹ کو برا سمجھا جائے گا اور سچ بولنے کو ہمیشہ اچھا قرار دیا جائے گا اور انکے اوپر ظلم وزیادتی کو ہمیشہ برا سمجھا جائے گا، وقس علیٰ ہذا۔ اسی طرح کے بیان وامثلہ کو میں نے تقریباً ایک گھنٹہ تک جاری رکھا اور مولانا عبدالمتین صاحب نے بہت غور سے سنا اور تقریر کے بعد مجھے اپنے بغل میں بٹھایا اور بہت شاباشی دی، مولانا کا چہرۂ مبارک مارے خوشی کے چمک رہا تھا کیونکہ میں انھیں کے مدارس میں تعلیم پاکر اور پھر جامعہ رحمانیہ میں درس لیکر فارغ ہوا تھا اور جب میں مونگیر کے جلسہ سے واپس ہوکر گھر پہونچا تو استاذ محترم مولانا نذیر احمد صاحب رحمانی کا ایک کارڈ ملا جس میں موصوف نے میری اس تقریر کی بہت تعریف وتحسین کی تھی۔

مولانا مرحوم نے لکھا تھا کہ اکابر واعیان بنارس نے آپ کی اس تقریر کو بہت زیادہ پسند کیا ہے اور آپ کو ہر طرح سے آفریں کہا ہے۔

بہرحال مولانا "نذیر احمد رحمانی صاحب" مرحوم نے بحیثیت صدر مدرس اس مرکزی دارالعلوم کا علمی وتعلیمی معیار بلند سے بلند تر کیا اور ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید صاحب نے اپنے اعلیٰ ذوق کے مطابق عالی شان تعمیرات کو بنوایا، اور مرکزی دارالعلوم کی علمی وادبی وتاریخی اور نوع بنوع ہمہ جہتی ترقی سے بام عروج تک پہونچایا، استاذ محترم علامہ نذیر احمد صاحب رحمانی کا مبارک دور تو جلد ہی جاتا رہا آپ کی زندگی وفا نہ کرسکی جس پر ہم جتنا بھی ملال کریں کم ہوگا لیکن خوش قسمتی سے ناظم اعلیٰ کے عہد زریں میں مولانا محمد ادریس صاحب آزاد رحمانی املوی جیسے قلمکار قابل وفاضل استاذ مرکزی دارالعلوم میں تشریف لے آئے، پھر خوبی قسمت سے مولانا عبدالوحید صاحب جیسے متین وسنجیدہ دور اندیش، تجربہ کار ومتحمل مزاج شیخ الجامعہ مولانا کے تہمید نظامت میں آئے پھر فاضل جلیل عالم کبیر حضرت مولانا حافظ مقتدی حسن صاحب ازہری جیسے جامع العلوم اور صاحب فکر ونظر، متبحر، یگانۂ روزگار، تجربہ کار عالم کی ہستی وکیل الجامعہ کے منصب جلیل پر فائز ہوئی جس نے اپنی انتھک محنت اور کد وکاوش سے جامعہ کو چار چاند لگایا۔

ان اکابر علماء عظام اور ان کی قیادت میں ہمراہ چلنے والے دوسرے اساتذۂ کرام کے مرکزی دارالعلوم

ین جمع ہو جانے سے اس گلشن علمی وادبی میں بڑی رعنائی و ترقی ہے۔

آج جامعہ سلفیہ مرکزی دارالعلوم میں دو سو کتابوں کی تصنیف وتالیف ہوئی اور تراجم کے کام بتدریج کئے گئے جس سے ایک علمی ذخیرہ جمع ہوگیا، یہ بیس وچھاپہ خانے قائم ہوئے اور صحافت میں اردو ماہنامہ "محدث" اور عربی ماہنامہ "صوت الجامعہ" جاری ہوا، اور کئی علمی وادبی یادگار کانفرنسیں ہوئیں اور اچھے واہم موضوعات پر کئی ایک سیمینار منعقد ہوئے، اور ناظم اعلیٰ کے سفری مجاہدات میں مولانا ازہری صاحب کی معیت ورفاقت سے تعلیمی وتعمیری مشروعات میں اچھی خاصی مساعدت حاصل ہوئی جس سے تعمیرات کے بلند بالا ایوان اور رفیع الشان وخوبصورت دارالحدیث پھر عظیم المرتبت وو قیع کتب خانہ اور قابل قدر وقابل دید دارالضیافہ اور بلند وعالیشان حسین وجمیل پرشکوہ مسجد اپنے نور افزا مناروں کے ساتھ جامعہ کے موزوں ترین مقامات پر قائم ومستحکم ہیں جو عرصہ دراز تک ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوحید صاحب سلفی رحمۃ اللہ علیہ کی یاد دلاتی رہیں گی، سچ فرمایا ہے کسی فارسی شاعر نے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

مرکزی دارالعلوم کے قیام کے دو محرک اسباب

مرکزی دارالعلوم کے منصوبہ بنانے کی دو وجہ پیدا ہوئی۔ ایک وجہ یہ تھی کہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ نے اخبارات میں یہ بیان دیا تھا کہ اب جماعت اہلحدیث کا شیرازہ بکھر چکا ہے اور جماعت اہل حدیث اپنا دم توڑ چکی ہے اس بیان پر ہندوستان کے موجودہ اہل حدیث افراد میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے ان کے بیان کا نوٹس لیا، اخبارات میں ان کے جوابات دیئے گئے اور جماعت میں ایک حرکت اور بیداری ہوئی۔

اس واقعہ کے ساتھ دوسرا سانحہ یہ ہوا کہ دارالحدیث رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالے ہونے کے بعد عربی خواں طلبہ کیلئے کوئی ایسا مرکزی ادارہ باقی نہ رہا جہاں وہ اپنی تشنگی علم بجھا سکیں، چاروناچار دارالعلوم دیوبند کا بھی قصد کیا اور وہاں داخل ہوگئے اور کچھ ہی زمانہ کے بعد جب ان کا اہلحدیث ہونا ظاہر ہوا تو ارباب اہتمام نے ان سب اہلحدیث طلباء کو جو تقریباً ۴۰ تھے، دارالعلوم سے نکال دیا، ہمارے اہلحدیث طلباء نے اپنی جماعت سے بزبان حال یہ کہنا شروع

کیا " کہ ہمارا اہل حدیث ہونا ہی وہ جرم تھا جس کی وجہ سے ہم نکال دیئے گئے"، ان کی یہ صدا دور دور تک پہونچی
اور چار دانگ عالم میں شکوہ سنج رہی، گویا وہ بزبان شاعر یہ کہہ رہے تھے ؎

بجرم عشق توام می کشند غوغائے ایست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

اس سلسلہ میں مولانا مختار احمد صاحب ندوی امیر جمعیت اہلحدیث ہند بڑی وضاحت سے مجلہ " البلاغ "
نومبر ۱۹۹۱ء میں لکھتے ہیں:

" ہندوستان کی آزادی سے پہلے دہلی میں مدرسہ رحمانیہ کے نام سے ایک عظیم الشان درسگاہ قائم تھی جو برصغیر ہند میں سلفی طرز تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تھا یہ جامعہ دہلی کے ایک مخیر بزرگ الحاج عبدالرحمٰن وعطاء الرحمٰن صاحبان کا قائم کردہ تھا ان کے بعد ان کے صاحبزادے حاجی عبدالوہاب صاحب اس کے سرپرست رہے، یہ مدرسہ شخصی اور ذاتی تھا لیکن اپنی تعلیمی انفرادیت اور ادارتی انتظام اور معیاری درسگاہ ہونے کی وجہ سے افغانستان سے آسام تک کے طلباء یہاں داخل ہوا کرتے تھے، اس مدرسہ نے بڑے جید علماء پیدا کئے، اور م رحمانی، علماء کی ایک بڑی جماعت پیدا کردی جو اپنے اپنے علاقوں میں دینی اور تعلیمی قیادت اور امارت کے منصب پر فائز ہوئے لیکن افسوس ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ملک کو تقسیم کا بھی صدمہ اٹھانا پڑا جس کا بڑا نقصان ملک کے سلفی طبقہ کو برداشت کرنا پڑا اس جماعت کی ساری قوت ملک کی تقسیم نے منتشر کرڈالی اور ان کی ہر چیز کئی حصوں میں بٹ گئی، علماء، تجار، عوام، مدارس کتب خانے رسائل وجرائد، اسی طوفان میں مدرسہ رحمانیہ دہلی بھی بہہ گیا، اس مدرسہ کا نام ونشان مٹ گیا، اسکا قیمتی کتب خانہ جو جماعت اہل حدیث ہند کا ایک قیمتی سرمایہ تھا اس کے ہاتھ سے چلا گیا، نذیریہ لائبریری بھی اسی تقسیم کا شکار ہوئی، مدرسہ کے مالک اور سرپرست دہلی کو خیرباد کہہ کر پاکستان چلے گئے، اب اس میں جامعہ ملیہ نے ایک پرائمری اسکول کھول دیا ہے جہاں رقاصی اور موسیقی گانا بھی سکھایا جاتا ہے۔

اس اندوہناک واقعہ کو لکھتے ہوئے قلم کانپ رہا ہے کسی زمانہ میں یہ خاکسار راقم الحروف اس مدرسہ کا ایک ادنیٰ طالب علم تھا، افسوس کہ علم وادب، تفسیر وحدیث کی وہ انجمن ختم ہوگئی۔

ایسی حالت میں تعلیم وتربیت، تنظیم جماعت اور اداروں کے قیام کا کس کو ہوش تھا، بہرحال سلفی طلبہ مقامی مدارس میں اپنی تعلیمی پیاس بجھانے لگے، لیکن دھیرے دھیرے یہ احساس بڑھتا گیا اور ہر طرف سے مطالبہ شروع ہوگیا

کہ مدرسہ رحمانیہ دہلی کا بدل ضرور قائم کیا جائے، اسی درمیان دارالعلوم دیوبند میں ایک ایسا ناگوار حادثہ پیش آیا جس سے ہندوستان کے سلفی حلقوں میں سخت بے چینی ہوئی، اور ان کی دینی حمیت وغیرت بیدار ہوگئی، پھر ایک عظیم مرکزی سلفی درسگاہ کے قیام کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔

ان حالات سے متاثر ہو کر انجمن جامعہ رحمانیہ بنارس کے معزز ارکان نے محلہ ریوڑی تالاب بنارس میں ایک وسیع زمین مرکزی دارالعلوم کے قیام کے لئے وقف کی اور اس کا نقشۂ تعمیری بجٹ وتخمینہ مقرر کرکے مرکزی جمعیۃ اہلحدیث ہند کے عمائدین کے سامنے رکھا اور اخبارات کے ذریعہ بھی اسے مشتہر کیا گیا۔

میں اس وقت سہ روزہ اخبار اہلحدیث دہلی کا معاون مدیر تھا، میں نے مرکزی دارالعلوم کی حمایت میں بہت سے تائیدی اداریئے لکھے۔ ۱۹۶۱ء میں نوگڈھ ضلع بستی میں آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس کا ایک تاریخی اجلاس ہوا جس کے اسٹیج پر مرکزی دارالعلوم کا مجوزہ نقشہ آویزاں کیا گیا۔ میں نے کانفرنس کے کھلے اجلاس میں اس موضوع پر ایک نہایت پر جوش تقریر کی اور بھی مقررین نے اس کی تائید کی، چنانچہ ایک ہی سال بعد بنارس میں ایک عظیم یادگار اجتماع میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ (البلاغ نومبر ۱۹۹۱ء)

ناظمِ اعلیٰ اور مولانا ازہری صاحب کی رفاقت

اس مضمون کے پڑھنے سے واضح طور پر مرکزی دارالعلوم کے قائم کئے جانے کا سبب معلوم ہوگیا۔

محترم ناظم صاحب جب تک زندہ رہے صحت وعافیت کے ساتھ حسن وخوبی سے مرکزی دارالعلوم کو معراج ترقی پر پہونچانے کے لئے ہمہ وقت مستعد وسرگرم عمل رہے، جب اپنے دولت کدہ سے دفتر میں آتے تو حساب وکتاب آمد وخرچ کے اس شعبے میں جس میں اس کا خاص اہتمام رہتا ہے تشریف لے جاتے اور وہاں حسابات کا معائنہ کرتے، یہ حساب کو ہمیشہ بالکل صاف اور صحیح دیکھنا چاہتے تھے اور آپ کے سچے مشوروں اور ہدایتوں کو دفتر کے لوگ اور اڈیٹر صاحبان بھی ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے اس کے بعد اپنے خاص دفتر میں مولانا مقتدیٰ حسن صاحب ازہری کی ڈاک ملاحظہ فرماتے اور باہمی تفاہم اور مشوروں سے متعلقہ حضرات کو خطوط لکھے جاتے مولانا ٹائپ کرکے محترم ناظم صاحب کے دستخط اور مہر کے بعد ان کو روانہ کرتے، انتظامی معاملات میں شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید صاحب سے ضروری مشورہ بھی کرتے پریس چھاپہ خانے

معاملات جو منشی عبدالمنان وغیرہ کے ذریعہ آپ کے سامنے آتے ان معاملات میں بھی اپنے مفید مشوروں سے انھیں ازتے، اس طرح جملہ مدرسین وملازمین سے بہت شگفتہ برتاؤ رکھتے، اسی طرح ہمیشہ اس چمنستان علم وفضل کی آبیاری اور ں کے سرسبز وشاداب رکھنے کا انتظام کرتے۔

مولانا مرحوم پر ان کے دورِ نظامت میں خوشی کے بہت سے مواقع بھی آئے، بہت مسرت افزا چیز دیکھ آپ ش ہوئے اور خدا کا سجدۂ شکر بجالاتے۔ اللہ کے فضل وکرم پر ہمیشہ ممنون ومشکور رہے لیکن بعض ایسے مواقع وحوادث بھی ئے کہ اس صدمے سے راتوں کی نیند اڑجاتی اور ان کا چین وسکون رخصت ہوجاتا، ان میں سے ایک سب سے بڑا حادثہ جامعہ سلفیہ کے مالیاتی مسائل سے متعلق تھا، چونکہ جامعہ اپنی تعمیری وتعلیمی سرگرمیوں کے آغاز میں تھا اس لئے اسے اپنے منصوبوں کے لئے اہل خیر کے تعاون کی ضرورت تھی، مختلف مخلصین کی کوششوں سے تعمیری منصوبوں کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک راہ پیدا کی تھی لیکن حاسدین کے حسد اور اپنوں کی غفلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس آسانی سے جامعہ سلفیہ وقت پر مستفید نہ ہوسکا بلکہ اسے عرصہ تک انتظار کرنا پڑا۔

لیکن اس پوری مدت میں ایک دو رفیقوں کی امداد کا اور حقیقی تعاون کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا کہ وہ حضرات مشورہ سے کتنا گریزاں تھے، اور ہر آسان وممکن شکل پیدا کرنے میں کتنا دور رہتے تھے، مولانا ازہری صاحب وہ رفیق خاص تھے جو دل درد مند رکھتے تھے اور اس واقعہ کے پورے خدوخال سے اچھی طرح واقف تھے، وہ بھی اس طرح کے صدمات میں مبتلا تھے اور ان لمبی چوڑی باتیں کرنے والوں سے حد درجہ مایوس ہوچکے تھے، کسی شاعر نے ایک شعر کہا ہے جو ہمیشہ کے لئے ایک حقیقت ہے ؎

مشورے دے کے ہٹ گئے احباب
آڑے آیا نہ کوئی مشکل میں!

لیکن اللہ تعالیٰ کی مدد ہر چیز پر غالب ہے، اس کا فیصلہ ہوا اور بگڑا ہوا کام خیر وخوبی سے بن گیا۔

مولانا کی علالت اور رحلت

آخر ایک وقت آیا مولانا عبدالوحید صاحب ناظم اعلیٰ علیل ہو گئے اور اسپتال میں داخل ہوئے لیکن بحکم قضائے الٰہی آپ کی سانس اکھڑنے لگی اور حالت بدل گئی اور ۲۵ نومبر ۱۹۸۹ء کو بروز شنبہ قبیل مغرب انتقال فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔

یہ تاریخی حالات سنہ وتاریخ کے ساتھ مولانا عبداللہ سعود نے ترجمان دہلی اکتوبر ۱۹۹۱ء میں شائع کرایا ہے جو مولانا مرحوم کے فرزند اکبر ہیں اور خود بھی مرکزی دارالعلوم کے فارغ ہیں اور اس کی ترقی اور تعمیری اقدامات میں پیش رفت کے خواہاں ہیں۔۔

اللہ تعالیٰ ان کو مولانا مرحوم کا سچا جانشین بنائے اور جامعہ کی خدمات کی بھرپور توفیق بخشے۔

مرکزی دارالعلوم کا تابناک مستقبل

اب تک مرکزی دارالعلوم گوناگوں تعمیری و تعلیمی، تصنیفی ودعوتی تبلیغی خدمات میں ممتاز اور تمام اہلحدیث مدارس میں منفرد ہے۔ اللہ تعالیٰ ناظم اعلیٰ کے بعد بھی ان کے جانشین اور کارکنان کو اس کے علمی وادبی، تعمیری وتعلیمی خدمات کو مزید ترقی کے ساتھ جاری رکھنے کا عزم وحوصلہ بخشے۔

یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ بنارس مدنپورہ کے ارباب انتظام نے ناظم اعلیٰ کی جگہ پر ان کے منصب کو سنبھالنے کے لئے مولانا شاہد جنید صاحب حفظہ اللہ کو پورے اتفاق کے ساتھ منتخب کیا اور ماشاءاللہ مولانا شاہد جنید سلمہ اس منصب کے تقاضہ کے مطابق ہمہ وقت اپنے دونوں سربراہ علماء شیخ الجامعہ اور وکیل الجامعہ کے مشوروں کے مطابق عمل پیرا ہیں اور دیگر مراحل کی تکمیل میں ہمارے سب محترم علماء ان کی نگرانی میں ہمہ وقت سرگرم عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ جامعہ رحمانیہ کے تمام اکابر و اصاغر کو مداومت کے ساتھ حسن عمل کی توفیق دے۔

مرکزی دارالعلوم کے تمام رفقاء اور علمائے کرام اور اساطین عظام صدق دل سے مرکزی دارالعلوم کے ساتھ لپٹ کر خدمات انجام دیں اور زبان حال سے وہی کہیں جو کسی شاعر نے بنارس کے لئے لکھا ہے ؎

از بنارس نہ روم معبد عام است ایں جا
ہر برہمن پسر لچھمن و رام است ایں جا

ابنِ سبأ: حقیقت یا افسانہ

ڈاکٹر رضاء اللہ محمد ادریس مبارکپوری

محدث کے گذشتہ بعض شماروں میں قدیم و مستند سنی و شیعی مصادر کی روشنی میں عبداللہ بن سـ
کی شخصیت اور اس کے عقائد و نظریات کو بڑی حد تک اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی تھی، توقع ہے کہ معزز قارئ
کو اس کی فتنہ پرور، یہودی شخصیت کا بخوبی علم ہوگیا ہوگا اور ساتھ ہی اس کے گمراہ کن نظریات، باطل خیالا
اور شیعی تعلیمات میں ان کی واضح جھلک سے بھی اچھی طرح آگاہی حاصل ہوگئی ہوگی، اور یہ کہ ابن سبا
ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے جس نے اپنی منافقانہ چال کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقص
پہونچائے۔ اس حقیقت کے باوجود عصر حاضر میں ایک خفیہ اور منظم سازش کے تحت ابن سباء کو تاریخ کے
صفحات سے مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ عالم تشیع پر سبائی اثرات کی پردہ پوشی کی جاسکے، اور کوئی یہ دعو
نہ کرسکے کہ شیعی تعلیمات و عقائد پر یہودیت کا کسی طرح چھاپ یا اثر پایا جاتا ہے چونکہ مستشرقین کے یہاں بعض
وجوہ کی بناء پر اہل تشیع سے یک گونہ ہمدردی اور خیر سگالی کے جذبات پائے جاتے ہیں اس لئے اس طرح کا خیال
انھیں لوگوں کے ذہن نارسا میں آنا ایک طبعی بات تھی، لہذا انہوں نے ہی سب سے پہلے بحث و تحقیق اور جدت
ابتکار کے نام پر یہ شوشہ چھوڑا کہ درحقیقت "عبداللہ بن سبأ" نام کی کوئی شخصیت نہیں گذری ہے بلکہ
یہ ایک وہمی اور خیالی شخصیت ہے جس کو دوسری صدی کے محدثین نے گھڑ لیا ہے، مستشرقین کے بعد ان کے
نہاد مسلم شاگردوں اور بعض شیعی اصحاب قلم نے اس کو بطور ایک علمی حقیقت کے نہ صرف تسلیم کیا بلکہ ا
باطل نظریہ کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں ہوگئے۔

ابنِ سباء اور مستشرقین

جیسا کہ سطور بالا میں ذکر کیا گیا کہ مستشرقین نے سب سے پہلے یہ ن
آفرینی کی کہ ابن سباء کی کوئی تاریخی حقیقت نہیں، بلکہ یہ ایک خیا

شخصیت ہے جس کو بعد میں لوگوں نے وضع کر کے اس کی جانب بہت سے غیر صحیح اقوال اور بے شمار غیر معمولی واقعات منسوب کر دیئے ہیں، اس انکار کی آڑ میں دین اسلام کے صاف وشفاف چہرہ کو مسخ کرنا، اس کے تاریخی مصادر کو مشکوک کرنا اور یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ تشیع اور شیعی تعلیمات وعقائد کے معرض وجود میں آنے کے لئے یہودیت یا کسی دوسری بیرونی طاقت کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ خود اسلام کی اپنی کمزوری تھی جس کی بنا پر اس طرح کے خرافیانہ عقائد اسلام کے پیروکاروں کے یہاں وجود میں آئے، اسلام اور اسلامی مذاہب کے مطالعہ سے اکثر و بیشتر مستشرقین کی یہی غرض و غایت تھی۔

چنانچہ ان کی برابر کوشش رہی بلکہ انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی کہ جس طرح ممکن ہو کتاب وسنت، اسلامی عقائد وتعلیمات اور اسلامی تواریخ میں شکوک وشبہات پیدا کئے جائیں، گمراہ کن نظریے، اور باطل افکار کو ترویج دے کر جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کیا جائے۔ درحقیقت استشراق صلیبی جنگ کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس نے تلوار یا بارود نہ اپنا کر بحث وتحقیق، علمی وفکری اصول وضوابط کا سہارا لیا، صحیح معنوں میں اگر ان کی نیتیں صاف، اور ارادے نیک ہوتے تو اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کی صداقت وحقانیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے تھے جس طرح کہ بعض مخلصین نے اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنے آپ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور پایا، عام طور پر یہ مستشرقین یہودی یا عیسائی پادری ہوتے ہیں جن کے طریقۂ کار، اور اعمال کی تنظیم وتحدید، کلیسا، خفیہ محکموں اور وزارت خارجہ کے مابین مکمل تنسیق وترتیب کے بعد پایۂ تکمیل کو پہونچتی ہے، جن مستشرقین نے ابن سبا کی شخصیت کا انکار کیا ان میں سرفہرست مندرجہ ذیل نام لئے جاتے ہیں۔

۱۔ ڈاکٹر برنارڈ لویس Lewis, B. ۔ یہ برطانوی یہودی ہے۔ (۱)

۲۔ جولیس ولہاوزن Wellhausen, J. یہ جرمن یہودی ہے۔
اس نے الٰہیات سے اپنی تعلیم شروع کی تھی۔ (۲)

(۱) اصول الاسماعیلیین والاسماعیلیۃ ص ۸۶۔ ۸۷ (عربی ترجمہ خلیل جلو وجاسم الرجب)

(۲) الخوارج والشیعۃ (عربی ترجمہ د/ عبدالرحمن بدوی)

۳۔ فرائڈ لانڈر Fried Laender یہ امریکی مستشرق ہے ۔ (۱)

۴۔ امیر کایتانی Caetani Leone یہ اطالوی مستشرق ہے۔ (۲)

ابن سبا اور شاگردانِ مستشرقین

مستشرقین نے آغاز ہی سے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ ان کو اپنے مقاصد کی تکمیل میں اس وقت تک خاطر خواہ کامیابی نہیں حاصل ہوسکتی جب تک کہ وہ خود مسلمانوں کی صفوں میں اپنے شاگردوں کی ایک جماعت نہ تیار کریں جو ان کے پیدا کردہ شکوک وشبہات اور غلط نظریات کو علمی تحقیقات کا نام دے کر مسلمہ حقائق کے طور پر نہ صرف تسلیم ہی کریں بلکہ مسلمانوں میں ان کی اشاعت کے لئے پوری جدوجہد صرف کریں۔ مستشرقین کو اپنے اس مقصد میں بڑی حد تک کامیابی حاصل رہی کیونکہ انہیں ایسے نام نہاد مسلمانوں کی ایک بڑی ٹولی دستیاب ہوگئی جو ان کے دام فریب میں آگرا اور ان کے خود ساختہ تحقیقاتی اصول وضوابط سے مرعوب ہوکر ان کے قائم کردہ نظریات وتحقیقات کو نہ صرف بلکہ تقرب حاصل کرنے کی غرض سے انہی کے معتقدات وافکار کا ورد کرنے لگے، ذیل میں ایسے بعض اہم لوگوں کا ذکر کیا جاتا ہے جنہوں نے بڑے ہی شدومد کے ساتھ ابن سبا کے وجود کا انکار کیا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر طہ حسین :

یہ مصر کے ایک بہت ہی معروف ومشہور بلند پایہ ادیب وصاحب قلم ہیں، ان کو اس حد تک استشراقی افکار ونظریات کا انجکشن دیا گیا تھا کہ وہ کہا کرتے تھے: "میں فرانسیسی زبان میں سوچتا اور عربی زبان میں لکھتا ہوں" (۳) ان کی نجی زندگی بھی غیر اسلامی تھی، یہودی کاز کیلئے انہوں نے بڑی خدمات انجام دیں ایسے بہت سے غلط اور باطل نظریات وخیالات کا برملا اظہار کیا جن کو مستشرقین بھی اپنی زبان پہ لانے کی جسارت نہیں کرسکے (۴) لہٰذا ابن سبا کی شخصیت سے ان کا انکار کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے، وہ اس

---

(۱) عبداللہ بن سبا اور شیعہ ۔

(۲) اصول الاسماعیلیۃ ۔

(۳) طہٰ حسین مؤلفہ انور الجندی ص ۴۳ - ۴۴ ۔

(۴) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو انور الجندی کی کتاب طہٰ حسین ۔

سلسلے میں لکھتے ہیں: سبائیوں اور ان کے زعیم ابن السوداء کا قصہ بہ تکلف گھڑا ہوا ہے، جس وقت شیعوں اور دوسرے اسلامی فرقوں کے مابین خصومات جاری تھے، اور ان کے درمیان جنگ وجدال شباب پر تھا شیعہ دشمنوں نے انھیں زک پہونچانے اور ان کے خلاف سازش رچنے کے لئے شیعی تعلیمات وعقائد میں یہودی عنصر کو زبردستی داخل کرنے کی کوشش کی۔ (۱)

اپنے اس مفروضہ کو ثابت کرنے کے لئے جس امر کو طہ حسین نے بطور دلیل کے پیش کیا ہے وہ نہایت ہی مضحکہ خیز ہے، ان کا کہنا ہے کہ بلاذری کے یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں نہ تو ابن السوداء کا کوئی تذکرہ ملتا ہے، اور نہ ہی اس کی جماعت کا، اس کے طبری کے ذکر کردہ اس واقعہ پر بھی اپنے تعجب کا اظہار کیا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبائیوں کو ان کے الحاد کی بناء پر زندہ جلا دیا تھا، وہ لکھتے ہیں: اس اہم واقعہ کو بعض دوسرے مؤرخین نے نہیں ذکر کیا اور مکمل سکوت اختیار کر لیا جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ ابن سبا کا قصہ سرے سے من گھڑت اور بناوٹی ہے۔ (۲)

حالانکہ بلاذری کے یہاں ابن سبا یا سبائیوں کا ذکر نہ آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا وجود ایک من گھڑت قصہ ہے، اکثر وبیشتر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ بعض مؤرخین بسا اوقات ایسے اہم واقعات ذکر کر جاتے ہیں جن کا دوسرے مورخین کے یہاں کوئی تذکرہ نہیں ملتا اور کیا طہ حسین پورے جزم اور وثوق کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں کہ بلاذری نے تمام وقائع وحوادث کو بالاستیعاب اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ بلاذری نے ابن سبا اور سبائیوں کا ذکر کیا بھی ہوتا تب بھی طہ حسین یہی کہتے کہ بلاذری کی ثقاہت مختلف فیہ ہے، لہذا اس کی خبر ناقابل اعتماد گردانی جائے گی۔ (۳)

اور رہا مسألہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کا جس میں آپ نے سبائی زنادقہ کو زندہ جلا دیا تھا

---

(۱) علی وبنوہ مؤلفہ طہ حسین ص ۹۸ - ۱۰۰

(۲) ایضاً - (۳) بلاذری کا مکمل نام: احمد بن یحیٰی بن جابر بن داود ہے ۲۷۹ھ میں اس کی وفات ہوئی۔ اس کا مفصل تذکرہ معجم الأدباء (۵/۹۲) لسان المیزان (۱/۳۲۲-۳۲۳) البدایۃ والنہایۃ (۱۱/۶۵) میں دیکھا جا سکتا ہے۔

تو اس واقعہ کو امام بخاری سمیت دیگر محدثین نے متعدد روایات کے ساتھ نقل کیا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ امام بخاری کی کتاب کو کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ صحیح اور معتبر سمجھا جاتا ہے، اس کے بعد تاریخی روایات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہ جاتی، اور اس کے ساتھ ہی اہل تشیع کے یہاں بھی مستند قدیم کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں بالتفصیل ذکر کیا جا چکا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمد کامل حسین :

انہوں نے ڈاکٹر طہٰ حسین کی تقلید کرتے ہوئے بغیر کسی دلیل و برہان کے ابن سباء کے قصہ کو خرافات سے قریب تر مانا ہے۔ (۱)

۳۔ ڈاکٹر حامد حفنی داود :

جامعہ عین شمس (مصر) میں شعبہ عربی کے صدر ڈاکٹر حامد حفنی نے بھی ابن سباء کو تاریخ کی ان عظیم غلطیوں میں شمار کیا ہے جو محققین کی ناقدانہ نظروں سے بچ کر پردۂ خفا میں چلی گئیں، جس کی بناء پر محققین ان کے بارے میں حقائق کو سمجھنے اور ان کو منظر عام پر لانے سے قاصر رہے۔ اہل تشیع کے خلاف وسیع پیمانے پر افتراء پردازی کی گئی، انہی افتراء پردازیوں میں سے ایک ابن سباء کا قصہ بھی ہے جسے شیعوں کو لعنت و ملامت کی خاطر گھڑا گیا۔ (۲)

ڈاکٹر حامد صاحب کے جواب میں صرف اتنا عرض کریں گے کہ موصوف نظریہ "شیعہ سنی تقارب" سے حد درجہ متاثر بلکہ اس کے داعی اور علمبردار ہیں، اس لئے ان کی جانب سے بھی اس طرح کی تحریر باعث تعجب نہیں وہ ایسے لوگوں سے تقارب کے خواہاں ہیں جنہوں نے کتاب اللہ میں شکوک و شبہات پیدا کئے، اور جو صحابۂ کرام کو لعن طعن کرتے ہیں، امہات المؤمنین کی عزت و آبرو پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔

بعض شیعی مؤلفین جنہوں نے ابن سباء کا انکار کیا :

عصر حاضر کے اکثر و بیشتر شیعہ ابن سباء کے وجود سے منکر نظر آتے ہیں، ان کے انکار کی اصل وجہ ابن سباء

(۱) ادب مصر الفاطمیۃ ص ۷

(۲) التشیع ظاهرة طبیعیة فی اطار الدعوة الاسلامیة ص ۱۸

کی غیر مرغوب و ناپسندیدہ شخصیت، اور اس کے وہ عقائد و خرافات ہیں جن کو اس نے لوگوں میں عام کیا اور وہ مختلف شیعی فرقوں میں سرایت کر کے اصول و مبادی کی حیثیت اختیار کر گئے۔ ذیل میں بعض اہم شیعی مؤلفین کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنہوں ابن سباء کے وجود سے انکار کیا ہے۔

۱۔ محمد جواد مغنیہ :

موصوف کی نظر میں ابن سباء ایک افسانوی ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے، اس کا ہر اس شخص نے سہارا لیا جس نے شیعوں کے خلاف قلم اٹھایا اور ان کی جانب جہالت ولاعلمی، یا نفاق و بہتان تراشی کی وجہ سے غلط باتیں منسوب کیں۔ (۱)

۲۔ مرتضیٰ عسکری :

موصوف کا کہنا ہے کہ انہوں نے ان تمام لوگوں سے جو ابن سباء کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں، بحث و نقاش کے بعد جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کا خلاصہ یہی ہے کہ ابن سباء ایک وہمی خرافیاتی شخصیت ہے جس کو سیف بن عمر نے گھڑا ہے۔ موصوف اس سلسلے میں "عبداللہ بن سباء و اساطیر اخریٰ" کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ (۲)

۳۔ ڈاکٹر علی الوردی :

موصوف "وعاظ السلاطین" نامی کتاب کے مؤلف ہیں، آپ کی رائے کے مطابق ابن سباء اور عمار بن یاسر دو الگ شخصیت نہیں بلکہ دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں، اس بارے میں انہوں نے مندرجہ ذیل امور سے استدلال کیا ہے۔

ا۔ ابن سباء اور عمار بن یاسر دونوں کی کنیت "ابن السوداء" تھی۔

ب۔ چونکہ عمار کے والد "یاسر" اصلاً یمنی تھے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سباء کی اولاد سے تھے، اس طرح ہر یمنی کے بارے میں "ابن سباء" کہنا درست ہوگا۔

ج۔ ان سب سے بڑھ کر حضرت عمار بن یاسر (رضی اللہ عنہ) حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) سے بے پایاں محبت رکھتے تھے۔ ہر ممکن طریقے سے آپ کی امامت کی دعوت دیتے اور لوگوں کو آپ کی بیعت پر ابھارتے تھے۔

---

(۱) التشیع ص ۱۸ - (۲) التشیع ص ۱۸-۱۹

د۔ حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) کے عہد خلافت میں مصر جاکر لوگوں کو آپ کے خلاف ورغلاتے تھے جس سے حاکم مصر زچ ہو کر انہیں گرفتار کرنے کا عزم کر لیا تھا۔

ھ۔ ابن سبا کی جانب منسوب کیا جاتا ہے، وہ کہا کرتا تھا کہ: عثمان نے ناحق خلافت پر قبضہ کر لیا ہے جب کہ اس کے شرعی حقدار حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

ز۔ اور دوسرے متعدد امور جو جنگ جمل میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے اہم رول سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے آپ کے گہرے روابط۔

ان تمام امور سے ڈاکٹر وردی یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ عمار بن یاسر کے علاوہ ابن سباء کی کوئی دوسری مستقل شخصیت نہیں تھی، قریش کے لوگ آپ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف انقلاب برپا کرنے والوں کا سربراہ اعظم تصور کرتے تھے، لیکن ابتداء میں آپ کا نام لینے سے گریز کیا گیا، صرف "ابن سباء" یا "ابن السوداء" کے ذریعہ کنایہ سے کام لیا گیا، اور حقیقت سے غافل ہو کر ناقلین ایک دوسرے سے نقل کرتے چلے آئے، پس پردہ کیا سازش تھی ان کو اس پر تنبہ نہیں ہو سکا۔ (۱)

موصوف کا یہ بھی کہنا ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عجیب و غریب شخصیت کو وضع کرنے میں ان اغنیا ثروت لوگوں کا ہاتھ ہے جو انقلاب کی زد میں آتے تھے۔ (۲)

۴۔ ڈاکٹر کامل شیبی:

ڈاکٹر وردی کے بعد ایک دوسرے شیعی صاحب قلم ڈاکٹر کامل مصطفی الشیبی آتے ہیں، جو اپنے پیش رو کی خوش گپیوں اور اوہام کی نہ صرف متابعت کرتے ہیں بلکہ ان کی تائید و تقویت میں ایسے نصوص و دلائل پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جن کی رد سے۔ موصوف کے زعم میں۔ ڈاکٹر وردی کے خیالات حقائق بن کر سامنے آجاتے ہیں۔ اسی طرح موصوف نے ڈاکٹر طہٰ حسین کی اس ذہنی اپج کی بھی اندھی تقلید کی ہے جس میں اس حقیقت کا انکار کیا گیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سبائی زنادقہ کو زندہ جلا دیا تھا، اس سلسلے میں

---

(۱) وعاظ السلاطین ص ۲۷۴۔ ۲۷۸۔

(۲) وعاظ السلاطین ص ۱۵۱

موصوف کچھ اس طرح رقم طراز ہیں :

" سبائیوں کے نذرِ آتش کرنے کا جو واقعہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کی جانب منسوب کیا جاتا ہے تاریخ کی کسی معتبر کتاب میں اس کا ذکر اس شکل سے نہیں ملتا کہ اس پر اعتماد کیا جا سکے ، ایسا لگتا ہے کہ اصل واقعہ خالد بن عبداللہ القسری سے متعلق ہے جس میں انہوں نے بیان اور اس کے ۱۵ متشدد و غالی ساتھیوں کو زندہ جلایا تھا ، لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ اس حادثہ کو تھوڑا سا آگے کی جانب ڈھکیل کر حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے سر منڈھ دیا گیا ۔ (۱)

یہاں ہم ڈاکٹر وردی یا ان کے مقلد ڈاکٹر شیبی کی رد میں صرف اتنا ہی عرض کریں گے کہ اہلِ تشیع کے یہاں جرح و تعدیل یا رجال و سیر و سوانح سے متعلق موثوق و مستند کتابیں اس فرسودہ خیال کی تکذیب کرتی ہیں ، کیونکہ ان کتابوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ اور آپ سے روایت کرنیوالوں میں مستقل طور سے کیا گیا ہے بلکہ آپ کو ارکانِ اربعہ میں شمار کیا جاتا ہے ۔(۲) جب کہ عبداللہ بن سبا کا تذکرہ علاحدہ کیا گیا ہے اور اس پر مزید یہ کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی مدح سرائی کی گئی ہے جب کہ ابن سبا پر لعنت بھیجی گئی ہے ۔ اب ڈاکٹر وردی یا ان کے ہم نوا ہی بتلا سکتے ہیں ، ان دو مختلف و متضاد نوعیت کے تذکروں میں تطبیق یا جمع کی کیا شکل ہو سکتی ہے ، سبائیوں کے نذرِ آتش کرنے کے سلسلے میں اتنے زیادہ اور قابلِ اعتماد نصوص فراہم کر دیئے گئے ہیں کہ اس واقعہ کے ثبوت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی ۔

۵ ۔ ڈاکٹر عبداللہ فیاض :

انہوں نے بھی اپنی تالیف " تاریخ الإمامیۃ واسلافہم من الشیعۃ " میں ابن سبا کا انکار کیا ہے ، دراصل مذکورہ کتاب ایک تحقیقی مقالہ ہے جو امریکن یونیورسٹی بیروت کے شعبۂ تاریخ کے پروفیسر نسطنطین زریق کی زیرِ نگرانی تیار کیا گیا ہے جس کی بنا پر کتاب مستشرقین کے افکار و نظریات سے بھری پڑی ہے

---

(۱) الصلۃ بین التصوف والتشیع ص: ۴۱ ـ ۴۵

(۲) ارکانِ اربعہ میں عمار بن یاسر ، حذیفہ بن الیمان ، سلمان الفارسی ، ابوذر غفاری (رضوان اللہ علیہم) کے نام گنائے جاتے ہیں ۔ دیکھئے : فرق الشیعہ ص ۳۶۔۳۷ ، ۴۰ سن طباعت ۱۹۶۹ء

ڈاکٹر فیاض اپنے مقالہ میں تحریر کرتے ہیں :

ابن سبا کی شخصیت خیال سے قریب تر معلوم ہوتی ہے، اگر اس کا کوئی کردار تسلیم کر بھی لیا جائے پھر بھی اس میں سیاسی عوامل اور مذہبی وجوہات کی بنا پر بعد درجہ مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا ہے اس کے بعد موصوف نے مرتضیٰ عسکری کی طرح سیف بن عمر برجمی کو ابن سبا کی شخصیت وضع کرنے کے لئے موردِ الزام ٹھہرایا ہے، روایات میں تناقض و مبالغہ کا دعویٰ کیا ہے، اور ڈاکٹر وردی و ڈاکٹر کامل شیبی کی ہم نوائی کرکے اپنے دعویٰ کو باوزن بنانے کی کوشش کی ہے۔ (۱)

۶ - طالب رفاعی :

ان تمام لوگوں کے بعد طالب حسینی رفاعی نامی ایک شخص منظر عام پر آتے دکھائی دیتے ہیں، انہوں نے "تاریخ الامامیہ" پر محمد باقر کے قلم سے لکھے ہوئے مقدمہ[۲] پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اگر ابن سبا کی شخصیت کو تاریخی حیثیت سے ایک ثابت شدہ حقیقت مان بھی لیا جائے تو بھی اس کے خیالات ونظریات اور اہل تشیع کے عقیدۂ وصیت کے مابین دور کا بھی کوئی واسطہ یا تعلق نہیں پایا جاتا، کیونکہ یہ عقیدۂ سنی وشیعی دونوں فرقوں کی صحیح ومعتمد کتابوں میں وارد روایات پر مبنی ہے، لہذا یہ کہنا کہ تشیع سبائیوں کے افکار وخیالات کا ایک نتیجہ ہے۔ جیسا کہ اس کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ سراسر غلط اور بے بنیاد بات ہے[۳]

طالب رفاعی جیسے شخص کی زبان سے اس طرح بات کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے ہی دعویٰ کیا تھا کہ سب سے پہلے جس نے رجعت کی بات کہی تھی وہ عمر بن الخطاب کی ذات ہے چنانچہ انہی کا کہنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو مرے ہیں اور نہ ہی مریں گے۔ اسی قبیل کی اور بھی رفاعی نے افترا پردازی کی ہے اور گمراہ کن باتیں کہی ہیں جن میں صحیح وثابت شدہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی جسارت کی گئی ہے۔

---

(۱) تاریخ الامامیہ واسلافہم من الشیعہ (ص ۹۲ - ۱۰۰) مطبوعات مکتبہ الاعلمی ۱۹۷۵ء

(۲) واضح ہو کہ اس مقدمہ کو قاہرہ کے ایک مشہور کتب فروش خانجی نے ۱۳۹۶ھ میں "التشیع ظاہرۃ طبیعیۃ فی اطار الدعوۃ الاسلامیۃ" کے نام سے شائع کیا ہے۔

(۳) التشیع ظاہرۃ طبیعیۃ (ص ۲۰)

بعض شیعی مصادر جن میں ابن سبا کا تذکرہ موجود ہے :

گذشتہ صفحات میں عصر حاضر کے بعض شیعی اہل قلم کی تحریریں پیش کی گئیں جنہوں نے ابن سبا کی شخصیت پر پردہ ڈال کر شیعیت کو اس کی دسیسہ کاریوں سے مبرا اور محفوظ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ان کے سرسری جائزے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ انہوں نے عقائد و فرق، احادیث و رجال اور جرح و تعدیل سے متعلق خود اپنے مذہب کی کتابوں پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی، اگر انہوں نے ایسا کیا ہوتا تو کبھی بھی ان کے نوک قلم سے اس طرح کی بات نہیں نکل سکتی تھی، کیونکہ ان کی خود اپنی معتبر کتابیں عبداللہ بن سبا کے ذکر سے خالی نہیں ہیں۔ بطور افادہ اور منکرین ابن سبا کے اجمالی ابطال کے لئے ذیل میں ان شیعی مصادر کی فہرست درج کی جا رہی ہے جن میں عبداللہ بن سبا اور اس کے نظریات و عقائد کا تذکرہ ملتا ہے، جن کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے ائمہ اہل بیت رحمہم اللہ کو ابن سبا کی تکذیب کر کے اس کی افترا پردازیوں سے برائت کا اعلان کرنا پڑا۔

۱۔ **رسالۃ الإرجاء** : مؤلفہ حسن بن محمد بن الحنفیۃ

ابن الحنفیہ ایک معروف و مشہور ثقہ اور قابل اعتماد فقیہ ہیں، وہ کہا کرتے تھے: "جس نے بھی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت سے اعراض کیا گویا اس نے سنت سے اعراض کیا"۔ ۹۵ھ میں آپ کی وفات ہوئی (۱) مذکورہ کتاب سب سے قدیم و مستند مصادر میں شمار ہوتی ہے، اس کو شیعوں کے ثقہ اور معتمد راویوں نے روایت کیا ہے۔

۲۔ **کتاب المقالات والفرق** : مؤلفہ سعد بن عبداللہ اشعری قمی (متوفی ۳۰۱ھ) یہ کتاب ۱۹۶۳ء میں تہران سے شائع ہوئی تھی۔

۳۔ **فرق الشیعۃ** : مؤلفہ ابو محمد حسن بن موسیٰ نوبختی۔ تیسری صدی ہجری کے علماء میں نوبختی کا شمار ہوتا ہے۔ کاظم کتبی نے مذکورہ کتاب نجف سے متعدد بار شائع کیا تھا۔ اسی طرح ایک مستشرق نے بھی ۱۹۳۱ء

---

(۱) خلاصۃ تذھیب الکمال ج ۱ ص ۲۲۰۔ مطبوعہ قاہرہ ۱۳۹۲ھ

میں اسے استانبول سے شائع کیا ہے۔

۴۔ رجال الکشی : مؤلفہ ابو عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز کشی، مذکور ابن قولویہ (متوفی ۳۶۹ھ) کے معاصر تھے، کتاب کربلا سے شائع ہوئی ہے۔

۵۔ رجال الطوسی : مؤلفہ شیخ الشیعۃ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی (متوفی ۴۶۰ھ) محمد کاظم کتبی نے ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں نجف سے پہلی مرتبہ اس کو شائع کیا تھا۔

۶۔ شرح نهج البلاغة : مؤلفہ عزالدین ابوحامد عبدالحمید بن ھبۃ اللہ معروف بہ ابن ابی الحدید، (متوفی ۶۵۶ھ) ۱۳۲۶ھ میں پہلی بار یہ کتاب شائع ہوتی تھی۔

۷۔ الرجال : مؤلفہ حسن بن یوسف حلی (متوفی ۷۲۶ھ) یہ کتاب ۱۳۱۱ھ میں تہران سے اور ۱۹۶۱ء میں نجف سے شائع ہوئی تھی

۸۔ روضات الجنات : مؤلفہ محمد باقر خوانساری (متوفی ۱۳۱۵ھ) ۱۳۰۷ھ میں ایران سے شائع ہوئی۔

۹۔ تنقیح المقال فی احوال الرجال : مؤلفہ عبداللہ مامقانی (م ۱۳۵۱ھ) اور ۱۳۵۰ھ میں مطبع مرتضوی نجف سے شائع ہوئی

۱۰۔ قاموس الرجال : مؤلفہ محمد تقی تستری، ۱۳۸۲ھ میں تہران سے شائع ہوئی۔

۱۱۔ روضة الصفا : اہل تشیع کے یہاں یہ ایک معتمد و مستند تاریخ کی کتاب ہے جو فارسی زبان میں ہے۔

۱۲۔ دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) جو مقتبس الأثر و مجدد ما دثر "کے نام سے موسوم ہے اس کے مصنف حسین الاعلمی حائری ہیں، یہ کتاب ۱۳۸۹ھ مطابق ۱۹۶۹ء میں مطبع اعلمی قم سے شائع ہوئی۔

یہ ہیں وہ شیعی مصادر جو ہمیں دستیاب ہوسکے ہیں، اسکے علاوہ بھی قلمی یا مطبوعہ کتابوں کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں ابن سباء اور سبائیوں کا تذکرہ ملتا ہے، مثال کے طور پر:

۱۔ حل الاشکال : مؤلفہ احمد بن طاوس (متوفی ۶۷۳ھ) ۲۔ الرجال : مؤلفہ ابن داؤد (متوفی ۷۰۷ھ)

۳۔ التحریر الطاووسی : مؤلفہ حسن بن زین الدین عاملی۔ (سن تالیف ۱۰۱۱ھ)

۴۔ مجمع الرجال : مؤلفہ قہپائی (سن تالیف ۱۰۱۶ھ) ۵۔ نقد الرجال : مؤلفہ تفرشی (سن تالیف ۱۰۱۵ھ)

۶۔ جامع الرواۃ : مؤلفہ اردبیلی (سن تالیف ۱۱۰۰ھ) ۷۔ موسوعۃ البحار : مؤلفہ مجلسی (متوفی ۱۱۱۰ھ)

نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی شرعی حیثیت

نوٹ: اس مضمون کی پہلی قسط " محدث اگست ۱۹۹۲ء " شائع ہو چکی ہے جسمیں عبداللہ بن نافع بن العمیا کے سلسلہ میں حافظ کا قول " مجہول من الثالثة " میں ثالثہ کی تشریح " من افرد بصفة کثقة او متقن او ثبت او عدل " سے ہو گئی ہے جو غلط ہے۔ صحیح " الطبقة الوسطی من التابعین " ہے۔

ان روایات کے علاوہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے ثبوت کے لئے وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں جن میں بلا وقت کے تعیین کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مذکور ہیں یا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کی فضیلت میں آئی ہیں اس سلسلہ میں نمبروار مندرجہ ذیل احادیث کو ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ حنین سے فارغ ہونے کے بعد اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عامر رضی اللہ عنہ کو اوطاس کے ایک لشکر کی جانب بھیجا اور میں بھی ان کے ساتھ تھا کہ ابو عامر رضی اللہ عنہ کو دشمن کے نیزوں سے کاری زخم لگا وہ زمین پر گر پڑے اور اپنی زندگی سے مایوس ہو کر مجھے ہدایت کی کہ مدینہ پہونچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام کہنا اور میرے لئے دعائے استغفار کی درخواست کرنا، ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا ماجرا بیان کر کے ان کے پیغام کو پہونچایا تو آپ نے پانی مانگا اور وضو کیا پھر دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھایا کہ میں نے آپ کے بغل کی سفیدی دیکھی، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: فاخبرته بخبرنا وخبر ابی عامر وقال قل له استغفرلی فدعا بماء فتوضا ثم رفع یدیه فقال اللهم اغفر لعبید ابی عامر ورایت بیاض ابطیه ... (صحیح بخاری ج۲ ص۶۱۹ ۔ غزوۂ اوطاس)

(۲) ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسد کے ایک آدمی جس کو ابن اللتبیہ سے پکارا جاتا تھا صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجا (اتفاق ایسا ہوا کہ صدقہ دینے والوں نے اس محصل کو صدقہ کے علاوہ اپنی جانب سے کچھ چیزیں بطور تحفہ دیا) جب صدقہ وصول کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (تو صدقے کا مال آپ کی جانب بڑھاتے ہوئے) کہا: " هٰذا لکم وهذا اهدی لی " یعنی یہ آپ کا ہے اور یہ (یعنی ہدیہ والا مال) میرا، اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ نے منبر پر چڑھ کر حمد و ثنا کے بعد فرمایا: " ما بال العامل نبعثه فیأتی فیقول هذا لك وهذا لی فهلا جلس فی بیت ابیه او امه فینظر ایهدی له ام لا "

یعنی یہ کتنی غلط بات ہے کہ ہم عامل کو صدقہ وصول کرنے کے لئے بھیجتے ہیں تو وہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ آپ کا مال

ہے اور یہ میرا، میں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ ایسے لوگ اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھ کر دیکھ لیں کہ انہیں گھر بیٹھے ہدیئے تحفے دیئے جاتے ہیں یا نہیں ؟ پھر آپ نے سخت لہجے میں قسم کھاتے ہوئے اس پر وعیدیں سنائیں اور اپنے دست مبارک کو اللہ کے دربار میں اٹھا کر فرمایا: " الاھل بلغت " آگاہ ہو جاؤ ! میں نے اپنے فریضہ تبلیغ کو پہونچا دیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں :

" ثم رفع یدیہ حتی رأینا عفرتی ابطیہ الاھل بلغت ثلاثا " (صحیح بخاری ج۲ ص ۱۰۶۴ باب ھدایا العمال) یعنی آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اس قدر اٹھایا کہ ہم لوگوں نے آپ کے دونوں بغل کی سفیدی دیکھی (آپ نے فرمایا) خبردار ہو جاؤ ! میں نے اپنے فریضہ تبلیغ کو پہونچا دیا، اس کلمہ کو تین بار آپ نے دہرایا ۔

(۳) عن عکرمۃ عن ابن عباس قال المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک اونحوھما (مشکوٰۃ ج۱ ص ۱۹۶، کتاب الدعوات)

حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو ہدایت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کندھوں تک یا اس کے مساوی اٹھایا کرو ۔

(۴) عن ابی محیریز قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ، الرجل اذا دعا ببطن کفہ) ۔

یعنی جب تم اللہ سے سوال کرو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو (اپنے منہ) کے سامنے کرکے مانگو اور اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت کو (اپنے چہرے کے سامنے کرکے) مت سوال کرو ۔

(۵) ـ ۳۲۴۸ ـ عن عائشۃ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ یدعو حتی إنی لأسأم لہ مما یرفعھما (مصنف ابن عبد الرزاق ج۲ باب رفع الیدین فی الدعاء)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر (اس قدر) دعا کرتے کہ میں گھبرا جاتی کہ کس پریشانی کی وجہ سے (اتنی دیر تک) آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے ہیں ۔

(۶) عن فضل بن عباس قال افاض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عرفات واسامۃ بن زید ردفہ فجالت الناقۃ وھو واقف بعرفات قبل ان یفیض وھو رافع یدیہ لایجاوزان

رأسه - (مسند احمد)

فضل بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عرفات سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا اور اسامہ بن زید آپ کے ردیف تھے (راتے میں) اونٹنی بدک کر کودنے لگی اس حال میں کہ آپ عرفہ میں کھڑے تھے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے سر کے قریب قریب اٹھائے ہوئے تھے۔

مذکورہ بالا احادیث سے مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت ظاہر ہے اس لئے کہ ان میں وقت کی تعیین نہیں کی گئی ہے اور جب اللہ کے رسول سے مطلقاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ثابت ہو گیا تو ہر وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگا جا سکتا ہے چاہے وہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے بعد، چاہے نماز نفل ہو یا فرض، اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے جب کوئی حکم مطلق ہوتا ہے تو اس کا اطلاق عموم پر ہوتا ہے اس لئے کہ صحابہ کرام نے اور خود شارع علیہ السلام نے حکم مطلق کو ہمیشہ عموم پر محمول کیا ہے جن کے چند شواہد ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

حکمِ مطلق کے معنی عام ہونے کی پہلی دلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک صحابی رسول نے آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ اگر میں شہید کر دیا جاؤں تو کیا ہمارے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! اس حال میں کہ تو صبر کرنیوالا ہو اور ثواب کی امید رکھنے والا ہو آگے بڑھنے والا ہو اور پیچھے ہٹنے والا نہ ہو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ کس طرح تم نے سوال کیا تھا؟ تو اس صحابی نے اپنا سوال دہرایا اس پر آپ نے فرمایا کہ ہاں! اس حال میں کہ تو صبر کرنے والا ہو، اور ثواب کی امید رکھنے والا ہو، آگے بڑھنے والا ہو، پیچھے ہٹنے والا نہ ہو، مگر قرض (یعنی حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے) مجھے ابھی ابھی جبرئیل نے آکر خبر دی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن أبي قتادة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام فيهم فذكر لهم أن الجهاد في سبيل الله والإيمان بالله أفضل الأعمال فقام رجل فقال يا رسول الله أرأيت إن قتلت في سبيل الله يكفر عني خطاياي فقال له رسول الله نعم ان قتلت في سبيل الله وأنت صابر محتسب مقبل غير مدبر ثم قال رسول الله كيف قلت فقال أرأيت إن قتلت في سبيل الله أيكفر عني خطاياي فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم نعم وأنت صابر محتسب مقبل غير مدبر إلا الدين فإن جبرئيل قال لي ذلك رواه مسلم۔ (مشكوة ج ۲ ص ۳۳۰

کتاب الجہاد) ۔

دیکھئے یہاں خطایای مطلق ہے جس میں ہر قسم کے گناہ شامل ہیں چاہے وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ، حقوق العباد ہوں یا حقوق اللہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام نے " خطایای " میں اسی عمومیت کے معنی کو سمجھا جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ جبرئیل علیہ السلام " الاالدین " کا حکم دے کر اس عموم کو مقید کر دیا۔

دوسری دلیل عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الرقی والتمائم والتولۃ شرکۃ (مشکوٰۃ ج۲ ص ۳۸۹ کتاب الطب والرقی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ رقیہ اور تعویذ وگنڈا (سب) شرک ہیں۔

یہ روایت بھی پہلی روایت کی طرح عام ہے، رقیہ، تعویذ و گنڈا الفاظ قرآن و حدیث سے ہوں یا شرکیہ الفاظ سے سب کو شامل ہے، الا یہ کہ شارع علیہ السلام کی جانب سے کسی کی تخصیص ہو جائے (نہ کہ کسی امت کی جانب سے) چنانچہ شارع علیہ السلام نے مخصوص الفاظ کے ساتھ (صرف) رقیہ کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، حضرت عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت میں رقیہ کرتے تھے، پس ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اس (رقیہ) کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنا رقیہ مجھے پڑھ کر سناؤ، ایسا رقیہ کہ جس کے اندر شرک کے الفاظ نہ ہوں کوئی حرج نہیں ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن عوف ابن مالک الاشجعی قال کنا نرقی فی الجاھلیۃ فقلنا یارسول اللہ کیف تری فی ذلک فقال اعرضوا علیّ رقاکم لا بأس بالرقی مالم یکن فیہ شرک۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ ج۲ ص ۳۸۸ ، کتاب الطب والرقی)۔

اس حدیث نے رقیہ کے عموم کو مقید کر دیا لہٰذا معلوم ہوا کہ غیر شرکیہ الفاظ سے اگر رقیہ کیا جائے تو ایسا کرنا صحیح ہوگا، لیکن تمائم (تعویذ) و تولہ (گنڈا) کی عمومیت اپنی جگہ پر باقی ہے۔ اور شارع علیہ السلام کے حکم کی عمومیت کسی امتی کے قول سے تخصیص کرنا جرم عظیم ہے۔ فافہم !

مزید اطمینان کے لئے چند علمائے کبار کے اقوال ذیل میں درج کئے جارہے ہیں :

(۱) مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " تحفۃ الاحوزی بشرح جامع الترمذی " میں فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے سلسلہ میں بہت سے احادیث و اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

" قلت القول الراجح عندی ان رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلاۃ جائز لوفعلہ احد لا بأس علیہ انشاء اللہ تعالیٰ واللہ تعالیٰ اعلم (تحفۃ الاحوذی ج ۲ مطبع المدنی قاھرۃ صـ۲۰۲) یعنی نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا میرے نزدیک جائز ہے، اگر کوئی ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں ہے "۔

(۲) مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری حفظہ اللہ ایک استفتار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ : " ہمارے نزدیک اولیٰ اور اقرب الی السنہ یہ بات ہے کہ امام سلام پھیر کر اذکار ماثورہ پڑھنے کے بعد مقتدیوں کی طرف مڑ کر دونوں ہاتھ اٹھا کر ادعیہ ماثورہ یا غیر ماثورہ سراً پڑھے اور مقتدیوں کے لئے جائز ہے کہ ہاتھ اٹھا کر ادعیہ ماثورہ آہستہ آہستہ پڑھیں اور اگر ادعیہ ماثورہ یاد نہ ہوں تو اپنی اپنی خواہش اور حاجت کے مطابق اپنی زبان میں دعا کریں خواہ یہ اجتماعی شکل میں ہو یا انفرادی صورت میں "۔ (محدث بنارس جون ۱۹۸۲ء صـ۲۱)

(۳) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قائل نہیں خصوصاً فرض نماز کے بعد۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ان کا فتویٰ بھی نقل کر دیا جائے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے وہ بھی قائل ہیں۔

علامہ موصوف ایک استفتار کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: " واما رفع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدیہ فی الدعاء فقد جاء فیہ احادیث کثیرۃ صحیحۃ (فتاویٰ ابن تیمیۃ ج ۲۲ صـ۵۱۹) یعنی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس سلسلہ میں بہت سی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔

اور فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے متعلق فرماتے ہیں : الحمد للہ اما دعاء الامام والماموین جمیعا عقیب الصلوٰۃ بدعۃ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۲ صـ۵۱۹) یعنی امام اور مقتدی کا اجتماعی طور پر (بالالتزام) فرض نماز کے بعد دعا مانگنا بدعت ہے (اور اگر بالالتزام ایسا نہ کریں تو امام و مقتدی کا اجتماعی و انفرادی طور پر فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا سنت کے مطابق ہے) ہم نے ترجمہ میں بالالتزام کی جو قید بڑھادی ہے اس

کی وجہ یہ ہے کہ علامہ موصوف نے دوسری جگہ اپنی مذکورہ عبارت کی وضاحت ان لفظوں میں کی ہے " ولو دعاء الامام والمامومین احیانا عقیب الصلوٰۃ لامر عارض لم یعد ھذا مخالفا للسنۃ کالذی یداوم علیٰ ذلک (الفتوی الکبری ص۲۱۲) یعنی اگر امام اور مقتدی ان لوگوں کی طرح مداومت نہ کریں جو بالالتزام نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگتے ہیں بلکہ اجتماعی یا انفرادی طور پر سلام پھیرنے کے بعد کبھی کسی عارضی امر پر ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگیں تو یہ سنت کے مخالف نہیں ہے، لہذا علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ فتویٰ سے یہ بات واضح ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا ان کے نزدیک بھی سنت ہے البتہ مداومت صحیح نہیں ہے۔

دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کی شرعی حیثیت

انسان ہر حیثیت سے اپنے رب کا محتاج ہے اس لئے اس کو اپنی ہر ضرورت کے لئے اپنے رب کی جانب رجوع کرنا چاہئے، احادیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جب انسان اپنی ضروریات کے لئے بارگاہ ایزدی میں اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر روتا و گڑگڑاتا ہے اور پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نامراد واپس نہیں کرتا ہے۔

دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیرنے کے سلسلہ میں ترمذی و ابو داؤد کے اندر حدیثیں مذکور ہیں جو متعدد طرق سے آئی ہیں ان کو میں ذیل میں نمبروار مع سند کے نقل کر دیتا ہوں تاکہ مسئلہ واضح ہو جائے۔

(۱) حدثنا ابو موسیٰ محمد المثنی وابراھیم بن یعقوب وغیر واحد قالوا نا حماد بن عیسی الجھنی عن حنظلۃ بن ابی سفیان الجمحی عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ، قال محمد بن المثنی فی حدیثہ لم یردھما حتی یمسح بھما وجھہ، ھذا حدیث غریب لا نعرفہ الا من حدیث حماد بن عیسی تفرد بہ وھو قلیل الحدیث وقد حدث عنہ الناس (ترمذی ج ۲ ص۱۷۶ باب ماجاء فی رفع الایدی عند الدعاء)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تو ان کو آپ اس وقت تک نہیں گراتے جب تک کہ اپنے چہرے پر مسح نہ کر لیتے۔

اس حدیث کے سلسلۂ سند میں ایک راوی حماد بن عیسی ہیں جنہیں یحیی بن معین نے "شیخ صالح" کہا ہے (تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۸)

صاحب تحفۃ الاحوذی فرماتے ہیں: "قال فی التقریب ضعیف وفی المیزان ضعفہ ابوداود وابوحاتم والدارقطنی لم یترکہ" (تحفۃ الاحوذی ج ۹ ص ۳۲۸) یعنی امام ابوداود اور ابوحاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے لیکن امام دارقطنی ان کی روایت کردہ حدیث کو نہیں ترک کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: "ولہ شواھد منھا حدیث ابن عباس عند ابی داود ومجموعھا یقتضی انہ حدیث حسن انتھی" (بلوغ المرام باب الذکر والدعاء ص ۱۴۲) یعنی اس حدیث کی تائید میں دیگر بہت سی روایتیں آئی ہیں جن میں سے ابوداود کی روایت بھی جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے اور ان تمام روایتوں کا مجموعہ اس بات پر غماز ہیں کہ یہ حدیث حسن کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے۔

لہذا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی اس توضیح سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی شخص دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیر لے تو اس کا یہ عمل سنت کے مطابق ہوگا۔

۱) حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ نا عبد الملک بن محمد بن ایمن عن عبد اللہ ابن یعقوب بن اسحاق عن من حدثہ عن محمد بن کعب القرظی حدثنی عبد اللہ بن عباس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ..... قال سلوا اللہ ببطون اکفکم ولا تسئلوہ بظھورھا فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم، قال ابوداود روی ھذا الحدیث من غیر وجہ عن محمد بن کعب کلھا واھیۃ وھذا الطریق امثلھا وھو ضعیف ایضاً (عون المعبود ج ۱ ص ۵۵۲)

یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کی ہتھیلی کو سامنے رکھ کر اللہ سے مانگو اور اپنی ہتھیلی کی پشت کو سامنے رکھ کر مت مانگو اور جب دعا سے فارغ ہوجاؤ تو ان کو اپنے چہرے پر پھیر لیا کرو۔

اس روایت کے سلسلہ میں امام ابوداود فرماتے ہیں کہ یہ روایت کئی طرق سے آئی ہے لیکن سب واہی یعنی

ضعیف ہیں ان میں سے بہترین سلسلہ سند یہی ہے کہ جو میں نے ذکر کیا مگر یہ بھی ضعیف ہے اس روایت میں ایک راوی عبداللہ بن یعقوب ہیں جن کے سلسلہ میں صاحب مرعاۃ فرماتے ہیں قلت عبد اللہ بن یعقوب بن اسحاق قال الحافظ فی التقریب فی ترجمتہ وھو مجھول الحال ، اور حدیث کی توضیح کرنے کے بعد فرماتے ہیں : وفیہ استحباب مسح الیدین بالوجہ عقب الدعاء واتفقوا علی ذلک خارج الصلوٰۃ۔ (مرعاۃ المفاتیح ج ۹ ص۳۶۲) یعنی دعا مانگنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو چہرے پر پھیر لینے کا مستحب ہونا اس حدیث سے ثابت ہے اور خارج نماز (یعنی درمیان نماز نہ ہو) میں دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھوں کے پھیر دینے پر علماء کا اتفاق ہے۔

(۳) حدثنا قتیبۃ بن سعید نا ابن لہیعۃ عن حفص بن ھاشم بن عتبۃ بن ابی وقاص عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ (عون مع ابوداود ج ۱ ص۵۵۴)

یعنی حضرت سائب بن یزید اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے (اور جب دعا ختم کرتے) تو اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لیتے۔

مذکورہ بالا احادیث کے راویوں پر محدثین کرام کی جرح سے واضح ہے کہ چہرے پر ہاتھ پھیرنے والی تمام روایتیں ضعیف ہیں لیکن چونکہ متعدد طرق سے مروی ہیں اس لئے یہ روایتیں حسن لغیرہ کے درجہ تک پہونچ جاتی ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے لہذا دعا مانگنے کے بعد چہرے پر ہاتھ پھیر لینا سنت کے خلاف نہیں ہے۔ ●●●

بقیہ ص۴۴

فرماتے کامیاب مقالات پیش کئے یا وہ سیمینار اتنے کامیاب رہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اخیر میں صدر جلسہ محترم شیخ الجامعہ نے اس اجتماع پر اپنی واہل جامعہ کی دلی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے اس کو ایک نیک فال قرار دیا اور کہا کہ رابطہ کو انشاء اللہ بنارس سے اچھے کارکن ملیں گے۔ صدارتی تقریر کے بعد ناظم جلسہ نے جامعہ و ذمہ داران جامعہ و حاضرین جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسکے اختتام کا اعلان کیا۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے تک جلسہ کی کارروائی چلتی رہی۔ دوسرے دن رابطہ کا وفد اعظم گڈھ کے لئے روانہ ہو گیا۔

تذکرہ مولانا فضل الٰہی وزیرآبادیؒ

مولانا شاکر صاحب گیاوی

ملک التجار حضرت مولانا محمد یوسف علیہ الرحمہ (جو پہلے امام وخطیب مسجد اہل حدیث بولائی دبت اسٹریٹ کلکتہ تھے) ان کا ایک ہم نشین ایک دن ان سے ملنے گیا تو خلاف معمول کمرے کے کنارے دو عالمانہ صورت کے بزرگ نظر آئے، دریافت کرنے پر مولانائے موصوف نے معمولی سا جواب دیا کہ کہیں خاطر خواہ جگہ نہیں ملی تو میرے یہاں مقیم ہو گئے۔ مولانا کے ہم نشین نے ان دونوں بزرگوں سے ملنے کی اجازت چاہی تو انہوں نے اجازت دیدی، وہ ان کے پاس گیا، صاحب سلامت کے بعد اس نے دونوں سے دریافت کیا کہ یہاں کس سلسلہ میں تشریف لائے ہیں؟ ان میں سے ایک نے دریافت کیا کہ تم کون ہو؟ انھیں بتایا گیا کہ میں فلاں ہوں، یہ سن کر ایک بزرگ نے فرمایا کہ تم وہی ہو جو اخبار مدینہ بجنور میں اکثر نظر آتے ہو، جواب دیا گیا کہ جی ہاں! یہ سن کر وہ خاموش رہے، ملنے والے نے دوسرے بزرگ سے مخاطبت کی تو انہوں نے اپنا نام عبدالسبحان نیپالی بتایا اور دوسرے کی بابت فرمایا کہ زمین پر اللہ کے یہ جانشین ہیں، یہ مبالغہ آرائی سن کر ملنے والے نے کہا کہ مولانا مبالغہ آرائی نہ کیجئے ان کا اسم گرامی بتایئے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ اپنے آپ کو مسافر خاں کہتے ہیں، ملنے والے نے کہا کیا یہ ان کا اسم گرامی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں لیکن یہ اپنا نام کسی اجنبی کو بتانے سے روکتے ہیں، ملنے والا سوچ میں پڑ گیا کہ آخر کیا بات ہے کہ یہ اپنا نام بتانے سے منع کرتے ہیں، ملنے والے نے کہا کہ آپ بالکل میری طرف سے بے اندیشہ رہئے، اور ان کا اسم گرامی بتایئے انہوں نے فرمایا کہ اب انھیں سے دریافت کیجئے۔ ملنے والا نام پوشیدہ رکھنے والے سے مخاطب ہوا اور نہایت ادب سے ان سے اپنا اسم گرامی بتلانے کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا میرا اصل نام فضل الٰہی ہے وزیرآباد پنجاب کا رہنے والا، اسلامی انقلاب کس طرح برپا ہو سکتا ہے اس دھن میں میں چالیس سال سے گھر چھوڑ کر مسافرانہ زندگی گذار رہا ہوں، میرے دو ہم خیال ساتھی مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا عبدالقادر قصوری عہد وپیمان کے باوجود میرا ساتھ نہ دے سکے، مولانا آزاد تو کانگریسی ہو گئے اور شاید مولانا عبدالقادر قصوری مسلم لیگی، اب میں تنہا اس تگ ودو میں ہوں۔ مولانا آزاد کو رقعہ دے کر مولوی عبدالسبحان نیپالی کے ذریعہ عہد وپیمان یاد دلایا تو انہوں نے تحریر دینے سے گریز کیا زبانی کہا کہ میں بہت

شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ ہوں، میرا سلام کہکر انہیں میری بات بتادیجئے، ملنے والے کو انہوں نے بتایا کہ میں اسٹالن وغیرہ سے بھی ملا کر شاید کچھ تعاون پر آمادہ ہوں لیکن ان ڈکٹیٹروں سے ملنا بھی بے سود ہوا اب چاہتا ہوں کہ مسٹر جناح سے ملوں، اپنا خیال اپنے میزبان (مولانا محمد یوسف امرتسری علیہ الرحمہ) کو بتایا تو انہوں نے امید افزا جواب دیا، لیکن پندرہ دن ہوگئے یہ کوئی صورت نہیں نکال سکے، اگر تم سے ہوسکے تو میرا ہاتھ بٹاؤ، ملنے والے نے کہا کہ اچھا انشاء اللہ دوسرے دن علامہ راغب احسن ایم، اے کلکتہ، مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری علامہ اقبال کے چند روزہ صحبت یافتہ اور اثر پذیر سے ملا، اور یہ باتیں ان کو بتائیں وہ بہت متاثر ہوئے اور مولانا مسافر خان سے ملانے کو کہا۔ ملنے والا مولانا سے عرض گذار ہوا، مولانا راضی ہوگئے، اور دوسرے دن علامہ راغب احسن ایم اے کی پناہ گاہ لے گیا، وہ مولانا کو اپنے خاص کمرے میں لے گئے، دروازہ اندر سے بند کر دیا، ملانے والے کو باہر ہی رہنے کی ہدایت کی، تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد دروازہ کھلا، دونوں ملنے والے باہر نکلے اور باچشم تر دیکھے گئے، اس کے بعد اسلامی انقلاب کی ممکنہ خفیہ جدوجہد شروع ہوئی۔

مولانا کے ساتھ ایک خادم بھی عبدالرحیم نامی تھے، جب مخدوم وخادم راستہ چلتے تھے تو پہلو بہ پہلو نہیں رہتے تھے، چند قدم کی دوری پر رہ کر چلتے تھے، کیونکہ مولانا کے نام کا وارنٹ گرفتاری پانچ ہزار انعام کا ان کی فوجی تصویر ہاتھ میں رائفل اور گلے میں کارتوس کے مالا کے ساتھ تھانوں میں آویزاں تھی، گاہے گاہے پیچھا کرنے والے سی، آئی، ڈی، کی بو بھانپ کر مولانا سکھوں کی شبیہ میں ہوجاتے اور سکھوں سے واہ گرو داہ! کہہ کر ملنے لگتے، تاہم دو جگہ بہار میں بختیار پور اسٹیشن اور بنارس کی گیان باپی مسجد میں پکڑے گئے۔ مولانا تھے بڑے جہاں دیدہ اور آزمودہ کار علاوہ ازیں ان کے نام فضل الٰہی کی مناسبت سے ان پر فضل الٰہی بھی رہتا تھا۔

بختیار اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں سی آئی ڈی، مولانا اور ان کے ساتھی کو بٹھا کر بڑے کرخت لہجے میں یہ کہہ کر کہ بہت دنوں سے آپ کی تلاش تھی آج مل گئے، یہیں بیٹھے رہئے خبردار جو کہیں باہر گئے، سی آئی ڈی باہر گیا اور مولانا ساتھی سمیت جھٹ پٹ نکل کر اسٹیشن سے باہر آبادی کی مسجد میں چھپے، سی آئی ڈی نامراد رہ گیا۔

بنارس میں گیان باپی مسجد میں گئے تو اپنے ساتھی کو بھی دروازے پر رہنے کو فرمایا، سی آئی، ڈی پہونچ گیا، اس نے کسی آدمی سے پوچھا کہ ابھی یہاں کوئی بوڑھے مولانا آئے ہیں، مولانا نماز پڑھنے لگے تو لوگوں نے خیال نہیں کیا اور نفی میں جواب دیدیا، سی، آئی، ڈی چلا گیا۔

دوسری ٹرین سے مولانا ساتھی سمیت مونگیر روانہ ہوگئے۔ کوئی اجنبی مولانا سے دریافت کرتا تو فرمادیتے کہ میں

فقیر ہوں، بزرگوں کے آستانوں کی زیارت کرتا پھرتا ہوں، یہ جملہ سن کر ساتھی نے کہا کہ مولانا آپ غلط گوئی سے کیوں کام لیتے ہیں، فرمایا کیسے کہ میں مسافر ہوں، اپنے ملاقاتیوں سے ملنے کے لئے سفر کر رہا ہوں، تو مولانا اپنے ساتھی سے مصافحہ کی شکل میں فرمانے لگے تم میرے پیر اور میں تمہارا مرید ہوں۔

مولانا اپنے پروگرام کے مطابق شہروں، قصبوں، دیہاتوں کا دورہ فرما رہے تھے، اور مولانا راغب خفیہ کاموں میں مصروف تھے، چنانچہ ایک دلیر و جانفروش آدمی کو نواب بہادر یار جنگ کے پاس تکیہ میں خط رکھ کر بھیجا، اور اس ذریعہ سے مولانا مسٹر جناح سے ملنے میں کامیاب رہے اور معاہد بھی ہوئے، چونکہ مولانا کا مرکز یاغستان تھا جہاں حضرت سید احمد بریلوی کے پسماندہ مجاہدین تھے اور جو فوجی مہارت میں اپنی مثال آپ تھے، اس لئے معاہدہ ہوا کہ ضرورت ہونے پر ان سے کام لیا جائے۔ مولانا پولیس محکمہ کے آدمیوں سے بہت محتاط رہتے تھے چنانچہ جبیرہ ضلع ہزاری باغ میں ان کے میزبان نے بعد مغرب لوگوں کو جمع کرکے ان سے وعظ و نصیحت کرنے کی فرمائش کی تو ان میں ایک داروغہ صاحب بھی تھے، مولانا کو معلوم ہوا تو مریض بن گئے، میزبان سے فرمایا کہ مجھے عارضہ قلب ہے اس کا دورہ شروع ہو گیا اس لئے میں لیٹ جاتا ہوں، وعظ و نصیحت نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ پلنگ پر پڑ گئے۔ انداز ہے کہ مولانا حبس دم میں بھی مشاق تھے، نبض دیکھی گئی تو بالکل ساکت تھی۔ مولانا پکے اہل حدیث، متقی و پرہیزگار تہجد گذار تھے، تہجد میں ان پر گریہ طاری رہتی تھی۔ مولانا بڑے مخیر بھی تھے، مئو پہونچے مولانا شائق مئوی اور مولانا احمد رحمہما اللہ سے خصوصی ملاقات رہی، مدرسہ کے دو نو مسلم طلباء سے نہایت خندہ پیشانی سے ملے، دو جوڑے کپڑے رکھتے تھے، اپنا ایک جوڑا انہیں دیدیا اور کچھ نقدی بھی دی، ایک گاؤں میں ایک معصومہ پانچ سال کی بچی نے قرآن پاک اور اردو سنائی تو اسے دس روپئے دیئے۔

افسوس کہ اپنے مقصد میں تو وہ کامیاب ہوئے لیکن زمام اختیار مغرب زدہ لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا، اس لئے مولانا کے حسب خواہ انقلابی صورت نہیں ہو سکی جس کا انہیں ہمہ دم غم رہتا تھا، کچھ دنوں بعد ان کی رحلت ہو گئی جسے پاکستان ریڈیو نے نشر کیا، اور ان کے معاونین میں بھی کوئی زندہ نہیں کہ مزید معلومات حاصل ہو سکیں۔

اللھم اغفرلہم وارحمہم

اللّٰہم انصر من نصر دین محمد ﷺ

جامعہ سلفیہ بنارس میں رابطہ ادب اسلامی کا ایک اہم اجتماع

ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری

تقریباً گذشتہ سو سال سے ادب پر مادیت کا غلبہ ہوجانے، اور اس کی قیادت غلط ہاتھوں میں چلی جانے کی وجہ سے جو غلط اثرات مسلم معاشرہ پر مرتب ہورہے تھے، اس کا احساس کرکے کافی عرصہ پہلے ندوۃ العلماء (دارالعلوم) لکھنؤ میں مسلم ادیبوں کا ایک سیمینار منعقد کیا گیا تھا جس میں یہ طے پایا کہ موجودہ بے راہ رو ادب کا مقابلہ کرنے کیلئے مسلم ادیبوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم تشکیل دی جائے، اس کے لئے " رابطہ ادب اسلامی " نام کی ایک بین الاقوامی کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کا ایک مرکزی دفتر ندوۃ العلماء میں اور دوسرا مرکزی دفتر ریاض میں قائم ہوا۔

ندوۃ العلماء کے مرکزی دفتر میں ذمہ دار حضرات نے ضرورت محسوس کی کہ رابطہ اور اس کے اغراض و مقاصد سے لوگوں کو متعارف کرانے کے لئے ملک کے مختلف شہروں کا دورہ کیا جائے، بنارس کے لئے ان کی نظر انتخاب جامعہ سلفیہ بنارس پر پڑی، لہذا پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق بروز منگل ۲۶ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ موافق ۲۸ جولائی ۱۹۹۲ء تقریباً دو بجے رابطہ کا تعارفی قافلہ جامعہ سلفیہ پہونچا۔

وفد کے سربراہ جناب مولانا محمد رابع صاحب ندوی تھے، موصوف رابطہ ادب اسلامی کی عالمی تنظیم کے نائب صدر اور برصغیر کی برانچ کے بانی سکریٹری ہیں، ان کے علاوہ وفد کے اراکین میں جناب مولانا محمد واضح صاحب ندوی تھے جو ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے عربی اخبار " الرائد " کے ایڈیٹر اور بہترین انشاء پرداز ہیں، دوسرے رکن جناب مولانا عبدالنور صاحب ندوی تھے جو رابطۂ ادب اسلامی کی عالمی تنظیم کے رکن، اور برصغیر کی برانچ کے آفس سکریٹری ہیں۔ تیسرے رکن جناب الحاج عبدالحفیظ صاحب تھے، ان کو انگریزی زبان میں بڑی مہارت حاصل ہے۔

معزز مہمانوں کے استقبال میں وکیل جامعہ جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری، شیخ الجامعہ جناب مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی مع دیگر اساتذہ جامعہ پہلے سے موجود تھے، مہمانوں کی آمد پر پُرمسرت انداز میں

ان کو خوش آمدید کہا، بعد نماز عصر مہمانان گرامی اور اساتذۂ جامعہ کے مابین ایک غیر رسمی میٹنگ ہوئی، جس میں ادب اسلامی سمیت دیگر ملی وملکی مسائل پر تبادلۂ خیال کیا گیا۔ رابطہ کی باقاعدہ تعارفی نشست کے لئے بعد نماز مغرب کا وقت رکھا گیا تھا جس کے لئے پہلے ہی سے بعض مقامی اخبارات اور خصوصی دعوت ناموں کے ذریعہ اعلان کر دیا گیا تھا، خصوصی دعوت نامے شہر کے تمام اسلامی مدارس کو خاص طور سے بھیجے گئے تھے، موسم ابر آلود ہونے کے باوجود شہر بنارس کے میئر عزت مآب جناب صالح صاحب انصاری سمیت شہر کی مقتدر شخصیتیں ذمہ داران جامعہ سلفیہ، بعض اسلامی مدارس کے اساتذہ وطلبہ، بنارس ہندو یونیورسٹی کے متعلقہ شعبہ کے پروفیسران واساتذہ شرکت کے لئے تشریف لائے تھے، وقت مقررہ پر جامعہ سلفیہ کے دار الحدیث ہال میں رابطہ کا اجتماع محترم شیخ الجامعہ مولانا عبدالوحید صاحب رحمانی کی زیر صدارت منعقد ہوا، نظامت کے فرائض جناب مولانا عبد النور صاحب ندوی انجام دے رہے تھے۔ جناب قاری حبیب الرحمٰن صاحب استاذ جامعہ سلفیہ کی تلاوت پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ تلاوت کے بعد جناب مولانا عبدالوہاب صاحب حجازی استاذ جامعہ سلفیہ وایڈیٹر ماہنامہ "محدث" نے نہایت دل نشیں انداز میں اپنا صاف ستھرا نعتیہ کلام سنایا، اس کے بعد جناب ڈاکٹر مقتدی حسن صاحب ازہری وکیل جامعہ ورکن رابطۂ ادب اسلامی نے مہمانان گرامی کا مختصر مگر جامع ومانع تعارف کرایا۔ تعارف کی ابتداء آں موصوف نے نہایت ہی مختصر تمہیدی کلمات سے کی جس میں ندوۃ العلماء کو ایک تحریک کا نام دیتے ہوئے اس کی اہمیت کی جانب اشارہ کیا، اور رابطہ ادب اسلامی کے قیام کو اس تحریک کی تکمیل قرار دیا۔ مہمانان گرامی کے تعارف کے بعد جناب مولانا عبد النور صاحب ندوی نے رابطہ کا مفصل تعارف کرایا، ادب کے مختلف تاریخی مراحل پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے اسلام میں ادب کو اتنا ہی پرانا قرار دیا جتنا کہ اسلام۔ اس کے بعد قرآن کریم واحادیث نبویہ وکلام صحابہ کے ادبی مقام کو اجاگر کرتے ہوئے موصوف نے یورپ میں مادیت کے غلبہ اور اس کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والے متعدد گمراہ کن نظریات کا تذکرہ کیا۔ اور کہا پچھلے سو سال سے مادیت کو جو فروغ حاصل ہوا اس سے ادب کو کافی نقصان پہونچا، مختلف نظریات قائم ہوئے، انہیں میں ادب میں کمیونزم نظریہ، جس کو ترقی پسند ادب کا نام دیا گیا، درحقیقت یہ مارکسی ادب تھا، ہندوستان میں بھی اس نام سے ایک انجمن قائم کی گئی۔

اسی طرح یورپ میں ایک دوسری تبدیلی آئی، کمیونزم کی مخالفت میں وجودیت کا نظریہ قائم ہوا، یہ نظریہ جرمنی میں ظہور پذیر ہوا اور فرانس پہونچتے پہونچتے بالکل اباحیت میں تبدیل ہو گیا، جس میں محبشیت انارکی اور مکمل

فساد کی دعوت دی گئی تھی ۔

یہ تمام نظریات غرب دنیا میں بہت پھیلے اور رائج ہوئے، ہندوستان میں ان کو نسبتاً کم رواج حاصل ہوا لیکن اثرات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ۔ درحقیقت یہ تمام نظریات ایمان کو منہدم کرنے والے ہیں ۔

ادب کے ذریعہ اسلام کو روشناس کرانے یا تعمیری کام کرنے کی انفرادی کوشش برابر ہوتی رہی لیکن ضرورت محسوس کی گئی کہ انفرادیت کو ختم کرکے اسے اجتماعی شکل دی جائے ، اس طرح رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا ۔

جامعہ سلفیہ میں اس پروگرام کو منعقد کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے موصوف نے کہا جامعہ سلفیہ میں حاضر ہونے کا ایک مقصد علماء وطلبہ کے سامنے ادب کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور اس کی توسیع اور عام کرنے کی ضرورت پر زور دینا ہے تاکہ ادب کے مختلف زاویوں سے پاکیزہ خیالات کی نشر واشاعت ہوسکے ۔

دوسرا مقصد عوام کو یہ پیغام پہونچانا ہے کہ اسلام اور ادب کو ہم آہنگ رہنے دیں اور اس سلسلہ میں ہمارا تعاون کریں اگر ان دونوں میں اسی طرح افتراق رہا تو عوام کے ذہن بدل جائیں گے ۔

اس کے بعد مولانا محمد رابع صاحب ندوی رابطہ ادب اسلامی کی کارگذاریوں کی وضاحت کے لئے تشریف لائے موصوف نے جامعہ سلفیہ اور ندوۃ العلماء کے مابین قریبی روابط کا ذکر کرتے ہوئے دونوں کے مقاصد میں یکسانیت کی جانب اشارہ کیا، جامعہ کے استقبال اور اس اجتماع کے انعقاد میں جامعہ کے تعاون پر جامعہ اور ذمہ داران جامعہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اسے مقصد میں یکسانیت کی دلیل قرار دیا ۔ جن احساسات وضروریات کے پیش نظر رابطہ کا قیام عمل میں آیا ان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے موصوف نے بتلایا کہ رابطہ ادب اسلامی کے دو بڑے دفتر ہیں، عرب ممالک اور یورپی ممالک کے لئے ۔ ریاض میں ایک بڑا دفتر قائم ہے ، برصغیر اور اس سے قریبی ممالک کیلئے ۔ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں دوسرا بڑا دفتر قائم ہے ۔

الحمد للہ رابطہ نے متعدد کتابیں شائع کی ہیں ، بے شمار کانفرنسیں وسیمینار منعقد کئے جن میں ایسے موضوعات پر مقالات پیش کئے گئے جو اہمیت کے اعتبار سے انوکھے تھے ۔

اس کے بعد بنارس ہندو یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے منسلک ڈاکٹر ظفر صاحب صدیقی کو دعوت دی گئی کہ ادبی تنظیم کے بارے میں اپنے تاثرات پیش کریں، موصوف رابطہ ادب اسلامی کی برصغیر کی برانچ کے رکن ہیں ، انہوں نے رابطہ کے قیام کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیتے ہوئے فرمایا : رابطہ کے جن سیمیناروں میں شریک ہوا ان میں تیسرا کلو

باقی ص ۵

جامعہ سلفیہ میں مختلف شخصیات کا ورود مسعود

ماہ گذشتہ (جولائی) کا آخری ہفتہ اور اگست کا پہلا ہفتہ اس ناحیہ سے جامعہ کیلئے بڑے ہی سعادت اور بابرکت ہیں کہ ان دونوں ہفتوں میں ملکی وغیر ملکی بڑی بڑی شخصیتوں نے جامعہ کو اپنی زیارات کا شرف بخشا، چنانچہ سعودی عرب میں علاقہ نجد کے مشہور شہر عنیزہ سے تعلق رکھنے والے شیخ ولید بن احمد الحسین اپنے ایک دعوتی واصلاحی پروگرام کے تحت پورے ہندوستان کے دورے پر تشریف لائے تھے۔ اسی مناسبت سے ۲۳/۷/۹۲ء کو اچانک بغیر کسی پیشگی اطلاع کے جامعہ سلفیہ بنارس پہونچے، جمعہ کی صبح مئو کیلئے روانہ ہوئے اور وہاں مختلف علمی مراکز ورفاہی اداروں کا معائنہ کیا، فیض عام جامع مسجد میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ خطبہ میں موصوف نے اسلامی اخوت وبھائی چارگی کی وضاحت کرتے ہوئے علم وعمل کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی، پورے عالم میں مسلمانوں کے مصائب وآلام کا بھی ذکر کیا، آخر میں بابری مسجد کی بازیابی کے لئے دعا فرمائی، مئو سے واپس آکر سنیچر کی صبح جامعہ سلفیہ کے طلبہ سے خطاب کیا، اپنے خطاب میں طالب علم کے ساتھ اسکی عملی تطبیق پر زور دیا اسکے بعد جامعہ کے مختلف شعبہ جات کا معائنہ کیا اور شام میں دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔

اسی طرح جامعہ ام القریٰ کے کلیۃ اصول الدین کے پروفیسر جناب ڈاکٹر عبدالحمید عمر الامین صاحب دعوت وتبلیغ کے کام کو عالمی پیمانہ پر منظم کرنے کیلئے مختلف ممالک کے دورے پر نکلے ہوئے ہیں۔ ۲/۸/۹۲ء بروز اتوار بنارس پہونچے، شام میں ۶ بجے اساتذہ جامعہ سلفیہ کے ساتھ ایک میٹنگ کی جس میں دعوت سے متعلق مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال کیا گیا، دعوت کے عمل کو عالمی سطح پر منظم کرنے کی بات خصوصی طور پر زیر بحث رہی اس کے بعد موصوف دوسرے دن بذریعہ ٹرین لکھنؤ کے لئے روانہ ہوگئے۔

اسی دن جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض اور وزارۃ المعارف ریاض سے منسلک ۳ افراد پر مشتمل ایک وفد جامعہ سلفیہ پہونچا، مختصر سی استراحت کے بعد جامعہ کے مختلف شعبہ جات، کلاس روم، جنرل لائبریری اور پریس وغیرہ کا معائنہ کیا، یہاں کے عمل کو دیکھ مسرت وخوشی کا اظہار کیا۔ دوسرے دن مئو جاکر وہاں کے علمی مراکز ورفاہی اداروں کا دورہ کیا، قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ تمام لوگ نجی طور سے دورہ کر رہے ہیں اور مسلمانوں کی تعلیمی ودعوتی ضروریات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ہم مسلمانان ہند کے لئے عموماً اور دعوت وتعلیم سے منسلک علماء حضرات کیلئے خصوصاً یہ ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ان کے دلوں میں مسلمانان عالم کے لئے ہمدردی کے جذبات کس طرح موجزن ہیں کہ اپنے جان
مال کی پرواہ کئے بغیر مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینے کیلئے پوری دنیا کے دورے پر نکل پڑے ہیں، اور ہم ہیں کہ اپنے خاص
ندوسی کی ضروریات کی بھی ذرہ برابر پرواہ نہیں کرتے ۔

اسی طرح ڈاکٹر عبدالرحمٰن الفریوائی صاحب پروفیسر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض ایک قافلہ کے ساتھ
۲/۸ کی شب بنارس پہونچے، دوسرے دن مبارکپور تشریف لے گئے جہاں شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی حفظہ اللہ
ے شرف ملاقات حاصل کیا اور اسی دن مئو ہوتے ہوئے بنارس پہونچے، واپسی پر اساتذۂ جامعہ کے ساتھ ان کی ایک میٹنگ
وئی جس میں دعوت وتبلیغ سے متعلق مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال ہوا اور یہ کہ جدید تجربات کی روشنی میں اور ہندوستان
یسے ملک میں رہ کر تعلیم اور دعوت کے کام کو کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے ۔ اسکے بعد موصوف نے طلبہ سے بھی خطاب کیا ۔

دوشنبہ ۳/۸/۹۲ء کو علی الصباح جناب ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن زین اللہ سلفی (جو کہ دوبئی میں دارالافتاء ریاض کی
بانب سے دعوت وتبلیغ کی خدمت پر مامور ہیں) و شیخ عبدالقدوس نذیر احمد صاحب (جو ریاض میں محکمۂ عدل سے منسلک
یں) ایک وفد کے ہمراہ جامعہ سلفیہ پہونچے، اسی طرح شیخ محمد عزیز شمس ریسرچ اسکالر جامعہ ام القریٰ مکہ بھی ان کے معاً بعد
جامعہ پہونچے، سبھی لوگوں کے ساتھ ذمہ داران جامعہ واساتذۂ جامعہ کی ملاقات رہی اور جامعہ کی تعمیر وترقی اور تعلیمی ودعوتی
مورسے متعلق مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ واضح ہو کہ یہ تمام حضرات جامعہ سلفیہ کے اوائل متخرجین میں سے ہیں۔ جامعہ
ی ان سے بہت سی آرزوئیں وابستہ ہیں، علم وعمل کے میدان میں جامعہ ان کے لئے ترقی کی دعا کرتا ہے ۔

انہیں ایام میں جناب مولانا محمد سلیمان صاحب میرٹھی بھی ایک خاص مقصد کے تحت جامعہ سلفیہ تشریف لائے تھے۔
ہندوستان میں بکثرت سلفی مدارس پائے جاتے ہیں، اور فارغ ہونیوالے طلباء کی تعداد میں بھی روزافزوں ترقی ہو رہی ہے،
س کے باوجود عملی میدان میں ہمیں لائق ائمہ ودعاۃ کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، اسی احساس کو لیکر وہ جامعہ
شریف لائے تھے کہ ذمہ داران جامعہ واساتذۂ جامعہ کے ساتھ غور وفکر کر کے کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس سے اس
کمی کو پورا کرنے میں مدد ملے۔ چنانچہ اساتذۂ جامعہ کے ساتھ ایک میٹنگ میں اس تجویز پر غور کیا گیا کہ ائمہ ودعاۃ کی تدریب
وتربیت کیلئے ایک مختصر مدتی کورس قائم کیا جائے جس میں فارغ التحصیل طلبہ کو دعوت وخطابت کی تربیت دی جائے
سبھی لوگوں نے مثبت طور پر اس تجویز سے اتفاق کیا اور آئندہ تعلیمی سال سے اس پر عمل درآمد کی سفارش کی۔

بَابُ الفتاویٰ

اِنتخاب ——— محفوظ الرحمٰن سلفی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ ؟

س ۱ : خوشگوار تعلقات کی بنیاد پر اپنے غیر مسلم پڑوسی کے جنازہ کے ساتھ جانا شرعاً کیسا ہے ؟

المستفتی / عبدالرحمٰن ، لکچرر شعبۂ نباتات

مونگیر ، بہار ۔

الجواب ۱ : خوشگوار تعلقات نبھانے کے لئے غیر مسلم کے جنازے میں بایں طور شرکت کرلے کہ جنازہ کے ساتھ تو جائے مگر دعائیہ مراسم نیز جو مشرکانہ رسم بوقت دفن یا بوقت تحریق میت (میت جلانے کے وقت) ادا کئے جاتے ہیں ان سے پرہیز کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرک اور منافق کے لئے دعا کرنے ان کی نماز جنازہ پڑھنے ، ان کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمایا ہے ۔ "ولا تصل علیٰ أحد منهم مات أبدا ، ولا تقم علیٰ قبره " (سورۂ توبہ ۸۴)

ارشاد باری " لا تصل علی أحد " میں نماز جنازہ کے ساتھ دعائے مغفرت بھی مراد ہے " صلی علی " نماز جنازہ پڑھنے اور دعا کرنے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔

ما کان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا اولي قربي من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم ۔ (سورۃ توبہ ۱۱۳)

س ۲ : عقیقہ کیا ہے ؟ بڑے جانور میں چند بچوں کا عقیقہ ہو سکتا ہے ؟ اگر مجبوری کی بنا پر کسی کا عقیقہ نہیں ہوا تو جوانی میں خود سے کر سکتا ہے ؟ اس وقت سر کا بال منڈانا اور بال کے برابر چاندی صدقہ کرنا ہوگا ؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں !

الجواب ۲ : عقیقہ جان کا صدقہ جان دینے کا نام ہے ، جمہور علماء کے نزدیک عقیقہ سنت ہے ، واجب

نہیں، لیکن جو احادیث عقیقہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں ان کے الفاظ سے وجوب کا اشارہ ملتا ہے، اس لئے بعض علماء امت وجوب کے قائل ہیں، احتیاط کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ واجب مانا جائے۔ ارشاد نبوی ہے: " مع الغلام عقیقة، فاهریقوا عنه دما " (بچے کے ساتھ عقیقہ ہے، پس اس کی طرف سے خون بہاؤ، یعنی ذبح کرو)" کل غلام رهينة بعقيقته " (ہر بچہ اپنے عقیقہ کے ساتھ گروی ہے)۔ اور " أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نعق عن الجارية شاة، وعن الغلام شاتين " (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم بچی کی طرف سے ایک بکری اور بچے کی طرف سے دو بکریاں عقیقہ کریں)

عقیقہ کے جانور میں شرکت جائز نہیں، بچی کی طرف سے ایک اور بچے کی طرف سے دو ہونا چاہیئے، کیونکہ عقیقہ دعوت کا نام نہیں ہے بلکہ جان کا صدقہ جان ہے، مادہ جان کا صدقہ ایک جان اور نر جان کا صدقہ دو جان ہے، گائے کے عقیقہ کا ثبوت صحیح حدیث سے نہیں ہے۔

اگر کسی وجہ سے کسی کا عقیقہ باقی رہ جائے تو وہ جوانی میں جوانی کے بعد کر سکتا ہے۔ جن علماء کے نزدیک عقیقہ واجب ہے ان کے قول کے مطابق تو واجب کی قضا ضروری ہے، جوانی میں عقیقہ کرتے وقت ساتویں دن کے بال کے وزن کا اندازہ لگا کر سونا چاندی صدقہ کردے۔ سر منڈانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

مولانا احمد مجتبیٰ سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

الجواب صحیح
مولانا محمد رئیس ندوی
جامعہ سلفیہ، بنارس

ماہنامہ **محدث** بنارس

شمارہ/ ۱۰	اکتوبر ۱۹۹۲ء	ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ	جلد/ ۱۰

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدل اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

اس شمارہ میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

درس قرآن

مولانا اصغر علی السلفی

اللہ اور رسول کی اطاعت ہی ذریعہ نجات ہے

یا ایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ وانہ الیہ تحشرون۔ (انفال ۲٤)

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو جب وہ تم کو تمہاری زندگی کے لئے پکارے، اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے قلب کے درمیان حائل ہوجاتا ہے اور جانو کہ اسی کے پاس تم سب کو جمع ہونا ہے۔

انسان کی ہر طرح کی بھلائی اور اس کا فوز و فلاح اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے رسول کی اطاعت پر موقوف ہے، اور ہر وہ کام جس کی طرف اللہ اور اس کے رسول انسان کو بلائیں اسی میں اس کی کامیابی دکامرانی ہے۔ بظاہر وہ کام اس کے دنیوی واخروی کاموں کے مقابلہ میں کمتر اور بے سود نظر آتا ہو مگر دراصل وہی سرچشمہ نجاح وفلاح اور ابدی نعمتوں اور سرمدی سرخروئی کا ضامن ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر پکار پر لبیک کہیں اس کا ہر حکم تسلیم کرلیں، اور جو حکم جس وقت ان کو پہنچے بلا ادنی تاخیر کے امتثال امر کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، کیونکہ اسی میں ان کی اصل زندگی ہے اسی سے ان کی بقا ہے اور اسی پر دنیا و آخرت میں نجات موقوف ہے۔ جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ لما یحییکم سے مراد قرآن ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ مومنو! اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول کو قبول کرو اور قرآن جن اوامر و نواہی پر مشتمل ہے اس پر عمل پیرا ہوجاؤ کیونکہ اسی میں ابدی زندگی ہے اور اسی میں دائمی و سرمدی نعمتیں پوشیدہ ہیں۔

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ جہاد کیلئے جب پکار ہو تو اس کو قبول کرلو تاخیر و تردد سے کام نہ لو کیونکہ جہاد ہی قوام زندگی ہے، اگر دشمن پر جہادی یلغار نہ کیا جائے تو پھر وہ حملہ ویلغار کرے گا اور زندگی ختم ہوجائے گی۔

اس آیت کریمہ میں جو امر استجابت دعا و رسول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان پہ واجب ہے کہ جب اسکو اللہ

اور اس کے رسول کا کوئی حکم اور کسی طرح کا فرمان پہونچ جائے تو وہ بلا توقف و تردد اولین فرصت میں اسے انجام دے چاہے وہ احکام شرعیہ میں سے جو بھی حکم ہو، اس کے مخالف کوئی قول، یا فعل اور رائے و قیاس ہو اسے فوراً ترک دے۔

یہ آیت عمل بالکتاب وسنت کو واجب کرنے والی عظیم آیت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان چاہے علم و فضل کے جس مرتبہ پر فائز ہو، اس کے قول کی کوئی وقعت نہیں ہے جبکہ وہ نصوص کتاب وسنت سے متصادم و مخالف ہو۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ مومن کی حقیقی زندگی اور اس کے نجات کا صحیح راستہ اور دنیا میں عزت و سرفرازی کا واحد ذریعہ حکم الٰہی اور فرمان رسول کی فوری تابعداری ہے۔

اگر یہ بات اس سے مفقود ہو گئی تو پھر نہ اس کی بقاء کی ضمانت ہے نہ اس کی نجات کا کوئی راستہ ہے، ارشادِ الٰہی ہے: لما یحییکم۔ اسی میں تمہاری نجات بقا اور حیات ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ حضرت ابو سعید بن معلی کہتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گذرے آپ نے مجھے پکارا میں (چونکہ نماز میں مشغول تھا) لہذا آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا جب نماز پڑھ لی تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کہ تم کو میرے پاس آنے سے کون سی چیز مانع تھی کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا کہ " یاایہا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم" الآیۃ۔ کہ مومنو! اللہ اور اس کے رسول جب تم کو پکاریں تو تم قبول کر لو۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے تم کو قرآن کی سب سے عظیم ترین سورت سکھاؤنگا، آپ جب مجلس سے نکلے تو میں نے اس عظیم ترین سورت کی تعلیم کا ذکر کیا چنانچہ آپ نے الحمد للہ رب العالمین یعنی سورۂ فاتحہ جو سبع مثانی ہے اسکو سکھایا۔

اس حدیث پاک سے اس آیت کی تفسیری اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اور استجابت رسول کی وضاحت ہوتی ہے نماز جیسی عظیم اور مہتم بالشان عبادت میں بھی اگر کوئی مسلمان آدمی مشغول ہو اور ایسے وقت میں اللہ کے رسول اپنی طرف بلائیں تو نماز چھوڑ کر حاضر خدمت ہونا ضروری ہے، آپ کی موت کے بعد آپ کے فرامین باقی ہیں اب اسی کی روشنی میں کوئی بھی کام انجام دیا جائیگا تو شرف قبولیت سے نوازا جائیگا، اگر وہ عمل اس کے بتائے ہوئے طریقے پر نہیں ہے تو پھر مردود ہے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نیکی چاہے جتنی عظیم ہو اور کرنے والا چاہے جس اخلاص سے اسے انجام دے رہا ہو مگر وہ آپ کے فرمان کے خلاف ہے تو مقبول نہیں جیسا کہ اس صحابی کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں مشغول رہ جانے پر ٹوکا۔

درس حدیث

مولانا اصغر علی السلفی

چھینک کے آداب و احکام

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: عطس رجلان عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشمت احدھما ولم یشمت الآخر، فقیل لہ. فقال: ھذا احمد اللہ وھذا لم یحمد اللہ۔

(البخاری ۵۹۹)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھینکا آپ نے ایک کے چھینک کا جواب دیا اور دوسرے کا نہیں دیا، آپ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی ہے اور اس نے الحمد للہ نہیں کہا ہے (اس لئے اس کو دعا نہیں دی)

پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پوری دنیا کے لئے کامل رہنما بنا کر بھیجے گئے تھے، آپ اپنی امت کو اچھی بات کی تعلیم دے گئے اور ہر بری بات سے متنبہ کر کے انتقال فرما گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آپ ہر حال میں اور ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے، کان یذکر اللہ فی شأنہ کلہ۔ لیکن بعض مواقع ایسے تھے جن میں آپ نے امت کو خاص طور پر خاص الفاظ کے ساتھ ذکر کرنے کی تلقین فرمائی، اور ان اوقات میں بالخصوص ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا انہی اوقات میں سے چھینکنے کے وقت چھینکنے والے کا الحمد للہ کہنا بھی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اذا عطس احدکم فلیقل الحمد للہ (البخاری) جب تم میں سے کوئی چھینک مارے تو الحمد للہ کہے۔ درس کی مذکورالصدر حدیث اور اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عاطس پر الحمد للہ کہنا واجب ہے، گرچہ بہت سے علماء نے اسے سنت اور مستحب کہا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تاکیدی امر ہے اور اس کا نہ کہنا عظیم ثواب اور رسول کی دعا سے محرومی کا سبب ہے جیسا کہ اس آدمی کے ساتھ پیش آیا جس نے چھینکنے کے بعد الحمد للہ نہیں کہا تھا اور نتیجہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا یہ جوابی کلمات سے محروم رہا۔

بعض روایات کے بموجب الحمد للہ کہنے کا حکم ہے جب کہ بعض دوسری روایتوں میں الحمد للہ رب العالمین علی

کا ذکر کیا ہے۔

ھینکنے کے چند آداب ہیں، جیسے ہر چھینکنے والے کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ اوّلاً عاطس کو چھینک کی آواز حتی الوسع نے کی کوشش کرنی چاہیئے، کیونکہ چھینک جتنی تیز ہوگی ذھن ودماغ پر اتنا ہی زیادہ ضرب پڑے گی اور ں کی تکلیف کا باعث بنے گی۔ ثانیاً حمد کے کلمات کو بلند آواز میں کہنا چاہیئے تاکہ ہر سننے والا اس کا جواب ۔ ثالثاً چھینکنے والے کو چھینک کے وقت اپنا چہرہ ڈھک لینا چاہیئے، مبادا منہ اور ناک کے فضلات جو ت ایسی حالت میں نکل جاتے ہیں، ہمنشینوں کی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں چنانچہ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ ملی اللہ علیہ وسلم جب چھینکتے تھے تو آپ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھتے اور آواز پست کر دیتے۔

چھینکنے والے کیلئے الحمد للہ کہنے کی مشروعیت کی حکمت یہ ہے کہ چھینک کے وقت دماغ اور اس سے متصل بہت سی نسیں اور عضو اپنی جگہ سے ہٹ جاتے ہیں جو اللہ کی تعریف اور بندوں کی دعاؤں کی وجہ سے اپنی لامت واپس ہوجاتے ہیں۔ انسان کا دماغ قوت فکر اور احساسات کا مرکز ہے لہذا اس کے نظام میں کسی قسم رے جسم پر اثر انداز ہوتا ہے اور طب حدیث نے یہ ثابت کیا ہے کہ ہر چھینک موت کا پیغام لاتی ہے، اب ایسی میں جبکہ انسان اس عظیم حادثہ سے نجات پاجاتا ہے تو اللہ کا شکر واجب ہوجاتا ہے نیز الحمد للہ کہنے کے جواب ان آدمی کا یرحمک اللہ کہنا مسلمانوں کی آپسی محبت ومودت میں ازدیاد کا باعث ہوتا ہے۔

چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو سننے والوں کو ضروری ہے کہ اس کا جواب یرحمک اللہ دیں اسی طرح سے چھینکنے والے ہا کہ وہ رد جمیل کے طور پر "یہدیکم اللہ ویصلح بالکم" کہے۔

ا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کسی کو چھینک آئے تو الحمد للہ کہے اور اس کا ساتھی یرحمک اللہ۔ اللہ تم رے، کہے اور چھینکنے والا یہدیکم اللہ ویصلح بالکم، اللہ تمہیں ہدایت پر باقی رکھے اور تمہارے حالات درست رکھے۔ (بخاری) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سننے والے پر واجب ہے کہ وہ چھینکنے والے کا جواب ان ت سے دے۔ اسکے واجب ہونے پر صحیح بخاری کی ایک دوسری روایت بھی دلالت کرتی ہے، ارشاد ہے:

کل مسلم سمعہ ان یشمتہ" ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جب چھینکنے والے کی زبان سے الحمد للہ سنے تو اس کا ے، نیز حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سات چیزوں کے کہنے کا حکم دیا ان میں ایک چھینکنے والے کا جواب دینا بھی ہے۔

افتتاحیہ

یہ بھی پاکستان ہے!

پاکستان اسلام کے نعرہ سے وجود پذیر ہوا تھا، اس لئے وہاں سے اسلام کے ازدھار اور ترقی کی کوئی خبر جب معلوم ہوتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمان دل سے خوش ہوتے ہیں، وہاں کے پنجابیوں، پٹھانوں، سندھیوں اور بلوچوں سے کسی نسلی رشتہ کی بنا پر نہیں بلکہ اسلام کی بنا پر، وہاں سے جب نفاذ کتاب وسنت کی صدائے دلنواز سنائی دیتی ہے تو دنیا بھر کے مسلمان خوشی سے باغ باغ ہو جاتے ہیں کہ سلف صالحین کا حقیقی اسلام یہی ہے، رسول اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی تنفیذ واشاعت میں اپنی حیات مبارکہ صرف کی تھی، خلفاء راشدین حضرات ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بلا تفریق تمام صحابۂ کرام کی مقدس زندگیوں کا اول وآخر یہی مشن تھا کہ کتاب وسنت کے اوامر ونواہی کی اتباع کو دنیا میں عام کیا جائے۔

چند روز ہوئے اخبارات میں خبر شائع ہوئی تھی کہ پاکستان کے وزیراعظم جناب میاں محمد نواز شریف صاحب نے ۱۷ اگست کو اپنے اس عہد کا اعلان کیا ہے کہ وہ پاکستان میں بعض عناصر کے عزائم کے علی الرغم "نظام مصطفیٰ" قائم کر کے رہیں گے۔ موصوف نے یہ اعلان جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی قبر پر اکٹھا ایک بڑے مجمع کے سامنے کیا، واضح رہے صدر ضیاء الحق مرحوم نفاذ اسلام کے متعلق دوسرے پاکستانی حکمرانوں کے مقابل بہت نیک نام ہیں، بلکہ باہری دنیا میں اسلام اور اسلامی اخوت ان کے نام کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ گئے ہیں، اور موجودہ عالمی سیاسی تاریخ میں وہ اسلام کے علمبردار حکمراں کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں، غنیمت ہے کہ موجودہ وزیراعظم پاکستان نے "نظام مصطفیٰ" کے نفاذ کی بات تو کی خواہ مزار ہی پر سہی۔

نظام مصطفیٰ' کا اجتماعی ومعاشرتی ڈھانچہ پاکستانی حکمرانوں اور ان کے علماء کی نظر میں کیا ہے، کتاب وسنت کے نظام سے ماسوا بھی یہ کچھ ہے اس کی تفصیلات تو وہی حضرات جانیں، البتہ علاقائی سیاسی بھونچال اور اتھل

پتمل سے قطع نظر دینی و اسلامی اعتبار سے پاکستانی معاشرہ بتدریج جس رخ پر جاتا ہوا محسوس ہوتا ہے وہ خدانخواستہ بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم: ع "خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے عشق" کا مصداق معلوم ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ حکمراں اور علماء "دولت خداداد" سے مادی منفعت کے حصول کے بجائے پاکستان اور اس کے معاشرہ کو اسلام یعنی کتاب و سنت کے رنگ میں رنگنے کی انتھک سعی مشکور کریں، ہم نے تباہی بغداد پر بہت آنسو بہائے اور ہلاکو کی مذمت میں ہزاروں صفحات سیاہ کئے، لیکن ہمیں اپنی قوم کی حالت پر بھی غور کرنا چاہئے کہ جب ہماری اکثریت اسلامی اعتقاد و عمل سے بیگانہ ہو کر الحاد کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئی تو ہمارے ملک کے ملک حقیقی زندگی سے محروم ہو کر زندہ لاشوں کا منظر پیش کرنے لگے ایسے میں ہلاکو جیسے مردار خور کا بغداد اور دیگر مسلم ممالک کو پھاڑ کھانا بالکل طبعی امر ہے اور یہ بھی طبعی امر ہے کہ اندر کے منافقین ایسے لوگوں کے دست و بازو بن کر ہلاکت و بربادی میں معاون ہوں۔

چند مہینوں سے کئی خبریں ایسی مسلسل نظر سے گذرتی ہیں جن سے بے اختیار دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا یہی پاکستانی معاشرہ ہے جس کے کندھے پر نظام مصطفےٰ کا بار گراں رکھا جائے گا، اور اگر یہی معاشرہ اس کا بار اٹھائے گا تو وہ نظام ہوگا کس طرح کا ؟ اور اپنے ملک کے دفاع کے لئے اس میں کتنی قوت و توانائی ہوگی۔

ان خبروں میں سے ایک کا تعلق "لیلۃ القدر" سے ہے، ایک طرف اسلام میں اس رات کی عظمت و تقدس اور فضیلت کو دھیان میں رکھئے جس میں نزول قرآن ہوا، جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے جس میں دوسرے فرشتوں کے علاوہ انبیاء کے پاس وحی الٰہی لانے والے بزرگ ترین فرشتے جبرئیل بھی تشریف لاتے ہیں، دوسری طرف اہل پاکستان اسے "وجد کی رات" کا نام دے کر ڈھولک سارنگی، ہارمونیم باجے، قوالوں کی ہم آہنگ تالیوں، راگ رنگ اور رقص و سرود سب کا اہتمام کرتے ہیں، خبریں مظہر ہیں کہ قوالوں، گلوکاروں اداکاراؤں اور ان کی لڑکیوں کی رنگین تصاویر اس اخبار کے صفحہ اول پر شائع کی گئی تھیں جو "وجد کی رات" کے ان مہمانوں کا میزبان تھا، بھارت میں اسلامی شعائر کی ایسی درگت شاید نہ بنتی ہو یا کم از کم میرے علم میں نہیں ہے لیکن اس نام نہاد اسلامی ملک کی تقلید میں شاید یہ خبیث وبا یہاں کے مسلمانوں میں بھی پھیلنے لگے، یہ میزبان اخبار روزنامہ جنگ ہے یہ اپنے کلچرل ونگ کے زیر اہتمام "وجد کی رات" پہلے سے منعقد کر رہا ہے، اور سارے پروگرام کی تفصیل نہایت دیدہ دلیری سے باتصویر اپنے روزنامہ میں شائع کرتا ہے، ہم یہاں ۱۴؍ اپریل کو شائع شدہ روزنامہ جنگ کی رپورٹ کا خلاصہ اسی کے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

روزنامہ جنگ کا یہ طرۂ امتیاز بلکہ درخشندہ کارنامہ رہا ہے کہ وہ ہر سال رمضان المبارک کے آخری عشرہ مبارک میں "وجد کی رات" کے عنوان سے اپنے کلچرل ونگ کے زیر اہتمام "محفل قوالی" کا اہتمام کرتا ہے، اس میں ملک بھر کی تمام نامور قوال پارٹیوں کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، پروگرام نہایت آب وتاب سے سرِشام سے سپیدۂ سحر تک چلتا ہے، رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں خصوصاً ہر مومن تقویٰ اور عشقِ الٰہی کے نشہ میں سرشار ہوتا ہے، ایسے میں "وجد کی رات" سونے پر سہاگہ ہے، حسب سابق امسال "وجد کی رات" کا پروگرام الحمراء کلچرل کمپلیکس قذافی اسٹیڈیم لاہور میں منعقد ہوا، ۲ر اپریل ۹۲ء جمعرات کی شب واقعی "وجد کی رات" تھی جہاں رمضان اپنی رحمت وبرکت کے خزانے سرِعام لٹا رہا تھا وہاں ملک کے مشہور قوالوں نے ہر متنفس پر جذب وکیف کا ایسا عالم طاری کر رکھا تھا کہ لوگ جذب بیخودی میں سوز وساز رومی اور پیچ وتاب رازی کی سراپا تفسیر بن گئے تھے، حیرت تو اس بات پر ہے کہ مردوں کے سنگ سنگ خواتین کی بھی ریکارڈ توڑ تعداد موجود تھی، اتنا بڑا عوامی اجتماع الحمراء کمپلیکس کی تاریخ میں شاید ہی کبھی ہوا ہو، اس کا برملا اعتراف لاہور آرٹس کونسل کے کئی حکام نے بھی کیا۔

ہمیں تو حیرت اس بات پر ہے کہ ایک سنی مسلم ملک کھلی آنکھوں سے ملحدانہ تصوف کے راستے سے پیدا ہونے والی ان تماشیوں اور اباحیتوں کے ہاتھوں سنت اور شعائرِ سنت کی ایسی بے حرمتی اور درگت دیکھتے ہوئے کس طرح خاموش ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نظامِ مصطفےٰ کا بارِ گراں قوالوں کے کندھوں پر رکھا گیا تو ان کی ہم آہنگ تالیوں سے پہلے ہی ماتمی نقار... میں تالیاں پٹ جائیں گی۔

دوسری خبروں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ہر سال دسویں محرم کی تاریخ آنے سے پہلے ہی پاکستان پر فتنہ وفساد کا بھیانک خوف اور خطرات کے سائے مسلط ہو جاتے ہیں، ماتمی جلوس گلیوں، سڑکوں اور بازاروں سے انتہائی جارحانہ تیور کے ساتھ گذرتے ہیں، اور اہل سنت کے خلاف سخت جارحانہ تبرا بازی کرتے ہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ کوئی محرم فتنہ وفساد سے خالی نہیں گذرتا، خلفاء راشدین، ازواج مطہرات اور تمام صحابہ کرام کو برسرِعام سب وشتم کیا جاتا او[ر] انھیں کافر و مرتد اور فاسق وفاجر کہا جاتا ہے، اس سال کے محرم میں تو ماتمی جلوسوں کو گذارنے کے لئے فوج تک کو طلب

کرنا پڑا، امسال کے ایک ماتمی جلوس نے پشاور کی مسجد ابوبکر صدیق ؓ پر حملہ کر دیا جس میں آٹھ مسلمان ہلاک و زخمی ہو گئے اور مسجد کو بھی نقصان پہونچایا گیا، اس غیر اسلامی اور انتہائی جارحانہ طرز عمل کے مقابل اہل سنت جن میں مذکورہ بالا قوالوں اور ان کے سننے والوں کی اکثریت ہے کا طرز عمل عموماً یہ ہوتا ہے کہ اس جارحیت کے دفاع اور اس کے خلاف اظہار رائے کی بھی قوت اپنے اندر نہیں پاتے، یہ صورت حال عوام، خواص اور حکومتی طبقہ تک عام ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جس سنی معاشرہ میں سنت رسول کو پامال کیا جاتا ہو، خلفاء راشدین اور اصحاب رسول ﷺ کی بے حرمتی بے حسی کے ساتھ برداشت کی جاتی ہو وہاں سوز و ساز رومی اور پیچ و تاب رازی کا معنی الحاد و اباحیت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

بعض خبروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ متحدہ جمعیت اہلحدیث لاہور کے ایک ذمہ دار عالم مولانا حافظ محمد ابراہیم سلفی پر رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کا الزام لگا کر مقامی پولیس ان کے گھر میں گھس گئی، ان کے بچوں کو مارا پیٹا، ان کی اہلیہ سے گستاخی کرتے ہوئے ان کی چادر تک اتار لی اور حافظ صاحب کو گرفتار کر کے نامعلوم مقام پر لے گئی، راستہ میں ان کی داڑھی کھینچی گئی اور اسے جلانے کی کوشش کی گئی، جمعیۃ اہلحدیث کے احتجاج پر بعد میں موصوف کو جیل میں ڈالا گیا پھر ضمانت پر رہائی ہوئی۔

کتاب و سنت کے علمبردار اور خلفاء راشدین و جملہ اصحاب کرام ؓ کے ناموس کے حقیقی پاسبان جنہیں اہل الحدیث اور سلفی کہا جاتا ہے رسول کی شان میں گستاخی کریں، واللہ یہ محالات میں سے ہے۔ "سبحانک ھذا بہتان عظیم" اہلحدیثوں کی تو پہلی اور آخری آرزو اور زندگی کی ساری تگ و تاز ہی اسی لئے ہے کہ مختلف اماموں اور مشائخ کے دامن سے وابستہ مسلمان رسول ﷺ کی شان بلند کو پہچان لیں اور ایسے عقائد و اعمال سے باز آجائیں جو فی الواقع رسالت محمدی کی توہین اور رسول ﷺ کی شان میں گستاخی ہیں۔

ان خبروں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ایک سنی مسلم ملک کا معاشرہ دینی اعتبار سے زوال اور انتشار کی کتنی گھنی تاریکیوں کی طرف بڑھ رہا ہے، اہل سنت کہلانے والے پوری ڈھٹائی بلکہ بے حیائی سے سنت رسول اور شعائر اسلام کی دھجیاں چوراہے پر بکھیر رہے ہیں، اسلام اور اس کے اولین مقدس محافظین اصحاب رسول ﷺ کی بے حرمتی کھلی آنکھوں سے دیکھ کر گوارا کی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ ہی وہ گروہ جو حقیقی معنوں میں کتاب و سنت کا شیدائی اور عزت و ناموس اصحاب رسول ﷺ کا حقیقی پاسبان ہے، حکومت و انتظامیہ کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کی وجہ سے اس کے جان و مال اور عزت و آبرو کیلئے سخت خطرات ہیں، ایسے عالم میں دنیا کے مسلمان سخت مضطرب ہیں کہ یہاں "نظام مصطفےٰ" کب آئے گا؟ کیسے آئے گا؟ اور وہ کیسا ہو گا؟۔

●●●

مشرقی یورپ کے مسلمان اور ہمارا فرض

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

اسلام کے بنیادی اصول میں سے ایک اصل یہ ہے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں مذہب، نسل، رنگ یا زبان کا کوئی دخل نہیں، یعنی ان چیزوں کا لحاظ کئے بغیر ہر شخص کے ساتھ انصاف کا معاملہ کیا جائے گا، اور اس کے جملہ حقوق کا صحیح معنی میں تحفظ کیا جائے گا۔

لیکن دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کا موجودہ دور میں مسلمانوں کے ساتھ جو رویہ ہے وہ بیحد افسوسناک بلکہ شرم انگیز ہے اور اس کی بڑی تکلیف دہ مثالیں اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے بوسنیا کے مسلمانوں پر نظر جاتی ہے، سربیا کی نصرانی حکومت اور وہاں کے نصرانی عوام اس ناپاک کوشش میں مصروف ہیں کہ بوسنیا کو زیر کر کے سربیا کا ایک حصہ بنالیں، اور اس مسلم جمہوریہ کے وجود کو صفحۂ ہستی سے مٹادیں، اس مقصد کے لئے وسیع پیمانے پر قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے، ایک خبر میں کہا گیا ہے کہ سربیا کی فوج اور ملیشیا کے ہاتھوں چالیس ہزار سے زائد مسلمان قتل کئے جاچکے ہیں، دو سو سے زیادہ مسجدیں منہدم کردی گئی ہیں، اور ڈھائی سو دوسری مسجدوں کو نقصان پہونچایا جاچکا ہے۔

سیراجیوو کا دورہ کرنے والے ایک فرانسیسی صحافی کا بیان ہے کہ شہر میں اقوام متحدہ کی ماتحتی میں جو کیمپ لگائے گئے ہیں ان پر فی الواقع سربیائی فوج کا قبضہ ہے، اور شہر کو بڑی بیدردی کے ساتھ مسلسل حملوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ سرب لوگوں کی دشمنی و سازش کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بوسنیا کی مسلم آبادی پر برابر حملہ کا الزام عائد کرتے ہیں، لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، سراجیوو کے مسلمانوں کے پاس برائے نام ہتھیار ہیں، جو پرانی بندوقیں ان کے قبضہ میں ہیں ان کے لئے گولی بارود کا انتظام نہیں، اس لئے ان کے ذریعہ کسی نوعیت کے حملہ کا تصور بے بنیاد ہے، بوسنیا کے مسلمانوں کے بالمقابل سرب فوج ہر طرح سے مسلح اور مضبوط ہے۔

سیراجیوو میں داخل ہونے کے لئے جو دروازہ ہے اس پر سرب ملیشیا کا پہرہ ہے، اس کے افراد پوری تلاشی

کے بغیر کسی شخص کو بھی شہر میں داخل نہیں ہونے دیتے، دوسری طرف شہر میں کھانے پینے کا کوئی سامان موجود نہیں، ہر طرف لاشیں پڑی نظر آتی ہیں، سڑکوں پر بھوکے کتوں کے علاوہ کوئی نظر نہیں آتا، دھماکوں کا سلسلہ پیہم جاری ہے ایک منظر دیکھ کر ہمارا خون خشک ہوگیا، ایک ہی خاندان کے چند افراد ایک جگہ مقتول پڑے تھے، ان کے سلسلہ میں بتایا جاتا ہے کہ بمباری کے خوف سے یہ لوگ تہہ خانہ میں چھپے ہوئے تھے، جب بھوک پیاس کی شدت سے بےحال ہوگئے تو تہہ خانہ سے نکل آئے اور سوچا کہ ممکن ہے باہر کوئی چیز مل جائے جس سے بھوک پیاس دور کرسکیں، اتنے میں ایک طرف سے گولیاں چلیں اور سب کے سب وہیں ڈھیر ہوگئے۔

جمہوریہ بوسنیا میں انسانیت کی پامالی کا یہ حال ہے کہ ایک مسلمان کے سر کی قیمت تین سو مارک مقرر کی گئی ہے، جو کسی مسلمان کو قتل کرکے صرب لوگوں کے پاس جائے گا اسے مذکورہ رقم مل جائے گی۔ سیراجیوو کے علاوہ بوسنیا کے دوسرے شہروں کی تباہی وبربادی بھی دیکھنے کا مجھے اتفاق ہوا، وہاں کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ صربوں کے ظلم وستم پر جس طرح تعجب وافسوس ہوتا ہے، اسی طرح بوسنیا کے معاملہ میں دنیا کی خاموشی پر بھی افسوس ہوتا ہے، صربوں کے ظلم کو روکنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تیاری کی ضرورت نہیں، نہ اس میں عالمی جنگ کا اندیشہ ہے، بہت معمولی توجہ سے یہ معاملہ حل ہوسکتا تھا لیکن کسی ملک نے اس کے لئے قدم نہیں اٹھایا۔ سیراجیوو کی راکھ پر یورپ کی تعمیر نہیں ہوسکتی یورپ اگر بوسنیا کے خلاف برپا کی گئی قتل وغارت پر خاموشی اختیار کرے گا تو پھر آئندہ کبھی امن وآشتی کا نام نہیں لے سکتا۔ اس وقت جہاں امن وامان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ بوسنیا ہے، اور یہیں مدعیان عدل وانصاف کا امتحان ہوتا ہے۔

بوسنیا کا المیہ اقوام متحدہ کے کردار کی روشنی میں مزید سنگین نظر آتا ہے، اس ادارہ کی بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں سے مظلوم کو انصاف بہت کم مل پاتا ہے جب کہ اس کی بنیاد کا اولین مقصد ہی عدل وانصاف کا تحفظ ہے، اس کے بالمقابل ظلم وبربریت کے لئے کبھی کبھی اسی ادارہ سے وجہ جواز فراہم کی جاتی ہے۔ اگر ادارہ کی جنرل اسمبلی اور سلامتی کونسل کسی طرح اپنا متوقع کردار ادا کرتی ہے تو اس کے کسی ذمہ دار کی خاموشی یا غفلت اس فرض شناسی کو داغدار بنادیتی ہے۔ اس کی ایک مثال جمہوریہ بوسنیا کے مسئلہ میں صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے، ۲۲ جولائی ۱۹۹۲ کو سلامتی کونسل نے یہ تجویز منظور کی تھی کہ جمہوریہ بوسنیا میں بین الاقوامی مشاہدین بھیجے جائیں تاکہ بھاری اسلحے کی نگرانی کرسکیں، لیکن ادارہ کے جنرل سکریٹری بطرس غالی نے اس تجویز کو نامنظور کردیا، مبصرین کا تبصرہ ہے کہ اس طرح کی کسی قرارداد

کی جنرل سکریٹری کی طرف سے نامنظوری کا اقوام متحدہ کی تاریخ میں یہ پہلا واقعہ ہے، جس تجویز کو پوری سلامتی کونسل منظور کررہی ہے اسے جنرل سکریٹری ٹھکرا رہے ہیں! مبصرین کا یہ بھی تاثر ہے کہ ڈاکٹر غالی نے اقوام متحدہ میں اپنے منصب سنبھالنے کے بعد سے اب تک جتنے بیانات دیئے ہیں وہ سب کے سب بوسنیا کی مسلم عوام کے خلاف ہیں اور اس چیز کو خود سلامتی کونسل کے بہت سے ذمہ داروں اور ممبروں نے محسوس کیا ہے۔ ڈاکٹر غالی کے اس رویہ پر بھی لوگوں کو تعجب ہے کہ بوسنیا کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال کے لئے جو اجتماعات منعقد کئے گئے ان میں بھی وہ شریک نہ ہوئے، حالانکہ ادارہ کی تاریخ میں اسکی مثال موجود نہیں۔ سلامتی کونسل کے بعض ممبران کا قول ہے کہ بطرس غالی جب سے اپنے منصب پر آئے ہیں ان کی کوشش ہے کہ ادارہ کی طرف سے بوسنیا کے مسئلہ میں کسی طرح کی مداخلت نہ کی جائے، وہاں پر مسلمان خاک وخون میں تڑپ رہے ہیں لیکن جنرل سکریٹری اس کوشش میں مصروف ہیں کہ ادارہ کے ممبران کی توجہ کسی دوسرے مسئلہ کی جانب موڑ دی جائے!

فوجی ماہرین کا خیال ہے کہ اس وقت بوسنیا میں جو خونیں ڈرامہ کھیلا جارہا ہے اسے کسی منظم جنگ کا نام نہیں دیا جاسکتا کیونکہ فریقین کی طاقت میں کوئی توازن نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ بوسنیا کے نہتے مسلمانوں کے خلاف نسل کشی کی ناپاک کوشش کی حیثیت رکھتا ہے۔

ڈاکٹر بطرس غالی کی ایک اور وضاحت بیحد افسوسناک ہے، ۲۵ر اپریل ۹۲ء کے اپنے ایک بیان میں انہوں نے اس بات کی شدید مخالفت کی تھی کہ بوسنیا میں امن وسلامتی کے تحفظ کے لئے اقوام متحدہ کی فوجوں میں اضافہ کیا جائے، ۱۳ر مئی ۹۲ء کو سلامتی کونسل کے نام اپنے ایک خط میں سکریٹری جنرل نے لکھا ہے کہ سلامتی کونسل کو بوسنیا میں تحفظ امن سے متعلق اپنی کوششوں کا دائرہ محدود کرنا چاہئے، موجودہ مرحلے میں اقوام متحدہ کے لئے ممکن نہیں کہ یوگوسلاویہ میں قیام امن کی ذمہ داری سنبھالے!

اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کا عہدہ بڑا اہم اور باوقار عہدہ ہے، جو شخص اس عہدہ پر فائز ہو اس کی طرف سے کسی مخصوص مسئلہ میں اگر جانبداری کا مظاہرہ ہو تو عام طور پر لوگ اس کی تحلیل وتوجیہ کی کوشش کرتے ہیں، جنرل سکریٹری کے سابقہ رویہ کے سلسلہ میں بھی یہی ہوا، لوگوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ چونکہ سربیا نصرانیت کا پابند ہے اور بوسنیا میں مسلمانوں کو ظلم وستم کا نشانہ بنایا جارہا ہے، اس لئے جنرل سکریٹری خاموش ہیں کیونکہ وہ خود نصرانی مذہب کے پیرو ہیں۔ یورپ اور امریکہ کے ذمہ دار بھی شاید اسی وجہ سے خاموش تماشائی بنے بیٹھے ہیں کہ

وحشت و بربریت کا نشانہ مسلمان ہیں کوئی اور نہیں !

بوسنیا کے بعد ایک نظر پولینڈ کے مسلمانوں پر ڈالئے، یہاں بھی وہی بازی گری ہے لیکن اس کی بازگشت کم ہے کیونکہ قتل وغارت گری کا سلسلہ یہاں بوسنیا کی طرح نہیں ہے البتہ دونوں جگہ مسلمانوں کی آزمائش کمیونزم کے زوال کے بعد شروع ہوئی ہے۔ ۱۹۸۹ء میں کمیونزم کے خلاف مزدور تحریک کو کامیابی حاصل ہوئی تو نصرانیت کے سرپرست حرکت میں آگئے، ویٹیکن کے ذمہ داروں نے یہ سوچا کہ کمیونزم کے زوال سے جو روحانی وفکری خلا پیدا ہوا ہے اسے نصرانیت کے اصول وافکار سے پُر کیا جائے، اس مقصد کے لئے خود پوپ پال دوم نے پولینڈ کا دورہ کیا اور پہلے مختلف دیہاتوں کا دورہ کیا، پھر شہروں میں گئے، اور پولینڈ کے باشندوں سے مطالبہ کیا کہ وہ دوبارہ گرجے کی طرف لوٹ آئیں، انہوں نے اپنی تقریروں میں اشارہ کیا کہ کلیسا پولش عوام کے مسائل ومشکلات کو سمجھتا ہے، اور ان کے حل کے لئے وہ ہر طرح کا تعاون پیش کرے گا۔ نصرانیوں کی طرف سے پولینڈ کو اپنے مذہب کی طرف مائل کرنے کی جو کوشش کی جا رہی ہے وہ ان کا حق ہو سکتا ہے لیکن جس بات سے اندیشہ ہے وہ یہ کہ اس سلسلہ کے آگے بڑھنے کے بعد پولینڈ کے مسلمانوں کے لئے نئی دشواریوں کا آغاز ہوگا، کیونکہ دوسری طرف صہیونی عالمی تحریک بھی پولینڈ کے عوام پر نظر جمائے ہوئے ہے، اس تحریک کے ذمہ دار سیاست، ثقافت اور ذرائع ابلاغ پر اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں، اور اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ کر بھی لیا ہے، پولینڈ کی مزدور تحریک کے سربراہ کا سب سے پہلا بیرونی دورہ تل ابیب کا تھا، جس سے ان کے رجحان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کا رخ بھی عرب اور مسلمانوں کے خلاف نظر آتا ہے، وقتاً فوقتاً ان کے خلاف بیانات ومضامین آتے رہتے ہیں، پولینڈ میں مسلمانوں کی تعداد مختصر یعنی صرف بیس ہزار ہے، لیکن مشرقی یورپ کے ملکوں میں ان کی تعداد بارہ ملین سے زیادہ ہے اور اس پوری آبادی کو ہمہ وقت یہودیت، صہیونیت اور نصرانیت کا خطرہ ہے، ایسی نازک صورت میں مسلم ممالک اور علماء وقائدین کا جو فرض ہے اسے سب جانتے ہیں بعض ممالک اس فرض کی ادائیگی کے لئے کوشاں بھی ہیں لیکن صورت حال کے تقاضہ کے مطابق کوشش نہ ہو تو اسی کو غفلت وتقصیر کا نام دیا جاتا ہے۔

پولینڈ کے بعد مشرقی یورپ کے ایک اور ملک البانیہ پر نظر ڈالئے، اس کا دارالحکومت تیرانا ہے، آبادی بیس لاکھ ہے جس میں اکثریت یعنی ۷۰ فیصد مسلمان ہیں، اس علاقہ کو عثمانی تسلط سے چھین کر ۱۹۱۲ء میں آزاد کیا گیا، دوسری جنگ عظیم کے بعد ۱۹۴۶ء میں یہاں جنرل انور خوجہ کو وقتی طور پر سربراہ مقرر کیا گیا اور اسی سال انتخابات کرائے گئے جن میں کمیونسٹ عناصر کو کامیابی حاصل ہوئی۔ انور خوجہ کی سربراہی میں البانیہ کی لیبر کمیونسٹ پارٹی برسر اقتدار رہی، اور مسلمانوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

تقریباً نصف صدی کے بعد جب پچھلے دنوں البانیہ میں انتخابات کرائے گئے تو البانی عوام نے کمیونزم سے نجات کے بعد اسلام کی راہ اختیار کرنے کے بجائے مغرب کا رخ کیا اور سیکولر نظام حکومت اختیار کرنے کی بات کرنے لگے، وہاں کے ایک لیڈر کا بیان ہے کہ البانیہ میں ترکوں کے دباؤ کی وجہ سے اسلام پھیلا تھا، اب کمیونزم کے بعد یہاں کے عوام یورپ کے طرز پر حکومت قائم کریں گے۔

اس طرز فکر کے لیڈران اصل میں البانی عوام کو کمیونزم کی بھٹی سے نکال کر نصرانیت و صہیونیت کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہیں، اور عوام کے جذبات کو پوری طرح نظر انداز کر رہے ہیں۔ دنیا کی مسلم حکومتوں اور عام انصاف پسند حلقوں کو اس بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر کسی ملک کے عوام کو زبردستی اسلام میں داخل کرنا انصاف و جمہوریت کے خلاف ہے تو کیا انھیں اسلام سے برگشتہ کرنے اور اسلام کی وجہ سے ظلم و ستم کا نشانہ بنانا مناسب ہے؟ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں کسی بھی جگہ لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اسے چھوڑا نہیں، بلکہ اس کے لئے ہر طرح کی مشقت برداشت کی اور قربانی پیش کی۔ اسلام کے لئے یہ جاں نثاری مخالفین کو پسند نہیں آئی اس لئے جہاں موقع ملا یہ کوشش کی گئی اور کی جارہی ہے کہ انھیں اسلام کی وجہ سے یا تو نابود کر دیا جائے یا مختلف وسائل سے کام لے کر اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا جائے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

تہذیب و تمدن اور جمہوریت و آزادی کا موجودہ دور میں تماشہ دیکھنے کے بعد مسلمانوں کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کے علاوہ کسی اور چیز کا مشورہ دینا سخت ترین غلطی ہوگی۔

۰۰۰

امام ابوزکریا محی الدین یحییٰ ابن شرف نوویؒ

۶۳۱ھ — ۶۷۶ھ

ملک عبدالرشید عراقی ________ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ (پاکستان)

صحاح ستہ میں الجامع الصحیح البخاری اور الجامع الصحیح المسلم کو جو مرتبہ و مقام حاصل ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے حافظ ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

کتابا هما اصح الکتب بعد کتاب الله العزیز ثم ان کتاب البخاری اصح الکتابین صحیحا واکثرها فوائد [۱]

یعنی کتاب اللہ کے بعد ان دونوں کتابوں کا درجہ ہے پھر صحیح بخاری کا مرتبہ صحت اور کثرتِ فوائد کے لحاظ سے مقدم ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۱۷۶ھ) فرماتے ہیں کہ:

جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ مبتدع ہے، اور مسلمانوں کی راہوں کے خلاف چلتا ہے۔ [۲]

علامہ نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:

علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ صحیح بخاری صحت اور دیگر فواید کے لحاظ سے صحیح مسلم پر فائق ہے۔ [۳]

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

لایوازیه فیه غیره لا صحیح مسلم ولا غیره۔ [۴]

---

[۱] مقدمہ ابن صلاح ص ۱۴ [۲] حجۃ اللہ البالغۃ ج ۱ ص ۲۹۷، [۳] مقدمہ شرح مسلم نووی ص ۱۱،
[۴] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۲۸۔

صحیح بخاری کا صحیح مسلم یا اور کوئی کتاب مقابلہ نہیں کرسکتی۔

امام محمد بن ادریس شافعی (۲۰۴ھ) کا قول علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) نے تزئین الممالک بمناقب امام مالک میں نقل کیا ہے کہ:

"ما علیٰ ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک [1]"

روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مؤطا امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔

امام شافعی (۲۰۴ھ) کے اس قول کے متعلق علامہ نووی (۶۷۶ھ) نے لکھا ہے کہ:

امام شافعی کا یہ فیصلہ ان دونوں کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کے وجود میں آنے سے پیشتر تھا، امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی، جب کہ اس وقت امام بخاری کی عمر دس سال تھی (امام بخاری ۱۳ شوال ۱۹۴ھ میں بخارا میں پیدا ہوئے [2]) (اور اسی سال امام مسلم پیدا ہوئے [3]) [4]۔

کتاب اللہ کے بعد صحیحین (بخاری و مسلم) کا مرتبہ ہے، اور امت مسلمہ نے ان دونوں کتابوں کی تلقی بالقبول کی ہے، الجامع الصحیح البخاری فوائد و معارف کے لحاظ سے کتب حدیث میں بلند مرتبہ و مقام کی حامل ہے۔

علامہ شبیر احمد عثمانی (م ۱۹۴۹ء) نے مقدمہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں علامہ جزری (م ۸۳۳ھ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

ورجحان کتاب البخاری علیٰ کتاب مسلم أمر ثابت ادّی الیہ بحث جہابذۃ النقاد واختیارھم [5]۔

یعنی صحیح بخاری کا امام مسلم کی کتاب پر من حیث الصحۃ راجح و مقدم ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا اعتراف بڑے بڑے ناقدین فن نے بحث و فکر کے بعد کیا ہے۔

علامہ جزری کے اس قول سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحیح بخاری کے بعد صحیح مسلم کا درجہ ہے، محی السنۃ امیر الملک

[1] تزئین الممالک ص ۴۳، [2] مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۰، [3] بستان المحدثین ص ۱۱۶،
[4] لامع الدراری ص ۴۱، [5] مقدمہ فتح الملہم ص ۱۹۶۔

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں قنوجی رئیس بھوپال (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں،

واقع امت اجماع بر تلقی ایں ہر دو کتاب بالقبول والتسلیم زیرا کہ شیخین مقدم اند برائمہ عصر مابعد در معرفت علل وغوامض ایں [1]

یعنی صحیح بخاری ومسلم کی صحت پر تلقی بالقبول اور تسلیم عام حاصل ہے، کیونکہ امام بخاری وامام مسلم اپنے زمانے اور مابعد کے ائمہ پر احادیث کے علل اور اس کی باریکیوں کی معرفت وتمیز میں سب پر مقدم وفائق تھے۔

الجامع الصحیح البخاری اور الجامع الصحیح المسلم کی اہمیت ومقبولیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہر دور کے علماء کرام نے اس کے شروح وحواشی لکھے، مگر جو شہرت ومقبولیت صحیح بخاری کی شرح فتح الباری [2] اور صحیح مسلم کی شرح المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج (شرح نووی) کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کتاب کو حاصل نہیں ہوئی۔

اس مقالہ میں امام نووی کے حالات ومناقب، ان کے علمی کارناموں کی تفصیل اور خاص کر ان کی شرح مسلم پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ (عبدالرشید عراقی)

امام نووی ۶۳۱ھ میں ملک شام کے ایک قریہ نوا میں پیدا ہوئے [3]۔ تحصیل علم کے سلسلہ میں جن اساتذہ کرام سے امام نووی نے استفادہ کیا ان کے نام علامہ شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) نے تذکرۃ الحفاظ میں درج کئے ہیں [4]، اور اس کے ساتھ علامہ ذہبی (۷۴۸ھ) نے آپ کے تلامذہ کی فہرست بھی درج کی ہے [5]۔

---

[1] اتحاف النبلاء ص ۴۸۔ [2] فتح الباری علامہ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) کی تصنیف ہے، یہ شرح ۱۴ جلدوں میں ہے، اور اس کا ایک علیحدہ مقدمہ ہے، مقدمہ بیشتر علمی وجامع فوائد پر مشتمل ہے، علامہ ابن حجر نے یہ شرح ۲۵ سال میں مکمل کی، الجامع الصحیح البخاری کی بہت سی شروح میں اس شرح سے مدد لی گئی ہے، فتح الباری پر مفصل تبصرہ انشاء اللہ العزیز حافظ ابن حجر عسقلانی کے حالات میں کیا جائے گا۔ (عراقی)

[3] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۷۸۔

[4] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۶، [5] ایضاً۔

۶۴۹ھ میں آپ اپنے والد کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ میں دو ماہ قیام کیا، آپ نے علمائے مدینہ سے استفادہ کیا اس کے بعد واپس وطن تشریف لے گئے، اور پورے انہماک کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ [1]

حدیث میں تبحر علمی

علم حدیث اور اس کے متعلقات سے انھیں غیر معمولی شغف تھا، علمائے کرام نے ان کو ممتاز شراح حدیث میں شمار کیا ہے، اور اس کے ساتھ حدیث میں ان کے تبحر علمی کا اعتراف کیا ہے۔ حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام نووی حدیث و فنون حدیث کے حافظ و متبحر عالم، رجال و اسناد اور صحیح و سقیم حدیثوں کی پرکھ کے ماہر تھے۔ [2]

فقہ وافتاء

حدیث کی طرح فقہ و افتاء میں بھی امام نووی ممتاز تھے، اور ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا، علمائے کرام اور ارباب سیر نے ان کا فقہ و افتاء میں ممتاز ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

نووی اپنے زمانہ کے اکابر فقہاء اور شوافع کے شیوخ میں سے تھے، اور بعض مسائل میں ان کے اقوال اپنے مذہب کے علماء سے مختلف ہوتے تھے۔ [3]

حافظ شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں کہ:

امام نووی نے امام شافعی کے مذہب کی گوناگوں خدمات انجام دیں، اس کی تحقیق و تصحیح، ضبط و تنقیح، تحریر و تدوین اور ترتیب و تہذیب میں ان کا بڑا حصہ رہا، اور اس مذہب (شافعی) کے چوٹی کے علماء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ [4]

جامعیت

امام نووی جامع العلوم تھے، تمام علوم اسلامی یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، تاریخ، ادب، لغت، قراءۃ و تجوید، اسماء الرجال اور صرف و نحو میں ید طولیٰ رکھتے تھے، کتاب الٰہی سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۹۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۴۲۔ [3] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳، ص ۲۷۸۔ [4] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۴۲۔

خاص انس تھا، اور اس کے حافظ تھے، علم تفسیر سے خاص لگاؤ تھا اور اس کے علاوہ تمام علوم اسلامی میں ان کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ ؎۱

امام نووی کی خصوصیات

امام نووی جہاں علم و فضل میں یکتا تھے، وہاں آپ بہت بڑے متدین، عابد و زاہد، ذکر الٰہی میں مشغول، متورع، باعمل، شب بیدار، حامی دین و ناصر سنت تھے، ورع و تقویٰ میں بے مثال تھے، ان کی ساری زندگی اسلامی علوم، خصوصاً حدیث و سنت کی خدمت و اشاعت میں بسر ہوئی، علمائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ: امام نووی کی ساری زندگی حدیث و سنت کی اشاعت میں گذری اور ان کی اصل دل چسپی کا مرکز حدیث و فقہ تھا ؎۲۔ اس کے علاوہ امام نووی اس خصوصیت کے بھی حامل تھے کہ ساری عمر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی سے غافل نہیں رہے اور اس میں کسی مصلحت و مداہنت کے قائل نہ تھے، عوام تو درکنار امراء و سلاطین کو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں وعظ و تلقین کرتے تھے، حافظ ذہبی (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

> ایک دفعہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلہ میں سلطان وقت ملک ظاہر کو خط لکھا کہ، جس میں آپ نے اس کو معاصی سے بچنے کی تلقین کی، وہ اس پر سخت برہم ہوا، اور گرفتار کرنا چاہا مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے تشدد سے ان کو بچا لیا، بعد میں یہی ملک ظاہر ان کا معتقد ہو گیا، اور بڑی تعظیم و تکریم کرنے لگا۔ ؎۳

فضل و کمال

امام نووی کے فضل و کمال، جامعیت، عدالت و ثقاہت، حفظ و ضبط اور علمی کمال کا ارباب سیر اور علماء کرام نے اعتراف کیا ہے، اور علمائے کرام نے آپ کو "شیخ الاسلام" "سراج الاولیاء، یکتائے روزگار" اور امام و حافظ کے الفاظ سے یاد کیا ہے ؎۴۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:

؎۱ طبقات الشافعیۃ ج۵ ص ۱۶۵، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۷۱۔ ؎۲ تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۶۰۔
؎۳ ایضاً ص ۲۶۴، وشذرات الذہب ج ۵ ص ۳۵۶۔ ؎۴ طبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۱۶۶، شذرات الذہب ج ۵ ص ۳۵۶، اتحاف النبلاء ص ۴۰۴۔

شیخ محی الدین نووی علامۂ وقت، مذہب شافعی کے شیخ، اور اپنے زمانہ کے جلیل القدر فقیہ اور زہد و اتقاء میں بے مثال تھے۔[1]

فقہی مذہب امام نووی شافعی المذہب تھے اور ان کا شمار مذہب شافعی کے اساطین اور اکابر میں ہوتا تھا۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام نووی مذہب شافعی کے اساطین اور اکابر میں سے تھے، ان کے مزاج میں حق پسندی اور انصاف پسندی بہت زیادہ تھی، اس لئے ان کو اپنے مذہب کے علماء سے اختلاف کرنے اور دوسرے مذاہب کے ائمہ کے اقوال نقل کرنے میں کوئی امر مانع نہ ہوتا تھا، عقیدہ و مسلک میں وہ سلف صالحین اور اہل سنت کے مذہب پر سختی سے عمل پیرا تھے۔ حدیث و سنت کی اتباع اور سلف کے مسلک کی ہمنوائی اور اس کی دعوت و تلقین ان کا اصلی طغرائے امتیاز تھا، اور طریقہ اسلاف کے داعی اور متقدمین اہل سنت کے متبع تھے۔[2]

وفات امام نووی نے ۴۵ سال کی عمر میں ۲۴ رجب ۶۷۶ھ اپنے آبائی قریہ نوا میں انتقال کیا۔[3]

تصنیفات امام نووی نے ۴۵ سال کی عمر پائی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس مختصر مدت میں ان کے علمی کاموں میں برکت دی، اور جو آپ نے تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں وہ اہل علم کے لئے قیمتی سرمایہ ہیں۔ ارباب سیر نے ان کی ۲۸ کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

اہل بصیرت سے یہ مخفی نہیں کہ امام نووی اور ان کی تصنیفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور توجہ شامل رہی ہے۔[4]

طاش کبری زادہ (۹۶۸ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام نووی کی کتابیں یادگار ہیں، اور فن حدیث میں ان کی کتابوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔[5]

---

[1] البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۷۸۔ [2] طبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۱۶۶۔ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۲۶۳۔

[4] طبقات الشافعیۃ ج ۵ ص ۱۶۷۔ [5] مفتاح السعادۃ ج ۱ ص ۲۹۸۔

اسماء الکتب للنووی

(۱) التحقیق والترخیص فی الاکرام بالقیام لذوی الفضل والمزنیۃ من اھل الاسلام ۔ علماء اسلام نے اسی کتاب کا نام الترخیص فی الاکرام بالقیام لذوی الفضل والمزنیۃ من اھل الاسلام ۔ اور فضل القیام لاھل العلم والحدیث والزھاد والعباد والصلحاء والفقراء من اھل الاسلام بھی لکھا ہے[۱] (مطبوعہ) (۲) بستان العارفین (۳) تحفۃ الوالد وبغیۃ الرائد (۴) خلاصۃ الاحکام فی مہمات السنن وقواعد الاسلام (۵) روح المسائل (ج۲) ص[۲]

(۶) غیث النفع فی القراءۃ السبع ۔ (۷) مناقب الشافعی (۸) عمل الیوم واللیلۃ[۳]

(۹) مراءۃ الزمان فی تاریخ الاعیان۔[۴] (۱۰) عیون المسائل المہمۃ (فتاوی نووی)[۵]

(۱۱) المنثورات وعیون المسائل والمہمات[۶] ۔ (۱۲) طبقات الشافعیۃ ، علامہ ابن صلاح (۶۴۳ھ) کی کتاب طبقات الشافعیۃ کا مختصر اور امام نووی کی طرف سے کسی قدر اضافہ۔[۷]

(۱۳) الاصول والضوابط فی المذھب : اہم فقہی اصول وقواعد اور مفید مطالب ومقاصد پر مشتمل[۸]

(۱۴) الارشاد فی علوم الحدیث : اس کتاب کا موضوع اصول حدیث ہے ، اور علامہ ابن صلاح (۶۴۳ھ) کی مشہور ومعتبر مختصر علوم الحدیث کا خلاصہ ہے۔[۹]

(۱۵) التقریب والتیسیر فی مصطلح الحدیث : یہ الارشاد فی علوم الحدیث کا مختصر ہے علمائے کرام نے اس کی کئی شرحیں لکھی ہیں ۔

شارحین میں حافظ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) ۔ علامہ برہان الدین ابراہیم حلبی (۸۵۱ھ) علامہ شمس الدین محمد بن عبدالرحمن سخاوی (۹۰۲ھ) اور حافظ جلال الدین عبدالرحمن سیوطی (۹۱۱ھ) شامل ہیں ، حافظ سیوطی کی شرح تدریب الراوی بہت مشہور اور متداول ہے ۔[۱۰]

---

[۱] معجم المطبوعات کالم ۱۸۷۰ ۔ [۲] کشف الظنون ج۱ ص ۸ ۔ [۳] فہرست کتب خانہ پشاور ص ۵۵ ۔ [۴] کشف الظنون ج۲ ص ۱۴۲۳ ۔ [۵] کشف الظنون ج۲ ص ۱۴۵ ۔ [۶] ایضاً ج۲ ص ۱۸۴۳ ۔ [۷] ایضاً ج۲ ص ۹ ۔ [۸] ایضاً ج۱ ص ۱۱۷ ۔ [۹] ایضاً ج۱ ص ۸۷ ۔ [۱۰] ایضاً ج۱ ص ۳۱۸ ۔

(۱۶) الاشارات الی بیان اسماء المبہمات۔[۱] (۱۷) الایضاح فی المناسک۔[۲]
(۱۸) شرح البخاری (کتاب الایمان تک) [۳] (۱۹) کتاب التبیان فی آداب القرآن۔ (۲۰) مقاصد النووی (توحید عبادت اور تصوف سے متعلق) [۴]۔
(۲۱-۲۲) التحریر فی شرح التنبیہ (شیخ ابو اسحاق شیرازی (م ۴۷۶ھ) کی کتاب التنبیہ کی شرح (امام نووی نے کتاب التنبیہ کی دو شرحیں لکھیں [۵]۔
(۲۳) شرح المہذب (شیخ ابو اسحاق شیرازی (م ۴۷۶ھ) کی مشہور و معروف کتاب: المہذب فی الفروع کی شرح [۶] (۲۴) کتاب الاذکار: یہ امام نووی کی مشہور کتاب ہے، اس کی بھی کئی شرحیں علمائے کرام نے کی ہیں، شارحین کے نام یہ ہیں۔
شیخ محمد بن علی بن محمد بن علان مکی شافعی (م ۱۰۵۷ھ) (الفتوحات الربانیہ علی الاذکار النوویہ۔
علامہ جلال الدین سیوطی (م ۹۱۱ھ) (۱) اذکار الاذکار، (۲) تحفۃ الابرار بنکت الاذکار۔ شیخ شہاب الدین احمد بن حسین رملی (م ۸۴۴ھ) (مختصر الاذکار [۷]
(۲۵) تہذیب الاسماء واللغات: یہ امام نووی کی مشہور و معروف کتاب ہے، اس میں امام نووی نے اسماء و الفاظ کی حرکات کو منضبط کیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف میں امام نووی نے تاریخ، طبقات، رجال، تراجم، انساب، مغازی، سیر، تفسیر، حدیث، اصول حدیث، شروح حدیث، فقہ و کلام، لغت و ادب اور صرف وغیرہ گوناگوں فنون کی کتابوں سے مدد لی ہے اور ان کا تذکرہ کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے۔
امام نووی کی یہ کتاب عظیم فواید و مباحث پر مشتمل ہے، اس میں رجال، طبقات اور لغت کے علاوہ تفسیر و حدیث وغیرہ متعدد علوم جمع کر دیئے ہیں۔
علمائے کرام نے امام نووی کی اس کتاب کی جانب توجہ کی اور اس کی شرح تلخیص اور مختصر لکھے، مثلاً

---

[۱] کشف الظنون ج ۱ ص ۱۰۴۔ [۲] ایضاً ج ۱ ص ۱۸۶۔ [۳] مقدمہ نووی شرح مسلم ص ۴۔ [۴] معجم المطبوعات کالم ۸، ۱۸۔ [۵] مقدمہ شرح صحیح مسلم ص ۲۔ [۶] کشف الظنون ج ۲ ص ۵۷۵، البدایۃ والنہایۃ ج ۱۳ ص ۲۷۹، شذرات الذہب ج ۵ ص ۳۵۶، [۷] کشف الظنون ج ۱ ص ۵۲۴۔

شیخ کمال الدین محمد بن محمد حنفی (سنہ ۸۶۰ھ)۔ شیخ عبدالقادر کرشی (سنہ ۰۰ھ)۔ شیخ عبدالرحمن بن محمد بسطامی اور شیخ جلال الدین سیوطی (سنہ ۹۱۱ھ)۔ [1]

(۲۶) الروضۃ (فقہی مباحث پر مشتمل) اس کا دوسرا نام روضۃ الطالبین وعمدۃ المتقین فی الفروع بھی ہے۔ [2]

(۲۷) منہاج الطالبین وعمدۃ المتقین: یہ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد رافعی قزوینی سنہ ۶۲۳ھ کی تصنیف ہے، امام نووی نے اس کا مختصر کیا ہے، یہ بڑی اہم کتاب ہے اور شوافع میں بہت مشہور اور متداول بھی ہے۔ [3]

اربعین

حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"میری امت میں سے جو شخص میری چالیس احادیث یاد کرے گا وہ امت کے فقہاء میں اٹھے گا۔ [4]

اس حدیث کی روشنی میں علماء سلف نے چالیس احادیث کے مجموعے مرتب کرنے کی جانب توجہ کی اربعینات بھی کتب حدیث کی ایک مشہور قسم ہے۔

مختلف علمائے کرام نے مختلف اغراض ومقاصد کے تحت اربعینات مرتب کئے، بعض نے توحید وصفات کی احادیث، بعض نے اصول ومہمات دین کی احادیث، بعض نے جہاد کی، بعض نے زہد ومواعظ کی، اور بعض نے آداب واخلاق کی احادیث جمع کیں۔

امام نووی نے جو اربعین مرتب کی اس میں انہوں نے ان سب امور کا لحاظ رکھا ہے، اس لئے ان کا مجموعہ اربعین ان گوناگوں اغراض ومقاصد کا جامع ہے۔ امام نووی خود فرماتے ہیں:

وھی اربعون حدیثا مشتملۃ علی جمیع ذلک وکل حدیث منہا قاعدۃ عظیمۃ من قواعد الدین۔

---

[1] کشف الظنون ج ۱ ص ۳۵۰۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۳۵۰۔ [3] ایضاً ج ۲ ص ۵۵۰۔

[4] پایہ اعتبار سے یہ روایت ساقط ہے۔ (عراقی)

یہ چالیس احادیث ان سب امور کو شامل ہیں، اور ان میں ہر ہر حدیث دین کے کسی عظیم الشان قاعدہ پر مبنی ہے۔

امام نووی کی اربعین میں اکثر روایات صحیحین (بخاری مسلم) سے لی گئی ہیں اور سندوں ا گیا ہے، اور ۴۰ کی بجائے ۴۲ احادیث جمع کی ہیں۔ [1]

---

[1] اربعین نووی کی اہمیت کے پیش نظر علمائے کرام نے اس کی شرحیں لکھی ہیں، شارحین میں امام ابن رج (م ۶۹۵ھ) نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی (م ۷۱۰ھ)۔ تاج الدین عمر بن علی فاکہی (م ۷۳۱ھ) جلا بن حسن اشبیلی (م ۶۹۹ھ) برہان الدین ابراہیم بن احمد (م ۸۵۱ھ) شیخ زین الدین سرج (م ۷۸۸ھ)، مصلح الدین محمد بن سید عبادی (م ۹۷۹ھ) شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی (م ۳ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) شیخ سراج الدین عمر بن علی بن ملقن شافعی (م ۸۰۴ھ) حافظ ابر (م ۸۵۲ھ) وغیرہ شامل ہیں۔ (کشف الظنون ج ۱ ص ۸۰، ۸۱)

علمائے اہل حدیث نے بھی اربعین مرتب کئے، جن کی تفصیل یہ ہے:

شرح چہل حدیث معنون بہ راہ جنت (اردو) مولانا سید اولاد حسن قنوجی (م ۱۲۵۳ھ) الفلاح شرح اربعین نووی، مولانا فریدالدین کاکوروی (م ۱۳۱۹ھ) اربعین محمدی مولانا ابوالقاسم بنار ترجمہ پنجابی اربعین نووی۔ مولانا محی الدین عبدالرحمن لکھوی (م ۱۳۱۲ھ) خیر القرین ترجمہ اربعین سید نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) اربعین ثنائیہ (اردو) مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری اربعین ابراہیمی (اردو) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م ۱۳۷۵ھ) اربعین محمدی (اردو) مولانا محمد جوناگڈھی (م ۱۳۶۱ھ) اربعین اردو شرح نووی، مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی (م ۱۳۷۹ھ) عین الیقین غزالی (اردو) نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) چالیس حدیثیں (اردو) مولانا عبدالحی فاروقی (م ۱۳۸۴ھ) ترجمۃ الاربعین فی احادیث النبی۔ اربعون حدیثا متواترۃ، اربعون حدیثا فی فضائل الحج والعمرۃ (عربی) از مولانا سید نواب (م ۱۳۰۷ھ) اربعین رحمانی (منجانب دارالحدیث رحمانیہ دہلی)

ریاض الصالحین ریاض الصالحین امام نووی کی مشہور و معروف کتاب ہے، اس کتاب میں ترغیب و ترہیب اور زہد و ریاضت سے متعلق احادیث جمع کی گئی ہیں اور یہ کتاب اسلامی مدارس کے نصاب میں شامل ہے۔[۱]

شرح صحیح مسلم اس شرح کا اہم المنہاج فی شرح مسلم بن حجاج ہے، مگر شرح صحیح مسلم کے نام سے معروف ہے، یہ علامہ نووی کی سب سے اہم اور شہرہ آفاق تصنیف ہے، اور امام نووی اس شرح کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> اگر لوگوں کی ہمتیں پست نہ ہوتیں تو میں اس شرح کو ایک سو جلدوں میں مکمل کرتا لیکن تین جلدوں میں ختم کر دیا۔ اس شرح کے شروع میں ایک مقدمہ طالبین حدیث کے لئے غایت مفید ہے۔[۲]

صحیح مسلم کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں مگر جو مقبولیت اور شہرت شرح نووی کو حاصل ہوئی وہ کسی اور شرح کو حاصل نہیں ہوسکی، یہ شرح نہ طویل ہے نہ ہی مختصر، بلکہ متوسط ہے۔ یہ شرح حشو و زوائد اور تکرار سے خالی، اور مفید فنی مسائل و مباحث پر مشتمل ہے۔

امام نووی نے شروع میں ایک مفید علمی و جامع تحقیقی مقدمہ بھی لکھا ہے، اس مقدمہ میں امام نووی نے صحیح مسلم کی اہمیت و خصوصیت، امام مسلم کی حدیث میں عظمت و برتری اور اس کے علاوہ اصول روایت اور

---

[۱] ریاض الصالحین برصغیر میں سب سے پہلے حضرت مولانا سید عبداللہ الغزنوی (م ۱۲۹۸ھ) لاہور سے لیتھو پر چھپوا کر شائع کیا، مولانا عبداللہ الغزنوی اپنے متوسلین کو ریاض الصالحین کے مطالعہ کی ترغیب دیا کرتے تھے، ریاض الصالحین کا سب سے پہلے اردو ترجمہ مولانا عبداللہ الغزنوی کے ایک فاضل شاگرد مولانا احمدالدین مرحوم جو موضع گوم ضلع لدھیانہ (مشرقی پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ "روض الریاضین" کے نام سے کیا تھا، یہ ترجمہ متعدد بار طبع ہوا، آج کل نایاب ہے۔ (علمائے اہلحدیث کی تفسیری و حدیثی خدمات ص ۶۸)۔ مولانا عبدالاول غزنوی (م ۱۳۱۳ھ) نے بھی ریاض الصالحین کا ترجمہ کیا جو امرتسر سے شائع ہوا۔ (ہندوستان میں اہلحدیث کی علمی خدمات ص ۴۶)۔ مولانا محمد صادق خلیل نے بھی ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ کیا ہے جو نعمانی کتبخانہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ [۲] سیرۃ البخاری ص ۲۱۵-۲۱۶۔

فن حدیث کے مباحث پر روشنی ڈالی ہے۔ [1]

امام نووی شافعی المذہب تھے، بعض حضرات نے اعتراض کیا ہے کہ امام نووی کو اپنے مذہب میں غلو تھا، اس لئے انہوں نے شرح مسلم میں بھی زیادہ شافعی مذہب کا اہتمام کیا ہے، مگر نووی کے حامیوں نے اس کو غلط قرار دیا ہے۔

محی السنۃ امیر الملک مولانا سید نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں:

> ومنزہ بود از تعصب شافعیت ومتصف بانصاف ونقل میکرد در کتب خود از اقوال ابوحنیفہ رحمہ۔

> شافعی مذہب کی عصبیت سے پاک اور انصاف پسند تھے، اور اپنی کتابوں میں امام ابوحنیفہؒ کے اقوال ومسالک بھی بیان کرتے ہیں۔

امام نووی نے اس شرح میں فن حدیث کے علاوہ اصول وشرح حدیث، فقہ واحکام، تفسیر وتاریخ، کلام وعقائد، سیر وتراجم، رجال وانساب، لغت وادب، صرف ونحو، اعراب وامالی، اور قرأت وتجوید کے مسائل ومباحث بھی تحریر کئے ہیں، اور ان میں سے ہر ہر فن کی کتابوں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

......

[1] مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری (م ۱۳۳۷ھ) اور مولانا شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی (م ۱۳۲۹ھ) نے مقدمہ صحیح مسلم کی علمی شرحیں لکھیں، جو طبع نہیں ہوسکیں۔ (سیرۃ البخاری ص ۲۱۴)۔

سرِ شاخِ طوبیٰ

ایک مطالعہ

محمد اطہر افضال احمد ر جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن

فکر و فن کے لئے جو زندہ حوالہ ہو عتیقؔ
اک زمانے کا اسے کیوں نہ پیمبر کہہ دوں

(عتیق احمد عتیقؔ)

اُردو زبان کے نامور شاعر فضا ابن فیضی (۱۹۲۳ء) تقریباً گذشتہ نصف صدی سے اپنے موئے قلم سے شعر و سخن کے کینوس پر غیر فانی نقوش ثبت کر رہے ہیں۔ لیکن ان کے فکر و فن اور شعور و آگہی کی یہ طویل ریاضت صلہ و ستایش اور تعریف و تحسین سے بے نیاز ہے۔ انھیں کاروبارِ لوح و قلم کی لاحاصلی کا احساس بھی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے پہلے مجموعۂ کلام " سفینۂ زرگل " میں اس زیاں کوشی کا اظہار اس طرح کیا ہے :

کتنا مہنگا ہے نہ پوچھو یہ قلم کا سودا ‏‏ ‏‏ ‏‏ ہلکو بھی نفع کی امید سو گھر سے بھی گیا (۱)

قلم کے سودے کی گرانی، اور اس سودے میں خسارے کے باوجود بھی فضا صاحب نہایت خلوص اور پوری ادبی و شعری دیانت کے ساتھ چمنستان شعر و سخن کی ترصیع و تزئین میں ہمہ تن مصروف ہیں، ان کا

(۱) " سفینۂ زرِ گل " صفحہ ۲۰

لق کسی ادبی گروہ یا کسی مخصوص دبستان سے نہیں ، وہ ترقی پسندوں کے ہنگامہ خیز نعروں سے بھی
اثر نظر نہیں آتے، اور نہ جدیدیت کی چمک دمک سے وہ اپنی متنوع تخلیقی شخصیت کو سجانے سنوارنے
کوشش کرتے ہیں، بلکہ نہایت بے لوثی، خلوص اور بے باکی کے ساتھ اپنے احساسات وجذبات
اظہار کرتے ہیں۔

جیسا کہ اردو کے عظیم نقاد ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی (۱۹۱۷ء)[1] آپ کی کسی مکتبۂ فکر سے ناوابستگی
ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں :

" وہ کبھی کسی تحریک سے وابستہ نہیں رہے اور " شمع شبِ تنہائی خویش " کی صورت اپنے
ن کا جادو جگاتے رہے۔" (۲)

ان کے درج ذیل شعر سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے :

فکر کی رو کسی تحریک کی پابند نہیں سچے شاعر ہو تو ذہنوں کو کشادہ کرلو (۳)

" سرشاخ طوبیٰ " فضا صاحب کے تخلیقی سفر کی چوتھی منزل ہے ۔ دوسو چوبیس ۲۲۴ صفحات پر مشتمل اس
موعہ کو ۱۹۹۰ء میں جامعہ سلفیہ بنارس نے بڑے اہتمام سے آفسیٹ پر شائع کیا ہے ۔ " حدیثِ طوبیٰ "
نام سے اردو کے معتبر اور بالغ نظر ادیب اطہر نقوی صاحب نے فضا صاحب کی شاعری اور پیش نظر مجموعہ کی
ہمیت وافادیت پر گراں قدر مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو مذکورہ مجموعے میں شامل ہے اور گرد پوش کے آخری
غہ پر فضا صاحب کی نظم نگاری سے متعلق معروف ومستند ناقد پروفیسر عبدالمغنی صاحب کے تنقیدی
اثرات درج ہیں ۔

یہ مجموعۂ کلام چار حصوں میں منقسم ہے ۔ " خوشۂ سبز " " قوس حرا " " منظر و پس منظر "
ور " گل نغمہ " ان تمام کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا ۔

یہ کتاب فضا صاحب کے ایک سلفی العقیدہ اور موحد شاعر ہونے کی بھرپور غمازی کرتی ہے، جہاں

---

(۱) " نقوش ادب " مرتبہ " مرلقا اعجاز " صہ ۲۸۲

(۲) " سفینۂ زرِ گل " صہ ۱۱ ۔ (۳) " سفینۂ زرِ گل " صہ ۱۲۶

تک نعت گوئی کا تعلق ہے، بالعموم اس میں ہمارے شعراء کا رویہ افراط و تفریط سے مملو اور انتہائی غیر ذمہ دارانہ رہا ہے۔ بعض مسلک کے شعراء کرام تو نعت نگاری میں اس درجہ غلو کرتے ہیں کہ عقیدۂ توحید کو بھی مجروح کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

جیسا کہ اظہر نقوی نے نعت گویوں کی غیر محتاط روش کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "ہمارے نعت گویوں کا یہ المیہ ہے کہ وہ نعت کہنے میں بڑے غیر محتاط واقع ہوتے ہیں، اور عام طور پر توحید کی حدوں کو پار کر جاتے ہیں۔ احمد بے میم، عرش و کرسی سے جلووں کا نزول، مستوی عرش کا مدینہ میں اتر آنا وغیرہ۔ اور واقعہ معراج کو عاشق و محبوب اور ہجر و وصال کی مروجہ اصطلاحات کے ساتھ بیان کرنا، یہ ایسی باتیں ہیں جن سے ہماری نعتیہ شاعری نے اپنا وقار کھو دیا ہے۔ توحید پرست طبیعتیں اس بے اعتدالی اور بے احتیاطی سے اتنی بیزار ہوئیں کہ بعض علماء نے نعت گوئی کو ہی غلط قرار دے دیا۔ اس لئے نہیں کہ علماء مدحِ رسول کے خلاف تھے بلکہ اس لئے کہ ان شعراء کی بے احتیاطیوں کے سبب، توحید میں شرک کی آمیزش ہونے لگی اور اندیشہ تھا کہ شاعری کے ذوق میں لوگ توحید خالص کے تصور کو بھلا بیٹھیں گے۔" (۱)

چنانچہ اس صنفِ سخن کے برتاؤ میں اتنی زیادہ مبالغہ آرائی اور غلو سے کام لیا گیا کہ کسی شاعر نے یہاں تک بھی کہہ دیا :

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر   اتر پڑا ہے مدینے میں مصطفےٰ ہو کر

اس نوع کے غلط رجحان اور باطل نظریہ رکھنے والے نعت گو شاعروں نے خود چاہِ ضلالت میں پڑے رہنے کے ساتھ ساتھ سادہ لوح عوام کو بھی جادۂ مستقیم سے بیگانہ کر دیا، اور شاعری کی ساحری کی بنا پر شرک و بدعت کا یہ زہر لاشعوری طور پر ان کے رگ و پے کے اندر سرایت کر گیا جس کی وجہ سے ان کے عقائد اور افکار و نظریات کے اندر تزلزل پیدا ہو گیا اور شاعری کا اصل مقصد فوت ہو گیا۔

فضاؔ صاحب چونکہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان ہیں، اس لئے ان کی نعت گوئی ان خامیوں سے مبرا ہے اور ایک مقدس، پاکیزہ اور سنجیدہ ادب کی زندہ مثال ہے۔

---

(۱) "سرِشاخِ طوبیٰ" - صـ۱۲ـ -

فضاؔ صاحب کی محتاط نگاری کے متعلق اطہر نقوی یوں اظہارِ خیال فرماتے ہیں :

" انہوں نے دمِ تیغ پر پوری احتیاط اور ہشیاری سے قدم رکھا ہے اور کہیں قلم کو پھسلنے نہیں دیا ہے " (۱)

اس سلسلہ میں اردو کے معتبر نقاد ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کا تاثر بھی ملاحظہ فرمائیں :

" ایسی شاعری کیلئے ذہنی طور پر " باوضو " ہونا بھی ضروری ہے " (۲)

ڈاکٹر موصوف کا یہ قول " سرشاخِ طوبیٰ " پر کلی طور پر منطبق ہوتا ہے، کیونکہ پوری کتاب اسی تقدس کا مظہر ہے۔

خود فضاؔ صاحب کو بھی حمد و نعت کی طہارت و پاکیزگی کا احساس ہے۔

ہے باوضو قلم بھی، کہ لکھتا ہوں تیری حمد — تو رب ہست و بود، تری ذات لاشریک (۳)

فضاؔ صاحب چونکہ شعر و سخن کے ایک ادا شناس شاعر ہیں، اس لئے انتخاب الفاظ میں انھیں کوئی دقت نہیں ہوتی، بلکہ نہایت روانی کے ساتھ مناسب اور موزوں الفاظ و تراکیب کا استعمال کرتے ہیں، الفاظ و تراکیب کے انتخاب و استعمال اور معنی سازی کے فکری عمل سے متعلق خود ہی فرماتے ہیں :

میں کہاں تک انھیں مفہوم کی دولت بانٹوں — لے کے کشکول ہر اک لفظ ملا ہے مجھ سے (۴)

" امتزاجِ شعلہ و شبنم " " فاضلِ مکتبِ حرا " " غزالِ کنجِ حرا " " سوزِ سینۂ جبرئیل " " کوزۂ شکر " " محملۂ نورین " " سنبلِ باغِ آمنہ " " شیشۂ زانوئے حرا " " کاشفِ رمزِ لاالٰہ " " محملہ فیروزِ ماریہ " " خوابِ زارِ معارف " " غزالانِ طرب گام " " کلکِ نکتہ نگار " " کارخانۂ شمع و شرارہ " " ارم خانۂ صد رنگ " " بربطِ لبِ حرا " " گنجینۂ گلاب و حنا " " عصائے نیل شکن " " دستِ ماہ شگاف " اور " خندۂ چشمِ مطلب " جیسی جدید ترکیبیں، نادر تشبیہیں، فارسی مرکبات، موزوں الفاظ اور بلاغتِ معانی فضاؔ صاحب کی جدتِ فکر، شعری انفرادیت اور فکری و فنی پختگی کی دلیل اور قادر الکلامی کا روشن

(۱) " سرشاخِ طوبیٰ " صـــ ۱۳ ۔ (۲) سہ ماہی " توازن " مالیگاؤں، فضاؔ ابن فیضی نمبر ج ۱ صـــ ۲۴۳ ۔

(۳) " سرشاخِ طوبیٰ " صـــ ۲۶ ۔ (۴) " سفینۂ زرِ گل " صـــ ۵۸ ۔

ثبوت ہیں۔

خوشۂ سبز

اس عنوان کے تحت بارہ[12] نظمیں حمدیہ ہیں، اور چار دعائیہ۔ حمدیہ نظموں کے عنوانات کلام پاک کی آیات سے ماخوذ ہیں مثلاً "فلاتدعوا مع اللّٰہ احدا"، "نورہ کمشکوٰۃ"، "لہ مقالید السمٰوات والارض"، "لاتدرکہ الابصار" وغیرہ۔ عناوینِ حمد کے انتخاب میں یہ التزام شاعر کے صحت ادبی نظریہ و تصور کا عکاس ہے۔

فضاؔ صاحب نے حمدیہ نظموں میں خالق کائنات کے احسانات، نوازشات اور ذات وصفات کے پیچیدہ مسئلے کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے، جس سے شاعر کی بالغ نظری کے ساتھ نظریۂ وحدت کی پختگی کا بھی پتہ چلتا ہے اور کہیں بھی افراط و تفریط اور بے جا مبالغہ آرائی نہیں ہے، جیسا کہ اطہر نقوی صاحب فرماتے ہیں:

"انہوں نے کبھی احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، نہ خالقِ کائنات سے شوخی کی ہے، نہ ذاتِ رسالت کو کبریائی کے درجہ تک پہونچایا ہے۔ یہی احتیاط و اعتدال ان کے کلام کا مابہ الامتیاز وصف ہے۔ تاہم مشاہدۂ حق کی گفتگو میں بادۂ و ساغر کے ذکر سے احتیاط کے باوجود اگر کہیں "مقامِ جنبش ابرو" نکل آئے تو وہ محض رعنائی خیال ہے اور اسے گناہ نہیں ٹھہرایا جانا چاہئے۔ (۱)

چند اشعار مع صفحات زیب قرطاس ہیں، جس سے فضاؔ صاحب کے فکر و فن کی پاکیزگی و تقدس اور فنی چابکدستی کا پتہ چلتا ہے۔

نہ کوئی اس کے مماثل، نہ کوئی اس کی نظیر	ماورا سب سے، وہ اک ذات، ھواللہ احد	ص۲۳
تیرے لئے، رکوع بھی میرا، قیام بھی	تو لائقِ سجود، تری ذات لاشریک	ص۲۶
تیرا کرشمہ، زورِ عصائے دستِ کلیم	پانی میں، دیوار اٹھانیوالا تو	ص۲۸
بِنِش، چراغ مصطفویؐ ہیں، اسی کا سوز	دستِ پیمبری میں عصا بھی اسی کا ہے	ص۳۰
آہو، اسی کے دشت کے، ایوبؑ و خلیلؑ	یہ کاروبارِ صبر و رضا بھی اسی کا ہے	ص۳۰

حمدیہ نظموں میں جہاں فضاؔ صاحب نے مشرکانہ اور نازیبا کلمات سے احتراز کر کے رب کائنات کی خودمختاری

(۱) "سرِ شاخ طوبیٰ" ص۱۳

شانِ غفاری و قہاری اور جلال و جبروت کا ذکر کیا ہے وہیں پر گوناگوں اور بوقلموں الفاظ سے رضائے الٰہی اور عقیدۂ توحید کا خوبصورت اظہار کیا ہے اور تشبیہات و تلمیحات کے ایسے ایوان تعمیر کئے ہیں کہ ؎

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

کا منظر ذہن کے پردۂ سیمیں پر رقص کرنے لگتا ہے۔

الفاظ کے حسنِ انتخاب، شعری آہنگ کے زیر و بم، اسلوب کی صفائی و سادگی اور احساس و ادراک کی گہرائی و گیرائی نے حمدیہ نظموں کے حسن میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔

محمدِ عربی ہوں، کہ جبرئیل و خلیل | ترے کلام سے، سب کی زبان روشن ہے ص۳۴
عصا و چشمۂ حیواں و قُم باذن اللہ | ملائکہ بھی، مسیح و خضر بھی تیرے ہیں ص۳۹
"ابرہہ" اور "ابابیل" نہ پوچھ | ہے عجب، خیمہ و لشکر اس کا ص۴۲
اس کے سوا، حدوث و تغیر کی زد پہ سب | کس کو یہاں ثبات "ہو اللہ واحد" ص۴۴
تو برگِ گل سے سبک ہے، تو بوئے گل سے لطیف | نہ بوجھ اٹھا سکی، بھاری چٹان بھی تیرا ص۴۸
خندۂ امکاں، شعلۂ فاراں | ٹھنڈک اس کی، سوزش اس کی ص۵۱
خود ہی مطرب، خود ہی بربط | "کن فیکون" فرمائش اس کی ص۵۴
حور و ملائک، کوثر و طوبیٰ | اس کا غمزہ، گر ائش اسکی ص۵۵

مذکورہ بالا اشعار مشتے نمونہ از خروارے کا مصداق ہیں۔

زیرِ بحث مجموعہ میں دعائیہ نظموں کی تعداد چار ہے۔ "التجا" "دعا قبول ہو یارب" "گزارشِ مجبور" اور "مناجات کے آنسو"۔

ان نظموں میں شاعر نے دعا کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو انداز اختیار کیا ہے وہ بہت مؤثر ہے۔ ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری (۱۹۳۶ء) دعائیہ نظموں کے متعلق یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

"چست ترکیبیں، ہلکی تعبیریں، دل کا سوز و گداز، الفاظ میں تناسب و موسیقی، حسن افزا تشبیہات ان نظموں کی خوبیاں ہیں"۔ (۱)

(۱) جریدہ ترجمان دہلی ۱۲ر جنوری ۱۹۹۱ء ص۱۰

ضیافتِ طبع کے لئے چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں :

رہوں مطالعۂ ذات دکائنات میں گم — کتاب دی ہے، توذوقِ کتاب خوانی دے ص۱۲
کہاں تلک، میں قلم سے، لہو کشید کروں — مرے خدا! مری کشتِ ہنر کو پانی دے ص۱۲
راکھ ہوتے لہجے کو — تازگی و ندرت دے ص۶۵
میں بھی ہوں ثمر جیسا — شاخ شاخ زینت دے ص۶۵
لفظوں کا حوصلہ دے، معانی کی آس دے — عریاں ہوں، مجھ کو لوح وقلم کا لباس دے ص۶۸
اسرارِ کائنات تو ہیں سامنے کی چیز — مجھ کو مرے خدا! نگہِ خود شناس دے ص۶۸
لبِ قلزم کو وسعت دینے والے — مرے قطروں کو گہرائی عطا کر ص۶۹
فضا کے ناتراشیدہ قلم کو — تمیزِ نکتہ آرائی عطا کر ص۷۰

ان اشعار میں شاعر نے جس عجز وقصور کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں دستِ دعا دراز کیا ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، الفاظ کی موسیقیت، اسلوب کی ندرت، جذبات کی حرارت، افکار کی جدت اور عجز وانکساری کی بہتات نے فضا صاحب کی دعائیہ منظومات کو سندِ ابدیت عطا کردی ہے۔

قوسِ حرا

کیا شوخیٔ موسم تھی، کہ خوشبوئے حرا کو
محدود، جو اِرا بوطالب میں نہ رکھا (۱)

مذکورہ بالا منفرد اور مقدس شعر سے نعتیہ منظومات کا آغاز ہوتا ہے، یہ جزو گیارہ نظموں پر مشتمل ہے۔ " غزالِ کنجِ حرا"، " بہارِ کشتِ حرا"، " امّیِ حرف آشنا"، " آفتابِ ہدایت" اور " ما محمّد الارسول" جیسے دلکش اور جاذب نظر عناوین سے مرصّع اور مزین یہ حصہ بھی اپنے اندر غنائیت، موسیقیت اور علوِ فکر کا ایک بحرِ بیکراں رکھتا ہے۔

حمدیہ نظموں کی طرح ان منظومات میں بھی شاعر نے کہیں بھی بے احتیاطی کا ثبوت نہیں دیا ہے، بلکہ " باخدا دیوانہ باش وبا محمد ہشیار" کے مصداق بڑے متوازن ومعتدل انداز اور نہایت سنجیدگی ومتانت

(۱) " سرِ شاخِ طوبیٰ " ص۷۱

سے نعت گوئی کا حق ادا کیا ہے۔ اور کہیں بھی ذاتِ رسالت کے ساتھ عاشقانہ اور رندانہ مضامین گفتگو نہیں کی ہے۔

تمام نظمیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کے عبرت آموز واقعات، آپ کے اوصاف حسنہ اور اخلاق و کردار کی بلندی پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ جذبات و احساسات کی پاکیزگی، افکار کی بلندی اور خیالات کی وارفتگی سے مملو ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ دلکش اور روح پرور نعتیہ منظومات، آنحضور صلعم کی ذات گرامی سے شاعر کی عقیدت و شیفتگی کی بھی مظہر ہیں۔

چند منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں جن سے فضا صاحب کے نعتیہ کلام کی جہت کی تعیین کرنے میں آسانی ہوگی۔

وہ اقراء کا درس، وہ "دانشگاہِ حرا"	امّی ہوکر، سب کو پڑھانے والا تو	ص ۷۷
جو، تجھ کو، بوجہلی و بولہبی نے دیئے	ہنس ہنس کر، وہ زخم بھی کھانے والا تو	ص ۷۷
حسن کا معیار ہے تو، عشق کی تہذیب تو	تجھ سے اس دنیا میں، سرّ دلبراں محفوظ ہے	ص ۸۳
جس نے بخشی ہمیں، یہ خلعتِ گل	پاؤں، چادر سے تھا باہر اس کا	ص ۸۹
جس کا اک عشوہ ہے تجسیمِ بہار	زخم ہی زخم تھا پیکر اس کا	ص ۸۹
ہائے، وہ جنبشِ حسیں، دستِ قمر شگاف کی	نقطۂ اوجِ معجزا، کون محمدؐ کریم	ص ۹۳
ترے وجود کا یہ عشوۂ حکیمانہ	معاشرے سے ہے مذہب کا رابطہ روشن	ص ۹۶

یہ اشعار فضا صاحب کے ذہنی تقدس، فکری پاکیزگی اور فن نعت گوئی کے اصول و ضوابط کا ایک دلکش اشاریہ ہیں، جس کا مطالعہ ہر بالبصیرت شخص کے لئے نہایت مفید ہے۔

حمدیہ، دعائیہ اور نعتیہ نظموں کا مطالعہ و تجزیہ کرنے کے بعد ہم اپنے اس قول میں حق بجانب ہوں گے کہ "پوری کتاب میں زمزم و کوثر سی تطہیر و تقدیس، اور ارضِ حجاز کے مانند رعنائی و برنائی اور تازگی و شگفتگی بدرجۂ اتم موجود ہے۔"

بلاشبہ یہ مجموعہ ایمان افروز ادب کا ایک حسین شاہکار ہے، جس میں ادب کی پاکیزہ و صالح روایات کے ساتھ ساتھ شریعت مطہرہ کی مقدس تعلیمات بھی ملتی ہیں۔

جیسا کہ اطہر نقوی صاحب نے لکھا ہے :

" فضاؔ کے یہاں جذبات کی گرمی اور عقیدت کی فراوانی کے ساتھ صراطِ مستقیم پر استقامت کا غیر متزلزل جذبہ بھی موجود ہے ، اسی لئے ان کی شاعری ادب و شریعت کا بڑا حسین امتزاج پیش کرتی ہے"(۱)

منظر و پس منظر

اس عنوان کے تحت کل اکتیس نظمیں ہیں ، جن میں " لالۂ صحرائے کربلا " " زہر کی کاشت " " آدم و ابلیس " " یزداں ، جبرئیل ، اہرمن " " آدم یزداں صفات " " متاعِ رسوائی " " دور کم آگہی " اور " منظر نامہ " وغیرہ میرے نزدیک ادب العالیہ میں شمولیت کا حق رکھتی ہیں ۔

" منظر و پس منظر " کی نظموں میں فضاؔ صاحب نے حالات کی سنگینی ، ماحول کی ناہمواری ، احساس کا کرب ، شعور کی بے قراری ، حیاتِ انسانی کا بے دریغ اتلاف ، آزادیٔ وطن کی ناقدری ، منافرت کی خوں آشامی ، اخلاقی قدروں کی پامالی ، کلچرل اور تہذیبی روایات سے بیزاری بھرپور جوش و وفور سے اظہارِ خیال کیا ہے ، لیکن اس احتیاط کے ساتھ کہ لب و لہجہ کی متانت و سنجیدگی مجروح نہ ہونے پائے ۔ یہ اعتدال و سلامت روی بجائے خود خاصے کی چیز ہے ۔

" آدم و ابلیس " " یزداں ، جبرئیل ، اہرمن " اور " مسجود ملائک " وغیرہ نظموں کا تعلق فضاؔ صاحب کے ابتدائی دورِ شاعری سے ہے ، ان نظموں میں وہ علامہ اقبال (۱۸۷۳ء - ۱۹۳۸ء)(۲) سے متاثر نظر آتے ہیں ، ہر شاعر اپنے ماقبل کے پسندیدہ شاعر سے اثر قبول کرتا ہے لیکن بہت جلد وہ تقلید و تتبع کے اس حصار سے باہر آگئے ، اور انہوں نے اپنا مخصوص شعری لب و لہجہ دریافت کرلیا ۔ اور آج فضاؔ صاحب اس مقام پر فائز ہیں کہ دوسرے شعراء کرام ان کے اسلوب اور طرزِ نگارش کی پیروی کرنا باعثِ صد افتخار سمجھتے ہیں ۔

تیری راہِ فکر سے ہٹ کر چلنا اب مشکل ہے فضاؔ ۔ تو نے جو اسلوب نکالے وہ سب کے اسلوب ہوئے (۳)

---

(۱) التوعیہ نئی دہلی جون ۱۹۹۰ء جلد ۵ ، شمارہ ۲ ص ۳۹

(۲) " کلیاتِ اقبال " ص ۲۴۳ ، ۱۴ (۳) " سفینۂ زندگی " ص ۲۰۱

مقالہ کی طوالت کے باعث چند منتخب منظومات پر اکتفا کرتا ہوں :

" لالۂ صحرائے کربلا " اس نظم میں سانحۂ کربلا کی عکاسی کی گئی ہے ۔ میدانِ کربلا کی منظر کشی فضا صاحب یوں کرتے ہیں :

ہو چکی تھی شام، خوں گشتہ شفق کی چھاؤں میں صبح سے پیاسا کنارِ آبِ دریا کون تھا ص۱۱۲

جس نے ہنس کر چوم لی صیقل شدہ خنجر کی دھار جانتی ہے کربلا کی خاک، ایسا کون تھا ص۱۱۲

حضرت امام حسینؓ (۵ رشعبان ۴ھ ۔ ۶۱ھ) (۱) کی استقامت اور جوانمردی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں :

کس ادا سے کر گیا ، کالے سمندر کو عبور نیل کی تاریک موجوں میں عصا روشن ہوا ص۱۱۳

کیا بجھاتا، اسکی مشعل کو، یزیدوں کا نفس جس قدر روشن تھا وہ، اس سے سوا روشن ہوا ص۱۱۳

تو سمجھتا ہے، حدیثِ ناتوانی ہے حسینؓ عشق و عزم و استقامت کی نشانی ہے حسینؓ ص۱۱۳

" زہر کی کاشت " یہ نظم عروس البلاد بھوپال میں یونین کاربائڈ فیکٹری سے زہریلی گیس خارج ہونے کی صورت میں جو ہوش ربا حادثہ پیش ہوا اسی کے پس منظر میں لکھی گئی ہے ۔ بھوپال کی علمی و ادبی حیثیت محتاجِ شرح ہے ۔ یہی وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں سلفیت کے مشہور عالم نواب صدیق حسن خاں (۱۹ رجمادی الاول ۱۲۴۸ھ ۔ جمادی الاخری ۱۳۰۷ھ) (۲) پیدا ہوئے ، اور اپنی گرانقدر تصنیفات سے مسلمانوں کے خفتہ شعور کو بیدار کیا اور ان کو بھی اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا ۔

اس نظم میں شاعر نے بھوپال کی علمی و ادبی حیثیت پر نظر ڈالنے کے بعد سائنس اور ٹیکنالوجی کی کرشمہ سازیوں اور ہولناکیوں کا ذکر کیا ہے ، اور نہایت تلخ انداز میں کہا ہے کہ اس دلھن جیسے شہر میں سائنس کی ترقی کی وجہ سے گندم و تریاق کے بجائے زہر کی کاشت ہوتی ہے ، زمین کے اندر ہوا ، عذابوں کی تخم ریزی کرتی ہے ، قدم قدم پر خونی کارخانے نصب ہیں ، اور یہ سائنس ہی کی دین ہے کہ آج پورا بھوپال میٹھے زہر کی بارش میں بھیگا ہوا ہے ۔

(۱) " المرتضیٰ " مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۳۴۷ ، ۳۴۳

(۲) " ہندوپاک میں عربی ادب " استاذ محترم مولانا اقبال احمد سلفی " ص ۹۹

زمیں سے زندہ جنازوں کی فصلیں اگتی ہیں   اجڑتی کوکھ سے، بیمار نسلیں اگتی ہیں   ص۱۲۰

یہ " فیکٹری " ہے، کہ مدفن ہے آدمیت کا   کرے گا کون بھلا، احتساب نیت کا   ص۱۲۲

غبارِ مرگ کو، بادل بنا کے چھوڑ دیا   دلھن سے شہر کو، جنگل بنا کے چھوڑ دیا   ص۱۲۲

نظم کے آخری شعر میں شاعر نے سائنس کے پجاریوں سے ایک چبھتا ہوا سوال کیا ہے۔

یہ روندتے ہوئے لاشوں کو، موت کے عفریت   کوئی بتائے، یہ سائنس کی ہے ہار کہ جیت   ص۱۲۲

" خدا کے حضور میں " اس نظم میں ابلیس نے بارگاہ ایزدی میں مسلمانوں کی بے راہ روی پر طنز کیا ہے جسے شاعر نے اپنے منفرد لہجے میں بیان کیا ہے:

مجھ کو اک سجدۂ آدم بھی، گوارا نہ ہوا   اور یہ بندوں کو خدا کہہ کے، موحد ہی رہا   ص۱۴۷

پُر ہیں سامان تباہی سے، دکانیں اس کی   کتنی بے سوز ہیں، خوش لحن اذانیں اس کی   ص۱۴۸

یہ ہوا ان کے چراغوں سے رہا گرم ستیز   اس کی آغوش میں پلتے رہے کتنے چنگیز   ص۱۴۸

قصرِ توحید پہ ڈھائے ہیں ستم خود اس نے   سنگِ کعبہ، تراشے ہیں صنم، خود اس نے   ص۱۴۸

گمرہی کو مری، خود اس نے دکھائے ہیں چراغ   میں نے خود اس کے چراغوں سے جلائے ہیں چراغ   ص۱۴۸

مئوناتھ بھنجن جو مشرقی اترپردیش کا ایک مردم خیز علاقہ ہے، اور جو علم وادب کا قدیم گہوارہ ہونے کے ساتھ ساتھ صنعت پارچہ بافی کا بھی مشہور مرکز ہے۔ یہاں اکتوبر ۱۹۸۴ء میں شرپسندوں نے فرقہ وارانہ فساد کی آگ لگا کر پورے شہر کو دود و شرر اور سوفار و سنگ کی آماجگاہ بنا دیا تھا، جس کا ذکر " منظر نامہ " میں شاعر نے نہایت دردناک انداز میں کیا ہے، اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ " اس نظم کی تخلیق میں شاعر کی انگلیاں فگار اور خامہ خونچکاں ہو گیا ہوگا "

دھوئیں کی شام، شعلے کا سویرا   یہ کیا، لمحوں کے تیور ہو گئے ہیں   ص۱۸۸

چٹختی ہڈیاں، ادھڑے ہوئے گوشت   عجب ماحول و منظر ہو گئے ہیں   ص۱۸۹

گھٹی چیخوں میں، ڈوبی ہیں اذانیں   صحیفے، خون میں تر ہو گئے ہیں   ص۱۹۰

ہمکتے تھے جہاں، معصوم بچے   وہ گھر، نوحوں کا دفتر ہو گئے ہیں   ص۱۹۰

اس حصے میں چند اور اہم ترین منظومات ہیں، جسے طوالت کے خوف سے زیر بحث نہیں لایا گیا۔ بہرحال

مذکورہ نظموں سے "منظر وپس منظر" میں شامل نظموں کی کیفیت وکمیت کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا۔

"منظر وپس منظر" کی نظموں کے متعلق اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ "اس کی نظموں کے پُرقوت آہنگ سے کہیں شمشیر وسنان کے ٹکرانے کی مجاہدانہ صدائیں ابھرتی ہیں، توکہیں صلیب ودار کا ایثار افروز منظر آنکھوں کے سامنے رقص کرنے لگتا ہے، کہیں ماضی کی نشاط انگیز اور روح افزا داستان ہے توکہیں حال کی خوں چکاں اور خوں فشاں حکایت، کہیں ساغر ومینا ہے توکہیں سنان وسندان، کہیں خندۂ بہار ہے توکہیں نوحۂ خزاں کہیں دود وشرر ہے توکہیں ساز وسرود، کہیں سوفار وسنگ ہے توکہیں رباب وچنگ۔

گلِ نغمہ

شاخِ جاں اور یہ گلِ نغمہ
جوشِ خمیازۂ بہار نہ پوچھ (۱)

اب ترانہ نگاری ایک فن کی صورت اختیار کرتی جارہی ہے، اس کے تقاضے اور آداب کو ملحوظ رکھنا ایک تجربہ کار فن کار ہی کے بس کا روگ ہے، چونکہ فضا صاحب ایک لفظ شناس شاعر ہیں اس لئے انہوں نے اس صنف کو جس اسلوب وانداز میں برتا ہے وہ بے نظیر ہے۔ "رخِ حرم کا آئینہ" "میخانۂ علوم کے بادہ گسار" "نزہت کدۂ مختار زمن" "گل کدہ اطفال" "نافہ زار غزال" "لالۂ حمراو" اور "مشک طراز نافۂ آہو" جیسی دلکش ترکیبوں سے انہوں نے ایسی گل افشانی کی ہے کہ صفحۂ قرطاس پر کشتِ زعفران کا گمان ہوتا ہے۔

اس عنوان کے تحت کل ساتؔ ترانے ہیں، جن کو فضا صاحب نے مختلف جامعات ومدارس کے پس منظر وپیش منظر میں تحریر کیا ہے۔

پہلا ترانہ "جامعہ سلفیہ بنارس" کی "دعوت وتعلیم کانفرنس" منعقدہ ۱۹۸۰ء کے پرمسرت موقع پر لکھا گیا، اس کے علاوہ "جامعہ عالیہ عربیہ مئو" "جامعہ محمدیہ منصورہ مالیگاؤں" "سر اقبال پبلک اسکول مئو" اور "عالیہ جنرل اسپتال مئو" وغیرہ کے بھی ترانے ہیں، جو شاعر کی قادر الکلامی اور جودتِ طبع کی دلیل ہیں۔

---

(۱) "سر شاخِ طوبیٰ" صـ ۱۹۶

" سرِشاخِ طوبیٰ " فضا صاحب کے تخلیقی سفر کی ایک اہم منزل ہے جس کے متعلق اگر یہ کہا
ئے تو بیجا نہ ہوگا کہ " سرِشاخِ طوبیٰ " میں ترکیبی و معنوی اعتبار سے ہمالہ سی رفعت و بلندی
ل و فرات سی تطہیر و تقدیس، گنگا و جمنا سی روانی ، تاج محل سی دل کشی و رعنائی، بحرالکاہل
سی گہرائی و گیرائی اور آفتاب و ماہتاب سی تابناکی و درخشندگی موجود ہے ۔"

مجھے امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ جب تک لیل و نہار کا سفر جاری رہے گا یہ مجموعہ اپنی پوری
ب و تاب کے ساتھ ادبی شائقین کے لئے ضیافت طبع کا سامان فراہم کرتا رہے گا ۔

درحقیقت " سرِشاخِ طوبیٰ " مذہبی و ملّی نظموں کا ایک انتہائی اہم مجموعہ ہے ، جس کا
العہ ہر پاکیزہ اور سنجیدہ ادب کے دلدادہ شخص کو کرنا چاہیئے ، کیونکہ یہ مجموعہ اس معصیت زدہ اور
ہ کن ماحول میں عصمتِ ادب اور اس کے تحفظ و بقا کی معتبر ضمانت ہے ۔ ...

بر صـ۴۶ کا

الحاصل زکوٰۃ کی رقم جمع کرنے وباہم مشورہ سے خرچ کرنے کے لئے بیت المال قائم کرنا عمدہ ہے ۔
ا ۔ زکوٰۃ کا مال رفاہ عام میں خرچ کرنا درست نہیں ہے ۔ ۲ ۔ زکوٰۃ کے مال سے صرف بنیادی
رتیں پوری کی جائیں گی ۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب ۔

عابد حسن رحمانی

جامعہ سلفیہ ، بنارس

الجواب صحیح : محمد رئیس ندوی
عبدالسلام مدنی

لقد اصاب من اجاب
نعیم الدین المدنی

تمباکو نوشی کی شرعی حیثیت

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کو عقل سلیم دے کر امتیازی صفات کے ساتھ زمین میں بسایا، اس کے رہنے سہنے کے لئے لوازمات زندگی پیدا کیا اور طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز کیا، اس کو اپنی بندگی، اطاعت اور شکر گذاری کا حکم دیا، زندگی سدھارنے کیلئے رسولوں کو بھیجا اور ان کے ذریعہ ہدایات نازل فرمایا تاکہ انسان اللہ کی بتائی ہوئی راہِ ہدایت سے منحرف نہ ہوجائے۔ قرآن کریم کا فرمان ہے: "وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ" اور (پھر) ہم نے اس کو دونوں راستے (خیر وشر) کے بتلادیئے۔ (سورۃ البلد ۱۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے: "وکلوا مما رزقکم اللہ حلٰلاً طیبًا" اللہ کے دیئے ہوئے سے حلال پاکیزہ چیز کھاؤ (مائدہ ۸۸) یہ بھی ارشاد ہے: وکلوا واشربوا ولا تسرفوا، انہ لا یحب المسرفین کھاؤ اور پیو، اور بیجا نہ اڑاؤ (یعنی خرچ نہ کرو) بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (اعراف ۳۱) اور یہ بھی ارشاد ہے کہ: یآیہا الناس کلوا مما فی الارض حلٰلا طیبا ولا تتبعوا خطوات الشیطان، انہ لکم عدو مبین۔ لوگو! زمین کی حلال پاک چیزیں کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو (اس کا کہا نہ مانو کیونکہ) وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ (سورہ بقرہ ۱۶۸)

ایسی بہت سی آیتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ وہ شیطان مردود کی چالبازی اور ہتھکنڈے سے بچ جائیں، مگر شیطان جو اولاد آدم کا ازلی دشمن ہے اور ان کو گمراہ کرنے کی ٹھان لی ہے اس نے گمراہی کے جو راستے تلاش کرلئے تھے ان میں سے ایک نشہ آور اشیاء ہیں، یعنی وہ چیزیں جو انسان کی امتیازی صفات یعنی عقل وہوش کو سلب کرلیں، شیطان نے ان کو انسان کی نظروں میں زیادہ سے زیادہ مزین ومرغوب اور محبوب بنا ڈالا، اور خبیث عادتوں میں جکڑ کر نفس پرستی کا غلام بنادیا اور اس کے قدر ومنزلت کے درجہ کو گرادیا، اللہ تعالیٰ

کلام پاک میں شیطان کا دعویٰ اس طرح یاد دلاتا ہے کہ: " قال رب بمآ اغویتنی لأزیننّ لہم الأرض ولأغوینّہم أجمعین " شیطان نے کہا میرے پروردگار! بوجہ اس کے (انسان کے) تو نے گمراہی کا مجرم ٹھہرایا ہے، میں ان (انسانوں) کی نظروں میں برے کام مزین کروں گا، اور (جس طرح بن پڑے) سب کو گمراہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ (سورہ حجر ۳۹)

شیطان نے انسان کی عقل سلب کرنے اور اس کی صفات عالی کو پامال کرنے کے لئے جو مہلک ہتھیار استعمال کیا ان میں شراب، بھنگ، چرس، افیون، گانجا وغیرہ شامل ہیں جن کی تباہ کاریوں کا ذکر صحائف آسمانی اور اقوال سفر سے بھرا پڑا ہے، انہیں مہلک ہتھیاروں میں تمباکو بھی شامل کیا گیا ہے جو برائیوں اور تباہ کاریوں کے لحاظ سے ج کردہ منشیات سے کم نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بہترین نعمتوں میں صحت انسان ایک انمول نعمت ہے اور اس نایاب نعمت کو باقی رکھنے اور اسکی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ اللہ کے احکامات کی تابعداری پوری طرح سے ہو مگر انسان اللہ کی ان نعمتوں کو پاکر ناشکری کرنے لگا ہے، شیطان کی راہ پر چل کر اپنی نفسانی خواہشات کا شکار ہو گیا، حلال چیزوں کو چھوڑ کر حرام چیزوں کا استعمال کرکے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے، حالانکہ اسلام ایسا کرنے سے منع کرتا ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: " ولا تقتلوآ أنفسکم ان اللہ کان بکم رحیما۔" اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، یقیناً اللہ تم پر مہربان ہے (سورہ نساء ۲۹)۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے: " ولا تلقوا بایدیکم إلی التہلکۃ " اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ (سورۂ بقرہ ۱۹۵)

اسلامی شریعت کا عام قاعدہ ہے کہ مسلمان کے لئے کسی ایسی چیز کا کھانا، پینا، اسکا استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں جو اسے فوراً یا آہستہ آہستہ ہلاک کر دے، چاہے وہ زہریلی چیزیں ہوں یا نقصان دہ چیزیں۔ کیونکہ مسلمان کی تحویل میں اس کا نفس ہی نہیں رہتا بلکہ اس کا دین، ملت، صحت، زندگی اور مال و دولت جیسی ساری اللہ کی نعمتیں اس کے پاس امانت ہوتی ہیں، لہذا ان کو ضائع کرنا قطعاً و شرعاً جائز نہیں۔

انسانی صحت کیلئے مضر اور زہر قاتل چیزیں کیا ہیں؟ اس کا علم بہت کم لوگوں کو ہے، ان چیزوں میں منشیات کے علاوہ تمباکو نوشی، سگریٹ، بیڑی، سگار، حقہ، ناس جو ناک کے لئے استعمال ہوتی ہے، زردہ کتھا، خوشبودار تمباکو جو پان کے لئے استعمال ہوتا ہے اور تمباکو کا پاوڈر جو دانتوں میں دبایا جاتا ہے وغیرہ ہیں، یہ انسان کیلئے بہت مضر

ور زہر قاتل ہیں، اور یہ اس کی عقل میں فتور پیدا کرکے انسان کو آہستہ آہستہ ہلاکت میں ڈالنے والی چیزیں ہیں جس
کی پرواہ کئے بغیر انسان ذوق وشوق سے ان کا استعمال کر رہا ہے، اور اس پر کافی روپیہ خرچ کرتا ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکر اور مفتر (نشہ آور حواس کو معطل کرنے والی
چیزوں) سے منع فرمایا ہے۔ (مسند امام احمد، ابوداؤد)

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور
ہر قسم کی شراب حرام ہے" (بخاری)

ابوداؤد اور ترمذی کی حدیث میں ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے کہ "ہر نشہ آور چیز
حرام ہے، جس مشروب کی کثیر مقدار نشہ پیدا کرے اس کا ایک گھونٹ پینا بھی حرام ہے۔

تمباکو نوشی ایک بری عادت ہے چاہے کسی بھی شکل میں اس کا استعمال ہو کیونکہ وہ انسان کے عقل میں فتور
پیدا کرتی ہے اگرچہ کہ وہ دوسری نشہ آور چیزوں کی طرح پیدا نہ کرے پھر بھی طبیعت میں سستی اور جسم میں اعضا شکنی کی علامات
پیدا کرتی ہے، دراصل یہی نشہ کی علامت ہے اور شریعت نے ہر نشہ آور چیز کا استعمال قطعاً ممنوع قرار دیا ہے۔

تمباکو نوشی انسان کو طبعی لحاظ سے مہلک امراض کی مالک بناتی ہے مثلاً منہ کا کینسر، حلق اور پھیپھڑے کا کینسر،
گردش خون کا بگاڑ، دماغ کی خشکی، نیند کی کمی، معدے کا زخم، مثانے کا سوجن اور کینسر، گردوں کا ناکارہ ہو جانا،
اعصاب واعضاءِ رئیسہ کا کمزور ہونا وغیرہ وغیرہ۔ جن کا علاج بہت مشکل ہے۔ ناس کے استعمال سے سانس کی نالیوں میں
جلن پیدا ہوتی ہے، ناک حلق اور ہوا کی نالیوں میں جس سے کھانسی پیدا ہوتی ہے اور دونوں پھیپھڑوں کے پردوں
کو بری طرح پھاڑ ڈالتی ہے، دمہ، دق اور کینسر کا شکار بنا دیتی ہے۔

بیڑی، سگریٹ اور سگار پینے والوں کے منہ سے اتنی بدبو آتی ہے کہ جو لوگ اس برائی کے عادی نہیں ہیں انھیں اس
سے بہت زیادہ اذیت پہونچتی ہے، خصوصاً نماز میں اس صورت حال سے اور زیادہ تکلیف ہوتی ہے، اور نماز میں شامل
فرشتوں کو بھی انتہائی کوفت ہوتی ہے، اسی طرح ناس کا استعمال کرنا بھی دوسروں کو تکلیف دہ ثابت ہوتا ہے جس کا
سفوف مسجد کی حصیروں پر پڑنے کی وجہ سے نمازیوں کو تکلیف ہو جاتی ہے، بسا اوقات چھینکیں بھی آ جاتی ہیں جس سے ان
کے خشوع وخضوع میں خلل پڑتا ہے۔

جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بخاری ومسلم میں مرفوع حدیث منقول ہے کہ "جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے

اور ہماری مسجد سے الگ ہو جائے اور اپنے گھر بیٹھا رہے۔

اس بات سے یقیناً آپ اتفاق کریں گے کہ تمباکو نوشی کی بدبو لہسن اور پیاز کی بدبو سے کسی طرح کم نہیں ہے بلکہ زیادہ ہے، حالانکہ پیاز اور لہسن ترکاریاں ہیں جو کہ حلال ہیں، اوپر کا حکم صرف کچی استعمال کرنے پر ہے نہ کہ پکی ہوئی پر، مگر بیڑی، سگریٹ، حقہ، سگار اور پان کے تمباکو سے پیدا شدہ کریہہ بو کسی طرح پاک کرے منہ سے جاتی نہیں۔

بخاری و مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "جس چیز سے لوگوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی اذیت پہونچتی ہے۔

ایک دوسری حدیث میں انس بن مالک کے حوالے سے مروی ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، جس نے کسی مسلمان کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی، اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پاکی وصفائی پہ زور دیتے ہوئے فرمایا کہ: "اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔"

قرآن پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ: "يأمرهم بالمعروف و ينهٰهم عن المنكر ويحلّ لهم الطيّبات ويحرّم عليهم الخبٰئث۔" آپ لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں، آپ ان لوگوں کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام ٹھہراتے ہیں۔ (سورۂ اعراف ۱۵۷)

اسلامی مذہب کی اپنی بے مثال خوبیوں میں صفائی وستھرائی بھی شامل ہے، مسلمان کی طہارت کو نصف ایمان قرار دیا گیا ہے ایسی حالت میں کوئی بھی ذی عقل اور سمجھدار تمباکو کو پاکیزہ چیزوں میں شمار نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے استعمال سے طبعی نقصانات کے ساتھ ساتھ منہ سے عجیب کریہہ بو آتی ہے جو ہر دم رہتی ہے تو ایسے لوگوں کو مسجد میں آنے کی اجازت کیونکر مل سکتی ہے جب کہ کچی پیاز و لہسن کھا کر ہی مسجد آنے سے منع کیا گیا ہو جس کی بو تھوڑی ہی دیر باقی رہتی ہے

حیرت و افسوس کا مقام ہے کہ آج کل ہمارے مساجد کے اماموں وخطیبوں کی کثیر تعداد اس خبیث عادت کی شکار ہے، بیڑی، سگریٹ، حقہ اور سگار ہی نہیں بلکہ پان کے ساتھ نشہ آور زردہ، کتھا اور تمباکو ذوق وشوق سے استعمال کرتے ہیں، جبکہ یہ ساری چیزیں قطعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، آخر ان کی نمازوں کا کیا ہوگا جبکہ منہ کی صفائی اور پاکی کی طرف زور دیا گیا ہے۔ جبکہ علماء ائمہ اور مساجد کے مفتیان کرام کا ایک بڑا طبقہ خود اس متعدی

ی کا عادی بن چکا ہے جس کی وجہ سے کوئی بھی تمباکو نوشی جیسی زہر قاتل اور مضر صحت کے خلاف آواز نہیں اٹھا
ہے، اس مہلک مرض یعنی تمباکو نوشی پر لکھنے یا بولنے کی جرأت بھی نہیں ہے (سوائے گنتی کے چند اللہ والوں کے)
کی دو وجوہ ہیں:

اوّلاً: یہ طبقۂ علماء خود کثرت سے اس بری عادت کا شکار ہے۔

ثانیاً: امت مسلمہ کے کثیر نام نہاد دینداروں کے ہاتھ میں اس کی تجارت ہے اور ان لوگوں سے علماء کے اغراض و مفادات وابستہ ہیں۔

اللہ اکبر! یہ مقام تعجب اور مقام حسرت ہے کہ علماء کرام جنہیں ملت کی رہبری اور پیشوائی کا شرف اور منصب حاصل وہ بھی اپنی نفسی کمزوری کے شکار ہیں اور اسکے جواز پر ایسی کمزور، بے بنیاد اور لاطائل دلیلیں پیش کرتے ہیں جنکو سُنکر دھننا پڑتا ہے، افسوس! صد افسوس! — تمباکو نوشی درج کردہ دلائل کے باوجود سراسر فضول خرچی بھی ہے، اس کا ری اعتراف کرتا ہے کہ یہ فضول عادت ہے جسکا کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ فائدے سے زیادہ نقصان ہی نقصان ہے، اور یہ دت ایک مستقل بوجھ اور غلامی کا طوق ہے جو انسان پر مسلّط ہے، حالانکہ قرآن اس طوقِ غلامی کو اتارنے کیلئے آیا ہے۔ امی ذہنی ہو یا روحانی، بہرحال غلامی ہے، اس کو دور کرنا ہر حالت میں ضروری ہے، اللہ کا فرمان ہے: "إِنَّ المُبَذِّرِينَ نوا اخوان الشياطين، وكانَ الشيطان لربه كفورًا۔" کچھ شک نہیں کہ فضول خرچ شیطانوں کے بائی ہیں، اور شیطان تو اپنے پروردگار کا بالکل ناشکرا ہے۔ (سورۂ بنی اسرائیل ۲۷)

اطاعتِ خداوندی اور منفعت (یعنی ضروریات زندگی) کے علاوہ کسی دوسرے کام میں پیسہ مال و دولت خرچ کرنا بذیر کہلاتا ہے جس کو اللہ ناپسند فرماتا ہے۔ اسلام عزت و وقار، شرافت و خودداری کا مذہب ہے، اور اپنے ابعین کو ہر قسم کی رسوائی و ذلت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ و وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ کسی سے ہرگز کوئی چیز نہ مانگنا، اگرچہ تمہارا کوڑا ہی کیوں نہ گر گیا ہو۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ "سوال کرنا ذلت ہے" — تمباکو نوشی جیسی حقیر عادت کے شوقین کو دیکھا جاتا ہے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے ہا ہے سفر ہو یا حضر، دستِ سوال دراز کر دیتے ہیں، یہ کیسی ذلت اور غلامی ہے، انسان اپنی خواہش کی خاطر کتنا مجبور ہو جاتا ہے — اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ وہ امت مسلمہ کو اس خبیث اور مہلک عادت سے محفوظ رکھے، فضول خرچی اور ذلت کی زندگی سے بچائے رکھے۔ (آمین)۔ (ادارۂ حزب الانصار۔ ۴۵ ارشگی چھی اشرٹ سداس ۱)

باب الفتاویٰ

انتخاب
محفوظ الرحمٰن السلفی

ہندوستان میں جہاں اپنی حکومت نہیں ہے اور سرکاری بیت المال کا کوئی اہتمام نہیں ہے لیکن مسلمان
ری تعداد میں بستے ہیں جن میں بہت سارے ماشاءاللہ مالدار بھی ہیں اور زکاۃ نکالتے ہیں اور خود ہی خرچ کرتے ہیں۔
ہمارے کچھ مخلص دیندار دوستوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ ایک ادارہ بصورت بیت المال قائم کرکے زکوٰۃ کی
رقم ایک جگہ جمع کرکے اجتماعی طور پر مندرجہ ذیل مدوں میں خرچ کیا جائے۔

۱۔ مستحق ناداروں کو روزگار کے لئے فنڈ وسامان صنعت وحرفت مہیا کیا جائے۔
۲۔ مستحق ناداروں کو علاج ومعالجہ کے لئے فنڈ اور وسائل فراہم کیا جائے۔
۳۔ مستحق ہونہار طلبہ کو اعلیٰ فنی وتکنیکی تعلیم کے لئے وظائف دیئے جائیں۔
۴۔ فنی وتکنیکی تعلیم وصحت کے لئے ادارے مثلاً کالج واسپتال قائم کئے جائیں، اور موجودہ اداروں کی
مدد کی جائے۔

اب آپ سے سوال کرتا ہوں کہ:

۱۔ کیا ایسے بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرنے سے زکوٰۃ کی ادائیگی کافی ہوگی؟
۲۔ کیا مندرجہ بالا مدوں میں زکوٰۃ کی جمع رقم اجتماعی فیصلے کے مطابق خرچ کرنا جائز ہوگا؟

براہ کرم مندرجہ بالا سوالات کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں حوالجات کے ساتھ حالات حاضر
ہ میں مسلمانوں کی ملی ضرورت کو دھیان میں رکھتے ہوئے عنایت فرمائیں! فقط والسلام

سائل: طاہر علی (ایڈوکیٹ) جنرل سکریٹری سرسید سوسائٹی دلاسی

الجواب بعون اللہ الوہاب:

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو صاحب نصاب مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور آٹھ قسم کے آدمیوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا
ہے، سورہ توبہ میں ہے: انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی

الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل، فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم۔

پس انہیں آٹھ قسم کے آدمیوں پر زکوٰۃ کا مال تقسیم کرنا چاہئے اس سے تجاوز کرکے رفاہ عام کے کام، جیسے ہسپتال، پل، سڑکیں، مسجدیں، مسافر خانے، کالج وغیرہ نہیں بنوانا چاہئے، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تؤخذ من أغنیائھم فترد علی فقرائھم۔ (بخاری ومسلم) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکوٰۃ مسلمان مالداروں سے لی جائے اور ان کے فقراء پر لوٹا دی جائے، رفاہ عام کی چیزوں سے غیر مسلم اور مالدار بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور زکوٰۃ کا مال عام غیر مسلم اور مالداروں کے لئے درست نہیں ہے۔

فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ کا مال ان کی بنیادی ضرورتوں اور ضروری حاجتوں کی تکمیل کے لئے دیا جائے گا جیسے کھانا، کپڑا، سردی وگرمی وبارش سے بچنے کے لئے معمولی مکان، علاج، دینی تعلیم جو مسلمانوں کے لئے فرض ہے ان کے لئے عمدہ کوٹھی زکوٰۃ کے مال سے نہ بنوائی جائے گی نہ اس کے لئے روپئے دیئے جائیں گے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کے مال سے کسی کے کفن کا کپڑا نہیں دیا جائیگا۔ فقہ السنۃ ج ۱ صفحہ ۳۸۴ کے باب " مقدار ما یعطی الفقیر من الزکوۃ " میں ہے " من مقاصد الزکوۃ کفایۃ الفقیر وسد حاجتہ فیعطی من الصدقۃ القدر الذی یخرجہ من الفقر إلی الغنی ومن الحاجۃ إلی الکفایۃ "

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قبیصۃ ان المسألۃ لا تحل إلا لأحد ثلاثۃ رجل اصابتہ جائحۃ اجتاحت مالہ فحلت لہ المسألۃ حتی یصیب قواما من عیش اوقال سدادا من عیش.... الی آخر الحدیث (رواہ مسلم وابوداؤد)۔ وفی روایۃ ان المسألۃ تحل للفقیر حتی یأخذ ما یقوم بعیشہ ویستغنی بہ مدی الحیوۃ، ۔ قال ابوداؤد سمعت احمد وسئل یکفن الموتی من الزکوۃ قال لا و لا یقضی من الزکوۃ دین المیت۔ (فقہ السنۃ صفحہ ۳۸۲)

صنعت وحرفت کے مراکز اور اسکی جگہیں اگر زکوٰۃ کے مال سے کھولی جائیں تو صرف فقراء ومساکین کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ہونا چاہئے، رفاہ عام کے لئے درست نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ پہلی حدیث سے ظاہر ہے۔

جہاں امام یعنی امیر المؤمنین یا اس کا نائب نہ ہو وہاں زکوٰۃ انفرادی صورت میں بہتر ہو تو وہی صورت اختیار کریں، اور اجتماعی صورت یعنی بیت المال میں جمع کرنے اور باہم مشورہ سے تقسیم کی صورت بہتر ہو تو یہ صورت اور عمدہ ہے، شریعت محمدیہ نے کسی صورت وطریقے کا پابند نہیں کیا ہے، مستحقین کو قرآن وحدیث کی مطابق ملنا چاہئے۔

باقی صفحہ ۳۹ پر

ندوۃ الطلبہ جامعہ سلفیہ بنارس
کا
تقریری انعامی مقابلہ

سابقہ روایات کے مطابق امسال بھی جامعہ سلفیہ بنارس میں طلباء کی انجمن "ندوۃ الطلبۃ" کے زیر اہتمام "تقریری انعامی مقابلہ" منعقد ہوا، دو مقابلے عربی میں ہوئے اور دو مقابلے اردو میں ہوئے۔

اردو مقابلے : نشست اول ۱۳/ اگست بروز جمعرات صبح بعنوان "شرک کی حقیقت اور اس کے مضرات" منعقد ہوئی۔ یہ مقابلہ ثانویہ ثانیہ اور عالم اول کے طلباء کے درمیان منعقد ہوا، اس میں شرکاء کی تعداد پچیس تھی، پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔	جمال العین نور العین	ع ۱	فرسٹ پوزیشن
۲۔	محمد اختر عبد الجلیل	ع ۱	سکنڈ پوزیشن
۳۔	مشتاق احمد	ث ۲	تھرڈ پوزیشن

اردو مقابلہ کی دوسری نشست مذکورہ تاریخ کی رات میں منعقد ہوئی، جس کا موضوع تھا "جنگ آزادی اور علماء اہل حدیث"۔ یہ مقابلہ عالم ثانی اور عالم ثالث کے طلباء کے درمیان تھا، اس میں شرکاء کی تعداد بیس تھی، پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔	شہاب الدین محمد سلیمان	ع ۳	فرسٹ پوزیشن
۲۔	عبد السلام مقبول احمد	ع ۳	" "
۳۔	عبد القیوم	ع ۲	سکنڈ پوزیشن

۴۔ محمد اسلم محمد لقمان ع ۲ تھرڈ پوزیشن

عربی مقابلے : نشست اول ۲۰ راگست جمعرات کی صبح بعنوان: "اُھمیّة الصلوٰة فی الاسلام" منعقد ہوئی، یہ مقابلہ ثانویہ ثانیہ اور عالم اول کے طلباء کے درمیان تھا، اس میں شرکاء کی تعداد اٹھارہ تھی، پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ عبدالنور	ع ۱	فرسٹ پوزیشن
۲۔ عبدالعلیم	ث ۲	سکنڈ پوزیشن
۳۔ محمد رفیق	ث ۲	تھرڈ پوزیشن
۴۔ اکثر علی	ث ۲	" "

عربی مقابلہ کی دوسری نشست کا موضوع " السنة ومكانتها فی الاسلام" تھا یہ مقابلہ عالم ثانی اور عالم ثالث کے طلباء کے درمیان تھا، پوزیشن حاصل کرنے والے طلباء کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ شہاب الدین	ع ۳	فرسٹ پوزیشن
۲۔ عبدالسلام مقبول احمد	ع ۳	سکنڈ پوزیشن
۳۔ کلیم اللہ محمد تسلیم	ع ۲	تھرڈ پوزیشن

(رپورٹ منجانب)

عبدالمالک حبیب اللہ

سکریٹری "ندوة الطلبة" جامعہ سلفیہ، بنارس

ماہنامہ محدث بنارس

شمارہ ۱۱ | نومبر ۱۹۹۲ء | جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ | جلد ۱۰

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱/۱۸ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۱۰

بدلِ اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے

درسِ قرآن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصغر علی امام مہدی السلفی

موت سے مفر کہاں

کل نفس ذائقة الموت وانما توفون اجورکم یوم القیامة فمن زحزح عن النار وادخل الجنة فقد فاز وما الحیوة الدنیا إلا متاع الغرور (آل عمران ۱۸۵)

"ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے، اور تم قیامت کے دن اپنے (اعمال کا) پورا پورا بدلہ دیئے جاؤ گے تو تم میں سے جو جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل ہو گیا وہی کامیاب ہوا، اور یہ دنیا سوائے فریب ودھوکہ کے کچھ بھی تو نہیں۔" اس آیت پاک میں رب کریم نے انسانی زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کیا ہے اور ہر جاندار اور ذی نفس کو موت سے دوچار ہونے کی وارننگ دی ہے اور بتایا ہے کہ موت سے کوئی مفر نہیں ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ موت ایک زندہ جاوید حقیقت ہے، اور اس کا انکار گویا دنیا میں ہر جاندار کے وجود کا انکار ہے، انسان کی موت کے آنے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس دنیا کے اندر انسان کی مدت قیام ختم ہو گئی ہے اور وہ عالم برزخ (قبر) کی طرف رواں دواں ہے، اب اس دارِ فانی سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے جو کچھ بھلے برے اعمال انجام دیئے ہیں اب وہی اس کے اگلے مراحل میں سامنے آئیں گے، اس کا مشاہدہ وہ حالت نزع کے وقت سے ہی کرنے لگتا ہے، آدمی برا ہے تو اس کی موت بھی بری ہوتی ہے، دنیا سے اس کا ناطہ ختم ہونے کے وقت جب اس پر جانکنی کا عالم طاری ہوتا ہے آسمان سے نہایت سیاہ اور کالے کلوٹے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور اپنے ساتھ ٹاٹ اور کانٹ کا فرش لئے ہوئے اس کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں پھر فرشتۂ اجل آتا ہے اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر آرڈر دیتا ہے کہ اے خبیث نفس اللہ تعالیٰ کی غضب اور اس کی ناراضگی اور عذاب کی طرف نکلو پھر تو روح پورے جسم میں پھیل جاتی ہے اور ایک ایک رگ وریشے میں پیوست ہو جاتی ہے موت کا فرشتہ اس کو پوری شدت سے کھینچتا ہے جس سے پورے جسم کے پرخچے اڑ جاتے ہیں اور رگ وریشہ اور پٹھے کو بھی اپنے ساتھ لے کر نکل آتی ہے اور اس میں بے انتہا بدبو ہوتی ہے فرشتے اسے رب کے پاس پہنچانے آسمان پر لیجانے سے گھن کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف نیک آدمی پر جب عالم نزع طاری ہوتا ہے اس کے پاس نہایت ہی خوبصورت سورج کی طرح چمکتے فرشتے آتے ہیں اور اس سے موت کا فرشتہ

کہتا ہے کہ اے پاک نفس اپنے رب کی رضا اور مغفرت کی طرف چلو چنانچہ موت بآسانی نکل جاتی ہے جیسے مشکیزے سے پانی کا قطرہ بآسانی بہہ نکلتا ہے اور اس میں بے انتہا خوشبو ہوتی ہے، فرشتے اسے ہاتھوں ہاتھ لیتے اور مبارکبادی دیتے ہیں، پھر قبر کا دور شروع ہوتا ہے اور معلوم ہے کہ قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے کنوؤں میں سے ایک کنواں اور کھڈ ہے جسے قبر میں راحت نصیب ہوگئی اس کے لئے ابدی آرام وسکون کا پروانہ مل گیا اور جسے قبر کے عذاب سے دوچار ہونا پڑا وہ خسارے اور ٹوٹے کا شکار ہوگیا، کیونکہ قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے۔

پھر قیامت کے دن سب کو اپنے اپنے کئے کی سزا و جزا بھگتنا ہوگا جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ بھی اسے پالیگا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ غرض میزان عدل اس روز نصب کیا جائیگا اور ہر انسان کو اس کا پورا پورا بدلہ دے دیا جائے گا، جس شخص کا نامہ اعمال اس کے حسنات کی کثرت کی وجہ سے داہنے ہاتھ میں عطا کیا جائیگا وہ جنت میں داخل ہو کر خلد بریں میں ہمیشہ کے لئے مقیم ہو جائے گا اور یہی حقیقی اور پائیدار کامیابی ہے، اور جس کا نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں کثرت گناہ کی وجہ سے دیا جائیگا وہ جہنمی ہوگا، اور اس سے زیادہ بدبخت، بدنصیب اور بے توفیق کون ہوسکتا ہے، یہی تو سب سے بڑا خسارہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو متنبہ کیا ہے کہ جب موت ہر حال میں اپنی معینہ مدت میں آتی ہے اور نیک و بد کا انجام بھی دیکھنا ہے تو پھر اس دنیا کی رنگینیوں اور اسکی لذتوں میں کیوں مدہوش ہو کر موت اور آخرت سے غافل ہو۔ یہ دنیا اور اس کی ہر نعمت فانی ہے جو اس کی دل فریبیوں کا شکار ہوگیا وہ دھوکہ کھا گیا، پھر تم متاع غرور کا سودا کیوں کرتے ہو۔ اس دنیا کی حقیقت پر تو غور کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس دنیا کی قیمت اگر مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی عطا نہ کرتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈال کر دیکھے کہ اس کی انگلی میں سمندر کے مقابلہ میں کتنا پانی آیا ہے۔ پھر اس آخرت کی نعمت کی طلب نہ کرکے اس حقیر مگر عارضی اور فانی چیز کے پیچھے کیوں پڑتے ہو۔ سچ ہے کہ عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس پر کنٹرول کرتا ہے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے حسنات جمع کرتا ہے، اور احمق وہ ہے جو اپنی خواہشات کا بندہ بنا رہتا ہے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی امید کی تمنا کرتا ہے۔ آخرت کی کامیابی اس شخص کے لئے جو لذت دنیا کو ختم کرنے والی چیز موت کو یاد رکھتا ہے۔

درسِ حدیث

اصغر علی امام مہدی السلفی

قانونِ شیطانی بمقابلہ قانونِ ربانی

عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار ۔ مسلم ۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ بولا تو اس کا ٹھکانا جہنم ہے ۔

شارع حکیم اللہ تبارک وتعالیٰ ہے ، اس میں اس کا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے جس طرح وہ اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہے ، اس میں اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے اور بلا شرکت غیرے وہ ہر چیز کا خالق ہے ، اسی طرح وہ مخلوقات خصوصاً انسان کے لئے ضابطۂ حیات متعین کرنے میں یکتا ویگانہ اور وحدہٗ لاشریک ہے ، اس میں کسی انسان کی ادنی مداخلت اسے گوارا نہیں ، اسی لئے اس نے انبیاء کرام کے ذریعے سے وہ تمام اصول ومبادی اور شریعت وقانون انسان تک پہونچا دیئے جس پر چل کر انسان اس کی بندگی کرسکتا ہے اور اپنے رب کا فرماں بردار بن سکتا ہے ۔

آخری امت جو اس دنیا کے اندر آئی اس کی رہنمائی اور اس تک اپنا قانون پہونچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب فرمایا ، ان پر اپنا کلام قرآن مجید نازل فرمایا جو مسلمانوں کا دستورِ حیات ہے اور اس کی توضیح وتفسیر کے لئے آپ کو مکلف کیا چنانچہ آپ نے اپنے رب کی تعلیم کی روشنی میں اس کی مکمل تفصیل بیان کردی جسے ہم حدیث شریف کے نام سے یاد کرتے ہیں (وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ)

یہی ہر دو امور جو اپنے اصل اور منبع صافی وکافی ہونے کے اعتبار سے ایک چراغ کے دو پرتو ہیں ، انسان کے لئے دستور العمل ہے اور اسی پر اس کی کامیابی وکامرانی موقوف ہے : ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما ان تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنتی ۔

لیکن انسان کی یہ بدبختی ہے کہ وہ اپنے اس منعم حقیقی کے سب سے بڑے انعام کو ٹھکرا کر دنیا وآخرت کے ایک

دائمی عذاب میں مبتلا ہوگیا، اس کا ایک طبقہ ایسا ہے جو اس قانون کو مانتا ہی نہیں، وہ ہر روز اپنی طبیعت اور عقل سے قانون بناتا ہے اور اسی لعنت میں ہمہ وقت مصروف عمل ہے مگر اسے کسی طرح سکون حاصل نہیں اور وہی اس کی تباہی کا اصل سبب ہے۔ ع جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا وہ ناپائیدار ہوگا۔

ایک دوسرا طبقہ وہ ہے جو اس قانون الٰہی کے ماننے کا اقرار کرتا ہے مگر عملاً اس پر کاربند نہیں، وہ اپنے قول و عمل اور فعل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا بنایا قانون ہمارے لئے کافی نہیں ہے، چنانچہ وہ اس میں کبھی اپنی عقل و رائے کی پیوند کاری کرتا ہے ساتھ ہی اس خوش فہمی میں بھی مبتلا ہے کہ اس کے بغیر دین مکمل ہی نہیں ہے، یا دین پر چلنا ممکن نہیں ہے، گویا وہ اپنے زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ " الیوم اکملت لکم دینکم " کا مژدہ ربانی صحیح نہیں ہے. نعوذ باللہ من ذلک ۔ اور قانون الٰہی میں مداخلت کا مرتکب ہوتا ہے۔

چونکہ یہ ایک شیطانی چال ہے، نیز منہج ربانی سے دور قانون الٰہی کے مقابلے میں آئین شیطانی ہے اس کو کوئی موحد و مخلص اور ہوش مند قبول نہیں کر سکتا، اس لئے کبھی ان عقلیات، آراء و قیاسات کو پیارے نبی کی طرف منسوب کر دیتا ہے تاکہ مومن کے لئے اس میں کشش ہو اور دین و شریعت ربانی سمجھ کر بآسانی قبول کر لے اور یہ امر پہلے سے زیادہ زود اثر، مضرت رساں اور ہلاکت خیز ہے، چونکہ رب کریم شیطان کی ان تمام مکاریوں اور چالبازیوں سے باخبر ہے اس لئے اس نے اپنے پیارے نبی کو وحی نص کے ذریعہ سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کے ذریعے سے ان ہر دو شناعتوں اور شرکت فی الرسالت اور شرک فی الشریعت سے متنبہ کیا اور اس کے مرتکبین کو حتمی طور پر جہنم رسید کیا، جیسا کہ درس کی حدیث سے عیاں و بیاں ہے ۔ لیکن بسا اوقات شیطان اس میں اپنی فریب کاری اور دسیسہ کاری کو بروئے کار لا کر ان غلط طور پر منسوب کی ہوئی حدیثوں کے سلسلے میں یہ باور کراتا ہے کہ یہ وعید شدید ان احادیث کے گھڑنے اور وضع کرنیوالوں کے لئے ہے، کیونکہ جھوٹے تو یہی ہیں اس لئے اس کے بیان کرنیوالے پھیلانے والے اور عمل کرنے والے اس وعید سے خارج ہیں، جیسا کہ بہت سے صاحب جبہ و دستار کو ان کی اس غلط روی پر ٹوکنے کے وقت کہتے ہیں تو ان کے لئے ارشاد نبوی ہے : " من حدث عنی حدیثا یری انہ کذب فہو احد الکاذبین ۔" (مسلم) جو شخص میری طرف غلط منسوب حدیث یہ جانتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ وہ جھوٹی ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے ۔ واضح ہو کہ بقول شاہ صاحب و دیگر محدثین کرام مجاہیل و ضعفاء کی مرویات کی استدلال و استناد مبتدعہ و اہل ہوی و ہوس ہی کا شیوہ ہے۔

افتتاحیہ

خوفناک اخلاقی زوال

انسانی زندگی کے تمام گوشوں میں بلکہ انسانی زندگی کے یک گونہ اثر سے مالوف حیوانات کی زندگیوں میں بھی بے حجاب اخلاقی انارکی اور اباحیت کی جو خوفناک صورت حال پیدا ہوگئی ہے، کرۂ ارض نے اپنی پوری عمر میں غالباً ایسا عریاں منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا، بے قید جنس پرستی اور خبیث ہم جنسی نے امریکہ اور یورپ کے قابل ذکر حلقہ کو خصوصیت سے اور مغربی تہذیب سے متاثر اکثر ممالک کی ایک معتدبہ تعداد کو ایڈز جیسے رجز الیم کی شکل میں اپنی گرفت میں لے لیا ہے، لیکن مغربی تہذیب نے انسانی زندگی کی دھارا کو جس رخ پر موڑ رکھا ہے اس میں عبرت پذیری کے لئے کوئی موقعہ نہیں ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ویٹیکن گرجاگھروں اور یہودی معابد کے پوپ، پادری اور احبار و رھبان کے سمع و بصر کے سامنے امریکہ اور یورپ میں جنسی آوارگی اور ہم جنسی کے جواز کے لئے حکومتوں کی طرف سے قوانین منظور کئے جاتے ہیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیلی صحائف تحریف کے ایسے مقام پر پہونچ چکے ہیں کہ ان میں ایسے عظیم جنسی جرائم کی تحریم کے لئے کوئی روشنی باقی نہیں چھوڑی گئی ہے کہ جن کی بنیادوں پر ان کے خبائث کے رد میں یہ مقدس لوگ کچھ زبان کھول سکتے اور زور ڈالتے۔ مغربی تہذیب کے زیر سایہ اقوام مغرب میں نوبت بایں جا رسید کہ فرد سے لے کر قوم تک خوف الٰہی اور حساب آخرت کے ڈر سے بے پروا اس درجہ غفلت کا شکار ہے کہ منفعت، بینک بیلنس اور عیش کوشی کے سوا اور کچھ بھی پیش نظر نہیں، کاش انھیں کوئی بتاتا کہ یہ سب تمنائے خام کے پیچھے بھاگنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام وائے تمنائے خام

بوسنیا کے مسلمانوں کی جس بے رحمی اور درندگی کے ساتھ نسل کشی کی جا رہی ہے وہ مغرب کی بے قید

اخلاقیات ہی کا ایک گھناؤنا اور عبرتناک منظر ہے، کلاب وخنازیر جیسے جانوران کے محلات وقصور کی زینت ہیں مگر یہ سفید فام گوریلے اپنی سیاست، معاشرت اور تمدن کے جنگلی قوانین کی روسے اس بات کے روادار نہیں کہ ان کے ساتھ کوئی اور بھی عزت کے ساتھ زندگی گذارے، حد تو یہ ہے کہ جنگ عظیم اول ودوم میں مغربی اقوام نے گرگان باراں دیدہ کی طرح اپنی ہی بعض اقوام کو بری طرح بھاڑ کھایا تھا۔ کروڑوں انسان ان جنگوں میں قتل ہوئے تھے، جنگوں کی پوری انسانی تاریخ ایک طرف اور مغرب کی صرف دو جنگیں ایک طرف پھر بھی ہلاکت وبربادی میں فزوں تر۔ یہی وجہ ہے کہ خود مغرب یا مشرق اور شمال وجنوب پر اس بے قید تہذیب کے جو اثرات مرتب ہوئے، اور نوع انسانی عالمگیر جنگوں کی خونریزیوں سے لے کر ایڈز جیسے عالمگیر عذاب میں جو مبتلا ہوئی اس کے پیش نظر از سر نو عالمی پیمانہ پر اہل دانش کے ایک بڑے حلقے نے انسانی زندگی کی سعادت کیلئے اخلاقی اصول واقدار کی ضرورت پر زور دیا ہے اور انھیں یقین ہو چلا ہے کہ اس کے بغیر انسانیت ہلاک اور فنا ہو جائے گی۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں بھی بعض دانشوروں نے اپنے ملک کے تعلق سے اس نوع کے احساس کا اظہار کیا ہے، اور وہ اسکولوں اور کالجوں میں طلبا کو ضمنی طور پر اخلاقیات کے درس کا اہتمام کرنا چاہتے ہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس راہ کی چھوٹی بڑی ہر کوشش کسی نہ کسی حد تک سودمند ثابت ہوگی لیکن ایک ایسا منصوبہ بند اور ہمہ گیر عمل جو پوری قوم کو خوشگوار اخلاقی زندگی عطا کردے نہایت بنیادی اسباب وعوامل کو بروئے کار لانے ہی سے ممکن ہو سکتا ہے۔

ہماری قوم کی اخلاقی زندگی مختلف عوامل کے سبب غایت درجہ انحطاط کا شکار ہے، اور مغربی تہذیب کی تقلید اس میں مزید اضافہ کا باعث ہے، بھارتی معاشرت جس تیز رفتاری سے جنسی آوارگی کی طرف دوڑ رہی ہے اس کا اندازہ ٹی، وی، ویڈیو، فلموں اور گندے لٹریچر سے بآسانی کیا جا سکتا ہے، اور عریانیت، اغوا، اور زنا کے روز افزوں واقعات سے اس کی دو ٹوک شہادت لی جا سکتی ہے، ایک اخباری رپورٹ کے مطابق پیرس کے ہم جنسی کے کلب میں بھارت کو رکن بنا لیا گیا ہے، گویا تہذیب مغرب کی تقلید کا سارٹیفکٹ حاصل ہو چکا ہے، اقتصادی پہلو سے ہمارے اخلاقی زوال کیلئے صرف ایک تازہ مثال کافی ہے، شیئر بازار میں بھارتی بجٹ کے ایک تہائی یعنی بتیس ارب روپئے کا گھپلا کرنے والا ہرشد مہتہ اس بنا پر بلا شرط ضمانت

پر رہا کر دیا گیا کہ اس سے متعلق اس سے پہلے اس طرح کے کسی کیس کا ثبوت نہیں ہے۔ اس گھپلے میں حکومت کے بڑے بڑے آفیسران اور وزراء تک ملوث ہیں، اندازہ ہے کہ چند ماہ بعد بوفورس اسکینڈل کی طرح یہ واقعہ بھی فراموش کر دیا جائے گا، اخلاقی پہلو سے یہ بات غور کرنے کی ہے کہ ہر عہدہ ومنصب امانت ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری اللہ کی رضا اور اس کے مخلوق کی منفعت کے لئے ادا کی جاتی ہے، مگر غور فرمائیے کہ مادی نفع اور ذاتی اغراض کے پیچھے ایک مہتہ کے ساتھ کتنے اصحاب مناصب آفیسران اور وزراء بھی لائن میں لگے ہوئے ہیں، اللہ کی رضا اور خلق کی منفعت کا کسے خیال ہے، ابھی تازہ اخباری رپورٹ ہے کہ دس لاکھ کے عوض یوپی نیز بہار کے بعض جیلروں نے بھی مجرمین کو جیلوں سے فرار ہونے میں تعاون دیا ہے۔ سیاست کی دنیا میں اخلاق نام کی کوئی چیز اب شاید باقی نہیں رہی، ہر آنے والا سال پچھلے کے مقابلہ میں زیادہ لبرل اور غیر مورل ثابت ہوتا ہے، اس دنیا میں اب جھوٹ، رشوت ستانی، نسلی جانبداری اور شراب و شباب پارلیمنٹ سے لے کر عدالت کے ایوانوں تک رواں دواں ہے۔

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بھارتی قوم کی پوری زندگی اخلاقی زوال میں مبتلا ہے اور مغرب کی تقلید کو ذریعہ نجات تصور کرنے لگی ہے، اس کے لئے اسکولوں اور کالجوں میں جزوی اصلاح سودمند نہیں بلکہ قومی پیمانہ پر عظیم اخلاقی تبدیلی لانے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاقی انحطاط کے سرچشموں کا پتہ لگایا جائے، اور ان کے سدباب کے لئے ہمہ گیر اسباب وعوامل کو بروئے کار لایا جائے، اس اعتبار سے کہ مذہب میرا دائرۂ عمل ہے، اخلاقی اصلاح کے لئے میں سب سے پہلے مذہبی اصلاح کو ضروری سمجھتا ہوں، میرا مطلب یہ ہے کہ واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ کسی مذہب کے اعتقادات جیسے ہوتے ہیں اس مذہب کے ماننے والوں کے اخلاق اسی حساب سے بنتے ہیں اور عبادتی اعمال کا اثر عام انسانی معاشرہ پر بھی پڑتا ہے، اور عام انسانوں کا اخلاق اسی اعتقاد کے سانچے میں ڈھلتا ہے، اگر ہم نے اعتقاد و عمل کے لحاظ سے کسی غیر پاکیزہ نظام حیات کو اختیار کیا ہے تو پھر ہم عام معاشرہ کو جنسی آوارگی، اغواء اور زنا کے واقعات سے نہیں روک سکتے۔ اسی طرح اقتصادی اور سیاسی زندگی کے متعلق مذہبی اصولوں کا جو رویہ ہوگا، قوم کا سیاسی واقتصادی اخلاق اسی کے حساب سے بنے گا۔

مذہبی اعتقاد واصول کو میں نے بنیادی طور پر اس لئے پیش کیا ہے کہ یہ واقعتاً انسان کی فطرت میں شامل

ہوتے ہیں یا بسا اوقات انسان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں، انسانی زندگی مذہب سے عاری ہو کر نہیں گذر سکتی، روس نے غیر مذہبی نظام سیاست کا انٹرنیشنل غبارہ ستر پچھتر سال تک فضائے عالم انسانی میں بلند کیا، لیکن دنیا نے دیکھا کہ اس طرح خاموشی کے ساتھ اس کی ہوا نکل گئی کہ کوئی طفلک انسانی بھی اس کے لئے مضطر نہیں پایا گیا۔ اگر ہمیں بھارتی قوم کی اخلاقی زندگی میں خوشگوار انقلاب لانا ہے تو اس وقت سیاست، اقتصاد اور معاشرت میں قوم جس بھیانک اخلاقی انحطاط کا منظر پیش کر رہی ہے اس کے لئے مذہبی اعتقادات و اصول کا پوری وسیع النظری کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا اور انسانی حرمت و عزت، حقوق، مساوات اور جائز آزادی جیسے دائمی اقدار سے متصادم اعتقادات و اصول کی اصلاح کر کے ان کی جگہ صالح اصول کو رکھنا ہوگا۔

جہاں تک مذہب اسلام کا تعلق ہے تو اس کے متعلق بڑی صفائی اور دو ٹوک انداز میں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا پورا نظام اعتقادات وعبادات سے لے کر معاملات تک فضائل اخلاق سے مزین صالح افراد، صالح معاشرہ و سماج، صالح اقتصادیات، اور صالح سیاست و حکومت ہی برپا کرنے کے لئے ہے، پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف فرمایا ہے: "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" مجھ کو اسی لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے تاکہ میں فضائل اخلاق کی تکمیل کر دوں، اور خاتم الانبیاء والرسل کی ذات رسالت مآب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شہادت دی ہے " وانك لعلى خلق عظيم" اے نبی محمد یقیناً تم نہایت عظیم اخلاق پر فائز ہو، اور زوجۃ النبی ام المومنین عائشہؓ فرماتی ہیں: "کان خلقه القرآن" آپ کا اخلاق قرآن ہی تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مغرب کی تقلید روشن خیالی اور ترقی پسندی کا ایک سراب ہے، اگر ہمیں اپنی قوم کے اخلاقی انحطاط کا احساس ہے تو میں بلا ریب وشک کے یہ بات نہایت خلوص کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں ایسے معتقدات، اصول اور اقدار رکھے ہیں کہ اگر ہماری قوم اپنی عملی زندگی میں اس کا تجربہ کر لے جائے تو تمام شعبہائے زندگی میں اخلاقی انحطاط کی جگہ خوشگوار اور ہمہ گیر انقلاب آجائے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہیں

حمد رب العالمین

جناب مولانا عبدالقدوس صاحب نسیم بنارسی

ہر اک تعریف تیری ہے کہ رب العالمیں تو ہے
جزا کے روز کا مالک خدایا بالیقیں تو ہے

تری قدرت سے قائم ہے نظامِ گردشِ دوراں
نگہ دارِ فلک ہے تو خبردارِ زمیں تو ہے

تو پاتا ہے نگاہوں کو نہیں پاتیں تجھے نظریں
خبر ہے تجھ کو ہر شیٔ کی بہت باریک بیں تو ہے

لئے ہے علم تیرا رازِ سربستہ دو عالم کا
اگرچہ جلوہ فرما برسرِ عرشِ بریں تو ہے

تو خالق سارے انساں کا تو دانا وسوسوں کا بھی
تری قدرت کا کیا کہنا کہ شہ رگ سے قریں تو ہے

تو مالک ہے اکیلا اور تنہا عرشِ اعظم کا
مرا ایمان محکم ہے مرے دل کا یقیں تو ہے

ہر اک گردابِ ہستی میں ہر اک موجِ حوادث میں
تجھے ہم نے جہاں آواز دی مولیٰ! وہیں تو ہے

جو مشکل تھی وہ تیری بندگی سے ہو گئی آساں
جہاں سجدے میں سر رکھا وہیں نزدِ جبیں تو ہے

سبھی سرگوشیوں میں اپنے بندوں کے تو شامل ہے
وہ ظاہر ہوں کہ پوشیدہ جہاں بھی ہوں وہیں تو ہے

مرا دل ہر گھڑی اس بات کا اقرار کرتا ہے
دو عالم کا خدا ہرگز کبھی کوئی نہیں تو ہے

محمدؐ کو بنایا رحمۃ للعالمیں تو نے
تری قدرت کا کیا کہنا کہ رحمت آفریں تو ہے

محمدؐ ہی قیامت میں شفیع المذنبیں ہوں گے
مگر تیری اجازت سے کہ شاہِ یوم دیں تو ہے

نسیم آیا ہے محشر میں سہارا لے کے رحمت کا
کہ جنت آفریں تو ہے جہنم آفریں تو ہے

طرح طرح سے وہ آزمائے جاتے ہیں

ترتیب و پیشکش ــــــ ڈاکٹر خالد شفاء اللہ رحمانی

راہِ حق میں آزمائش ناگزیر ہے

" اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کر
والوں کے ساتھ ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں
انھیں مردہ نہ کہو ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں، مگر ان کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ اور ہم ضرور تمہیں خوف
خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمہاری آزمائش کریں گے۔ ان حا
میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ "ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر
جانا ہے۔ انھیں خوشخبری دے دو، ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہوں گی، اس کی رحمت ان پر سایہ
کرے گی، اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں" (۱۵۷ آیت، البقرۃ)

ایک مسلمان اس حقیقت کو جان لے کہ اسلام کا دامن تھامنے کے بعد اس کی ذمہ داریاں اس دنیا میں اہم
ہو جاتی ہیں، یہ کوئی پھولوں کا بستر نہیں ہے جس پر آپ لٹائے جا رہے ہیں، یہ تو ایک عظیم الشان اور پُر خطر کام
ہے، جس کا بار اٹھانے کے ساتھ ہی تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، طرح
طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے، اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا
مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں بڑھے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارش ہوگی۔

طاقت کیسے آئے

اس خدمت کا بوجھ اٹھانے کے لئے جس طاقت کی ضرورت ہے وہ تمہیں دو
چیزوں سے ملے گی، ایک صبر کی صفت اپنے اندر پرورش کرو، دوسرے نماز
کے عمل سے اپنے آپ کو مضبوط کرو، یہ دونوں چیزیں افراد مومنین، جماعت مومنین کو کامیاب کر دیں گی، اس کے

بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

موت کس کے لئے

موت سے راہ فرار کیسا؟ موت تو تمہاری منزل مقصود کا ایک دروازہ ہے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے سے بہتر حیات جاودانی ہے، موت سے پیار کرو، اس کو گلے لگالو، اہل ایمان اپنے ذہن میں یہ تصور رکھیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں جان دیتا ہے وہ حقیقت میں حیات جاوداں پاتا ہے۔

ہم اللہ ہی کے ہیں

جب ہم اپنے اللہ سے اپنی زندگی کا سودا کر چکے ہیں اور یہ کہہ چکے ہیں کہ میری نماز، میری قربانیاں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لئے ہیں، تو اللہ کی راہ میں ہماری جو چیز بھی قربان ہوئی، وہ گویا ٹھیک مصرف میں صرف ہوئی، جس کی چیز تھی اس کے کام آگئی، پھر گلہ کیسا، شکوے شکایتیں کیسی؟

موت کے خوف سے بھاگنا فضول ہے

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون دا لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جانیں لڑانے والے اور اس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں، تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی، لو اب وہ تمہارے سامنے آگئی اور تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا، محمد اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گذر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گذار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جزا دے گا۔ کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔ (آیت ۱۴۳، ۱۴۴۔ آل عمران)

مسلمانوں کو یہ ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ موت ایک اٹل حقیقت ہے، کوئی بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے وقت سے پہلے مر نہیں سکتا اس سے بھاگنا فضول ہے۔

" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، کافروں کی سی بات نہ کرو جن کے عزیز و اقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہ وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے، اللہ اس قسم کی باتوں کو ان کی دلوں میں حسرت و اندوہ کا سبب بنا دیتا ہے

ورنہ اصل مارنے اور جلانے والا اللہ ہی ہے اور تمہاری تمام حرکات پر وہی نگراں ہے۔ اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال تم سب کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔

(آیت ۱۵۷، ۱۵۸ ۔ آل عمران)

حقیقت تو یہ ہے کہ قضائے الٰہی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تدبیروں پر سب کچھ موقوف ہے، ان کے لئے اس قسم کے قیاسات بس داغ حسرت بن کر رہ جاتے ہیں اور وہ ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں کہ کاش یوں ہوتا تو یوں ہو جاتا۔

انسان کی دنیوی زندگی سراسر آزمائش ہے

ایک مسلمان جب اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا تو اس کی نظر سے یہ حقیقت نہیں اوجھل ہونی چاہیئے کہ اس کی حیثیت یہاں اللہ کے خلیفہ کی ہے، اس نے بہت سی نعمتوں سے اس کو نوازا ہے، البتہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ، یہ سب امتحان کا سامان ہے، پوری زندگی امتحان گاہ ہے جس کو جو کچھ بھی خدا نے دیا ہے اسی میں اس کا امتحان ہے کہ اس نے کس طرح خدا کی امانت میں تصرف کیا، کہاں تک امانت کی ذمہ داری نبھائی اور اس کا حق ادا کیا، تم میں سے ہر ایک اپنی ذمہ داری کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا مرد ہو یا عورت۔

اسی دنیا میں ساری آزمائش صرف اس بات کی ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں، اور ماننے کے بعد اتنی ایمانی، اخلاقی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کا اختیار رکھنے کے باوجود فرمانبرداری اختیار کرے ورنہ جب وقت موعود آگیا تو ہر انسان بےبس ہے کافر ہو یا فاجر، مومن ہو یا مسلمان کیونکہ یہ فیصلے کا وقت ہے نہ کہ مہلت اور آزمائش کا۔ جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، ان کے لئے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنا دی گئی ہے، ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر قیامت کے روز پرہیزگار لوگ ہی ان کے مقابلہ میں عالی مقام ہوں گے، رہا دنیا کا رزق تو اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بےحساب دے۔ (۲۱۱ - البقرۃ)

اللہ کی طرف سے انسان کی آزمائش کس کس طرح ہوتی ہے؟

اللہ تعالیٰ بندوں کی آزمائش کے لئے جو طریقے اختیار فرماتا ہے ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کسی شخص یا گروہ کے اندر فرماں برداری سے انحراف اور نافرمانی کی جانب میلان بڑھنے لگتا ہے تو اس کے سامنے نافرمانی کے مواقع کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے تاکہ اس کے وہ میلانات جو اندر چھپے ہوئے ہیں کھل کر پوری طرح نمایاں ہو جائیں اور جن جرائم سے وہ اپنے دامن کو خود داغدار کرنا چاہتا ہے وہ صرف اس لئے باز نہ رہ جائے کہ ان کے ارتکاب کے مواقع اسے نہ مل رہے ہوں۔

قرآن بنی اسرائیل کے ان لوگوں کا حال بیان کرتے ہوئے یاد دلاتا ہے جنہوں نے احکام الٰہی کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی، "اور ذرا ان سے اس بستی کا حال بھی پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھی، انھیں یاد دلاؤ وہ واقعہ کہ وہاں کے لوگ سبت (سنیچر) کے دن احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے تھے، مچھلیاں سبت ہی کے دن ابھر ابھر کر سطح پر ان کے سامنے آتی تھیں اور سبت کے سوا باقی دنوں میں نہیں آتی تھیں۔ یہ اس لئے ہوتا تھا کہ ہم ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان کو آزمائش میں ڈال رہے تھے۔"

سنیچر کا دن بنی اسرائیل کے لئے مقدس قرار دیا گیا تھا، ان کو منع کیا گیا تھا کہ اس روز کوئی دنیوی کام نہ کیا جائے لیکن ان لوگوں نے فرمان خداوندی کا کوئی پاس نہ کیا اور اس کی خلاف ورزی کرنے لگے۔ یرمیاہ نبی نے اللہ کی طرف سے دھمکی دی کہ یروشلم نذر آتش کر دیا جائے گا، حزقی ایل نبی نے سبت کی بے حرمتی کو یہودیوں کے قومی جرائم میں سے ایک بڑا جرم قرار دیا تھا۔

قرآن نے یہ بھی یاد دلایا ہے کہ جو لوگ اللہ کے احکام کی نافرمانی کر رہے تھے تو ان میں کا ایک گروہ منع کر رہا تھا لیکن انھیں میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو یہ کہتا تھا "تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا یا سخت سزا دینے والا ہے، تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ہم یہ سب کچھ تمہارے رب کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کے لئے کرتے ہیں اور اس امید پر کرتے ہیں کہ شاید یہ لوگ اس کی نافرمانی سے پرہیز کرنے لگیں،" آخر کار جب ان ہدایات کو بالکل ہی فراموش کر گئے جو انھیں یاد کرائی گئی تھیں تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے اور باقی سب لوگوں کو جو ظالم تھے ان کی نافرمانیوں پر سخت عذاب میں پکڑ لیا۔ (۱۶۵ آیت، اعراف)

قرآن نے تین کردار ہمارے سامنے پیش کیا ہے، ایک تو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرنے والے، دوسرا کردار مصلحت پسندوں کا جو ہر نیکی کے اقدام پر کہتے ہیں، اس سب سے کیا فائدہ؟ تیسرا کردار وہ لوگ جن کی غیرت ایمانی حدود اللہ کی خلاف ورزی کو برداشت نہیں کرتی اور نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے میں مگر ہو جاتے ہیں مجرمین اگر رکتے نہیں تو یہ تو اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں ایسے ہی لوگ قرآن کے نزدیک اللہ کے عذاب سے بچائے جاتے ہیں۔

قرآن کے اس بیان کردہ واقعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی کہ جس بستی اور محلہ میں اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو وہ ساری کی ساری قابل مواخذہ ہوتی ہے، کوئی گرفت سے اس لئے نہیں بچ سکتا کہ وہ خود پاپی نہیں ہے بلکہ اللہ کی عدالت میں صفائی پیش کرنے کے لئے اس بات کا ثبوت فراہم کرنا ہوگا کہ حتی الامکان اس نے اصلاح کے لئے کیا کیا۔

اجتماعی جرائم کے سلسلے میں قرآن نے صاف لفظوں میں اعلان کر دیا ہے: " وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً " (ڈرو اس فتنے سے جس کے وبال میں خصوصیت کے ساتھ صرف وہی لوگ گرفتار نہیں ہوں گے جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو) اس کی تشریح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی یاد رکھئے: " انّ اللّٰہ لا یعذّب العامۃ بعمل الخاصۃ حتیٰ یروا المنکر بین ظہرانیہم وھم قادرون علیٰ أن ینکروہ فلا ینکروہ فاذا فعلوا ذلک عذّب اللّٰہ الخاصۃ والعامۃ۔" (یعنی عزوجل خاص لوگوں کے جرائم پر عام لوگوں کو سزا نہیں دیتا جب تک عامۃ الناس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے برے کام ہوتے دیکھیں اور وہ ان کاموں کے خلاف اظہار ناراضگی کرنے پر قادر ہوں اور پھر کوئی اظہار ناراضی نہ کریں پس جب لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے تو اللہ خاص وعام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے)

ہر آزمائش کا موقع انسانوں کے درمیان فیصلہ کن ہوتا ہے، وہ چھاج کی طرح ایک مخلوط گروہ میں سے کارآمد آدمیوں کو پھٹک کر الگ کر دیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا عین مقتضیٰ ہے کہ ایسے مواقع وقتاً فوقتاً آتے رہیں۔

" اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامان آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے

کے لئے بہت کچھ ہے۔ (آیت ۲۸، انفال)

انسان عام طور پر جس چیز کی وجہ سے راہ حق سے منحرف ہوتا ہے اس میں سب سے زیادہ مال واولاد کی محبت ہوتی ہے، کیونکہ انھیں دونوں کی وجہ سے انسان منافقت، غداری، بدعہدی، خیانت جیسے رذائل کا مرتکب ہوتا رہتا ہے، اس لئے قرآن نے ان کو آزمائش کہا ہے۔ بیٹی، بیٹے، جائداد، کاروبار یہ سب امتحانی پرچے ہیں، یہ تمہارے حوالے اس لئے کئے گئے ہیں تاکہ تمہاری آزمائش ہو کہ کہاں تک تم ان ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک نبھاتے ہو۔

یہاں پر ایک نظر قرآن کی اسی سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت پر بھی ڈالتے چلئے جس میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا ایک اور تاریخی واقعہ بیان کیا ہے "پھر ہم نے اپنی کتاب میں بنی اسرائیل کو اس بات پر بھی متنبہ کردیا تھا کہ تم دو مرتبہ زمین میں فساد عظیم برپا کروگے اور بڑی سرکشی دکھاؤگے۔

بنی اسرائیل کا پہلا فساد یہ تھا جب کہ انہوں نے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بت پرست قوموں کے اعمال وعقائد تک کو اپنا لیا تھا، ان کے اخلاقی زوال کا یہ عالم تھا کہ وہ سارے مشرکانہ افعال کو حق بھی سمجھتے تھے، اللہ نے نبیوں کے ذریعے ان کی تنبیہ کی مگر یہ باز نہ آئے تو اللہ نے ان سے عداوت رکھنے والوں کو ان پر حکمراں کردیا تھا، یہ ان کے (کرتوتوں کی وجہ سے) اوپر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑے اور وہ تباہی مچائی کہ ان کی عبادتگاہوں تک کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا، اسی کی طرف قرآن نے یوں اشارہ کیا ہے:

"اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے مقابلے پر اپنے ایسے بندے اٹھائے جو نہایت زورآور تھے اور تمہارے ملک میں گھس کر ہر طرف پھیل گئے۔ (۵۔ بنی اسرائیل)

اس ہولناک تباہی کی داستان جو آشوریوں اور اہل بابل کے ہاتھوں بنی اسرائیل پر نازل ہوئی، تاریخ میں مذکور ہے۔ ایک حامل کتاب قوم کن اسباب کی وجہ سے ایک شکست خوردہ، غلام اور سخت پسماندہ ہوگئی ؟ اس کے عروج وزوال کی کہانی قرآن جابجا بیان کرتا ہے، تاکہ قرآن کے ماننے والے ان اسباب کو اپنے سامنے رکھیں، آگے چل کر قرآن پھر ہمیں بتاتا ہے کہ جب ان میں اصلاح وعمل کا جذبہ پیدا ہوا اور اپنے اخلاقی زوال میں انہوں نے سدھار پیدا کیا تو اللہ نے ان کو غلبہ کا موقع دیا اور ان کے مال واولاد میں برکت عطا کیا۔ یہ تھوڑے سے لوگ جو خیر پر قائم اور خیر کی طرف دعوت دینے والے تھے، انہوں نے لوگوں

کو توبہ وانابت، رجوع الی اللہ کی ترغیب دی، آخر کار رحمت الٰہی ان کی مددگار ہوئی اور ایک بار پھر انہوں نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر وتجدید کی، لیکن کچھ مدت کے بعد ان میں نفاق پیدا ہو گیا جس کے نتیجہ میں ان کی حکومت تین حصوں میں منقسم ہو گئی، یونانیوں نے فلسطین پر قبضہ کر کے اپنی تہذیب کو فروغ دینا شروع کر دیا، یہودیوں میں سے ایک اچھا خاصا عنصر ان کا آلۂ کار بن گیا، یونانی لباس طرز معاشرت کو بھی اپنا لیا تھا، نتیجہ ظاہر ہے کہ دھیرے دھیرے یہ اپنا تشخص کھو بیٹھے اس طرح اللہ نے ایک بار پھر ان کو ذلت ونکبت کے گڑھے میں پھینک دیا۔ جب عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے اس قوم کی اور اس کے پیشواؤں کا حال یہ تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تختۂ دار پر چڑھانے کا خود مطالبہ کیا، تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ پوری قوم کی اکثریت اپنی اس بدبختی پر اٹل رہی آخر اللہ نے ان کے اس فساد عظیم کے پاداش میں دوبارہ سزایاب کیا، اسی کا ذکر قرآن نے امت محمدیہ کے لئے کیا ہے۔

اللہ خواہ مخواہ عذاب دینے والا نہیں ہے

اگر انسان اللہ کے ساتھ احسان فراموشی اور نمک حرامی کا رویّہ اختیار نہ کرے بلکہ صحیح طور پر اس کے احسان مند بن کر رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ سزا دے۔

احسان مندانہ رویہ یہی ہو سکتا ہے کہ آدمی دل سے اس کے احسان کا اعتراف کرے، زبان سے اس کا اقرار کرے اور عمل سے احسان مندی کا ثبوت دے نہ کہ زبانی اپنے آپ کو مسلمانوں کے زمرے میں شامل کرے اور اس کے سارے کام اسلام کے بالکل منافی ہوں، اس کی ساری وفاداریاں اللہ کے سوا کسی اور کے ساتھ وابستہ ہوں اس کی ساری محبتیں اور عقیدتیں بندوں کے ساتھ ہوں، اللہ کی رضا اور اس کی خوشنودی کا کوئی پاس نہ ہو اگر مسلمان اللہ کا دامن تھام لے اور اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کر دیں تو یقیناً ایسے لوگ مومن ہوں گے اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ آخر اللہ کو کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ سزا دے۔ مسلمانوں سے وہ تو کہتا ہے: "نہ غم کھاؤ، نہ ملال کرو، تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم مومن رہو۔" اتنی کھلی ہوئی ہدایت کے بعد بھی اگر مسلمان زبوں حال ہے تو اس کے ایمان میں فتور ہے نہ کہ (نعوذ باللہ) اللہ کے کلام میں۔ پہلے ہم اپنے اعمال کردار، ایمان کا جائزہ لیں کہ اسلام جن جن چیزوں کا مطالبہ ہم سے کر رہا ہے، آیا ہم اس کی کسوٹی پر پورا اتر رہے ہیں؟ ۔

مظلوم کے لئے قرآنی تعلیم • کائنات کے ہر خطے میں آج ہماری مظلومیت کے اوراق بکھرے ہوئے ہیں اس کے باوجود خالق کائنات سے لو لگانے کی ہمیں فرصت نہیں مل پارہی ہے، آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ شیطان نے ہمیں فکری و نظری اور عملی گمراہیوں کی ایسی بھول بھلیوں میں لاکر چھوڑ دیا ہے کہ جہاں سے ہمارے نکلنے کی ساری راہیں مسدود دکھائی دے رہی ہیں حالانکہ پیدا کرنے والے نے سارے انسانوں کو ایک ہی راہ بتائی ہے، وہ راہ وہی ہے جس پر چل کر کوئی نبی رسول کہلایا، کوئی صدیق، کوئی شہید، کوئی صالح، انھیں سب کی رفاقت کو حسن وخوبی قرار دیا ہے۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے، "اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ (مظلوم ہونے کی صورت میں اگرچہ بدگوئی کا حق ہے) لیکن اگر تم ظاہر و باطن میں بھلائی ہی کئے جاؤ، یا کم از کم برائی سے درگذر کرو، تو اللہ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے حالانکہ سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۱۴۸، ۱۴۹ آیت۔ النساء)

یہاں پر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں ہر ممکن طریقہ سے تمہیں پریشان کرنے پر تلی ہوئی ہیں، کوئی بد تر سے بد تر تدبیر ایسی نہیں ہے جو تمہارے خلاف استعمال نہ کر رہے ہوں۔ اس پر تمہارے اندر نفرت اور غصہ کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے، لیکن تم اللہ سے قریب تر ہو اور اس کے نزدیک بدگوئی پر زبان کھولنا پسندیدہ فعل نہیں ہے، گرچہ تم مظلوم ہو اور یہ تمہارا حق ہے پھر بھی تم بلند اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہو یہی افضل ہے، کیونکہ جس خدا کے تم نام لیوا ہو اس کی شان یہ ہے کہ لاکھ بندہ نافرمانی کر رہا ہو پھر بھی وہ اپنے فیضان سے محروم نہیں کرتا، بڑے سے بڑے قصوروں پر بھی درگذر کرتا ہے اس لئے اس سے قریب ہونے کیلئے تم بھی عالی حوصلہ اور وسیع الظرف بنو۔

آزمائش برائے تربیت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں کبھی کبھی اس لئے ڈالتا ہے کہ اس سے مقصود اس کی تربیت دینی ہوتی ہے، یہ تربیت ایسی ہوتی ہے کہ اس سوسائٹی میں اس کی پاکیزگی اور طہارت قلبی کو درجۂ کمال حاصل ہو جائے تاکہ جب کبھی معصیت کا کوئی نازک مرحلہ آئے تو اس آزمائش کے وقت وہ اپنے ارادے کی پوری طاقت پرہیز گاری و تقوی کے پلڑے میں ڈال کر اپنے نفس کے برے میلانات کو ہمیشہ کے لئے کچل دے۔

کھرے کھوٹے کی پہچان

انسان جب کوئی چیز خریدتا ہے تو اس کو چھانٹ پھٹک کر لیتا ہے تو پھر اللہ بھی اسی اصول سے انسان کے اندر ایمان ویقین کی آزمائش کر کے دیکھتا ہے کہ اس کا تکیہ ہمارے اوپر کتنا ہے؟ کیا وہ ایسے مواقع پر اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک تو نہیں ٹھہراتا۔ آزمائش کا دارومدار ایمانی کیفیات پر ہے جس شخص کا ایمان جس قدر مستحکم وپائیدار ہوگا اس کی آزمائش بھی ویسے ہی ہوگی۔ اللہ کے رسول کی حدیث میں آیا ہے کہ نبیوں، رسولوں کو سخت اذیت ناک مراحل سے گذرنا ہوتا ہے اس کے بعد جیسا جس کا ایمان ہوتا ہے اسی کے مطابق اللہ کھرے کھوٹے کی پہچان کرتا ہے۔ کیونکہ بعض انسان ظاہر میں اپنی ایمانی قوت کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن آزمائش کی گھڑی میں "چیں" بول جاتا ہے۔ بہرحال نیک وبد کی تمیز کے لئے آزمائش ناگزیر ہے۔

آج کا مسلمان غور کرے

کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

(التوبہ - آیت ۱۲۶)

آج کا مسلمان اس آیت پر غور کرے خصوصاً ہندوستانی مسلمان کہ کوئی سال ایسا نہیں گذر رہا ہے جب کہ ایک دو مرتبہ ایسے حالات نہ پیش آجاتے ہوں جن میں ان کے دعوائے ایمان آزمائش کی کسوٹی پر کسا نہ جاتا ہو، اس کے باوجود ان کی معمولات زندگی میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو رہی ہے، اللہ کا کلام ان کے سامنے سورج کے مانند روشن ہے مگر اس سے رہنمائی نہ لے کر خواہشات نفسانی کے پیچھے بگٹٹ بھاگے جا رہے ہیں، دولت وثروت کے حصول میں حرام وحلال کی تمیز کھو بیٹھے ہیں۔ دنیا طلبی کی کثرت نے غفلت میں ڈال رکھا ہے، پھر جب اللہ کی طرف سے فتنے میں ڈالے جاتے ہیں تو جن کے اندر برائیاں ابھی جڑ نہیں پکڑے ہوئے ہوتی تو وہ سنبھل جاتے ہیں لیکن جن کے دلوں میں برائیاں گھر کر چکی ہیں اور سیاہ ہو چکے ہیں تو یہ آزمائش ان کے لئے عذاب الٰہی بن جاتی ہے۔ اللہ کا وعدہ اور اس کا قول برحق پکار رہا ہے:

"نہ کمزوری دکھاؤ اور نہ غم کھاؤ تم غالب رہو گے بشرطیکہ مومن رہو۔"

طرح طرح سے وہ آزمائے جاتے ہیں

نشان جن میں محبت کے پائے جاتے ہیں

بنارس ہندو یونیورسٹی کا مختصر تعارف

بقلم، ڈاکٹر ابو حاتم خاں، لکچرر شعبۂ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس

شہر بنارس کے تعلیمی اداروں کے تعارف کے سلسلہ میں ہم پہلے سرکاری تعلیمی اداروں کا تعارف پیش کر رہے ہیں اور اس کا آغاز بنارس ہندو یونیورسٹی سے کر رہے ہیں، اس کے بعد دینی تعلیمی اداروں کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ (ادارہ)

یونیورسٹی کا قیام بنارس ہندو یونیورسٹی ۱۹۱۵ء کے ہندو یونیورسٹی ایکٹ کے تحت قائم کی گئی، جس کے لئے ۱۹۰۴ء میں ہی منصوبہ تیار کیا جا چکا تھا اور مالی وسائل تیار کئے جا رہے تھے۔ اس منصوبہ کے محرک اعظم پنڈت مدن موہن مالویہ تھے جنہوں نے ۱۷-۱۹۱۶ء میں اس گہوارہ علم کی بنیاد ڈالی۔ اس یونیورسٹی کے قیام کے لئے پنڈت جی کا مخصوص نظریہ یہ تھا کہ قدیم ہندو تہذیب اور تعلیمی روایات کی تجدید کے ساتھ ساتھ جدید فن و سائنس اور ٹکنالوجی کی اعلیٰ تعلیم بھی فراہم کی جا سکے، جیسا کہ اس کے مندرجہ ذیل مقاصد سے ظاہر ہے۔

یونیورسٹی کے مقاصد

۱۔ ہندو شاستر اور سنسکرت ادب کی تعلیم کو اس مقصد کے تحت ترقی دینا کہ وہ ہندوؤں کے بہترین افکار و تہذیب اور قدیم ہندوستانی تمدن کی تمام اچھی اور عظیم چیزوں کے تحفظ اور اس کے رائج اور مقبول ہونے کا ذریعہ بن سکے۔ اور اس طرح خاص طور سے ہندوؤں کی فلاح اور عام طور پر ساری دنیا کو بہبود حاصل ہو سکے۔

۲۔ فن و ادب اور سائنس کے تمام شعبوں میں عام طور پر تعلیم و تحقیق کو ترقی دینا۔

۳۔ اس طرح کی سائنسی، فنی اور پیشہ ورانہ مہارت اور ساتھ ہی ساتھ ضروری عملی تربیت کو توسیع و ترغیب

دینا جس سے دیسی صنعتوں کو ترقی ملے اور ملک کے مادی وسائل کا بھی ارتقاء ممکن ہوسکے۔

۴۔ مذہب اور اخلاقیات کو تعلیم کا ایک مکمل جز بنانا جس کے ذریعہ نوجوانوں کی کردار سازی کو ترقی دی جاسکے۔

اس گہوارۂ علمی کا قیام جس کا مقصد بیک وقت بہترین مشرقی و مغربی، قدیم و جدید، سائنسی و مذہبی اور روحانی تعلیم کی ترغیب دینا ہو، ہندوستانی عوام کا خواب بن چکا تھا، جو بانی یونیورسٹی پنڈت مدن موہن مالویہ کی پرخلوص لگن، بلند ہمتی، گہری نظر اور انتھک کوششوں کے نتیجہ میں شرمندۂ تعبیر ہوا۔ امیر، غریب، راجہ مہاراجہ سب نے اپنی استطاعت کے مطابق اپنے خزانوں کا منہ کھول دیا اور اس یونیورسٹی کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس وقت کی ہندوستانی حکومت نے صرف ایک لاکھ روپیہ کا عطیہ دینا قبول کیا، پھر کئی برسوں کے بعد یہ رقم تین لاکھ روپیہ سالانہ کردی گئی۔ آزادی کے حصول تک اس یونیورسٹی کو اسی طرح مالی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، اور اکثر یہ انگریزی حکومت کی نفرتوں کا شکار بھی بنتی رہی، حکومت کی بے توجہی کے باوجود ملک کے مختلف حصوں سے یہ یونیورسٹی عوامی امداد حاصل کرتی رہی، اور ساتھ ہی ساتھ غیر معمولی ذہانت اور امتیازی شان رکھنے والے اساتذہ خدمت قوم کے جذبہ کے تحت یہاں آتے رہے اور ایک معمولی سی اعزازی تنخواہ پر اس علمی عمارت کی بنیادی اینٹیں رکھتے رہے۔

آزادی کے بعد اس یونیورسٹی کو بحیثیت مرکزی یونیورسٹی تسلیم کرلیا گیا اور نہ صرف یہ کہ ہندوستانی حکومت کی جانب سے بلکہ یونیورسٹی گرانٹ کمیشن اور دوسرے تحقیقی و تعلیمی اداروں مثلاً سائنسی اور صنعتی تحقیق کا ادارہ سی، ایس، آئی، آر (C.S.I.R) ہندوستانی زرعی تحقیق کا ادارہ آئی، سی، اے، آر (I.C.A.R) ہندوستانی طبی تحقیق کا ادارہ آئی، سی، ایم، آر (I.C.M.R) ہندوستانی سماجی علوم کے تحقیق کا ادارہ آئی، سی، ایس، ایس، آر (I.C.S.S.R) وغیرہ کی جانب سے بھی گرانقدر عطیات ہر سال عطا کئے جاتے ہیں۔

موجودہ وقت میں اس یونیورسٹی کے دس فیکلٹی، تین انسٹی ٹیوٹ، چار ملحق کالج اور تین اسکول ہیں۔

سنہ ۱۹۹۰-۹۱ء کی اطلاع کے مطابق بنارس ہندو یونیورسٹی کے مختلف شعبوں اور کالجوں میں کل ملاکر ۳۲۸ پروفیسر، ۴۹۸ ریڈر اور ۷۲۴ لکچرر اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ انتظامیہ کے افسران، تکنیکی ملازمین، کلرک اور چوتھے درجہ کے ملازمین کی مجموعی تعداد ۶۶۴۴ ہے۔ طلباء کی تعداد سنہ ۱۹۹۰-۹۱ء میں

۱۲۲۰۷ تھی جس میں طلبہ ۹۲۲۵ اور طالبات ۲۹۸۲ تھیں اس میں درج فہرست ذاتوں وقبائل کی تعداد مجموعی طور پر ۸۶۵ تھی جس میں طلبہ ۷۹۰ اور طالبات ۷۵ تھیں اس کے علاوہ غیر ملکی طالبعلموں کی تعداد ۱۶۵ بھی اس میں شامل ہے۔

یونیورسٹی میں ہر سال مختلف قسم کے پروگرام وقتاً فوقتاً منعقد ہوتے رہتے ہیں جس میں بانی یونیورسٹی پنڈت مدن موہن مالویہ کا یوم پیدائش خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس پروگرام میں روایتی پوجا پاٹ کے علاوہ ثقافتی پروگرام، ہندی انگریزی میں مباحثہ، کومی سمیلن وغیرہ منعقد ہوتے ہیں، اس کے علاوہ جشن آزادی، یوم آزادی، مہاتما گاندھی کا یوم پیدائش، ہندو یونیورسٹی کی یوم سالگرہ، یوم جمہوریہ، آچاریہ نریندر دیو کا جشن ولادت وغیرہ بھی بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے، علاوہ اس کے یونیورسٹی میں مختلف موقعوں پر تقریری کا انعقاد بھی ہوتا ہے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ، پنڈت جواہر لال نہرو، مہاتما گاندھی، رائے کرشن داس، ڈاکٹر رادھا کرشنن، ڈاکٹر ذاکر حسین، ڈاکٹر بی، آر امبیڈکر، ڈاکٹر اینی بیسنٹ میموریل لکچرس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کے مختلف شعبوں کے اساتذہ اپنے اپنے موضوعات میں اہم کارکردگی کے لئے ملک بیرون ملک کے عظیم و پر وقار انعامات سے نوازے جاتے رہے ہیں۔ اب مختصراً اس یونیورسٹی کے مختلف فیکلٹی انسٹی ٹیوٹ کا ایک جائزہ پیش ہے۔

۱- فیکلٹی آف آرٹ

فیکلٹی آف آرٹ (کلیۃ الآداب) کو اس یونیورسٹی میں ام الکلیات کی حیثیت حاصل ہے، اس کے اکیس ۲۱ شعبوں میں نہ صرف یہ کہ ہندوستانی تہذیب وتمدن کی تعلیم دی جاتی ہے بلکہ صحافت اور عوامی خبر رسانی، کتب خانہ واطلاعات سے متعلق علوم، بدنی ریاضت، فنی تربیت اور پیشہ ورانہ تعلیم بھی مہیا کی جاتی ہے۔ اساتذہ کی موجودہ تعداد ۱۶۰ ہے، اور طلبہ کی تعداد ۳۰۵۸ ہے۔

۲- زرعی سائنس کا انسٹی ٹیوٹ

زراعت سے متعلق رائل کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر ۱۹۳۱ء میں بنارس ہندو یونیورسٹی میں زرعی سائنس کے تحقیقی انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی گئی، اور زراعت سے متعلق تحقیقی کام شروع کیا گیا، ۱۹۴۵ء میں ایک زرعی کا

بنایا گیا اور اس کے تحت بی، ایس، سی، اے، جی (B.S.C.A.G) کی ڈگری کے لئے تعلیمی سلسلہ شروع کیا گیا، ۱۹۴۸ء میں زرعی سائنس کی فیکلٹی قائم کی گئی۔ ۱۹۴۹ء میں پلانٹ فزیالوجی، ایگرونامی (امزرو)، ایگری کلچرل اکونامکس (زرعی اقتصادیات) پلانٹ پیتھولاجی (پودوں کے امراض) وغیرہ موضوعات پر ماسٹر ڈگری کے لئے تعلیمی سلسلہ شروع کیا گیا۔

۱۹۷۱ء میں چار نئے شعبوں نسلیات ونسل کشی (جینیٹکس پلانٹ بریڈنگ) مٹی کا علم اور زرعی علم کیمیا (سوائل سائنس وایگری کلچرل کیمسٹری) حشریات وزرعی حیوانیات (اینٹیمولاجی وایگری کلچرل زولاجی) اور باغبانی کی شروعات کی گئی۔

اس درمیان ۱۹۷۲ء میں مرزاپور ضلع میں برکچھا زرعی علاقوں میں ایک سو ایک ایکڑ زمین خریدی گئی، ۱۹۸۱ء تک ذیلی شعبوں کی صورت میں تعلیمی وتحقیقی کام کرنے والے مویشی پالن وشجرکاری، توسیع تعلیم او کاشت انجینیئری کو مکمل شعبوں کی صورت میں تبدیل کر دیا گیا اور آخر کار ۱۹۸۱ء میں مکمل طور پر زرعی انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آگیا۔ موجودہ وقت میں اس انسٹی ٹیوٹ میں اساتذہ کی کل تعداد ۱۰۵ ہے، اور طلبہ کی مجموعی تعداد ۲۴۰ ہے۔

۳۔ طبی سائنس کا انسٹی ٹیوٹ

ایم، بی، بی، ایس ڈگری کورس کی تعلیم وتربیت کی غرض سے ۱۹۶۰ء میں طبی ڈگری کالج قائم کیا گیا، اس کے بعد اس کے مختلف شعبوں میں ماسٹر ڈگری کورس کی شروعات ۱۹۶۵ء سے کی گئی اور ۱۹۷۱ء میں اس ڈگری کالج طبی سائنس کے انسٹی ٹیوٹ کی صورت دیدی گئی، اور اس میں ڈی، ایم اور ایم، سی، ایچ کورس بھی ۱۹۷۶ء سے شامل کر لیا گیا، اس طرح انسٹی ٹیوٹ تحقیقی کاموں کے ساتھ ساتھ (M.B.B.S) (M.D) (M.S) (M.D.S) (D.M) (M.C.H) ۔ M.D آیورویدک کی تعلیم وتربیت موجودہ وقت میں فراہم کی جارہی ہے۔ اس وقت اساتذہ کی کل تعداد ۲۱۵ اور طلبہ کی مجموعی تعداد ۶۳۰ ہے۔

۴۔ ٹکنالوجی کا انسٹی ٹیوٹ

اس یونیورسٹی میں انجینرنگ کالج ۱۹۱۹ء میں قائم کیا گیا اس میں ۱۹۲۳ء میں کان کنی ودھات صفائی کا کالج بھی شامل کر لیا گیا، ۱۹۳۶ء میں شیشہ وسفالیات کے متعلق کورس بھی شامل کر لئے گئے، آخر کار ۱۹۳۹ء میں ٹکنالوجی

کالج کا قیام عمل میں آیا، ۱۹۶۸ء میں تینوں کالجوں کو ملا کر اسے ٹکنالوجی کے انسٹی ٹیوٹ کی شکل دیدی گئی، اور ۱۹۷۱ء میں اس کو باقاعدہ طور پر تسلیم کرلیا گیا، یہاں اساتذہ کی کل تعداد ۲۴۳ ہے، اور طلبہ کی مجموعی تعداد ۱۴۸۳ ہے۔

۵۔ کامرس فیکلٹی

۱۹۴۰ء میں شعبۂ اقتصادیات کے ایک جزو کی شکل میں تجارت کے ذیلی شعبہ کا قیام عمل میں آیا اور ۱۹۵۰ء میں اسے خود مختار شعبہ کی شکل دیدی گئی، اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں اس کی حیثیت بڑھا کر اسے فیکلٹی کا درجہ دیدیا گیا، ۱۹۷۶ء سے اس کے ساتھ کے ذیلی شعبۂ انتظامیہ کو الگ کر کے ۱۹۸۴ء میں خود مختار فیکلٹی بنادیا گیا۔

اس فیکلٹی کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں پروفیسر رام اودھ سنگھ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے جن کی مساعی جمیلہ سے ۱۹۷۹-۸۰ء میں ایک نئی خوبصورت بلڈنگ کا قیام عمل میں آیا جو بعد میں کامرس فیکلٹی کے نام سے مشہور رہا۔ یہ پروفیسر رام اودھ سنگھ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس فیکلٹی کو اپنے خصوصی امدادی پروگرام کی فہرست میں شامل کرلیا۔ اس کالج میں اساتذہ کی مجموعی تعداد ۲۹ اور طلبہ کی تعداد ۸۰۷ ہے۔

۶۔ فیکلٹی آف ایجوکیشن

اس فیکلٹی کا قیام ۱۹۱۸ء میں عمل میں آیا تھا، ۱۹۴۷ء میں ایم، ایڈ کورس شروع کیا گیا، اور ۱۹۵۰ء سے تحقیقی کاموں کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا تاکہ طلبا کو پی ایچ، ڈی کی ڈگری دی جاسکے، ۱۹۹۰-۹۱ء میں بی، ایڈ میں ۱۸۲ اور ایم ایڈ میں ۴۴ طلبہ نے داخلہ لیا، تحقیقی کام کرنے والے طلباء کی تعداد ۶۵ تھی، اسی سال ۱۳ طلبا نے پی ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی اور آٹھ طلبہ نے اپنے مقالات جمع کئے، اس وقت اساتذہ کی کل تعداد ۲۶ اور طلبہ کی مجموعی تعداد ۲۳۱ ہے۔

۷۔ فیکلٹی آف لا

فیکلٹی آف لا کا قیام ۱۹۲۳ء میں عمل میں آیا، اس کالج میں ایل، ایل، بی کے تین سالہ کورس اور ایل، ایل، ایم کے دو سالہ کورس کے علاوہ پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے درس و تدریس و تحقیق کا مکمل انتظام ہے۔ ۱۹۹۰-۹۱ء میں دو طلبہ نے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہاں پر اساتذہ کی کل تعداد ۲۹ اور طلبہ کی کل تعداد ۳۷۰ ہے۔

۸۔ مینجمنٹ کالج

یہ کالج پہلے شعبۂ اقتصادیات سے ملحق تھا، ۱۹۸۴ء میں اسے مستقل کالج بنا دیا گیا، یہاں پر اساتذہ کی تعداد ۱۲ اور طلبا کی کل تعداد ۵۲ ہے۔

۹ - فیکلٹی آف سائنس

سائنس کالج کا قیام ۱۹۱۷ء میں عمل میں آیا، اس کالج میں مختلف علوم مثلاً علم کیمیا، علم حیوانات، علم نباتات، علم الحساب، علم الطبعیات، معدنیات وغیرہ کے ۱۲ شعبے ہیں، اساتذہ کی تعداد ۲۲۸ اور طلبا ر کی کل تعداد ۱۸۱۸ ہے۔

۱۰ - فیکلٹی آف سوشل سائنس

اس کالج میں پانچ شعبے ہیں، اس کا قیام ۱۹۷۱ء میں ہوا، اس میں علوم اقتصادیات، تاریخ، سیاسیات، عمرانیات، اور نفسیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اساتذہ کی تعداد ۷۵ ہے اور طلبہ کی تعداد ۱۵۸۴۔

۱۱ - فیکلٹی آف سنسکرت ودّیا دھرم وگیان

اس کالج کا قیام ۱۹۱۸ء میں عمل میں آیا، اس میں مختلف مذاہب کے فلسفوں کے آٹھ شعبے ہیں۔ یہاں پر سنسکرت، فلسفہ والٰہیات کے قدیم وجدید اصولوں پر بحث کرائی جاتی ہے۔ علم الید وعلم النجوم کی تعلیم کا بھی مکمل انتظام ہے۔ رگ وید، سام وید، یجر وید، اتھر وید کی بھی تعلیم دی جاتی ہے، سنسکرت کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک سالہ ڈپلومہ کورس (سنسکرت پرمارتھ) کا بھی انتظام ہے، اس کالج میں معلموں کی تعداد ۳۵ اور طالب علموں کی تعداد ۱۴۵ ہے۔

۱۲ - فیکلٹی آف ویزول آرٹ

ویزول آرٹ کالج ۱۹۶۶ء میں قائم ہوا، اس کالج میں مصوری، ڈیزائن، مٹی کا برتن، سنگ تراشی کی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں پر اساتذہ کی تعداد ۲۳ اور طلبہ کی تعداد ۱۸۸ ہے۔

۱۳ - ویمنس کالج

لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم اور اس کی اہمیت وافادیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ۱۹۲۹ء میں اس کا وجود عمل میں لایا گیا، موجودہ وقت میں اس کالج میں معلمات کی تعداد ۹۰ اور طالبات کی مجموعی تعداد ۱۱۱۲ ہے۔

کتب خانہ

یوں تو ہر شعبے کے پاس اپنے کتب خانے ہیں، مگر یہاں کا مرکزی کتب خانہ دنیا بھر میں مشہور ہے جس میں مختلف علوم وفنون سے متعلق نادر ونایاب کتابیں جمع کی گئی ہیں اس وقت اس کتب خانہ کے پاس ساڑھے نو لاکھ سے بھی زیادہ کتابیں موجود ہیں۔

عجائب گھر اس یونیورسٹی میں بھارت کلا بھون نام کا ایک میوزیم ہے جس میں دنیا بھر کے نوادرات اکٹھا کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ ایک کمپیوٹر سینٹر کا قیام بھی عمل میں آیا ہے۔ یہاں پنڈت مالویہ جی کی قیام گاہ کی عمارت کو بھی ایک میوزیم کی شکل دے دی گئی ہے۔ جہاں مالویہ جی کی زندگی سے متعلق فراہم ہونے والی تمام چیزیں محفوظ ہیں۔

مالویہ بھون ہی میں " یوگا " سے متعلق تعلیم و تربیت کا بھی انتظام ہے۔

کیا سگریٹ نوشی جائز ہے؟

تحریر: علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ ترجمہ: عبدالمتین سلفی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین والتابعین باحسان الی یوم الدین۔

اسلام عالم انسانیت کے لئے ایک جامع وشامل نظام حیات ہے، اس نظام میں جہاں عقائد وعبادات اور حقوق ومعاملات سے متعلق ٹھوس احکام موجود ہیں، وہیں یہ نظام حلال و حرام سے متعلق صریح تعلیمات اور قطعی اصول وضوابط پر مشتمل ہے جس سے سرمو انحراف وتجاوز "حدود اللہ" سے تجاوز وانحراف ہے۔

مگر ان واضح تعلیمات کے باوجود امت اسلامیہ کا بڑا طبقہ مختلف گمراہیوں کا شکار رہا جسے شیطانِ لعین نے انسانیت کی تضلیل کے لئے خوبصورت بنا کر پیش کیا۔

سگریٹ نوشی جو شرعی حکم سے قطع نظر ایک اخلاقی جرم بھی ہے مگر آج کا معاشرہ اسے تہذیب وثقافت کی علامت وپہچان سمجھتا ہے۔

سگریٹ نوشی کی حرمت پر اردو زبان میں مختلف مضامین لکھے گئے مگر علامہ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر کردہ یہ فتویٰ اختصار کے باوجود اپنی افادیت وجامعیت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے، اردو قارئین کی خدمت میں اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اسے مفید بنائے، (آمین)

مترجم

سگریٹ نوشی اور اس کی تجارت حرام ہے، اگر کوئی مسلمان اس مرض میں مبتلا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرے ۔

محرمات کے سلسلہ میں جو آیات واحادیث وارد ہوئیں ہیں وہ سگریٹ کی حرمت کو شامل ہیں اس لئے سگریٹ کا ضرر دینی، بدنی اور مالی تینوں حیثیت سے ہے، اگر یہ کسی ایک حیثیت سے ضرر رساں ہوتی تو اس کی حرمت کے لئے یہی کافی تھا، مگر جب تینوں حیثیت جمع ہو گئی تو پھر اس کی حرمت کے قطعی ہونے میں کوئی شک نہیں ۔

سگریٹ کے دینی اضرار اور اسکی حرمت پر متعدد شرعی دلائل ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: " ویحل لہم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث " (اللہ تعالیٰ ان کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے)۔ دوسری آیت میں فرمایا: " ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ " (اپنے نفس کو ہلاک نہ کرو)۔ نیز فرمایا: " ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما " (اپنے نفس کو قتل نہ کرو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہر خبیث و ضرر رساں چیز کو حرام قرار دیا ہے لہذا اس کا استعمال حلال نہیں چنانچہ علماء کہتے ہیں کہ ہر ماکول و مشروب جو ضرر رساں ہو حرام ہے ۔

کسی بھی چیز کی خباثت یا ضرر اس کے برے آثار و نتائج سے جانا جاتا ہے، سگریٹ نوشی کے متعدد اضرار و مفاسد ہیں جن کو ہر شخص بلکہ اس کے استعمال کرنے والے ہی زیادہ جانتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ شہوت پرستی اور قوت ارادہ کے فقدان کی وجہ سے اس سے باز نہیں آتے ۔ اس کے دینی اضرار میں سے یہ بھی ہے کہ سگریٹ نوش عبادات اور دیگر شرعی اوامر خاص طور سے روزہ کو بوجھ محسوس کرتا اور اس سے کتراتا ہے اور ہر وہ چیز جو خیر کی ناپسندیدگی کا سبب بنے وہ شر ہے ۔ اسی طرح سگریٹ نوشی بدکرداروں کی صحبت پر ابھارتی اور نیک لوگوں کی صحبت سے روکتی ہے۔ اور یہ بہت بڑا نقصان ہے کہ کوئی شخص نیک لوگوں سے دور اور برے لوگوں کا ہم نوالہ بن جائے ، اور پھر اس کے نتیجہ میں نیک لوگوں سے بغض وعداوت ، ان کی عیب جوئی اور ان سے کنارہ کشی پیدا ہو ۔ جب نوجوان اس مرض میں مبتلا گرفتار ہوتا ہے تو وہ اپنا وقار کھو بیٹھتا ہے اور معاشرہ کی نظروں سے گر جاتا ہے اور پھر سگریٹ نوشی اپنے مستقل اضرار کے علاوہ برائیوں کے دوسرے دروازے بھی اس پر کھول دیتی ہے ۔

سگریٹ نوشی کے بدنی اضرار بھی بے شمار ہیں چنانچہ یہ قوت بصارت کی کمزوری کا سبب بنتی ہے، اسی طرح بدن خصوصا رگوں میں اس کے آثار سرایت کر جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں جسمانی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور انسان غذا کی مکمل افادیت سے محروم ہو جاتا ہے، اور جب یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں تو انسان کی صحت کو زبردست خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، ایک دل کی کمزوری اور اعصاب کا اضطراب وعدم توازن۔ اور دوسرا کھانوں کے سلسلہ میں اشتہاء کا فقدان، اسی طرح اس کے امراض میں سے نزلہ وز کام بھی ہے جس کی شدت سے سانس کے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں۔ کئی ڈاکٹروں کا تجربہ ہے کہ سگریٹ نوشی سے سینہ کے مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں نیز سرطان کا بھی سبب یہی ہے۔

چنانچہ ان لوگوں پر تعجب ہے جو اپنی صحت کی حفاظت کے حریص ہیں مگر اس سم قاتل کے رسیا بھی، سگریٹ نوشی کی وجہ سے کتنے لوگ ہلاک، کتنے مہلک امراض کے شکار ہو گئے اور کتنے معمولی امراض نے خطرناک امراض کی شکل اختیار کر لی جن کا علاج مشکل ہو گیا۔

وہ لوگ بھی باعث حیرت ہیں جو معمولی امراض میں ڈاکٹروں کے مشورہ کا احترام کرتے ہیں مگر اس مرض میں اس کا پاس نہیں رکھتے، اس لئے شہوت پرستی، خواہشات نفسانی کا غلبہ، قوت ارادہ کا فقدان اور سگریٹ نوشی کو عادت ثانیہ بنا لینا ان کو اسے نہ چھوڑنے پر مجبور کرتا ہے۔

اسی طرح ان ڈاکٹروں کی حالت پر حیرت نہیں کرنی چاہئے جو اس کے اضرار کا اعتراف کرنے کے باوجود اس کے شکار ہیں اس لئے کہ عادت انسان کے عقل وارادہ پر غالب ہو جاتی ہے اور وہ اس پر مصر رہتا ہے۔ ان امراض کے علاوہ سگریٹ نوشی کے دیگر اضرار بھی ہیں مثلا منہ اور ہونٹ کا کالا ہونا، دانت کا کمزور ہونا اور جھڑ جانا، حلق کا خراب ہونا، منہ کا ذائقہ بگڑ جانا، ان کے علاوہ دیگر اضرار بھی ہیں۔

اسی طرح سگریٹ نوشی کے مالی اضرار بھی ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی تضییع سے منع فرمایا ہے مال کی اس سے زیادہ کیا بربادی ہو سکتی ہے کہ اسے سگریٹ کی شکل میں جلایا جائے۔

بہت سے سگریٹ نوش اس کے لئے دوسروں سے قرض لیتے ہیں جبکہ وہ واجبی خرچ سے غفلت برتتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑا جرم ہے اس لئے کہ بے سود مصارف میں پیسہ خرچ کرنے کی ممانعت آئی ہے تو پھر ایسے مصرف میں پیسہ خرچ کرنا جس کا ضرر قطعی ہے کیا حکم ہوگا؟۔ اور جب سگریٹ دینی، مالی، بدنی لحاظ سے اس حد تک مضرت رساں

اس لئے اس کی تجارت بھی حرام ہے، اور یہ تجارت فائدہ کی نہیں گھاٹے کی تجارت ہے، لوگوں کا مشاہدہ ہے کہ
م کی تجارت اگرچہ بظاہر اس میں فائدہ ہو مگر اس کا انجام برا ہوتا ہے نیز اس سے کمایا ہوا مال بھی حرام ہوگا۔
ستند علماء سگریٹ کی حرمت پر متفق ہیں اور عوام شرعی مسائل میں علماء کے متبع ہیں اس لئے عوام کو چاہئے کہ
اس فتویٰ کو تسلیم کریں اور اپنی خواہشات کی اتباع نہ کریں اور نہ ہی باطل تاویل کی پیروی کریں، اس لئے کہ باطل تاویل ہی
ت میں گمراہی پھیلی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون" اگر تم کسی حکم کو نہ جانتے ہو تو علماء سے دریافت
د۔ اور نہ ہی علماء کے ان اقوال و آراء کی پیروی کریں جو شرعی احکام کی مخالف ہیں، اسلئے کہ ایسے اقوال و آراء کی اتباع جائز نہیں بلکہ
ہے، حق کی کسوٹی کتاب و سنت ہے نہ کہ علماء کے اقوال و آراء۔ شریعت مطہرہ سگریٹ کے اضرار و مفاسد کی وجہ سے اسکی حرمت پر دلالت کرتی
اسلئے کہ ہر وہ چیز جو مسلمان کے دین یا نفس یا مال کیلئے مضر ہو وہ حرام ہے۔ چنانچہ جب لوگ کسی ایسی چیز کے عادی ہو جائیں جسمیں
مفاسد و مضرات اکٹھا ہوں تو کیا یہ شرعی عقلی اور اخلاقی ذمہ داری نہیں کہ ان لوگوں کو اس سے باز رہنے کی نصیحت کی جائے
نصیحت قبول کرتے ہیں۔ اسلئے وہ شخص جو اس مخلص نصیحت کی قدر کرتا ہے وہ سگریٹ نوشی سے توبہ اور اسے چھوڑنے کا عزم مصمم
ے اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد فرماتا ہے اور اس کیلئے مشکلات کو آسان کر دیتا ہے
طرح اس نشہ کو چھوڑنے کیلئے اس بات کا اعتقاد رکھنا بھی ممد و معاون ہوگا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے کسی برائی سے باز رہتا
اللہ تعالیٰ اس کا بہترین بدل عنایت فرماتا ہے۔ جس طرح ان عبادتوں کا ثواب جن میں مشقت ہو ان سے زیادہ ہے جو
ت مشقت نہیں اسی طرح ان گناہوں سے باز رہنا جن سے باز رہنا مشکل ہو زیادہ ثواب کا باعث ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ
جسے سگریٹ نوشی چھوڑنے کی توفیق دی تو وہ ابتداء میں مشقت محسوس کرے گا مگر دھیرے دھیرے وہ معتدل ہو جائیگا
ر اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر فخر کرے گا اور اپنے دوسرے بھائیوں کو بھی اس کی نصیحت کرے گا۔
توفیق دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ جب کسی نیکی کے لئے اپنے بندہ کے سچے ارادہ کو جانتا ہے تو اس نیکی
ے حصول کو آسان بنا دیتا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلائے۔ (آمین)

امتِ مسلمہ کے امراض اور ان کا علاج

تحریر: شیخ معالی عبدالحمید حمودہ ✽ تلخیص و ترجمہ: امتیاز احمد سلفی

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اقوام عالم میں امت مسلمہ ایک ممتاز اور منفرد مقام رکھتی ہے، اس میں کوئی فخر اور تعلی نہیں، کیونکہ امت مسلمہ کا فی نفسہ وجود اور اللہ تعالیٰ کا اسے آسمانی شریعت کا مکلف اور احکام و فرائض کا متحمل بنانا اس کی انفرادیت پر شاہد ہیں۔

مذہب اسلام پر رسالت کے اختتام کے ساتھ تمام آسمانی رسالت کا اتمام کر دیا گیا، اور صرف یہی دین رب العالمین کی جناب میں مقبول ٹھہرا، رب پاک نے فرمایا:

"جو کوئی چاہے سوا اسلام کے اور دین سو اس سے ہرگز قبول نہ ہوگا" (آل عمران: ۸۵)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی تھے جن کی بعثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاقیامِ قیامت زمین پر بسنے والے انسانوں کے لئے خاتم نبوت و رسالت کی شکل میں ہوئی۔ قرآن حکیم کو انسانیت کے دائمی دستور بنا کر نازل کیا گیا جس کے بالمقابل باطل تحریکات کا پسپا ہونا یقینی ہے۔ یہ دستور صرف مسلمانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ تمام انسانیت کے لئے ہے، کیونکہ وہ کلام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت، قانون اور دائمی نظام حیات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لئے اختیار فرمایا۔

امت مسلمہ کی کوئی جغرافیائی حد بندی نہیں، نہ ہی اس کی رسالت کسی مخصوص قوم، قبیلہ اور شہر کے لئے مختص ہے بلکہ شریعت اسلامیہ ساری دنیا کی انسانیت کے لئے عام ہے، اس رسالت کی ترویج و تبلیغ ہم سب کا اہم فریضہ ہے، اس میں کسی رنگ و نسل اور زمان و مکان کی قید نہیں۔ اس امت کو لوگوں پر شاہد بنایا گیا، اور تبلیغ اسلام کا مکلف، شریعت کے نفاذ کی ذمہ داری اس کا کام بتایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

" اے ایمان والو رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور بندگی کرو اپنے رب کی، اور بھلائی کرو، شاید تم
بھلا پاؤ۔ اور محنت کرو اللہ کے واسطے جو چاہیئے اس کی محنت، اس نے تم کو پسند کیا، اور نہیں رکھی تم پر دین
میں کچھ مشکل، دین تمہارے باپ ابراہیم کا۔ اس نے نام رکھا تمہارا مسلمان حکم بردار، پہلے سے اور اس قرآن
میں، تاکہ رسول ہو بتانے والا تم پر، اور تم ہو بتانے والے لوگوں پر، سو نماز قائم رکھو اور دیتے رہو زکاۃ، اور
مضبوط پکڑو اللہ کو وہ تمہارا صاحب ہے اور وہ خوب صاحب اور مددگار ہے" (سورۂ حج : ۷۷، ۷۸)
اس امت کا ایک اور زبردست پیغام ہے جس کی تشہیر دشمنان اسلام تک میں واجب ہے، اس کا
منصب اور اولین فریضہ پوری انسانیت کو دین الٰہی کی طرف راغب کرنا ہے، اور بالذات غیر مسلمین کو بھی، اللہ تعالیٰ
نے فرمایا:
" تو کہہ اے کتاب والو آؤ ایک سیدھی بات پر ہمارے تمہارے درمیان کی، کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ
کی، اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کی کوئی چیز اور نہ پکڑیں آپس میں ایک ایک کو رب سوا اللہ کے، پھر اگر وہ قبول
نہ کریں، تو کہہ شاہد رہو، کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔" (آل عمران : ۶۴)
آج مسلم معاشرہ میں ہر چہار سو اخلاقی زوال، عدل وانصاف کا خون اور غور وفکر کے معیار میں تبدیلی
کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں، اور جگہ جگہ ان کی اصلاح کے لئے بڑی بڑی کانفرنسیں، علماء، مفکرین اور صلحاء
امت کا اجتماع بلایا جاتا ہے، ندوات ومحاضرات اور سیمینار میں اہل قلم طول طویل اصلاحی مقالات پیش کرتے
ہیں، اور معاشرہ کی صفائی ستھرائی، پاکیزگی، اور مسلمانوں کے حالات میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے توصیات
وقرارات پاس کی جاتی ہیں، اور ان کی اخلاقی، ذہنی بیماریوں کے تصفیہ وعلاج کے لئے مؤثر ترین اقدامات
کے لئے عزم مصمم کئے جاتے ہیں۔
ان تمام امور کی تحسین میں کوئی شک نہیں، ان اجتماعات کی افادیت بھی مسلم، لیکن جب تک بالفعل
مرض پر توجہ مرکوز نہیں ہوگی، اور مریض کی اصل تشخیص کر کے مفید دوا تجویز نہیں ہوگی، ہر طرح کی پیش قدمی
اور علاج بے سود اور مضر ہوگا۔
مسلم طبقہ میں جو مہلک مرض سرایت کئے ہوئے ہے وہ شریعت کی سراسر حکم عدولی ہے، اس طریقہ سے کہ
انہوں نے اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں [illegible]

اس کی جانب کوئی توجہ نہیں کی تو رفتہ رفتہ یہ مرض ہمارے جسم کے ہر اعضاء اور رگ و ریشے میں پہنچ کر اسے کھوکھلا کر ڈالے گا۔

امت اسلامیہ بدیہی طور پر کس طرح اللہ کے دین کی تبلیغ سے منحرف ہو گئی اور فی نفسہ اپنے معاشرہ میں نفاذ شریعت سے قاصر ہے اور انسانوں کے خود ساختہ اصول کی پابند ہو کر رہ گئی۔ موجودہ صورت حال مسلم سماج کی زبوں حالی کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اس وبا کی نشاندہی خود قرآن عزیز نے کی :

" اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر، وہی لوگ منکر ہیں، اور جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر وہی لوگ بے انصاف ہیں، جو کوئی حکم نہ کرے اللہ کے اتارے پر وہی لوگ فاسق (بے حکم) ہیں" (سورہ مائدہ ۴۴، ۴۵، ۴۷)

" اب کیا حکم چاہتے ہیں کفر کے وقت کا، اور اللہ سے بہتر کون ہے حکم کرنے والا" (مائدہ: ۴۹)

شریعت الٰہیہ کے علاوہ ہر شریعت اُلحکم الجاھلیۃ میں داخل ہے جہاں فسق و فجور، ظلم و زیادتی، کفر و الحاد اور شیطانی عمل کا بول بالا اور اسلامی احکامات کی بے حرمتی ہوتی ہو۔

یہ مہلک امراض یونہی بغیر کسی سبب و علت کے پیدا نہیں ہو گئے، اس کے متعدد اسباب ہیں، سب سے بنیادی وجہ یہودیت و نصرانیت کی ہمنوائی ہے جو بلاشبہ حرام ہے، یہود و نصاریٰ سے مرعوب ہونا بھی ایک سبب ہے، اور یہ طبعی چیز ہے کہ جب امت اسلامیہ نے اپنے دل سے خوف الٰہی نکالدیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ملعون، مردود اور ظالم حکمراں مسلط کر دیا۔

ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہودیت و عیسائیت کا سب سے بلند نصب العین مسلم طبقہ کو اسلامی تعلیمات سے متنفر اور دور رکھنا ہے، ان کے اس ارادے کی نشاندہی خود قرآن عزیز نے بھی کی ہے :

" ہر گز تجھ سے راضی نہ ہوں گے، یہود اور نصاریٰ جب تک تو ان کے دین کا تابع نہ ہو، تو کہہ جو راہ اللہ دکھاوے وہی راہ ہے، اور کبھی چلا تو ان کی پسند پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا، تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار" (سورہ بقرہ ۱۲۰)

احکام الٰہی محکومیت و مظلومیت کے نرغہ میں ہے، اور ہماری زندگی منہج الٰہی سے عاری، یہی وہ مہلک سیل رواں ہے جس سے نت نئی حکم عدولی کے امراض، امت مسلمہ کا اقتصادی بحران، اخلاقی اور سماجی انتشار،

و کمزوری، رشوت، فساد، ظلم و جور جیسے سوتے پھوٹتے ہیں، اور اسی سے ہر طبقہ معاشرتی اضطراب، غیر اسلامی رجحان اور ملحدانہ افکار و نظریات کا شکار ہے، کیا اسی کا نام اسلامی تہذیب و ثقافت ہے۔

آج مسلم سماج اسلامی تعلیمات سے کوسوں دور ہے۔ اسی لئے ہم نے امراض کے لفظ سے ان برائیوں اور خرابیوں کو تعبیر کیا ہے، لیکن اس کا علاج کیا ہے ؟

یہ امراض کسی مسکّن اور نشہ آور ادویات کے محتاج نہیں بلکہ شریعت الٰہی کے نفاذ کی فکر اور قدم قدم پر اپنی زندگی کو اسی سے مزین کرنے کی محتاج ہیں۔

ان مسکنات سے مقصد صرف مسلم معاشرہ کو پرسکون اور امن وامان بخشنا اور اسلام کا عملی نمونہ پیش کرنا ہے، ان امراض سے مکمل شفایابی اسی وقت ممکن ہے جب کہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور کتاب و سنت کو اپنے عمل کی کسوٹی بنائیں۔

اگر ہم سب مل کر کلام اللہ کی تلاوت اور احادیث نبویہ کا حفظ شروع کر دیں لیکن جب تک عملی زندگی میں ان کا نفاذ نہ کریں بے سود اور غیر نافع ہے۔ اسی طرح انسانی اصول وضوابط کے پابند اور احکام الٰہی سے انحراف، عیسائیت و یہودیت سے سازباز، ملحدانہ لے میں لے ملائیں، اور کامیابی و کامرانی، ترقی کے خواب دیکھیں تو اس سے بڑی نری جہالت اور ناکامی کچھ نہیں ہو سکتی۔

علاج وہ ہے جس سے امراض کافور ہو جائیں، ہمارا علاج کسی جڑی بوٹی اور طبی نسخہ میں پوشیدہ نہیں، بلکہ سب سے مؤثر دوا قرآن پاک اور سنت رسول کو اپنی زندگی میں نافذ کرنا ہے، اسی علاج سے ہمارا معاشرہ اخلاق، سیاست، تہذیب، اقتصاد، جسم و روح اور عقل و فکر ہر طرح کی کجروی و آلودگی سے مصفیٰ اور مجلی ہو سکتی ہے۔

اگر مسلم قوم کی تشخیص کے لئے اطباء، عالم، سیاسی، اقتصادی اور ماہرین تعلیمات کو یکجا کیا جائے تو ان کا اجتماع کسی مرکزی نقطہ کامیابی کی جستجو میں کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل معالج اور طبیب صرف اللہ رب العالمین اور اس کے بھیجے ہوئے رسول کی پیروی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے :

" اور ہم اتارتے ہیں قرآن میں سے جس سے روگ چنگے ہوں، اور رحمت ایمان والوں کو، اور گنہگاروں کو یہی بڑھتا ہے نقصان۔ (سورۃ اسراء : ۸۲)

(بشکریہ: التضامن الاسلامی)

اِسلام میں مذہبی رَواداری

بقلم: عبدالسمیع محمد ہارون انصاری، راگھونگر، بھواڑہ، مدھوبنی

ایک چیز انسان کا اپنا عمل ہوتا ہے اور دوسرا اس مذہب کی وہ تعلیمات جن کو وہ مانتا، حق سمجھتا اور اسی کے مطابق عقیدہ رکھتا ہے۔ اب اگر کسی انسان کا ذاتی عمل اس کے مذہب کی بتلائی ہوئی تعلیمات کے برخلاف ہو تو اس شخص کے بارے میں یہ کہنا یا تصور کرنا کہ یہی عمل اس کے مذہب کی تعلیم ہے، یہ نری حماقت اور پرلے درجے کی بیوقوفی اور کم عقلی ہے جیسے آج کا مسلمان تشدد پرست بن جائے پھر ان کے اس عمل کو دیکھ کر لوگ یہ مفروضہ قائم کرلے کہ یہی اس کے مذہب کی تعلیم ہے جبھی تو وہ ہِنسا اور تشدد پر اتارو ہے، یہ ایک مثال ہے اس کو اسلام اور مسلمان ہی نہیں، ہر ایک مذہب اور اس کے ماننے والے کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے، اس لئے کسی مذہب کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اس کے ماننے والوں کی زندگی کا مطالعہ سودمند نہیں ہوسکتا ہے بلکہ اس مذہب کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ ناگزیر ہے جبھی ہم اس کی حقیقت واصلیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ دیگر مذاہب کے حقائق کو جاننے کے لئے عوام الناس کا میزان خواہ جو ہو لیکن اسلام کے بارے میں مستشرقین اور اس ذہنیت کے لوگوں نے اسلام کی مذہبی کتابوں کو چھوڑ کر مسلمانوں کے کردار اور ذاتی عمل ہی کو اصل میزان سمجھا۔ چنانچہ اس میزان پر اسلام کو تولتے ہوئے جہاں ان تخریب پسند ذہنوں نے اسلام کے خلاف شکوک وشبہات پھیلائے انہی میں سے ایک یہ کہ اسلام میں مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز نہیں ہے، اسلام نے اپنے سوا دیگر سارے مذہب اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا ہے۔

ایک بار پھر میں کہوں گا کہ اگر تاریخ میں کسی مسلم حکمراں نے یا مسلمانوں کے کسی دور حکومت میں اگر دیگر مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ برا سلوک ہوا ہے تو اولاً یہ بات کذب وافتراء پر مبنی ہے، بالفرض ہم اگر اس کو تسلیم بھی کریں اور مسلمانوں کے اس ذاتی عمل کی روشنی میں یہ فیصلہ کریں کہ اسلام میں مذہبی رواداری نام کی کوئی چیز نہیں ہے تو یقیناً یہ پرلے درجے کی جہالت ہے۔ اس لئے اگر آپ کو یہ جاننا ہو کہ اسلام میں مذہبی رواداری کتنا اور کس قدر ہے اور دیگر

مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ کرنے کی اسلام نے کتنی تاکید کی ہے، تو آیئے میں چند آیات اور احادیث نیز ان مسلم حکمراں کے چند واقعات سناؤں جن کا دور حکومت واقعی میں اسلام اور اس کی تعلیمات کے موافق تھی۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ سچ اور حقیقت کیا ہے؟

قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یاایہا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون۔ (سورۃ المائدۃ)	یعنی اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے پوری پابندی کرنے والے انصاف کے ساتھ شہادت ادا کرنیوالے رہو اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو کہ وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

دوسری جگہ کسی مذہب کو برا بھلا کہنے اور لعنت ملامت سے منع کرتے ہوئے کہا گیا:

لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم۔	یعنی تم ان لوگوں کو جو اللہ کے سوا دوسرے معبود کو پکارتے ہیں انھیں برا بھلا مت کہو ورنہ وہ لوگ بھی نادانی میں اللہ تعالیٰ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

اسی طرح مسلمانوں کو اس بات سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا کہ تم دوسرے مذاہب کے ماننے والے کو انھیں اپنے مذہب کو ترک کرنے اور زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور کرو۔ قرآن کہتا ہے:

لااکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی لاانفصام لہا واللہ سمیع علیم۔ (بقرۃ)	دین میں زبردستی نہیں ہے یقیناً ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے جو طاغوت اور شیطان سے الگ ہو گیا اور اس کا منکر ہوا اور اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے مضبوط حلقہ کو پکڑ لیا جو کسی صورت میں ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔

مزید برآں قرآن نے سارے آسمانی مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ نہ صرف یہ کہ حسن سلوک کی تعلیم دی بلکہ

ان مذاہب کی قدر و عزت اور ان کے برحق ہونے پر ایمان لانے کی دعوت دی اور اس طرح مذہبی رواداری کا نہ صرف حکم ملا بلکہ اس کو جزو ایمان قرار دیا گیا۔ قرآن شاہد ہے:

آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون کل آمن باللہ و ملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ۔ الخ (بقرۃ)	یعنی رسول اور سارے مومنوں نے ایمان لایا اس پر جو اللہ کی جانب سے نازل کیا گیا، سبھوں نے ایمان لایا اللہ اور انکے فرشتوں پر اور ان کی ساری کتابوں اور ان کے سارے رسولوں پر ہم ان رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔ الخ

اسی پر بس نہیں قرآن اور حدیث میں جہاں کہیں مسلمانوں کو حسن معاشرت، حسن سلوک اور حسن اخلاق کی تعلیم دی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے اور نہ ہی قرآن نے تخصیص کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تم اس طرح صرف مسلمانوں کے ساتھ پیش آؤ بلکہ وہ عام حکم ہے اور اس میں سارے لوگ خواہ وہ جس مذہب، نسل یا قوم سے تعلق رکھتا ہو شامل ہے۔ انسان ہی کیا جانوروں کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور اچھے برتاؤ سے پیش آنے کی تعلیم دی ہے، اس سے بڑی بات اب کیا ہو سکتی ہے۔

احادیث کے اندر بھی بکثرت مذہبی رواداری کی تعلیم دی گئی ہے اور خود آنحضور صلعم نے اپنے عمل سے اس بات کا ثبوت دیا ہے۔ ہجرت سے قبل مکی زندگی میں مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے جا رہے تھے وہ معلوم ہے اسی زمانے میں حضرت خباب بن ارت رضی ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دشمنوں کے حق میں بددعا فرمایئے یہ سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا (بخاری) آپ کا فرمان ہے کہ الخلق عیال اللہ تمام مخلوق اللہ کی گویا عیال اور کنبہ ہے، ان میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ وہ شخص اچھا ہے جو اللہ تعالیٰ کے عیال کے ساتھ اچھا سلوک کرے (مشکوۃ) رسول اللہ صلعم نے تمام بندگان خدا کو بھائی فرمایا ہے اس سے زیادہ اور کیا رواداری ہو سکتی ہے۔ آپ کا ہی فرمان بلکہ دعا ہے جو آپ ہر نماز کے سلام پھیرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے: "انا شہید ان العباد کلھم اخوۃ" میں اس بات پر گواہ ہوں کہ تمام بندے آپس میں بھائی ہیں، اس کے علاوہ آپ کی پوری زندگی کا مطالعہ کر جایئے آپ جا بجا پائیں گے کہ آپ کو دیگر مذاہب اور اس کے ماننے والوں اور کٹر دشمنوں سے آپ کا سامنا ہوا مگر آپ نے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے جانی دشمن آپ کے سامنے سرنگوں تھا مگر آپ نے اس کو معاف کر دیا۔ یہود و نصاریٰ نے بارہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زبردست

ر گھنا ؤنی سازشیں رچیں مگر آپؐ نے عفو در گذر سے کام لیا، کبھی تنہا آپؐ کو دشمن قتل کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے، ہ میں تلوار بھی ہے مگر قتل نہیں کر پاتا، آخر میں وہ خود آپؐ سے ہی معافی مانگتا ہے، یہ سب رواداری نہیں تو اور کیا ی ؟ ۔

چونکہ اسلام پر مذہبی عصبیت کا الزام اور اس میں مذہبی رواداری نہ ہونے کا بہتان اکثر لوگ ہندوستان سلم حکمرانوں کے دور حکومت کی روشنی میں عائد کرتے ہیں، اسی لئے انہی مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری کی چند گواہی سلموں کے ہی حوالے سے پیش کر رہا ہوں جس سے مزید وضاحت ہو جائے گی۔

ہندوستان کے نامور مؤرخ ڈاکٹر ایشوری پرساد لکھتے ہیں:

"اگر مسلم حکمراں اس ملک میں تنگ نظری اور فرقہ پرستی سے کام لیتے تو وہ اتنی طویل مدت تک ہندوستان میں ہرگز حکومت نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ مٹھی بھر مسلمان ہندو اکثریت پر ظلم و زیادتی کریں اور اکثریت اسے صدیوں تک برداشت کرتی رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کی پالیسی اول تا آخر رواداری پر مبنی رہی ہے، انہوں نے ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں بھی مداخلت نہیں کی کسی ہندو کو محض ہندو ہونے کی وجہ سے نہیں ستایا بلکہ مسلم بادشاہوں کی کوشش یہ تھی کہ اس ملک کی ہندو اکثریت سے زیادہ سے زیادہ ہمدردی حاصل ہو سکے۔"

وفیسر ایشوری پرساد دوسری جگہ لکھتے ہیں؛

"جس دور میں ہندوستانی مسلمان بڑی رواداری سے حکومت کر رہے تھے، اسی زمانہ میں رومن کیتھولک مذہب کے ماننے والے غیر مذاہب کے لوگوں پر ظلم و ستم کر رہے تھے، خیالات کی آزادی کا گلا ہی گھونٹ دیا گیا تھا لیکن ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کا سلوک مغربی اقوام کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر تھا، مسلمانوں نے مذہبی معاملات میں کبھی جبر سے کام نہیں لیا۔"

ہد مصنف پنڈت سندر لال کہتے ہیں؛

"ہندوستان میں محمد بن قاسم سے لیکر بہادر شاہ ظفر تک تمام مسلم حکمرانوں کی پالیسی بالکل سیکولر اور غیر جانبدار (Neutral) رہی ہے انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ جس سے

اکثریت (Priority) کے جذبات کو ٹھیس پہونچے۔ فاتح اول محمد بن قاسم نے سندھ فتح کرنے کے بعد جو اعلان کیا تھا وہ یہ تھا کہ۔: " اس ملک کے سب شہری آزاد ہیں، انھیں کسی طرح کی کوئی تکلیف نہیں دی جائے گی اور ہر شخص اپنے مذہب کے مطابق زندگی گذارنے میں آزاد ہوگا۔ محمد بن قاسم سے ہندو عوام اتنے متاثر تھے کہ جب محمد بن قاسم ہندوستان سے جانے لگے تو سندھ کے پنڈت دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔"

القصہ اسلام نے مذہبی رواداری کی تعلیم دی اور جا بجا دی ہے اور اسی تعلیم کے مطابق مسلم حکمرانوں نے دیگر مذاہب اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا ہے۔ اس کا ثبوت جہاں قرانی آیات و احادیث اور تاریخ کے زریں اوراق ہیں وہیں خود غیر مسلموں کے اعترافات بھی اس ضمن میں بکثرت ہیں، گویا ؎

کچھ قمریوں کو یاد ہے ، کچھ بلبلوں کو حفظ
گلشن میں ٹکڑے ٹکڑے مری داستاں کے ہیں

اسلام میں مذہبی رواداری کی تعلیم ہے، یہی سچ اور حقیقت ہے اور حقیقت مر تو سکتی نہیں۔ ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

•••

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا سے متعلق ایک استفسار

فرض نمازوں کے بعد دعاء سے متعلق بعض جزئیات میں کچھ مدت سے علماء کے مابین اختلاف رونما ہوا ہے،
انچہ وہ حسب ذیل سوالات کے مختلف جوابات دیتے ہیں :

۱۔ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا چاہیے یا بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے ؟

۲۔ ہر فرض نماز کے بعد بالالتزام دعا مانگنا چاہیے یا بغیر التزام کبھی کبھی ؟

۳۔ فرض نمازوں کے بعد انفرادی طور پر دعا مانگنا چاہیے یا اجتماعی طور پر امام کی تبعیت میں اور اسکے ساتھ مل کر ؟۔

۴۔ فرض نماز کے بعد اگر اجتماعی طور پر دعا مانگی جائے تو ہر شخص اپنی اپنی دعا پڑھے یا امام بلند آواز سے دعا کرے اور مقتدی اس پر آمین کہیں ؟

۵۔ فرض نمازوں کے بعد دعاء کی قبولیت کا جو ذکر حدیثوں میں آیا ہے اس سے استدلال کی صورت میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ " دبر " کے لفظ سے نماز کے اخیر کا وقت مراد ہے یا بعد کا؟ اور دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دعاء کی قبولیت کے اور بھی کئی اوقات حدیثوں میں مذکور ہیں، ان کی طرف عوام کی توجہ کیوں نہیں مبذول کرائی جاتی ؟

فرض نمازوں کے بعد دعاء سے متعلق اسی طرح کے سوالات عوام کے سامنے آتے رہتے ہیں، اور بعض بعض ...ذں میں ان جزئیات پر طویل بحثیں ہو چکی ہیں، علماء کی طرف سے ان جزئیات کے ایسے جوابات اب تک سامنے نہیں ...ے جن سے ہر شخص کو تشفی ہو جائے، شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ایسی کوئی صریح مرفوع روایت نہیں ہے ...ے سے معلوم ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں فرض نمازوں کے بعد لوگ ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگتے تھے ...ہ دن و رات میں پانچ مرتبہ نماز ادا کی جاتی تھی، اور احادیث میں نماز ختم ہونے کے بعد کی بعض بہت چھوٹی ...وٹی باتیں مذکور ہیں، اگر ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا سلسلہ ہوتا تو کسی نہ کسی حدیث میں اس کا ذکر ضرور ہوتا ...حابہ کرامؓ کے تعامل کی بات اس لئے کہی جا رہی ہے کہ مسئلہ کے حل کے لئے کوئی مرفوع روایت نہیں ہے، ورنہ

اگر کوئی روایت ہوتی تو پھر اس پر عمل ضروری ہوتا خواہ عہد نبوی و عہد صحابہ میں اس پر عمل کا ثبوت ملے یا نہ ملے۔

اس توضیح کے بعد اب چند جملے اس موضوع پر بحث و مناقشہ سے متعلق۔ جو لوگ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی یہ ایک مشروع و مستحب عمل ہے نہ کہ واجب و ضروری۔ اور موجودہ دور میں بحث کی بنیاد فریقین کے یہاں متقدمین علماء کی ترجیحات و استنباطات ہیں نہ کہ کوئی مرفوع روایت۔ پھر امت کے سامنے موجودہ دور میں بعض دوسرے مسائل زیادہ توجہ طلب ہیں اور ان کی تنقیح و توضیح کے عوام منتظر ہیں۔ اور کسی بھی مسئلہ میں بحث و تمحیص کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دلائل کو واضح کرنے اور اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کے بعد اس بات سے صرفِ نظر کرلے کہ اسے قبول کیا گیا یا نہیں، تاکہ تعنت اور گروہ بندی کی صورت نہ پیدا ہو، اگر ایک ہی مسئلہ پر برابر توجہ مرکوز رکھی جائیگی تو ایک طرف اس سے عناد و تعنت پیدا ہوگا، اور دوسری طرف دوسرے مسائل تشنۂ تحقیق رہ جائیں گے۔

ہم اگر سلف کے احوال پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ استنباطی مسائل میں ان کے مابین بھی اختلاف ہوتا تھا لیکن تشدد و تعنت سے الگ رہ کر وہ ماحول کو خراب ہونے سے بچاتے تھے، اور علمی روح کی رعایت کرتے تھے۔

فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کو جن علماء نے محتاجِ ثبوت یا بدعت کہا ہے اس کا پس منظر بھی سمجھنا ضروری ہے، اسی طرح ان کے اس حکم کی دلیل و بنیاد سے واقفیت بھی ہمارا فرض ہے سطحیت کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ ہم کسی کے مقلد نہیں ہیں، مناسب ردعمل نہیں ہے، دلیل سے واقفیت کے بعد کسی کی بات کو ماننا یا رد کرنا تقلید نہیں ہے۔

محدث میں فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی تائید میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، اس پر ریاض سے ایک صاحب نے عربی زبان میں ایک مراسلہ بھیجا ہے، ہم اسے شائع کر رہے ہیں، اور علماء کرام سے امید کرتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کی تائید یا تردید میں کچھ لکھنے کے بجائے اسی دعا کے دوسرے پہلوؤں پر اور اسی طرح ملت اسلامیہ کو درپیش دوسرے مسائل و مشکلات پر بھی کچھ توجہ فرمائیں تاکہ عوام کے ذہن میں الجھن نہ پیدا ہو، اور ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا رہے۔ دینی مسائل میں بحث و مناقشہ کو اصرار و تعنت کے دائرہ میں لے جانے سے کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس رویہ کا نقصان یہ ہے کہ علماء کے سلسلہ میں عوام کا تاثر خراب ہوتا ہے، اور ان میں عمل سے گریز کی خو پیدا ہو جاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا عہد مسعود مثبت بحث و مناقشہ کے سلسلہ میں بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ ہم اس باب میں ان کے منہج کو اختیار کریں اور بحث و مناقشہ کو غیر تعمیری رخ پر جانے سے بچائیں، واللہ ولی التوفیق۔ (ادارہ)

إلى سعادة المدير حفظه الله ورعاه

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته وبعد:

فإنى اطلعت على عنوان الأخ محمد مستقيم السلفى «الدعاء بعد الصلاة برفع اليدين ومكانته فى الشرع» الذى أصدرته جريدتكم الشهرية «محدث» عدد التسلسل ۱۱۵ صفر/۱۴۱۴ﻫ. فهمت خلال تحريره أنه عرض بعض الأحاديث المنتقدة فيها، وحقق إسنادها ونقل بعض أقوال العلماء وحكم أنها بلغت إلى درجة الحسن لغيره، لأنها يقوى بعضها بعضا، واستدل بها على جواز الدعاء بعد الصلاة الفريضة برفع اليدين اجتماعيا وانفراديا، والحال والحقيقة أن تلك الأحاديث المعروضة لا تدل على شىء إلا على الدعاء بعد الصلاة برفع اليدين

موضع النزاع ماذا قصد بالاجتماعية؟ هل يدعو الامام بعد أن يسلم؟ ويؤمن المأمومون؟ و يتبعون الامام من بداية الدعاء إلى ما ينتهى الامام عن دعائه؟ إن كان هدفه هذا فيأتى السؤال، هل هذه الكيفية ثابتة من السنة الصحيحة؟ وعليها عمل الصحابة والتابعين؟ ما وضح شيئا عنها.

وجدير بالذكر إجابة شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله عن السؤال: هل دعاء الامام والمأمومين عقيب صلاة الفرض جائز أم لا؟ «فأجاب الحمد لله: أما دعاء الامام والمأمومين بعد الصلاة جميعا عقيب الصلاة فهو بدعة، لم يكن فى عهد النبى ﷺ بل إنما كان دعاؤه فى صلب الصلاة، فإن المصلى يناجى ربه فإذا دعا حال مناجاته له كان مناسبا» (فتاوى ابن تيمية ۲۲/۵۱۹).

وقد نشرت جريدتكم « عدث » عدد التسلسل ١٠٧ الجمادى الأولى ١٤١٢ ﻫ فتوى سماحة الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز حفظه الله فى هذا الشأن.
جوهر الكلام كما يلى :

أعرب الشيخ أن الدعاء بعد الصلاة المكتوبة برفع اليدين لم يثبت عن النبي ﷺ ولا عن الصحابة، وأضاف قائلا :

الذين يدعون رافعين أيديهم بعد الصلاة الفريضة أعمالهم ذلك بدعة لا أصل له، وقال النبي ﷺ : « من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد » (مسلم)

وقال أيضا : « ومن أحدث فى أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد » (متفق عليه).

فكيف استدل بالأحاديث المذكورة على استحباب وجواز الدعاء بعد الصلاة الفريضة برفع اليدين التى لا تثبت منه الصورة الاجتماعية كما هى مروّجة فى مجتمعنا ؟

فأرجو من فضيلتكم أن توضحوا هذه الناحية فى ضوء الكتاب و السنة الصحيحة، ولكم منى أطيب التحيات والامتنان والسلام عليكم.

المستفتى : محمد مكمل حق
طالب كلية التربية،
جامعة ملك سعود بالرياض

باب الفتاوی

انتخاب : محفوظ الرحمن السلفی

سوال : میرا ایک رشتہ دار نماز نہیں پڑھتا وہ عمر رسیدہ شخص ہے، میں نے بھی اور دوسرے بہت سے لوگوں نے اسے نصیحت کی لیکن نماز کے معاملہ میں وہ بہت سست ہے، شاذ و نادر ہی پڑھتا ہے، رمضان میں یا جمعہ وغیرہ پڑھ لیتا ہے، میرا معاملہ اس کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے؟ کسی مجلس میں اس سے ملاقات ہو تو اس سے سلام کروں یا نہیں؟ یا اس سے قطع تعلق کرلوں؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں، اللہ آپ کی حفاظت کرے۔ آمین!

جواب : نماز کا قصداً چھوڑ دینا سب سے بڑا کفر ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: "بین الرجل وبین الکفر والشرک ترک الصلوۃ" (مومن مرد اور شرک کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز کا نہ چھوڑنا ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"العھد الذی بیننا وبینھم الصلوۃ، فمن ترکھا فقد کفر" (ہمارے اور لوگوں کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز کا ہے جس نے اسے چھوڑ دیا یقیناً اس نے کفر کیا) (مسند احمد وسنن بسند صحیح)

اس معنی کی حدیثیں بہت کثرت سے وارد ہوئی ہیں، اس سلسلے میں واجب یہ ہے کہ مذکورہ شخص کو نصیحت کی جائے اور شریعت کا حکم سمجھایا جائے اور جب نماز چھوڑنے پر اصرار کرے تو اس سے ترک تعلق واجب ہے اور یہ بھی واجب ہے کہ اس سے سلام نہ کیا جائے اس کی دعوت کو قبول نہ کیا جائے اور حاکم کے پاس اس کا معاملہ پیش کیا جائے تاکہ وہ توبہ کرائے اگر وہ توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا قتل واجب ہے اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے: "فان تابوا واقاموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ فخلوا سبیلھم" (اگر وہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو انھیں معاف کردو

اس سے یہ معنی نکلتا ہے کہ جو شخص نماز قائم نہ کرے اسے معاف نہیں کیا جائے گا، اس مسئلہ میں دلائل بہت زیادہ ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے مذکورہ شخص کے لئے ہدایت کا سوال کرتے ہیں۔

والسلام

عبدالعزیز ابن عبداللہ ابن باز

سوال : اپنی یا اپنی بیوی کی نسبندی کرانے والے شخص کو امام بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز جس نے نسبندی کرالی ہے اگر وہ نماز پڑھ رہا ہو تو شرعاً اس کے ساتھ دوسرے مسلمان شامل ہو کر نماز ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل

محمد نوشاد علی صاحبگنج بہار

لجواب : اگر قابل اعتماد ڈاکٹر کا مشورہ ہو کہ اگر اس عورت کو اب آئندہ پیدائش ہوئی تو جان کا خطرہ ہے تو ایسی عورت کی نسبندی میں شرعاً کوئی حرج نہیں، باقی کسی اور وجہ سے نسبندی حرام ہے اور مردوں کی نسبندی کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں کیونکہ ولادت سے خطرہ عورت کو ہوتا ہے نہ کہ مرد کو۔

اگر کوئی امام روزی روٹی کے ڈر سے اپنی یا اپنی بیوی کی نسبندی کرائے تو ایسے امام کو امامت سے برطرف کر دینا چاہیئے، یعنی متولیان مساجد اور ممبران کو چاہیئے کہ ایسے امام کو برطرف کر دیں، رہے امام تو انہیں چاہیئے کہ متولیان و ممبران کو مشورہ دیں لیکن ہنگامہ نہ کریں اور نہ ہی جماعت کا بائیکاٹ کریں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق و فاجر حکمرانوں کے ساتھ بھی جمعہ وجماعت ادا کرتے رہنے کا حکم دیا ہے، اگر متولیان و ممبران ایسے اماموں کو برطرف نہیں کرتے تو عوام معذور ہونگے۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

احمد مجتبیٰ سلفی

استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

الجواب صحیح — محمد رئیس ندوی

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں معیاری صحافت کانفرنس کا انعقاد

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کرتا ہے کہ
جماعتی صحافت کو مؤثر و مفید بنانے کی خاطر مورخہ ۶، ۷ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق ۲،۲ نومبر
۱۹۹۱ء بروز دوشنبہ و سہ شنبہ ایک مذاکرۂ علمیہ منعقد کرنے جا رہا ہے جس میں جماعتی
اخبارات و رسائل کے مابین تعاون و تنسیق، توسیع اشاعت، حالات حاضرہ سے متعلق جماعت کے
امتیازی موقف، عقیدہ و عمل سے متعلق کتاب و سنت پر مبنی معیاری صحافت، جماعتی شخصیات و تاریخ،
ہفت روزہ یا روزنامہ کے اجراء جیسے دیگر اہم نقاط و مسائل پر غور و خوض کیا جائے گا۔

اخبارات و رسائل کے مالکان و مدیران کو دعوت نامے ارسال کئے جا چکے ہیں، اگر کسی
سبب سے کسی صاحب کو دعوت نامہ موصول نہ ہو سکے تو اسی اعلان کو دعوت نامہ تصور فرمائیں،
مدعوئین حضرات سے گذارش ہے کہ اس مذاکرۂ علمیہ میں شرکت فرما کر اپنے مفید آراء سے نوازیں گے
اور مذاکرہ کو کامیاب بنائیں گے، اور جملہ بہی خواہان جماعت سے مذاکرہ کی کامیابی کے لئے دعا کی
درخواست ہے۔

نوٹ: مذاکرہ کے پہلے دن شب میں اجلاس عام کا بھی پروگرام ہے۔

معیاری صحافت کانفرنس
کے
چند بنیادی مقاصد

۱۔ عقیدہ و عمل سے متعلق کتاب و سنت کی بنیادی تعلیمات کی توضیح و تشریح کا التزام تاکہ صحیح اسلامی ذہن و فکر پیدا ہو سکے۔

۲۔ موجودہ ملی مسائل پر اسلام کی صحیح تعلیمات کی روشنی میں اظہار خیال۔

۳۔ جماعتی خدمات اور جماعتی شخصیات کا تعارف۔

۴۔ جماعتی اخبارات و رسائل کے مابین باہمی تعاون اور دائرہ کار کی تعیین تاکہ تکرار سے بچ کر مطلوبہ خدمت انجام دی جا سکے۔

۵۔ صحافت میں دیگر مسائل کے ساتھ ہی خواتین و اطفال کے موضوعات پر توجہ۔

۶۔ ملی و جماعتی مسائل پر مخالفانہ تحریروں کا جواب۔

۷۔ دینی و ملی موضوعات کا خاکہ تیار کر کے اہل قلم کو اس ہدایت کے ساتھ دیا جائے کہ وہ ان موضوعات پر بالاقساط لکھیں، پھر ان مضامین کو کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے، یہ خاکہ عقائد، عبادات، معاملات، تاریخ اور سوانح ہر موضوع کے لئے بنایا جا سکتا ہے۔

۸۔ افراد جماعت کی ذمہ داری جماعتی اخبارات کے تئیں۔

۹۔ اخبارات و رسائل کی توسیع اشاعت کے لئے کوشش اور اس کا طریقۂ کار۔

صحافت کانفرنس
کیلئے قابلِ غور نقاط

ا۔ جماعتی رسائل وجرائد میں مکمل ربط وہم آہنگی اور تنسیق تاکہ جماعتی کاز کو تقویت پہنچائی جاسکے۔

۲۔ جماعتی جرائد ومجلات کی محدود اشاعت اور عدم تاثیر کے اسباب پر غور۔

۳۔ صحافت میں جماعت وملت کے خلاف تحریروں کے تئیں ہمارا رویہ۔

۴۔ جماعتی صحافت پورے خلوص کے ساتھ کیسے ایسا معیار پیش کرے جو ملکی صحافت کے لئے قابل تقلید نمونہ بن سکے؟

۵۔ بچوں اور نوجوانوں کی اسلامی تربیت سے متعلق جماعتی صحافت کا کردار۔

۶۔ عورتوں سے متعلق مسائل بین الاقوامی پیمانہ پر اٹھائے جارہے ہیں، اس سلسلہ میں ہماری جماعت کی ذمہ داری کیا ہے؟

۷۔ تعمیری صحافت میں موجودہ خلا کو پُر کرنے کے امکانات پر غور۔

۸۔ ملک کی دوسری قومی زبانوں میں بھی جرائد ومجلات کی اشاعت پر غور۔

۹۔ کیا جماعتی صحافت کو علماء جماعت کا پورا تعاون حاصل ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

۱۰۔ حالات ومسائل حاضرہ پر جماعتی نقطۂ نظر کی بروقت تعیین وتوضیح کے لئے کسی سہ روزہ یا روزنامہ کے اجراء پر غور۔

ماہنامہ **محدث** بنارس

شمارہ ۱۲	دسمبر ۱۹۹۲ء	جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ	جلد ۱۰

اس شمارہ میں

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب وارانسی ۲۲۱۰۰۱

بدل اشتراک

سالانہ ۴۵ روپئے، فی پرچہ ۴ روپئے

○

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصغر علی امام مہدی السلفی

بہترین نمونہ، قابلِ تقلید

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا۔
احزاب (آیت ۲۱) ترجمہ: (تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو
ر کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو، رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی خاص رحمت سے بنی نوع انسان میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رسالت
ت کے لئے چن لیا اور آپ کو پوری دنیائے انسانیت کے لئے اسوہ ونمونہ قرار دیا، اس لئے آپ کی پوری زندگی ایک مثالی
ر عظیم اقدار کی ترجمان رہی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی تربیت اپنی خاص عنایت سے کی، آپ پیدا ہوئے اور
شوونما ہوئی، یہاں تک کہ آپ کو منصب نبوت سے سرفراز کر دیا گیا، پھر آپ نے تبلیغ ورسالت کا فریضہ انجام دیا، جہاد
اور ایک عظیم وبہترین دولت اسلامیہ کی بنیاد رکھی، اور پھر اسی عنایت وکفالت میں رہتے ہوئے اپنے رفیق اعلیٰ سے
ملے، آپ کی پرورش وپرداخت اور آپ کی حفاظت ونگہداشت رب کریم کی جانب سے ہوتی رہی، ایک لمحہ کے لئے بھی لطفِ
ی اور تربیت ربانی سے آپ محروم نہ رہے اس لئے آپ کی سیرت کامل آپ کا اخلاق بلند اور آپ کی شخصیت ہمہ گیر اور بھرپور رہی،
ں میں کوئی ایسا دور نہیں گذرا جس میں آپ اعلیٰ قدروں سے الگ ہوئے ہوں، آپ کی پوری زندگی میں کوئی ایسا گوشہ نہیں
ہ جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو اور گردش ایام نے اس پر پردہ ڈال دیا ہو، اور زندگی کا وہ حصہ آپ کے متبعین کیلئے
سوہ بننے سے رہ گیا ہو، آپ کی ازدواجی زندگی کے باریک گوشے بھی امت پر پوشیدہ نہیں رہے کہ مبادا آپ کے امتی سیرت
اس پہلو سے محروم رہ جائیں اور ان کے لئے اس میں کوئی واضح ہدایت اور آپ میں ان کے لئے اسوہ نہ ہو بلکہ آپ کی سیرت
ے اہم حصوں کو بھی ازواج مطہرات نے اس خوبی ادب اور حکمت سے بیان کر دیا کہ ہر مرد وعورت اپنی ازدواجی زندگی
ر اپنے گھریلو معاملات کے لئے بہترین نمونہ پاتا ہے۔

آپ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو پوری جامعیت کے ساتھ حقائق وواقفیت پر مبنی ہے جس کو اپنا کر انسان مکمل طور پر فطری

ندگی گذار سکتا ہے، اور دنیوی واخروی سعادتوں سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، آپ کے سیرت کی یہ واقفیت آپ کے انصار و
نوان سے پہلے آپ کے اعداء کے یہاں زیادہ معروف و مشہور اور مسلم ہے، آپ کے ان مخالفین نے جن کے ساتھ آپ نے زندگی
مراحل طے کئے، وہ آپ کے بلندی اخلاق، سیرت کی پختگی کا اقرار آپ کے ساتھ زندگی گذارنے والے اصحاب سے پہلے کیا تھا۔
آپ کی سیرت جامع کمالات ہے، زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی اور حیات انسانی کے تمام مراحل میں ایک روشن چراغ
مانند ہے اس میں اپنے ہم عصروں کے ساتھ جوانی کی منزلیں بھی ہیں زن و شو کی زندگی بھی، اولاد و احفاد کی معاشرت،
رفرد و مجمع، گرد و پیش کی زندگی بھی ہے، آپ بحیثیت قائد و کمانڈر اپنے لشکریوں میں نظر آتے ہیں تو اپنے رعایا میں حاکم
صورت میں، آپ میں فاتح اور حکیم قائد کی تمام خصوصیات کوٹ کوٹ کر بھری نظر آتی ہیں، شکست و ریخت سے دوچار
نے کے بعد صبر و شکیبائی اور دانائی و حکمت کا پہلو بھی آپ کی زندگی میں ملتا ہے، آپ کی آنکھوں کے سامنے آپکے اولاد
انتقال کا سانحہ بھی ہے اور شریک حیات کی فرقت کا غم بھی، چیدہ چیدہ صحابہ کرام کی موت کا سانحہ اور آپکے سامنے آپکے
حاب کو تہ تیغ کئے جانے کا المیہ بھی، خاندان اور پڑوسیوں کے حملوں اور سرداران وقت و شرفاء شہر کی زیادتیوں اور
ادتوں کا سیلاب بھی آپ پر امڈ پڑتا ہے، دشمنوں سے معرکہ آرائی کا بازار بھی گرم رہتا ہے اور کمزور و بے سروسامان لوگوں
پشت پناہی اور مدد کا وقت بھی، آپ کی نظروں کے سامنے آپ کے اصحاب پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے جاتے ہیں،
آپ ان کو چھٹکارا دلانے پر قادر نہیں ہیں۔ اس طرح آپ کی پوری زندگی مکمل ضابطہ حیات اور طریقہ کار ہے جن پر
کر آپ نے خود عملی نمونہ پیش کیا اور اصول جہاں بانی کا درس بھی دیا آپ نے جس عظیم اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی تھی
میں داخلی و خارجی مسائل کا حل بھی فرمایا، ایک ملک سے دوسرے ملک کے تعلقات کی استواری کے اصول بھی تھے،
ن الاقوامی امور کی نشاندہی بھی کی گئی، آپ کی زندگی میں تنگی و خوشحالی کا دور بھی آیا، اور نرم گرم بھی برداشت کرنے
ے، پریشانیاں، دشواریاں اور مختلف قسم کی رکاوٹیں بھی درپیش ہوئیں، فتح و کامرانی کے مبارک اوقات بھی نصیب
ئے اور کبھی شکست و ہزیمت سے دوچار بھی ہونا پڑا۔
الغرض آپ کی زندگی میں ہر انسان کیلئے تمام احوال زندگی سے متعلق بہترین نمونہ ہے جسے وہ اپنا سکتا ہے۔ اور
حیات متعین کر سکتا ہے، آپ بحیثیت یتیم بچہ، فقیر انسان، امین تاجر اور ایسا شوہر جس کی بیوی اس سے عمر میں
عمولی بڑی ہو، جس کی تمام نرینہ اولاد فوت ہو چکی ہو اور اناث نے زندگی پائی ہو پھر ایک ایک کر کے ایک کے علاوہ
آپ کے حیات مبارکہ میں چل بسی ہوں۔ غرض آپ بہترین نمونہ اور قابل تقلید ہیں ۔

درسِ حدیث

اصغر علی امام مہدی السلفی

وہ ایک سجدہ جسے ......

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق اللہ علی العباد ان یعبدوہ لا یشرکوا بہ شیئا وحق العباد علی اللہ الا یعذب من لا یشرک بہ شیئا۔ (الحدیث بخاری ومسلم)

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے اس کی عبادت کریں اور ں کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ں کو عذاب سے دوچار نہ کرے۔ (بخاری ومسلم)

اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس کی ذات اس کے اسماء وصفات میں یکتا وبے مثل ماننا اسے خالق ورازق ماننا اور یا اسی کو عبادت واعانت کے لائق سمجھنا ہی توحید ہے، عقیدۂ توحید ہی پر انسان کی پیدائش ہوتی ہے اور یہی عقیدۂ نسان کا فطری عقیدہ ہے، اگر کسی انسان کے اندر عقیدۂ توحید رچ بس گیا اور ھوی وہوس اور آباء واجداد کی یداور معصیت کے نذر نہ ہوا تو پھر انسان کے اندر یہ ایک ایسی قوت ہوگی جس سے وہ ترقی درجہ کے اوج کمال پر ز ہو جائے گا، تمام بہتر خصائل وفضائل سے آراستہ ہوگا اور شرک کی آلائشوں سے پاک ہو جائے گا۔

عقیدۂ توحید جو انسان کے اندر روشنی کا مرکز ہے اس سے اس کے تمام معاملات روشن وتابناک ہو جاتے ہیں ،و نادانی اوہام وخرافات اور دیگر تمام قبیح الخلق دور ہو جاتے ہیں اور بلکہ بہیمیہ اور اخلاق سیئہ گویا اس سے ناپید اتا ہے اور انسان کی قدر ومنزلت بڑھ جاتی ہے اور اس کی قدر وقیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے اور انسانی کرامت ت کی اس بلندی پر پہونچ جاتا ہے جس کے آگے ساری مخلوقات ہیچ ہوتی ہیں وہ کسی کے سامنے سرنگوں نہیں ہوتا۔ سی کا تابع فرمان ہوتا ہے اور نہ کسی کے آگے جھکتا ہے، گویا کہ وہ خالق ارض وسماوات کے سامنے کیا جھکا کہ ساری یں اسے حاصل ہو گئیں اور ہر طرح کی غلامی اور پستی وقید وبند سے آزادی مل گئی۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

توحید اسماء وصفات : کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن اسماء وصفات سے اپنے آپ کو متصف کیا ہے اور اس کے رسول نے اس کو جن اسماء، وصفات سے متصف کیا ہے، اسی سے اس کو پکارنا اور اس پر اعتماد رکھنا جیسے قدرت، ارادہ وغیرہ ۔

اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں منفرد و بے مثل ہے اسی طرح وہ اپنی صفات میں بھی منفرد و یکتا و بے نظیر ہے۔ قرن اول میں توحید اسماء وصفات میں اختلاف نہیں پایا گیا دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جہم بن صفوان نے جعد بن درہم کی اتباع میں صفات باری کے انکار کا شوشہ چھوڑا اور اس کے بعد مختلف فرقے اس ضمن میں پیدا ہو گئے اللہ تبارک وتعالیٰ کو رب ماننے کا مطلب یہ ہے کہ اسی کو پروردگار مانا جائے اسی کو روزی رساں خالق و مالک اور مارنے و زندہ کرنے والا تسلیم کیا جائے اور اس میں کسی اور کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے ۔

توحید ربوبیت پر تمام امتوں کا اتفاق رہا حتی کہ مشرکین عرب بھی اس کا اقرار کرتے تھے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولئن سالتہم من خلق السمٰوات والارض لیقولن خلقھن العزیز الحکیم (۲) اگر آپ ان (مشرکین عرب) سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کو کس نے پیدا کیا تو کہیں گے اللہ تعالیٰ کی عزیز و غالب اور علیم ذات نے پیدا کیا ہے ۔

یہ مشرکین عرب توحید الوہیت کو نہیں مانتے تھے اور رب کی عبادت کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کرتے تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ ان معبودان باطل کی عبادت کیوں کرتے ہو جو تمہارے ہی طرح کے بندے اور مخلوق ہیں تو کہتے "ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی" ہم تو ان کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں گے اس لئے تمام انبیاء کرام کی دعوت کا محور توحید عبادت ہی رہا، اور چونکہ امتوں کے اندر حقیقی انحراف توحید عبادت ہی کے سلسلے میں تھا اس لئے انبیاء کرام نے ہر قسم کی عبادت صرف ذات الٰہی کے لئے خاص ہے بتایا، خواہ وہ عبادت فرائض یا نوافل کے قبیل سے ہو، جیسے روزہ، نماز، زکوٰۃ، نذر و نیاز، قربانی، قسم، استغاثہ، خوف و رجاء وغیرہ، سب ذات باری کے لئے خاص ہے اور بندہ اس وقت تک عذاب آخرت سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ توحید الوہیت کا اقرار نہ کرے ۔ صرف توحید ربوبیت و توحید اسماء وصفات انسان کی نجات کے لئے کافی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کرنا اور شرک کے تمام اقسام سے پرہیز کرنا ہی انسان کا اصل وظیفۂ حیات اور فطری دین ہے ۔ ...

افتتاحیہ

عدالتِ عالیہ کا یہ فیصلہ بہت اہم ہے مگر.....

۱۶ر نومبر ۱۹۹۲ء کو ہندوستان کی عدالت عالیہ ۔ سپریم کورٹ ۔ کی نو رکنی اسپیشل آئینی بنچ نے کثرت رائے سے مرکزی حکومت کے محکموں کی ملازمتوں میں پسماندہ طبقوں کے لئے ستائیس فیصد رزرویشن کو آئین وقانون کی رو سے درست قرار دینے کا فیصلہ صادر کیا ہے، وی پی سنگھ حکومت نے اپنے دور میں اور نرسمہاراؤ حکومت نے منڈل کمیشن کی سفارشات کی بنیاد پر رزرویشن کے متعلق اپنے احکامات کے نوٹیفکیشن جاری کئے تھے، دونوں حکومتوں کے احکامات کے آئینی جواز کو چیلنج کرتے ہوئے ملک کے مختلف حلقوں سے اپیلیں دائر کی گئی تھیں، عدالت عالیہ کی اسپیشل بنچ نے جس میں ہندستان کے چیف جسٹس بھی شامل ہیں، تمام اپیلوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا ہے، فیصلہ میں وی پی سنگھ حکومت کے ان احکامات کے نوٹیفکیشن کو درست قرار دیا گیا ہے جن میں پسماندہ طبقوں کو ستائیس فیصد رزرویشن دینے کی بات کہی گئی تھی، البتہ موجودہ حکومت نے اقتصادی صورت حال کی بنیاد پر رزرویشن دینے سے متعلق جو نوٹیفکیشن جاری کیا تھا اسے رد کر دیا گیا ہے، سماجی اور تعلیمی لحاظ سے پچھڑی ذات برادریوں کے لئے یہ تحفظ ملازمتوں میں صرف پچاس فیصد ہوگا، پچھڑے طبقات میں جو لوگ سماجی طور پر اتنی ترقی کر چکے ہیں کہ وہ اونچے طبقہ کے مقابل آنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، بنچ کی اکثریت نے انھیں رزرویشن سے الگ رکھنے کی سفارش کی ہے، موجودہ حکومت نے ایک علیحدہ آرڈر میں اونچی ذاتوں کے اقتصادی طور پر کمزور افراد کو سرکاری ملازمتوں میں دس فیصد رزرویشن دینے کی بات کہی تھی، بنچ کی اکثریت نے اسے بھی غلط قرار دیا ہے، اخباری رپورٹوں کے مطابق فیصلہ میں مذہبی اقلیات کے پچھڑے ہوئے افراد کو بھی پسماندہ لوگوں میں شامل کیا گیا ہے ۔

ملک کی متعدد سیاسی پارٹیوں نے عدالت عالیہ کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے پسماندہ طبقات کی فتح قرار دیا ہے، مرکزی حکومت نے اگرچہ عمومی طور پر اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا ہے لیکن اس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنے انتخابی ووٹوں

کی روشنی میں اونچی ذاتوں کے اقتصادی طور پر کمزور لوگوں کے دس فیصد رزرویشن کے مسئلہ کے حل کے لئے وہ سیاسی پارٹیوں سے مشورہ کرکے عدالت عالیہ کے فیصلہ سے ہم آہنگی کا راستہ تلاش کرے گی، سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ نے کہا کہ "عدالت عظمیٰ کا یہ فیصلہ سابق مرکزی حکومت کی پالیسی کی جیت ہے اور دبے کچلے اور کمزور طبقوں کی فتح ہے، اس فیصلہ سے مساوات پر مبنی ایک نئے سماج کی تشکیل کے عمل کو ایک نئی رفتار ملے گی" منڈل کمیشن سفارشات کی حمایت اگرچہ بہت سی پارٹیاں کرتی رہی ہیں، لیکن جنتادل نے پورے ملک میں جس صراحت اور جرأت و بہادری کے ساتھ اس مسئلہ کی حمایت اور وکالت کی ہے اس کے پیش نظر سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ کا قول بڑی حد تک درست ہے، لوک دل کے لیڈر مسٹر رام اودھیش سنگھ نے کہا کہ یہ فیصلہ ان سارے لوگوں کی فتح ہے جو سماجی مساوات کے لئے برابر کوشاں ہیں۔ "بھارتی کمیونسٹ پارٹی نے کہا کہ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلہ میں سماجی پسماندگی کو رزرویشن کی بنیاد مان کر منڈل کمیشن سفارشات کی تائید کی ہے" سماج وادی جنتا پارٹی کے قومی صدر اور سابق وزیر اعلیٰ یوپی مسٹر ملائم سنگھ یادو نے عدالتی فیصلہ کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ یوپی ملک کا پہلا صوبہ ہے، جہاں میرے دور حکومت میں ستائیس فیصد رزرویشن کا حکم جاری کیا گیا تھا، البتہ انہوں نے مرکزی حکومت سے کہا ہے کہ وہ آئین میں ضروری ترمیم کرکے اعلیٰ ذات کے کمزور لوگوں کو رزرویشن کا مستحق قرار دے۔" بھارتیہ جنتا پارٹی نے کہا کہ عدالت عالیہ کے فیصلہ کے مضمرات پر غور کے لئے جلد ہی کل جماعتی میٹنگ بلائی چاہئے، پارٹی کے سرکردہ لیڈر مسٹر لال کرشن اڈوانی نے کہا کہ "عدالت کے فیصلہ میں اونچی ذاتوں کے کمزور لوگوں کو رزرویشن کے استحقاق سے محروم کئے جانے پر کل جماعتی میٹنگ میں غور کیا جائے گا۔

رزرویشن کا مسئلہ ملک کا نہایت حساس اور اہم مسئلہ ہے، سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ کی حکومت نے جب ستائیس فیصد رزرویشن کے احکام جاری کئے تھے تو اس وقت نہایت سخت کشیدگی پھیلی تھی، تین سو سے زائد افراد کی جانیں گئی تھیں، اعلیٰ ذات کے کئی نوجوانوں نے خود سوزی کر لی تھی، سرکاری املاک کو بھاری نقصان پہونچایا گیا تھا اور جگہ جگہ وی پی سنگھ کے پتلے جلائے گئے تھے، اور اب جبکہ منڈل کمیشن اور وی پی سنگھ حکومت کی تائید میں ملک کی سب سے بڑی عدالت نے فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ اعلیٰ ذات کے نوجوانوں نے یوپی، راجستھان، دلی، اور مدھیہ پردیس کے مرکزی مقامات پر ایک درجن بسیں جلادیں، پتھراؤ اور پُر تشدد مظاہرے کئے اور ہندستان کی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس مسٹر کانیا اور مسٹر وی پی سنگھ کے پتلے جلائے، گو پہلی جیسی شدت اس بار نہیں ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ ۶ دسمبر کو اجودھیا میں کارسیوا کا اعلان کیا گیا ہے، اور اعلان کے مطابق مسلمانوں کے حق میں یہ بڑی زیادتی اور ظلم

ہوگا، اس پروگرام میں کسی خلل سے بچنے کے لئے شدت میں کمی اختیار کی گئی ہو، نیز ایک دوسری وجہ کا بھی قوی امکان ہے کہ اعلیٰ طبقات سمیت تمام ہندوستانیوں میں عام مساوات اور حریت کے جذبات کی نشوونما ہو رہی ہو، چنانچہ اس بار یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ "یوواجنتا دل نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ" اور "آل انڈیا دلت ایکشن کمیٹی" کے کارکنوں اور حامیوں نے سماجی انصاف اور مساوات کی حمایت اور مخالفین کے پرتشدد مظاہروں کے جواب میں جلوس نکالے اور پسماندہ طبقوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے کامیاب لڑائی لڑنے پر پارٹی کے لیڈران مسٹر وی پی سنگھ، شرد یادو اور رام بلاس پاسوان وغیرہ کو مبارکباد پیش کی۔

اس میں شک نہیں کہ ملک کی موقر عدالت عالیہ کا یہ فیصلہ سماجی مساوات کے شعلہ مزاج، غیور اور شورانگیز عمل کے لئے بڑا معاون ثابت ہوگا، ملک کے حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عام مساوات اور جائز حریت پر مبنی سماج اور معاشرہ کا قیام ہو، یہ ایک نیچرل عمل ہے، جانوں اور املاک کے اتلاف، خودسوزی اور کشیدگی وتشدد کے ذریعہ اس کی راہ نہیں روکی جاسکتی، منڈل کمیشن کی ستائیس فیصد کی سفارش کے مطابق اگرچہ عدالت عالیہ نے اتنے ہی کے رزرویشن کا فیصلہ صادر کیا ہے مگر ملک میں پسماندہ طبقات پچاس فیصد سے بھی زیادہ ہیں، انہیں ان کے حقوق دلانے کے لئے ہر دل میں گنجائش ہونی چاہئے، اعلیٰ ذاتوں کے نوجوانوں کا یہ انداز فکر وعمل نہ صرف غیر قانونی بلکہ غیر سماجی اور غیر انسانی بھی ہے کہ ملک کے پورے نظام پر انہیں کے کنبے حاوی رہیں، دوسرے لوگ اہلیت رکھتے ہوئے بھی اس کے مستحق نہ سمجھے جائیں بلکہ اپنی بنیادی ضروریات سے بھی محروم رکھے جائیں۔

اہلیت اور صلاحیت رکھنے والے مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں نہ لینے اور داؤپیچ کے ذریعہ ناکام بنا دینے کا رجحان بالکل عام اور عملی اصول کی حیثیت رکھتا ہے، یہ صورت حال تقریباً ویسی ہی ہوتی جا رہی ہے جس کا نقشہ اکبر الہ آبادی مرحوم نے انگریزوں کے تعلق سے کھینچا تھا کہ:

محفل ان کی ساقی ان کا ٭ آنکھیں میری باقی ان کا

جب کہ بہت پہلے سے ہمارے ملک میں ہریجنوں کو پندرہ فیصد اور آدیباسی قبائل کو ساڑھے سات فیصد رزرویشن کا حق حاصل ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کے بے شمار افراد سرکاری ملازمتوں میں پائے جاتے ہیں، یہ تحفظ اقتصادی اعتبار سے ان کے حالات کو بہتر بنانے کے ساتھ تعلیمی اور سماجی اعتبار سے بھی ان میں خودشناسی پیدا کرنے کا بہتر ذریعہ ہے مسلمانوں کے تعلق سے ملک کے غالب طبقات کا غیر منصفانہ رویہ ان کے اندر مایوسی اور پستی کا موجب ہے، اور اس

اعتبار سے کہ مسلمان اس ملک کی سب سے بڑی اقلیت ہیں، یہ نا عاقبت اندیشانہ رویہ ملک کے لئے عظیم خسارہ کا باعث ہو سکتا ہے، ملک کی مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو اس سے متعلق نہایت وسیع النظری کے ساتھ اقدام کر کے اس صورت حال کا تدارک کرنا چاہئے اور مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے ان کے لئے رزرویشن کا کوٹہ مخصوص کرنا چاہئے، مسلمانوں کے تعلق سے اگرچہ صورت حال نہایت مایوس کن ہے لیکن عدلیہ یا حکومت کی طرف سے جب اس قسم کے احکام صادر ہوتے ہیں جو بھارتی سماج کے ساکت وجامد تالاب میں پتھر پھینک کر کوئی حرکت پیدا کرنے کا سبب بننے کے مترادف ہوتے ہیں تو طبیعت میں یک گونہ فرحت ہوتی ہے کہ خیر اور صلاح وفلاح اور مساوات وحریت کے لئے کوئی حرکت تو ہوئی خواہ اس حرکت کے دائرے اتنے کمزور سہی کہ دور تک پھیلنے سے پہلے ہی دم توڑ کر بکھر جائیں، ساتھ ہی یہ توقع اور امید بھی رہتی ہے کہ مستقبل میں انہیں بنیادوں پر عام مساوات اور حریت کے حامل سماج اور معاشرہ کی تشکیل ملک گیر پیمانہ پر ہو سکتی ہے جو ناانصافی بے جا تعصب اور ذات پات کے مہلک امتیازات سے پاک ہو۔

•••

مردوں اور عورتوں کی نماز میں فرق

بقلم: نمازی عزیز، ص ب ۲۰۰۸۷۔ الخبر ۳۱۹۵۲ (المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)

بعض احباب نے اس امر کی جانب متوجہ کیا کہ ایک مختصر مضمون اس بارے میں ترتیب دوں کہ آیا مردوں اور عورتوں کی نماز کے طریقہ (ظاہری ھیئت) میں کوئی فرق شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟ لہٰذا بعون الوہاب اس بارے میں چند معروضات پیش خدمت ہیں۔ (مرتب)

عموماً ہمارے علماء حنفیہ یہ بتاتے ہیں کہ عورتوں کی نماز کا طریقہ مردوں سے بعض افعال میں مختلف ہے مثلاً مرد کا کانوں تک تکبیر کے لئے ہاتھ اٹھانا اور عورت کا صرف کاندھے تک، مرد کا زیر ناف حالت قیام میں ہاتھ باندھنا اور عورت کا سینہ پہ نیز حالت سجدہ میں مرد کا اپنی رانیں پیٹ سے دور رکھنا اور عورت کا اپنی رانیں پیٹ سے چپکا لینا۔ عورتوں کی نماز کا یہ طریقہ علماء حنفیہ کی تمام کتبِ نماز اور اکثر دینی رسائل وجرائد میں بلا تحقیق شائع ہوتا رہتا ہے اور برصغیر پاک وہند کی بیشتر خواتین اسی طریقہ پر عمل کرتی نظر آتی ہیں، لیکن یہ طریقہ نماز مشروع اور ثابت نہیں ہے، نصیحت اور خیر خواہی کا تقاضہ ہے کہ اس بارے میں فریقین کے دلائل اور ان پر کچھ علمی بحث ذیل میں پیش کی جائے تاکہ حق وباطل میں تمیز کرنا ممکن اور آسان ہو۔

۱۔ تکبیر کے لئے مردوں کا کانوں تک ہاتھ اٹھانا اور عورتوں کا فقط کندھوں تک ہاتھ اٹھانا کسی صریح وصحیح حدیث میں وارد نہیں ہے، چنانچہ شارح بخاری امام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں:

فائدہ: لم یرد ما یدل علی التفرقۃ فی الرفع بین الرجل والمرأۃ ومن الحنفیۃ یرفع الرجل الی الاذنین والمرأۃ الی المنکبین

فائدہ: مرد اور عورت کے درمیان تکبیر کیلئے ہاتھ اٹھانے کے فرق کے بارے میں کوئی ایسی حدیث وارد نہیں ہے کہ جو اس پر دلالت کرتی ہو لیکن احناف کے نزدیک مرد کانوں

لانہ استرلہا ۔ ۱؎

تک (ہاتھ) اٹھائے اور عورت کندھوں تک کیونکہ یہ اس کے لئے زیادہ ستر کا باعث ہے "

اور علامہ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں ؛

واعلم ان ھذہ السنۃ تشترک فیہا الرجال والنساء ولم یرد مایدل علی الفرق بین الرجل والمرأۃ فی مقدار الرفع وروی عن الحنفیۃ ان الرجل یرفع الی الاذنین والمرأۃ الی المنکبین لانہ استرلہا ولادلیل علی ذلک کما عرفت ۔ ۲؎

اور جان لو کہ یہ رفع الیدین (ہاتھ اٹھانا) ایسی سنت ہے جس میں مرد اور عورتیں دونوں مشترک ہیں، ایسی کوئی حدیث وارد نہیں ہے جو ان کے درمیان اس کے بارے میں فرق پر دلالت کرتی ہو اور نہ ہی ایسی کوئی حدیث وارد ہے جو مرد و عورت کے درمیان ہاتھ اٹھانے کی مقدار پر دلالت کرتی ہو اور حنفیہ سے مروی ہے کہ مرد کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور عورت کندھوں تک کیونکہ یہ اس کیلئے زیادہ ساتر ہے لیکن اس کیلئے ان کے پاس کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے "

۲۔ حالت قیام میں مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے یکساں طور پر حکم ہے کہ وہ اپنے سینوں پر ہاتھ باندھ لیں۔ خاص عورتوں کے لئے یہ حکم ہونے کی علماء حنفیہ کے پاس کوئی صریح و صحیح دلیل موجود نہیں ہے۔ شارح ترمذی علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :

فاعلم ان مذھب الامام ابی حنیفۃ ان الرجل یضع الیدین فی الصلوٰۃ تحت السرۃ والمرأۃ تضعہما علی الصدر ولم یرو عنہ ولا عن اصحابہ شیٔ خلاف ذلک۔ ۳؎

پس جان لو کہ امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ مرد نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھے اور عورت سینہ پر۔ آں رحمہ اللہ سے یا آپ کے اصحاب سے اس کے خلاف کوئی اور چیز مروی نہیں ہے۔

محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ فرماتے ہیں :

۱؎ فتح الباری شرح صحیح بخاری لابن حجر عسقلانیؒ ج ۲ ص ۲۲۲ ، عون المعبود شرح سنن ابو داؤدؒ للشمس الحق عظیم آبادیؒ ج ۱ ص ۲۶۳

۲؎ نیل الاوطار للشوکانیؒ ج ۲ ص ۱۹۸ ۔ ۳؎ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوریؒ ج ۱ ص ۲۱۳

وضعهما على الصدر هو الذي ثبت في السنة، وخلافه إما ضعيف أو لا أصل له الخ۔[۴]

اور سینہ پر ہاتھوں کا باندھنا سنت سے ثابت ہے اور اس کے خلاف جو عمل ہے وہ یا تو ضعیف ہے یا تو پھر بے اصل۔

سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق محدث علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری نے "تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی[۵]" اور "ابکار المنن[۶]" میں علامہ محمد حیات سندھی (م ۱۱۶۳ھ) نے "فتح الغفور فی تحقیق وضع الیدین علی الصدور[۷]" میں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ہم عصر مرزا مظہر شہید حنفی نے رسالہ "مقامات[۸]" میں نہایت نفیس بحث کی ہے جو لائق مراجعت ہے۔

۳۔ حالت سجدہ میں عورتوں کا اپنی رانوں سے پیٹ کو چپکا لینا، اور مردوں کا اپنی رانیں پیٹ سے دور رکھنا علمائے احناف کے نزدیک ایک مرسل حدیث کی بنیاد پر ہے جس میں مروی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو عورتوں کے پاس سے گذرے جو نماز پڑھ رہی تھیں، آپ نے ان سے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت کا حکم اس بارے میں مرد جیسا نہیں ہے۔"

مگر واضح رہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور مرسل وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند کا آخری حصہ بیان نہ کیا گیا ہو یعنی تابعی کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا اور نہ سنا وہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر حدیث بیان کرے کبھی مرسل سے مطلق انقطاع بھی مراد لی جاتی ہے خواہ وہ بصورت معلق ہو یا معضل و منقطع۔ (مزید تفصیل کیلئے مصطلحات الحدیث کی کتب کی طرف مراجعت مفید ہوگی) چونکہ مرسل بھی ضعیف حدیث کی ہی ایک قسم ہے لہذا جملہ محققین و محدثین کے نزدیک بالاتفاق مرسل احادیث ناقابل حجت مانی جاتی ہیں، صرف احناف ہی مرسل احادیث سے احتجاج کیا کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا مرسل حدیث کو امام ابوداؤد نے اپنی "مراسیل[۹]" میں یزید بن ابی حبیب سے روایت کیا ہے مگر یہ روایت منقطع ہے اور اس کی سند میں موجود ایک راوی سالم محدثین کے نزدیک "متروک" بھی ہے۔ تفصیل کے لئے علامہ ابن الترکمانی کی "الجوهر النقی علی سنن الکبریٰ للبیہقی[۱۰]" کی طرف رجوع فرمائیں۔

---

۴ ـ صفۃ الصلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ص ۶۹ ۵ ـ تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۱ ص ۲۱۳-۲۱۷۔

۶ ـ ابکار المنن للمبارکفوری ص ۱۰۸ ۷ ـ طبع اہلحدیث ٹرسٹ کراچی ۸ ـ مقامات للمیرزا ص ۱۱۹

۹ ـ مراسیل ابوداؤد ص ۸۔ ۱۰ ـ الجوہر النقی لابن الترکمانی ج ۲ ص ۲۲۳۔

محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ نے بھی یزید بن ابی حبیب کی اس مرسل روایت کو غیر صحیح (لایصح) قرار دیا ہے[۱۱]

اس بارے میں علماء حنفیہ ایک اور روایت اس طرح پیش کرتے ہیں "حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عورت جب سجدہ کرے تو اپنا پیٹ رانوں سے چپکالے اس طرح کر اس کیلئے زیادہ سے زیادہ پردہ کا موجب ہو"۔[۱۲]

یہ روایت "سنن الکبریٰ" للبیہقی میں موجود ہے لیکن اس کی بابت خود امام بیہقی یہ صراحت فرماتے ہیں کہ "اس جیسی (ضعیف) روایت کے ساتھ استدلال درست نہیں ہے" مقام حیرت ہے کہ علامہ متقی الہندیؒ نے اسے کنز العمال میں کیوں کر درج کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما کا ایک اثر بھی اس بارے میں بیان کیا جاتا ہے "أنہ کان یأمر نساءہ یتربعن فی الصلاۃ"[۱۳] مگر یہ اثر بھی سنداً ضعیف ہے، اس کا ایک راوی عبداللہ بن عمر العمری محدثین کے نزدیک "ضعیف" ہے، علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ اس اثر کے متعلق فرماتے ہیں: "فلایصح اسنادہ"[۱۴] (یعنی اس کی سند روایت صحیح نہیں ہے)۔

پس معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک عورتوں کا مروج سجدہ کا طریقہ کسی طرح ثابت نہیں ہے بلکہ اس طریقہ کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحیح و صریح ارشاد مبارک ذخیرۂ احادیث میں موجود ہیں جن میں سے چند ذیل میں پیش خدمت ہیں:

۱۔ لَایَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْہِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ۔ — تم میں سے کوئی (حالت سجدہ میں) اپنے دونوں بازو نہ بچھائے کہ جس طرح کتا بچھاتا ہے۔

۲۔ اعتدلوا فی السجود ولا یفترش احدکم ذراعیہ افتراش الکلب۔ — سجدہ اطمینان سے کرو اور تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں اپنے بازو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

۳۔ اذا سجد احدکم فلا یفترش یدیہ افتراش الکلب ولیضم فخذیہ۔

۴۔ نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نقرۃ الغراب وافتراش السبع وان یوطن الرجل

---

[۱۱] صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ص۱۷۱۔ [۱۲] سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص۲۲۲-۲۲۳۔
[۱۳] مسائل الامام احمد لابنہ عبداللہ ص۷۱۔ [۱۴] صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ص۱۷۱۔

المکان فی المسجد کما یوطن البعیر۔

۵ - نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یفترش الرجل ذراعیہ افتراش السبع ۔

۶ - اعتدلوا فی السجود ولا یبسطن احدکم ذراعیہ فی الصلوۃ بسط الکلب ۔

۷ - لا تبسط ذراعیك (بسط السبع) وادعم علی راحیتك وتجاف عن ضبعیك فانك اذا فعلت ذلك سجد کل عضو منك معك - وغیرہ

واضح رہے کہ ان تمام احادیث پر حضرات انس بن مالکؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوہریرہؓ، عبدالرحمن بن شبلؓ، براء بن عازبؓ، ابی حمیدؓ، عائشہ صدیقہؓ، قتادہ، شعبہ، لیث، اعمش، ابومعاویہ، محمود بن غیلان، مسلم بن ابراہیم، یزید بن ہارون، جعفر بن عبداللہ، تمیم بن محمود، ابی سفیان، عبدالملک بن شعیب بن لیث، ابن وھب، ابوالعلاء ایوب بن ابی مسکین، اسماعیل بن مسعود، سعید، خالد، محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم، شعیب، دراج، ابن حجیرہ، محمد بن بشار، محمد بن جعفر، امام بخاری[۱۵]، امام مسلم[۱۶]، امام ابوداود[۱۷]، امام ترمذی[۱۸]، امام نسائی[۱۹]، امام ابن ماجہ[۲۰]، امام طیالسی[۲۱]، امام دارمی[۲۲]، امام ابن خزیمہ[۲۳]، امام ابوعوانہ[۲۴]، امام بغوی[۲۵]، حافظ مقدسی، امام حاکم، امام ذھبی، امام نووی، امام ابن حجر عسقلانی، امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، امام ابن قدامہ مقدسی، علامہ ابن رشد القرطبی، علامہ نذیر حسین دہلوی، علامہ شمس الحق عظیم آبادی، علامہ عبدالرحمن مبارکپوری، علامہ صدیق حسن خاں بھوپالی، علامہ محسن الیمانی، علامہ عبدالمنان وزیر آبادی، علامہ ثناء اللہ امرتسری، علامہ محمد بشیر سہسوانی، علامہ ابوالقاسم سیف بنارسی، علامہ عبدالجبار کھنڈیلوی اور علامہ محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (صاحب التعلیقات السلفیہ) وغیرہ رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، حدیث، محدثین، شارحین حدیث اور علماء حدیث نے روایت واعتماد کیا ہے، بعض محدثین کرام نے تو اس بارے میں مستقل ابواب بھی باندھے ہیں، مثلاً امام بخاری نے اپنی " الجامع الصحیح " میں ایک باب " لا یفترش ذراعیہ فی السجود " کے

---

[۱۵] صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۲ ص ۳۰۱ [۱۶] صحیح مسلم بشرح النووی ج ۴ ص ۲۰۹-۲۱۰ ۔ [۱۷] سنن ابوداود مع عون المعبود ج ۱ ص ۳۳۹ ۔ [۱۸] جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۳۳ ۔ [۱۹] سنن نسائی مع تعلیقات السلفیہ ج ۱ ص ۱۳۱ ۔ [۲۰] سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۸۹۲ ۔ [۲۱] مسند طیالسی ج ۱ ص ۹۹ ۔ [۲۲] سنن دارمی ج ۱ ص ۳۰۳ ۔ [۲۳] صحیح ابن خزیمہ حدیث نمبر ۶۴۴، ۶۵۳ ۔ [۲۴] ج ۲ ص ۱۸۲-۱۸۳ ۔ [۲۵] شرح السنہ للبغوی حدیث نمبر ۶۴۹ ۔

عنوان سے اور امام نسائی نے اپنی "سنن" میں ایک باب " النھی عن بسط الذراعین فی السجود " کے عنوان سے قائم کیا ہے ۔

اس بارے میں چند مشاہیر کی تصریحات بھی قارئین کی تشفی کے لئے ذیل میں پیش خدمت ہیں :

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں : " حضرت جابر کی حدیث حسن صحیح ہے اور اسی پر اہل علم حضرات کا عمل ہے جو سجدہ میں اعتدال اختیار کرتے ہیں اور جنگلی جانوروں کی طرح اپنے بازو نہیں بچھاتے " [۲۶]

امام قرطبی فرماتے ہیں : " (حالت سجدہ میں بازو بچھانے) کی اس ہیئت کی کراہت میں کوئی شک نہیں ہے " الخ [۲۷]

علامہ ابن قدامہ مقدسی امام ترمذی کا مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں : " یہ افتراش (یعنی بازو بچھانا) وہی ہے جس سے حدیث میں منع فرمایا گیا ہے ، اور وہ یہ کہ کوئی اپنے بازو زمین پر اس طرح بچھادے کہ جس طرح جنگلی جانور رکھتے ہیں ۔ اہل علم نے اسے مکروہ جانا ہے " الخ [۲۸]

علامہ ابوالولید محمد بن احمد المعروف بابن رشد القرطبیؒ (م ۵۹۵ھ) فرماتے ہیں : " نماز میں اقعاء کی کراہت پر تمام علماء کا اتفاق ہے ۔ کیونکہ حدیث میں ممانعت وارد ہے کہ کوئی شخص نماز میں کتے کی طرح بازو بچھائے ... اور اس بارے میں بھی علماء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ ہیئت نماز کی ہیئت میں سے ہرگز نہیں ہے " الخ [۲۹]

اور حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں : " نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت نماز میں حیوانات سے مشابہت کرنے سے منع فرمایا ہے چنانچہ اس طرح بیٹھنا کہ جس طرح اونٹ زمین پر بیٹھتا ہے یا ثعلب کی طرح التفات یا جنگلی جانور کی طرح افتراش یا کتے کی طرح اقعاء یا کوے کی طرح ٹھونگیں مارنا یا سلام کے وقت گھوڑے کے دُموں کی طرح ہاتھ اٹھانا سب افعال منع ہیں " الخ [۳۰]

چنانچہ ثابت ہوا کہ سجدہ کا اصل و مسنون طریقہ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریقہ تھا اور ذخیرۂ احادیث میں یوں محفوظ و مروی ہے :

اذا سجد وضع یدیه غیر مفترش — جب آپ سجدہ فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو زمین پر نہ بچھاتے

---

[۲۶] جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۱ ص ۲۳۳ [۲۷] تحفۃ الاحوذی للمبارکفوریؒ ج ۱ ص ۲۳۲ و عون المعبود للعظیم آبادیؒ ج ۱ ص ۳۳۹ ۔

[۲۸] المغنی لابن قدامہ المقدسیؒ ج ۱ ص ۵۱۸-۵۱۹ [۲۹] بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد لابن رشدؒ ج ۱ ص ۱۳۹-۱۴۰ مختصراً ۔

[۳۰] زاد المعاد فی ھدی خیر العباد لابن قیمؒ ج ۱ ص ۱۱۴ ۔

ولاقابضــهـمـا ۔ [۳۱] | اور نہ ہی اپنے پہلوؤں سے ملاتے تھے ۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب عورتوں کی نماز میں مروج طریقہ کے بارے میں چند اصولی باتیں بھی بیان کردی جائیں تاکہ عورتوں اور مردوں کی نماز میں فرق کی حقیقت مزید آشکارا ہوجائے ۔

پہلی بات تو یہ کہ قرآن کریم میں جس جس مقام پر بھی نماز کا حکم نازل ہوا ہے اس میں سے کسی ایک مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کے طریقۂ نماز میں فرق بیان نہیں فرمایا ہے ۔

دوسری بات یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح و ثابت حدیث سے مرد و عورت کی نماز کے طریقہ میں فرق ثابت نہیں ہوتا ۔

تیسری بات یہ کہ عہد رسالت سے آج تک جملہ امہات المؤمنین ، صحابیات اور احادیث نبوی پر عمل کرنے والی تمام خواتین کا طریقۂ نماز نسلاً بعد نسل وہی رہا ہے جو مردوں کا ہے ، چنانچہ امام بخاریؒ نے اسّم درداءؓ سے بسند صحیح ایک روایت اپنی " تاریخ الصغیر " میں یوں بیان کی ہے :

انهـا كانت تجلس فی صـلاتـهـا جلسة الرجل وكانت فقيهـة ۔ [۳۲] | وہ نماز میں مردوں کی طرح بیٹھا کرتی تھیں اور وہ فقیہہ تھیں ۔

چوتھی بات یہ کہ " صحیح بخاری " میں نماز کے طریقہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صریح اور عام حکم ہے :

صلوا كما رأيتموني أصـلّي ۔ [۳۳] | تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو ۔

چونکہ اس صحیح حدیث کا عموم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے لہذا مرد و عورت کی نماز کے طریقہ میں فرق بیان کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس صریح حکم کو ٹھکرانے کے مترادف ہے ، فنعوذ باللہ من ذلك ۔

پانچویں بات یہ کہ سلف صالحین یعنی خلفاء راشدین ، صحابہ کرام ، تابعین ، تبع تابعین ، محدثین ، صلحائے امت اور وہ علمائے دین جنہیں تمسک بالحدیث النبوی کی لازوال نعمت ملی ہے ، میں سے کوئی ایک فرد ایسا نظر نہیں آتا جو دلیل کے ساتھ یہ دعویٰ کرتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ نماز کے طریقے بیان فرمائے تھے ، بلکہ

---

[۳۱] صحیح بخاریؒ مع فتح الباریؒ ج ۲ ص ۳۰۱ ، سنن ابوداودؒ مع عون المعبود ج ۱ ص ۳۳۹ ، سنن الکبری للبیہقیؒ ج ۲ ص ۱۱۶ ، شرح السنہ للبغویؒ حدیث نمبر ۵۵۷ ، صحیح ابن خزیمہؒ حدیث نمبر ۶۴۳ . [۳۲] تاریخ الصغیر للبخاری ص ۹۵ [۳۳] صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۱ ، ارواء الغلیل للالبانی حدیث نمبر ۲۱۳ ۔

ابراہیم النخعیؒ تو بصراحت فرماتے ہیں کہ:

تفعل المرأة فی الصلاة کما یفعل الرجل ۔[۳۴] نماز میں عورت بھی بالکل ویسے ہی کرے جیسے کہ مرد کرتا ہے

جن علماء نے عورتوں کا نماز میں تکبیر کے لئے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا، قیام میں سینہ پر ہاتھ باندھنا اور سجدہ میں گٹھری کی طرح سمٹ جانے کو موجب ستر بتلاتے ہوئے مستحسن جانا ہے وہ دراصل قیاس فاسد کی بناء پر ہے کیونکہ جب اس بارے میں قرآن وسنت خاموش ہیں تو کسی فقیہ، مجتہد، مفتی یا عالم دین کو یہ حق کہاں سے پہونچتا ہے کہ وہ اس طرح کی کسی من مانی تفریق کا از خود دین میں اضافہ کرے، بلاشبہ یہ تشریع ہے جو ایک بڑی جسارت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمان بھائی بہنوں کو حق پر چلنے اور اس کی حمایت کی توفیق بخشے، آمین۔

یاد رکھیں کہ تکبیر سے تسلیم تک مردوں اور عورتوں کی نماز کی ہیئت صرف ایک ہے، سب کے لئے تکبیر تحریمہ، وضع الیدین، دعائے استفتاح، قرأت سورۃ الفاتحہ، تأمین، قرأت بعد فاتحہ، رفع الیدین، رکوع، قومہ، رفع الیدین، سجدہ جلسہ استراحت، قعدۂ اولیٰ، تشہد، تحریک أصابع، قعدۂ أخیرہ، تورک، صلاۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، دعا قبل السلام تسلیم، اور پھر ہر ہر مقام پر پڑھی جانے والی مخصوص دعائیں سب چیزیں ایک جیسی ہی تو ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں اور عورتوں کے نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں بتایا ہے۔ محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین الالبانی حفظہ اللہ اپنی کتاب " صفة صلاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم من التکبیر الی التسلیم کأنك تراها " کے اختتام پر تحریر فرماتے ہیں: " آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت وصفات کے متعلق جو کچھ ہم نے اس قبل بیان کیا ہے اس میں مرد اور عورتیں دونوں برابر ہیں، بلکہ آں صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: " صلوا کما رأیتمونی أصلی " کے عموم میں عورتیں بھی شامل ہیں" الخ [۳۵]

البتہ لباس، ستر، عورتوں کی امامت کے وقت عورت امام کا اگلی صف کے وسط میں کھڑے ہونا، مرد امام کے سہو پر متنبہ کرنے کیلئے عورت کا تالی بجانا، مرد امام کے پیچھے عورت کا پست آواز میں آمین پکارنا، عورتوں کی آخری صف کا عورتوں کی اگلی صف سے بہتر ہونا اور دوران حیض چھوٹنے والی نمازوں کی عورتوں پر کوئی قضا نہ ہونا وغیرہ معاملات میں جو مرد وعورت کے درمیان تفریق احادیث نبوی سے ثابت ہے وہ اپنی جگہ قطعی درست، صحیح اور تسلیم ہے مگر ان تمام تفریقات منصوصہ کو مروجہ تفریقات غیر منصوصہ کے لئے ہرگز دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب۔ ••

---

[۳۴] مصنف ابن شیبہ ج ا ص ۲۷۰ بسند صحیح۔ [۳۵] صفۃ صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم للالبانی ص ۱۸۱۔

حافظ صلاح الدین یوسف

ایں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان است

جماعت اسلامی کی خدمت میں

مولانا مودودی مرحوم کی قائم کردہ "جماعت اسلامی" ہمارے ملک کی ایک اہم سیاسی اور دینی جماعت ہے جو قیام پاکستان سے اب تک ملک میں نفاذ اسلام کے لئے سرگرم عمل اور کوشاں ہے۔

بلاشبہ ہمیں اس کے بانی مولانا مودودی صاحب سے بھی بعض مسائل میں علمی اختلاف رہا ہے، اور ہے، اور جماعت کی بہت سی پالیسیوں سے بھی عدم اتفاق رہا ہے، اور ہے تاہم ہم نے کبھی مرحوم بانی کے خلاف محاذ بنایا ہے، اور نہ جماعت کے خلاف محاذ آرائی کا راستہ اختیار کیا ہے کیونکہ بہ حیثیت مجموعی بانی جماعت کے سحر انگیز قلم نے اس دور میں اسلام کی ترجمانی اور وکالت کا بہت بڑا کام کیا ہے جس سے لاکھوں افراد متاثر ہوئے ہیں نوجوانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کے اندر اسلام سے وابستگی پیدا ہوئی ہے اور انہوں نے غیر اسلامی نظریات کی یلغار میں اسلامی افکار و تعلیمات کا پرچم سربلند رکھا ہے، جماعت اسلامی کے ذریعے بھی خدمت خلق، اسلامی نظریات کی تبلیغ و اشاعت اور رشد و ہدایت کا کام، دیگر دینی جماعتوں کے مقابلے میں، زیادہ ہو رہا ہے۔

ملت پاکستانیہ کا سیاسی شعور اور دینی فہم جیسا کچھ ہے، اہل دانش و بینش سے مخفی نہیں، اس لئے یہ جماعت ایک نہایت مضبوط تنظیمی ڈھانچہ رکھنے کے باوجود عوامی سطح پر زیادہ مقبول نہیں، علاوہ ازیں فرقہ وارانہ بنیادوں پر جماعت سازی اور سیاست بازی نے بھی اس کی قوت پر کاری ضربیں لگائی ہیں، جس سے اس کی کارکردگی بھی متاثر ہوئی ہے اور اس کے اہداف و مقاصد بھی دور تر ہو گئے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ جماعت ہمارے ملک کی ایک ایسی دینی قوت ہے جو بہت سی کوتاہیوں اور اپنوں اور بیگانوں کی کرم فرمائیوں کے باوصف، مایوسیوں کی اتھاہ تاریکیوں میں امید کی ایک کرن ہے، اُن لاکھوں دلوں کی دھڑکن ہے جو اسلامی جذبات سے معمور ہیں اور ان ولولوں اور سرفروشیوں کی امین ہے جن سے ہر دور کے اصحاب دعوت و عزیمت سرشار رہے ہیں۔

بنا بریں ہم جیسے لوگ کبھی پسند نہیں کریں گے کہ یہ جماعت بھی، دوسری عام سیاسی جماعتوں کی سطح پر اتر کر اپنے اسلامی تشخص سے محروم ہو جائے یا سیاست کی دلدل یا بھول بھلیوں میں پھنس کر اپنی تاریخ ہی کو فراموش کر دے۔ یا اسلامی نظام کی تڑپ اپنے دلوں میں رکھنے والے افراد اس کے کردار و عمل سے ہی مایوس ہو جائیں۔

اور ایسا تب ہی ممکن ہے کہ یہ جماعت عارضی اور وقتی کامیابیوں کے مقابلے میں اصول و نظریات کی پاسداری کو ترجیح دے، اپنے گرد ہجوم عاشقاں جمع کرنے کی بجائے مخلصین و متقین ہی سے رابطہ و تعلق رکھے اور دنیوی یا سیاسی پیش رفت کے مقابلے میں اخروی فلاح اور رضائے الٰہی کو ہی ہمیشہ پیش نظر رکھے، اگر جماعت اسلامی ایسا نہیں کرے گی تو وہ اپنا اسلامی تشخص کھو بیٹھے گی جو ایک بہت بڑا المیہ ہوگا۔

یہ گذارشات ہمیں الدین النصیحۃ کے تحت اس لئے کرنی پڑی ہیں کہ جماعت اسلامی کے موجودہ امیر جناب قاضی حسین احمد صاحب مسلسل ایسے اقدامات کر رہے ہیں جو جماعت کی تاریخ، اس کے عزائم اور مقاصد سے زیادہ مطابقت نہیں رکھتے، اور وہ بتدریج جماعت کو ایک اصولی اور نظریاتی دائرے سے نکال کر ابن الوقت قسم کی سیاسی جماعت کی طرف لے جا رہے ہیں۔

خلیجی جنگ میں قاضی صاحب کی "مذمتِ امریکہ" کے سیاسی عنوان سے صدام جیسے ظالم اور بے دین حکمران کی حمایت نے سعودی عرب اور کویت جیسے مخلصین کو سخت زک پہنچائی بلکہ وہ ان مظلومین کے زخموں پر نمک پاشی تک کرتے رہے۔

آئے دن اس قسم کے بیانات اخبارات میں آتے رہتے ہیں جن سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ جماعت کا پیپلز پارٹی سے سیاسی نکاح یا کم از کم متعہ ہو سکتا ہے۔

سندھ اور کراچی میں فوجی آپریشن کے سلسلے میں قاضی صاحب اور ان کے بعض ہم نواؤں کے بیانات تضاد ہی کے آئینہ دار نہیں بلکہ ان سے سیاسی تخریب کاروں اور دہشت گردوں کی تائید و حمایت کا بھی پہلو نکلتا ہے اور ایم کیو ایم کے ساتھ مفاہمت کا عندیہ بھی۔

ان سب پر مستزاد "پاسبان" تنظیم کے ذریعے سے جماعت کی رہی سہی دینی روح اور جذبے کو ختم کرنے کا زور و شور سے آغاز کر دیا گیا ہے۔ اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے ایک مخصوص شخصیت کو پروجیکٹ کیا جا رہا ہے اور شخصیت پرستی کو فروغ دیا جا رہا ہے جو ایک اصولی اور نظریاتی جماعت کے لئے ایک سمِ قاتل کی حیثیت رکھتی ہے، حالانکہ یہاں بڑے بڑے مردان آہن آئے لیکن وہ آہنی شخصیت کے بل پر کچھ نہیں کر سکے، قاضی صاحب موصوف تو ان کے پاسنگ

بھی نہیں ہیں، قاضی صاحب آکر کیا تیر مارلیں گے۔ پھر

تینوں اکھیاں اُڈیکیاں، آقاضی (قاضی آ! تیری آنکھیں منتظر ہیں) جیسے شخصی نغمے الاپنے کا کیا جواز ہے
یا اکیلے قاضی صاحب ملک میں کوئی انقلاب لاسکتے ہیں؟ کوئی مفید پالیسی نافذ کرسکتے ہیں؟ ظلم وستم اور مہنگائی کی سیاہ
ت کو ختم کرسکتے ہیں، الحاد و بے دینی کے جھکڑوں سے نبرد آزما ہوسکتے ہیں اور اخلاقی انار کی کے طوفان اور فحاشی و عریانی
سیلاب کا رخ موڑ سکتے ہیں؟ یقیناً اکیلے کچھ نہیں کرسکتے۔ جب تک ایک پوری ٹیم۔ اسلامی نظریات میں پختہ اور اسلامی
بے سے سرشار۔ مفید پالیسیاں نہیں بنائے گی، اور پوری انتظامیہ صحیح طریقے سے انہیں نافذ نہیں کرے گی، اس وقت
کسی صحیح تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ ملک گیر سطح پر بھٹو سے زیادہ عوامی لیڈر اور کراچی وحیدر آباد کی سطح پر الطاف
حسین سے زیادہ کامیاب لیڈر شاید کوئی اور نہ پیدا ہو، لیکن بے پناہ صلاحیتوں کے حامل ان افراد نے سوائے جذباتیت
دہشت گردی اور تباہی و بربادی کے۔ ملک کو کیا دیا ہے؟

شخصیات کے یہ نعرے تو صرف وہی "عوامی لیڈر" لگاتے ہیں جن کی پٹاری میں مداری کے سے کرتب دکھانے
الے سامان کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اصول ان کے پاس نہیں ہوتے، نظریات سے عاری ہوتے ہیں اور فکر و نظر کی پختگی و
بلندی سے بھی وہ محروم ہوتے ہیں، صرف ایک شخصیت کا جادو ان کے پاس ہوتا ہے جس سے وہ مداریوں کی طرح ڈگڈگی بجا کر
گرد لوگوں کو جمع کرتے ہیں اور پھر اپنی فنکارانہ مہارت و چابکدستی سے عوام کے ذہنوں پر شبخون مارتے ہیں ان کی آراء
مفلوج کرتے ہیں اور ان کو سبز باغ دکھا کر یا "کالے باغ" سے ڈرا کر ان کی گردنوں پر سوار ہوجاتے ہیں۔

ایسے لوگ بعض دفعہ بلاشبہ ایک طوفان کی طرح ملک پر چھا جاتے ہیں اور اس کے دروبست پر قابض بھی ہوجاتے
ہیں لیکن ملک اور قوم کو ان سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ ان کا کردار سخت تباہ کن ہوتا ہے، مفاد پرست ٹولہ ان کو
گھیرے میں لئے ہوتا ہے اور وہ من مانی کارروائیاں ان سے کرواتے ہیں جن سے چند افراد یا گروہوں کو تو سیاسی و مالی
ائد حاصل ہوجاتے ہیں لیکن ملک اور قوم کو سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ملتا، چنانچہ دیکھ لیجئے ملک اور قوم کو جو
بھٹو نے لگائے، انہیں ہم آج بھی چاٹنے پر مجبور ہیں وہ مندمل نہیں ہورہے ہیں، اور الطاف حسین کے لگائے ہوئے زخم
بھی بالکل تازہ ہیں ان سے لہو اور پیپ رس رہے ہیں جن کے تعفن اور سڑاند سے پورے ملک کے باشندوں نے اپنے
ناکوں پر رومال رکھے ہوئے ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ شخصیت پرستی کی سیاست ہمارے ملک کا سب سے بڑا المیہ بھی ہے اور بے دینی اور خود غرضی

قسم کے لیڈروں کا بہت بڑا حربہ بھی، اگر جماعت اسلامی کا امیر بھی اسی الیے کا شکار یا اسی حربے کا اسیر ہو جائے تو پھر صحیح سیاسی شعور اور دینی فہم رکھنے والے محبِ وطن اور محبِ اسلام سوائے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پڑھنے کے یا۔ اب کسے رہنما کرے کوئی ۔ الا اپنے کے اور کیا کر سکتے ہیں ؟

پھر ان پاسبانوں نے " بھنگڑے " کی اس " ثقافت " کو بھی اپنا لیا جو " جے جالو " کی پیداوار، پیپلز پارٹی کے جیالوں کی شناخت اور دین نا آشنا لوگوں کا وطیرہ ہے اور جسے جماعت اسلامی سمیت صحیح دینی شعور رکھنے والے " کثافت " بے حیائی اور جہالت وغیرہ سے بجا طور پر تعبیر کر رہے ہیں، اور کرتے ہیں۔ اگر نوجوانوں کی ذیلی تنظیم بنا کر اپنی اسلامی تشخص ہی کو ختم کرنا ہے تو کیا اس سے بہتر یہ نہیں ہے کہ یہ امیر محترم اپنے ان پاسبانوں سمیت پیپلز پارٹی میں ہی شامل ہو جائیں جہاں اس " شوق " کے پورا کرنے کا۔ مع اس کے دیگر لوازمات کے۔ مکمل انتظام ہے۔ لہ

نیز اس تنظیم کے پلیٹ فارم سے مزاحیہ خاکوں اور ڈراموں کے ذریعے سے عوام کو اپنی طرف راغب کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ اول تو اس کا جواز ہی محلِ نظر ہے اور اگر " روشن خیالی " کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا جواز تسلیم بھی کر لیا جائے، تب بھی اس کے خطرات و مفاسد اس کے موہوم، منافع سے کہیں زیادہ ہوں گے اور یہ سلسلہ مزید دراز ہوا تو یاد رکھیے کہ ابھی تو " مولوی " کے خلاف ہاتھوں میں پلے کارڈ ہی بلند ہو رہے ہیں، پھر آپ کی دیکھا دیکھی " مولوی " کی وہ بھدان خاکوں اور ڈراموں کے ذریعے سے اڑائی جا سکتی ہے کہ " مولوی " کو معاشرے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہنے دیا جائے گا اور " مولوی " یا " ملاازم " کا نام لے کر دینی اقدار و روایات کی جو مٹی پلید کی جائے گی اس کا تصور زیادہ مشکل نہیں ہے، کیونکہ یہ مذموم مساعی ایک عرصے سے جاری ہیں۔

خیال رہے کہ روزنامہ " جنگ " لاہور (۱۸ اگست ۱۹۹۲ء) میں صفحہ اول پر ریگل چوک میں خواتین کو مظاہرہ کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جنہوں نے جتنے بھی کارڈ اٹھائے ہوئے ہیں سب میں علماء کے خلاف نعرے درج ہیں، بعض نعرے صاف پڑھے نہیں جاتے، جو پڑھے جاتے ہیں، حسبِ ذیل ہیں :

بندے تے رب وچوں مولوی کڈھو ۔ ملا راج نہیں چلے گا ۔ عورت کو ملا کی بدنظر سے بچاؤ، عوام کو ملا کی ... سے بچاؤ ۔ کالے قوانین نامنظور ۔

لہ بلکہ اب " آتش بازی " کو بھی اپنا لیا گیا ہے جو آگ پرستوں کا شعار ہے ۔

معلوم ہے یہ " کالے قوانین " کیا ہیں جنہیں نامنظور کیا جا رہا ہے ، یہ شہادت ، حدود و قصاص اور دیت کے
اسلامی قوانین ہیں جو " ملا " کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں اور جن پر امت کا اجماع
ہے ، عورت کے بارے میں وہ اسلامی تعلیمات وہدایات ہیں جن میں عورتوں کو شرم وحیا اور پردے کا پابند بنایا گیا ہے
اور عریانی وفحاشی سے روکا گیا ہے ، براہ راست چونکہ ان کا نام لے کر مذمت کرنا مشکل ہے اس لئے انہیں کالے قوانین "
کا نام دیا گیا ہے اور " مولوی " کے خلاف نعرہ بازی کا مطلب یہ ہے کہ دین کی وہ تشریح ہمیں منظور نہیں جو چودہ سو سال
سے علماء اسلام کرتے چلے آرہے ہیں ۔ مولوی کو تشریح وتعبیر کا حق نہیں ہے بلکہ اب یہ حق " بے نظیراؤں " اور اس قسم کی
دیگر ان عورتوں اور مردوں کو حاصل ہے جو مغربی تہذیب کی تمام لعنتوں اور قباحتوں پر اسلام کا لیبل لگا کر انہیں
سند جواز دینا اور پھر انہیں یہاں فروغ دینا چاہتے ہیں ۔

بہرحال یہ تو مقطع میں سخن گسترانہ یا جملہ معترضہ کے طور پر بات آگئی ۔ مقصد اس درازنفسی سے یہ ہے کہ مزاحیہ
خاکوں اور ڈراموں کا یہ ہتھیار بے دینوں کے پاس ہی رہنے دیں ، اگر آپ نے بھی اس کا استعمال شروع کر دیا تو اس سے
ان کے حوصلے مزید بڑھیں گے ، ان کی شوخ چشمانہ جسارتوں میں اور اضافہ ہو جائے گا اور علماء کے خاکے ابھی تو صرف
آرٹ سنٹروں کے اسٹیجوں پر ہی اڑ رہے ہیں ، پھر عام سڑکوں اور چوراہوں پر بھی اڑیں گے لاقدّرھا اللہ
ثُمّ لاقدرھا اللہ ۔

پاسبان تنظیم کے اخراجات کا مسئلہ بھی لمحۂ فکریہ ہے ۔ ہمیں معلوم ہے کہ جماعت اسلامی کی طرف سے اس کو
ایک پیسہ بھی نہیں ملتا جب کہ اس کے جلسے ، عدالتیں اور لیزر لائٹ شو جیسے پروگرام ، بے پناہ اخراجات کے بغیر ممکن
نہیں آخر یہ خطیر رقم کہاں سے آرہی ہے ؟ ہم پاکستان میں مسلسل دیکھتے آرہے ہیں کہ بھٹو جیسے بڑے بڑے جاگیردار لیڈر
بھی اپنی سیاسی جہات اور اقتدار کی طالع آزمائی میں اپنی گرہ سے کچھ خرچ نہیں کرتے بلکہ ان کی پشت پر بیرونی سرمایہ
ہوتا ہے یا مخصوص مفادات حاصل کرنے والے اہل صنعت وتجارت کا کالا دھن اور ان دونوں گروہوں کے مخصوص مقاصد
ہوتے ہیں جن کے لئے وہ سرمایہ سیاست بازوں کو مہیا کرتے ہیں ۔ تیسرا طبقہ جو سیاست سے کوئی مفاد حاصل نہیں کرتا
بلکہ وہ اخلاص کے ساتھ اہل سیاست کے ساتھ تعاون کرتا ہے ، اگرچہ اس طبقے کا تعاون بھی اہل سیاست کو حاصل
ہوتا ہے لیکن ان کا تعاون نہایت محدود ہوتا ہے جس سے وہ کوئی بڑا پروگرام مرتب نہیں کر سکتے ۔

قاضی صاحب موصوف کی تنظیم " پاسبان " کے پاس سرمایہ کہاں سے آرہا ہے ؟ ہم اس کی بابت کوئی حاشیہ آرائی

یاالل ٹپ بات کرنا نہیں چاہتے، لیکن اتنا ضرور عرض کریں گے کہ جماعت اسلامی کی ایک ذیلی تنظیم کے سلسلے میں مالیات کی فراہمی کا معاملہ ایک کھلی کتاب کی طرح واضح ہونا چاہیئے، اس میں کسی بھی قسم کا ابہام جماعت اسلامی کی اس ساکھ کو متاثر کرسکتا ہے، جو نصف صدی سے زیادہ عرصے سے قائم ہے یا اس کے امیر کی شخصیت کو داغدار کرسکتا ہے جس کا بے داغ ہونا ضروری ہے۔

ہم قاضی صاحب موصوف کی نیت پر بھی کوئی حملہ نہیں کرتے۔ یقیناً ان کی یہ سوچ کہ نوجوانوں کو اپنے قریب لایا جائے اخلاص پر ہی مبنی ہوگی، جماعت کا ایک حلقہ مزید تحرک اور وسعت کا طالب ہے، یہ سوچ اسی نقطۂ نظر کا ایک عملی اظہار بھی ہوسکتی ہے، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کام بھی اخلاص کے ساتھ کیا جائے وہ نتائج کے لحاظ سے بھی صحیح ہو۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے کام بڑے اخلاص کے ساتھ کئے گئے لیکن ان کے عواقب و نتائج سخت مہلک نکلے۔

قاضی صاحب کی مذکورہ پالیسیوں کے غلط و صحیح ہونے کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان پالیسیوں کی پاکستان کے سیکولر عناصر نے تعریف و تحسین کی ہے، حالانکہ یہ عناصر جماعت اسلامی کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ اسلام دشمنوں کی طرف سے قاضی صاحب کے اقدامات کی تحسین سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قاضی صاحب کی پالیسیاں جماعت اسلامی کو کس طرف لے جارہی ہیں۔

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ
کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یا

مجھ تک کب ان کی بزم میں آتا تھا دورِ جام
ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

(الاعتصام لاہور)

ہندوستان کے عربی مکاتب ومدارس اور ان کے نصابِ ونظام تعلیم وتربیت

مولانا عبدالواحد مدنی

ہندوستان کے عربی مکاتب ومدارس کے نصاب ونظام تعلیم وتربیت پر بعض مخصوص عوامل کی وجہ سے غور کرنا پڑا میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہمارے دینی مکاتب ومدارس تعلیم وتربیت کی جس راہ پر چل رہے ہیں وہ منزل مقصود تک پہنچانے میں قطعی درست نہیں ہیں میں نے اپنے ان احساسات کو زبانی طور پر مختلف مشائخ ودانشوران کی خدمت میں رکھا ہے اور یہ خیال کئی دن سے ذہن میں پیدا ہو رہا تھا کہ اپنے ان احساسات سے بالتفصیل آپ کو مطلع کردں جو خالص تعمیری واصلاحی جذبہ کا نتیجہ ہیں یہ عین ممکن ہے کہ میرے یہ احساسات درست نہ ہوں میں آپ اہل علم ودانش سے اس معاملہ میں رہنمائی کا محتاج ہوں۔

نفس تعلیم کے سلسلہ میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ دینی مکاتب ومدارس کا موجودہ نصاب انتخاب مضامین، انتخاب کتب اور تحدید مقدار خواندگی ہر سہ زاویہ سے محتاج اصلاح وتوجہ ہے۔

۱۔ مکاتب دینیہ کے نصاب میں ایک زبردست خامی جو عموم بلوی کی شکل اختیار کئے ہے وہ قرآن پاک کی تعلیم کا مسئلہ ہے ہمارے مکاتب میں قرآن کی تعلیم پورے پانچ سال تک دی جاتی ہے اور دیدہ ودانستہ قرآن ناظرہ غلط پڑھایا جاتا ہے اسلئے کہ لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ بچے عربی مراحل متوسطہ وثانویہ میں باضابطہ تجوید پڑھیں گے تو قرآن درست ہو جائے گا حالانکہ یہ بات عقلاً ونقلاً بہر دو پہلو انتہائی غلط ہے۔

قرآن کی غلط تعلیم کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ دنیا میں جب بھی کوئی زبان کسی بچہ کو پڑھائی جاتی ہے تو حروف شناسی کے بعد الفاظ وکلمات اور جملوں کے مراحل جب آتے ہیں تو فوراً ساتھ میں معنی بھی پڑھایا جاتا ہے، یہ صرف عربی زبان بلکہ قرآنی ودینی زبان کے ساتھ عجیب وغریب سلوک کیا جاتا ہے کہ پانچ سال اسے صرف تبرک کے طور پر پڑھا جاتا ہے لہذا معانی پڑھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی حالانکہ اگر ہم اپنے نرسری و پرائمری

مکاتب میں اردو، ہندی، انگلش معنی کے ساتھ پڑھا سکتے ہیں اور بہت سی جگہ پڑھاتے بھی ہیں تو قرآن کی تعلیم میں ہمارے لئے اس طریق کار سے پہلوتہی کا وجہ جواز کیا ہے ؟

اسی طرح دینی مکاتب کے درجہ پنجم تک حفظ قرآن کا کوئی اہتمام نہیں ہے حالانکہ عمر کی اس منزل میں حفظ نسبتاً زیادہ آسان ہوتا ہے لہذا درجہ پنجم تک میں کم از کم قرآن کے آخری جزو کا حفظ آخری کورس میں لازمی قرار دے دینا چاہئے ۔

ب ۔ سائنس وجغرافیہ وحساب وغیرہ عصری مضامین کی تعلیم درجہ چہارم وپنجم میں براہ راست ہندی یا انگلش میں دینی چاہئے اسلئے کہ درجہ پنجم کے بعد بچوں کو اگر مذکورہ مضامین پڑھنا ہے تو بہر حال انہیں مذکورہ دونوں زبانوں سے کسی ایک ہی میں پڑھنا ہوگا نہ کہ اردو میں جیسا کہ ہمارے یہاں رائج ہے اس طرح سے درجہ تین تک اردو میں پڑھنے سے اردو اصطلاحات سے بقدر ضرورت واقفیت ہو جائے گی اور پھر عصری مضامین کے لئے مستقبل میں جس زبان سے سابقہ پڑنے والا ہے اسکی اصطلاح سے بھی بچہ مانوس ہو جائے گا ۔

عربی مدارس میں ایک چیز جو فہرست نصاب میں غائب نظر آتی ہے وہ عصری مضامین ہیں تقریباً پون صدی سے مختلف حلقوں سے دینی وعصری مضامین کی یکساں تعلیم دینے کا مشورہ پڑھتے اور سنتے آئے مگر ہنوز اسکا کوئی واضح خاکہ کم از کم میری نظر سے نہیں گذرا، علیگڈھ کے حالیہ سفر میں اہل علم ودانش کے ساتھ تبادلۂ خیال کرتے ہوئے میں نے اس کی طرف توجہ دلائی کہ آخر دینی وعصری مضامین میں تال میل بٹھانے کی کوئی واضح شکل آپ لوگوں کے ذہن میں ہے اگر ہو تو اسے پیش کیجئے مگر شاید ان لوگوں کو بھی اس پر غور کرنے کا موقعہ ابتک نہ مل سکا ہے اس سلسلہ میں طویل غور وخوض اور مطالعہ کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہائی اسکول تک کی انگلش، سائنس اور ریاضی کی تعلیم ٹھوس معیاری عربی پنجم تک لازماً دینی چاہئے اور مدرسہ کی ثانویہ کی سند کو ملک کی مختلف یونیورسٹی میں ہائی اسکول کے مساوی تسلیم کروانے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ ثانویہ کے بعد اگر ایک بچہ کسی کالج یا یونیورسٹی میں گیارہویں کلاس میں داخلہ لینا چاہئے تاکہ انٹر یا بی، ایس، سی پاس کرنے کے بعد کسی میڈیکل کالج یا انجینیرنگ کالج میں داخلہ ہو سکے تو اس کے لئے عصری علوم کے یہ دروازے کھلے ہیں جو ابتک کلی طور پر بند ہیں اور جب تک مدرسہ کی ثانویہ سند یونیورسٹی سے منظور نہ ہو تو طلبہ کے لئے ہائی اسکول تک مذکورہ بالا تینوں عصری مضامین کا نظم کرنا چاہئے ۔

جونیر ہائی اسکول تک مذکورہ بالا تینوں عصری مضامین کے ساتھ (ہندی، تاریخ وجغرافیہ) بھی پڑھانا چاہئے اور یہ

نوں مضامین ہفتہ میں دو دو دن پڑھائے جائیں اسطرح عربی سوم تک ہمیں چار گھنٹے عصری مضامین کے لیے رکھنی پڑیگی۔

ہمارے عربی مدارس میں دینی و عربی مضامین کا ازسر نو ترتیب و انتخاب ہونا چاہئے، اسلئے کہ یہ بات تقریباً واضح ہے اٹھ سال مکمل و مسلسل عربی پڑھنے کے باوجود طلبہ میں عربی لکھنے، بولنے کی مطلوبہ استعداد ناپید ہوتی ہے اس سلسلہ میں ل نقص مجھے یہ محسوس ہوا کہ ہم لوگ عربی مدارس میں زبان پڑھانے کا سلسلہ جوں ہی شروع کرتے ہیں نحو اور صرف بھی پڑھانا روع کر دیتے ہیں حالانکہ عربی اول میں نحو و صرف سمجھنے کی عموماً استعداد نہیں ہوتی اور گرامر بالخصوص نحو حفظ سے زیادہ فہم ے متعلق ہے اور زبان کی تعلیم و تلقین کا یہ طریقہ غیر فطری ہے. زبان کی تعلیم کے ساتھ جب ہم گرامر بھی شروع کر دیتے ں تو گویا ہم بچہ کی زبان پر زنجیر لگا دیتے ہیں اور اس طرح اس کے یہاں روانی نہیں پیدا ہو پاتی. اس لئے کم از کم ایک سال تک رف عربی نصوص اور مفردات زیادہ سے زیادہ پڑھائے جائیں اور نحو و صرف کی زنجیر سے اس کے ذہن و زبان کو قید نہ کیا جائے سلئے کہ بہر حال زبان وجود میں بھی پہلے ہے قواعد بہت بعد میں پیدا ہوئے ہیں ۔

ہم لوگ عربی اول سے غالباً عربی چہارم یا پنجم تک نحو اور صرف مستقل پڑھاتے ہیں مگر قواعد کی تمرین اور آزادانہ مشق ہیں ہوتی جسکے نتیجہ میں چار پانچ سال پڑھنے کے باوجود طالب علم کے اندر قواعد کی تطبیق کی صلاحیت پیدا نہیں ہو پاتی اس ، پہلی بات تو یہ کہ قواعد عربیہ کے لئے صرف ایک گھنٹی ہونی چاہئے اور نحو و صرف کو ہفتہ میں تین تین دن پڑھایا جائے وسری بات یہ کہ ھدایۃ النحو، امین الصیغہ کی بجائے ایسی جدید کتابوں کا انتخاب کیا جائے جنہیں قواعد کو آسان جدید اور سادہ لی زبان میں بلا کسی تعقید کے بیان کیا گیا ہو اور ساتھ میں اسکی تطبیق و تمرین بھی ہوتی رہے اگر تین سال عربی دوم، عربی سوم ربی چہارم یہ تین سال اسکے لئے مخصوص کر لئے جائیں اور مباحث قواعد عربیہ اس طرح تینوں سال میں تقسیم کر دی جائے کہ تمام مباحث و صرف بلا تکرار تین سال میں سادہ اسلوب میں پڑھا دیئے جائیں ۔

اکثر مضامین کی طرح نحو و صرف کے نصاب میں بھی ہمارے یہاں مباحث کا غیر موزوں تکرار ہے ۔ ہم اسم فعل کی تعریف قسام وغیرہ تقریباً ہر سال پڑھاتے ہیں جو قطعی درست نہیں ہے ۔

ب و انشاء کی تعلیم و تدریس میں ہمارے یہاں کا انداز خالص تقلیدی ہے اسمیں کوئی ابتکار نہیں ادب کی کتاب میں عموماً ترجمہ شریح کافی سمجھ لیا جاتا ہے جو غلط ہے. انگریزی زبان و ادب کی کتابوں کو اگر دیکھا جائے بالخصوص انگلش میڈیم کے نصاب تابوں کو تو ہر سبق کے بعد مشق اور سوال و جواب کا طویل سلسلہ نظر آئے گا جس کے بعد پورا سبق بچہ سمجھ بھی لیتا ہے اور قواعد کی [illegible] بھی کرتا جاتا ہے ۔

اب تک میری نظر سے ہندوستان میں عربی کی کوئی ایسی کتاب نہیں گذری جس میں سبق ختم ہونے کے بعد سوال وجوا یا خالی جگہ پُر کرنے وغیرہ کا سلسلہ ہو۔

مثلاً القراءۃ الرشیدہ یا منثورات کا ایک سبق ختم ہوا نیچے (Exersise) میں کتاب میں بیان کردہ امور کے لئے عر میں سوالات وضع کر دیئے تاکہ طالب علم عربی میں اسکا جواب لکھ کر لائے ثانیاً سبق میں وارد الفاظ واسماء و مشتقات نیچے سوال کے کالم میں لکھ کر انکی نوعیت، باب اور صیغہ وغیرہ دریافت کرلیا۔ سبق میں آنے والے جملوں میں چند جملے نیچے لکھ کر ان کی ترکیب پوچھی جائے اگر اس طرح کی کوئی کتاب تیار کردی جائے تو انشاء اللہ کم وقت میں ہمارے طلبہ کو زبان وقواعد پر عبور حاصل ہوجائے گا اور اکسرسائز کا کام لازماً وہ اپنے گھر یا ہاسٹل سے تیار کرکے خود لائے گا اس کے پاس (HOME WORK) بھی رہے جس سے وہ ہاسٹل میں مصروف رہ سکے گا۔

انشاء میں معلم الانشاء کی لفظ بلفظ پابندی طلبہ کے ترجمہ وانشاء کی صلاحیت کے لئے انتہائی زیادہ مضر ہے اس کتاب کی حیثیت صرف ابتدائی کورس کی ہونی چاہئے لہٰذا مدرس کو کتاب میں لکھے گئے جملوں جیسے دوسرے آزاد جملے لازماً لکھوانا چاہئے اور عربی چہارم وپنجم ششم ہفتم میں تو عربی وار دو اخبارات کے آسان چھوٹے چھوٹے اقتباسات دینے چاہئے نہ کہ معلم الانشاء سے انشاء کا کام لیا جائے ظاہر ہے اس کام کے لئے نسبتاً زیادہ باصلاحیت اساتذہ کی ضرورت مدارس کو

حدیث کے نصاب کے سلسلہ میں پہلی خرابی تو یہ ہے کہ آج تک ہم لوگوں نے صرف کتاب الطہارہ وکتاب الصلوۃ محنت سے پڑھایا اسلئے کہ بیشتر کتب حدیث بعض فنی مقاصد کے تحت اسی ترتیب پر ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بلوغ المرام، مشکوۃ، صحیحین اور بیشتر کتب سنن میں غیر مفید وغیر ضروری تکرار صرف ہوتا ہے، اسلئے پہلا کام تو یہ ضروری ہے کہ ان کتابوں کے منتخب ابواب پڑھائے جائیں اور ابواب کے انتخاب میں لحاظ رہے کہ جس کتاب میں زیادہ جامع ہوں انہیں اسی کتاب میں پڑھایا جائے اور اسطرح ابواب حدیث کا انتخاب ہو کہ تکرار بھی نہ ہو اور طالب علم بسہولت تمام مباحث وابواب کتب حدیث پڑھ بھی لے، ہم لوگوں نے ابتک شاید کبھی غور نہیں کیا کہ سال میں کتنے دن پڑھائی ہوتی ہے اور ایک کتاب کو روزانہ کتنے منٹ کی گھنٹی ملتی ہے، اور کیا یہ ضخیم کتاب اتنے دنوں میں قاعدے سے پوری بھی ہوسکتی ہے یا نہیں حالانکہ تعلیمی نظام کو استوار کرنے کے لئے یہ چیزیں بیحد اہم ہیں اگر کتب احادیث کی تدریس وتعلیم میں ہم ابواب کی تقسیم وانتخاب کا کام کرلیں تو حدیث کے دوسرے اہم مضامین مثلاً دفاع عن السنۃ تدوین السنۃ رجال اور جرح وتعدیل کے لئے بھی کچھ گھنٹیاں مخصوص کرسکیں گے جب کہ تجربہ ومشاہدہ شاہد ہے کہ رجال وجرح وتعدیل پڑھائے بغیر ایک طالب علم کے یہاں کسی حدیث پر فن کی روشنی میں صحت وضعف وحسن یا وضع کا حکم لگانے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی آج ہندوستانی

بحدیث مدارس کے فارغین و مشائخ حدیث پر ضعیف و صحیح و موضوع کا حکم لگانے میں عموماً تقلیدی ذہن رکھتے ہیں اپنے طور پر نہیں بتا سکتے کہ یہ حدیث کیسی ہے حالاں کہ یہ علمی شان کے منافی چیز ہے ۔

فقہ واصول فقہ کے سلسلہ میں عرض ہے کہ یہ فنون عہد نبوی وصحابہ کے بعد کی پیداوار ہیں اور کتاب وسنت کی تدریس کے بعد فقہ واصول فقہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے اس لئے براہ کرم کم از کم ثانویہ تک فقہ واصول کی کوئی کتاب ہرگز نہ پڑھائی جائے تاکہ مبتدی طالب علم براہ راست کتاب وسنت اور صرف کتاب وسنت سے متعارف رہے ۔

ہم لوگ قدوری وشرح وقایہ اول ودوم سے ابتک کیوں چپکے ہیں تاہنوز میں اسکی علت سمجھ نہ سکا حالانکہ درس نظامیہ میں قدوری جب پڑھائی جاتی تھی تو شرح وقایہ نہیں اور جب شرح وقایہ پڑھائی جانے لگی تو قدوری نکال دی گئی مگر ہم نہ جانے کیوں ان دونوں کتابوں کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں ۔

حدیث وفقہ حنفی کی تفصیلات میں جگہ جگہ تضاد موجود ہے، کیا مبتدی طالب علم کو متضاد تعلیم دے کر ہم اس کے ذہن کو انتشار وبے اطمینانی کی نذر نہیں کرتے ۔

اس لئے میری استدعا ہے کہ اہلحدیث مدارس سے عربی پنجم تک فقہ واصول کی کوئی کتاب ہرگز نہ پڑھائی جائے ، فقہ حنفی کی حقیقت بتلانی مقصود ہو تو کسی بھی درجہ میں حقیقت الفقہ مطالعہ میں کردی جائے وہ زیادہ کارآمد ثابت ہوگی

ترجمہ قرآن وتفسیر کی بابت بھی بعض احساسات ہیں مگر طوالت کے باعث نہیں قلم روک رہا ہوں علاوہ ازیں نصاب کے علاوہ نظام تعلیم بھی محتاج اصلاح ہے اور تربیت کا موضوع بھی ۔

تربیت کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ طالب علم نماز پڑھے، کرتا پاجامہ پہنے، سر پہ ٹوپی رکھے، سر کے بال چھوٹے رہیں بس یہی تربیت ہے، یہ تربیت کا انتہائی ناقص اور ادھورا تصور ہے ۔

تعلیم وتربیت میں بھی ہمیں اسوۂ نبوی کو مشعلِ راہ بنانی ازحد ضروری ہے، سنت نبوی کو چند بندھے ٹکے فروعی مسائل تک عملاً محدود رکھنا غلط ہے، تربیت کے سلسلہ میں طلبہ کی نفسیات کا مطالعہ اور ان کے اندر اصلاح کے فطری وسائل پر غور اور انکا استعمال ہونا چاہئے، طلبہ کو بہت زیادہ پابند بنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی کالج یونیورسٹی یا آزاد ماحول میں پہونچتے ہیں تو اخلاق وشرع کی وہ بیشتر حدود پامال کر ڈالتے ہیں جنکی جرأت انگریزی کالج کا مسلمان بچہ بھی بسا اوقات نہیں کر سکتا ۔

مدارس کی ایک عام بیماری یہ ہے کہ تعلیم وتربیت کے زوال وانحطاط پر ہم سنجیدگی کے ساتھ ٹھنڈے دل ودماغ سے غور کرنے پر آمادہ نہیں، اساتذہ وذمہ داران عموماً طلبہ کے تعلیمی زوال وتربیتی انحطاط کا ذمہ دار صرف طلبہ کو گردانتے ہیں، اور اپنی

کوتاہیوں، اپنے نظام کی کوتاہیوں پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کرتے حالانکہ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ طلبہ کے تعلیمی وتربیتی بگاڑ کی بیشتر ذمہ داری انتظامیہ، اساتذہ اور انکے رائج نصاب ونظام تعلیم وتربیت پر ہے۔

میں نے تعلیم وتربیت کے تئیں اپنے دلی درد وکرب کا اظہار آپ کے سامنے صرف اس لئے کیا ہے کہ آپ اگر اس سلسلے میں کوئی بروقت اقدام کریں گے تو اس کے دوررس اثرات انشاء اللہ مرتب ہوں گے میری خواہش ہے کہ مادر علمی جامعہ سلفیہ ابتدائیہ متوسط، ثانویہ، عالمیہ، اور تخصص کے لئے ازسرِ نو مخصوص نصاب تعلیم تشکیل دینے کے لئے مستقبل میں کوئی اجلاس یا سیمینار طلب کرے جس میں جماعتی عہدیداروں کے بجائے موضوع سے متعلق مفید اور باصلاحیت افراد کو بلایا جائے اور غور وخوض اور تبادلۂ خیال کے بعد ایک تفصیلی نصاب ایسا تشکیل دے دیا جائے کہ ثانویہ تک دینی وعصری علوم کا ایسا جامع نصاب ہو کہ عربی درجے کے طالب علم کو علم کی کوئی راہ اپنے سامنے مسدود نہ نظر آئے اور ایک مستقل نصاب کمیٹی تشکیل دے دی جائے جو ہر سال نصاب پر غور کر کے زمانہ اور حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق دینی وشرعی حدود میں رہتے ہوئے مناسب حذف واضافہ کرتی رہے۔

حمد

از، محسنؔ حبیب حیدرآبادی، بنارس

اے ربّ ذوالجلال ، تری شان وحدہٗ
بے مثل، بے مثال ، تری شان وحدہٗ
آگاہ از خیال ، تری شان وحدہٗ
ہے غیب تجھ کو حال ، تری شان وحدہٗ
انجامِ ہر نفس ہے زوال و فنا مگر
اک تو ہی لازوال ، تری شان وحدہٗ
یہ بحر و بر، یہ شمس و قمر، خوشنوا طیور
ہر شئی ہے اک سوال، تری شان وحدہٗ
تجھ سے نہ مانگے ، شاہ گدا ہو فقیر ہو
ہے کس کی یہ مجال ، تری شان وحدہٗ
اک تیرے کُن کے بعد کہاں جنبش دہن
پھر کیا ہو قیل وقال ، تری شان وحدہٗ
محسنؔ کہ قیدِ زیر و زبر ، قیدِ صبح و شام
دائم ترا کمال ، تری شان وحدہٗ

کوائف جامعہ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کی مجلسِ منتظمہ کے اجلاس کی مختصر رپورٹ

مورخہ ۵ رجمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۹۲ء بروز یکشنبہ جامعہ سلفیہ کی مجلس منتظمہ کا سالانہ اجلاس لائبریری ہال میں منعقد ہوا جس میں مجلس کے ممبران وخصوصی مدعوین کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔

اجلاس کا آغاز مولانا عبداللہ سعود صاحب نائب ناظم کی تلاوت قرآن کریم سے ہوا، ——— اس کے بعد ناظم اعلیٰ جناب مولانا شاہد جنید صاحب نے مجلس کے ان نئے ممبران کا خیر مقدم کیا جنہیں مرکزی جمعیۃ اہل حدیث ہند نے مجلس کے لئے نامزد کیا ہے، پھر مرکزی جمعیۃ کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب نے ان ممبران کا تعارف پیش کیا۔ اس کے بعد جامعہ کے ناظم اعلیٰ نے سابقہ اجلاس کی کارروائی پڑھ کر سنایا جس کی توثیق مختصر استفسار کے بعد ہوگئی۔ سابقہ کارروائی کی توثیق کے بعد جامعہ کی تعلیمی رپورٹ پیش کی گئی جس میں جامعہ کی جملہ تعلیمی سرگرمیوں کا مفصل جائزہ لیا گیا تھا، اسی طرح بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے اساتذہ کے لئے جامعہ میں جو تربیتی کورس ۱۵ر اکتوبر سے ۱۵ر نومبر ۹۲ء تک کے لئے شروع کیا گیا ہے۔ اس کا بھی تذکرہ تھا۔ طلبہ کی علمی ترقی کے پیش نظر جامعہ میں جو تقریری وتحریری مقابلے منعقد ہوتے ہیں ان پر روشنی ڈالی گئی، اسی طرح ان اداروں کا تذکرہ کیا گیا جن کا جامعہ کے ساتھ تعلیمی الحاق منظور ہے، اور جامعہ ان کو مطلوبہ علمی تعاون پیش کرتا ہے۔ اس رپورٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے مجلس کے محترم اراکین نے جامعہ کی تعلیمی سرپرستی ورہنمائی کو مزید وسیع کرنے پر زور دیا تاکہ جماعت کے مرکزی ادارہ کے ساتھ دیگر جماعتی اداروں کے تعلقات اور زیادہ مضبوط ہوں اور ان کے مابین ربط وتعاون کے رجحان کو فروغ ملے، اور جامعہ سلفیہ اپنی بہتر ومؤثر کارکردگی سے سلفیوں کا مرکز بن جائے۔

تبلیغی رپورٹ میں مختصر طور پر ان خدمات کا تذکرہ کیا گیا جنہیں مختلف اوقات میں جامعہ کے اساتذہ

انجام دیتے ہیں، شہر اور اس کے قرب وجوار میں اساتذہ جمعہ کا خطبہ دیتے ہیں، اور تبلیغی اجتماعات میں شرکت کرتے ہیں، اسی طرح ملک کے مختلف حصوں میں منعقد ہونے والے جماعتی دعوتی پروگراموں میں وہ جامعہ کے خرچ پر شرکت کرتے ہیں جس کے بہت اچھے نتائج سامنے آرہے ہیں، لیکن اس خدمت کو جس وسیع پیمانے پر انجام دینے کی ضرورت ہے ابھی جامعہ کی طرف سے اس کا انتظام نہیں ہوسکا ہے۔ تبلیغ وتعارف کا دائرہ وسیع کرنے کے لئے وہ سابقہ تجویز دہرائی گئی جس میں سفارش کی گئی تھی کہ جامعہ کی طرف سے ذمہ داران ومدرسین پر مشتمل وفود ملک کے مختلف حصوں کا دورہ کریں اور عوام کو جامعہ کی کارکردگی نیز اس کے منصوبوں اور ضرورتوں سے آگاہ کریں، اور ساتھ ہی تبلیغی خدمت بھی انجام دیں۔

جامعہ کے شعبۂ تصنیف وترجمہ یعنی ادارۃ البحوث الاسلامیہ کی رپورٹ میں اجمالی طور پر ان کتابوں کی تعداد ذکر کی گئی جو اب تک شائع ہوچکی ہیں، یہ تقریباً دوسو ہیں، پھر ان کتابوں کا تذکرہ ہوا جو پچھلے ایک سال کی مدت میں شائع ہوئی ہیں، اس کے بعد ان کتابوں کی تفصیل ذکر کی گئی جو زیر طباعت ہیں یا جن کی تصنیف یا ترجمہ کا کام جاری ہے۔ ادارۃ البحوث کی تصنیفی واشاعتی سرگرمیوں کی تفصیل سن کر حاضرین مجلس نے اس بات پر زور دیا کہ ان کتابوں کی توزیع وفروخت کے سلسلہ میں ہمدردانِ جماعت کو توجہ دینے کی ضرورت ہے، کیونکہ ان کے ذریعہ ملت وجماعت کی بہترین خدمت انجام پاسکتی ہے۔

جامعہ کے نائب صدر اور مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے امیر جناب مولانا مختار احمد ندوی نے مشورہ دیا کہ جماعت اہل حدیث کے اصول ومقاصد کی تشریح وتائید میں ایسی کتابوں کی تیاری ضروری ہے جن سے علمی وفکری سطح پر جماعت کو تقویت حاصل ہو۔

ضمنی طور پر نصاب تعلیم کا تذکرہ بھی آیا، اس سلسلہ میں مجلس نے یہ مناسب سمجھا کہ نصاب کی اصلاح وترمیم پر غور کرنے کے لئے علیحدہ کمیٹی کی تشکیل مناسب ہے۔

اجلاس میں ناظم اعلیٰ نے تعمیری رپورٹ پیش کی جس میں پچھلے دنوں جامعہ میں بعض کمروں کی تعمیر کے تذکرہ کے بعد یہ بتایا کہ اس وقت کلیۃ البنات کی تعمیر کا کام جاری ہے اور جلد ہی جامعہ کی مرکزی لائبریری کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوگا، ان شاء اللہ۔ لڑکیوں کی تعلیم اس وقت ہائی اسکول تک ہورہی ہے، مذکورہ کلیہ تعمیر ہو جانے کے بعد بی اے تک تعلیم کی سہولت فراہم ہوجائے گی۔ لائبریری کی توسیع کی ضرورت کا احساس عرصہ سے تھا، پچھلے دنوں یہ طے پایا کہ

جامعہ کے جنوب مغرب میں جو زمین موجود ہے اس پر اس طرح لائبریری تعمیر کی جائے کہ تیسری اور چوتھی منزل پر اساتذہ کے لئے رہائش کا بھی انتظام ہو جائے۔

جامعہ کے بجٹ پر غور کے ضمن میں اس بات پر زور دیا گیا کہ جامعہ کے لئے مستقل ذرائع آمدنی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ جماعت کا مرکزی ادارہ اپنی ذمہ داریوں کو بہتر طور پر انجام دے سکے۔ اس دفعہ پر تبادلۂ خیال کے ضمن میں مجلس کے بعض اراکین نے اس احساس کا اظہار کیا کہ جماعت کے افراد کی مرکزی دارالعلوم سے وابستگی کمزور ہے، ادارہ کی مرکزیت کا تقاضہ یہ ہے کہ جماعت کے تمام افراد اس ادارہ کے لئے زیادہ سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کریں، اور اس کی متنوع ضرورتوں کی تکمیل کے لئے کوشش کریں۔ امیر محترم نے مالیات سے متعلق ایک ذیلی کمیٹی کی تشکیل کا مشورہ دیا جو جامعہ کے مالی مسائل کو حل کرنے کے لئے کوشش کرے۔

دیگر امور باجازت صدر میں جامعہ کی وسیع کارکردگی کا موضوع دوبارہ زیر بحث آیا، اور یہ تجویز پیش کی گئی کہ ہندوستان کے تمام سلفی اداروں کی رہنمائی کے لئے جامعہ سلفیہ اپنی کوششیں مزید وسیع کرے، اور تمام اداروں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے اس طرح کوشش کرے کہ یہ ادارے جامعہ کو اپنا جماعتی قبلہ تصور کریں، اور تعلیمی میدان میں اس کے منصوبوں کی تنفیذ کریں۔ اس سلسلہ میں جامعہ اور جمعیۃ کے مابین مزید تعاون و تنسیق کی ضرورت پر زور دیا گیا تاکہ دونوں ادارے فکری و علمی ہم آہنگی کے ساتھ جماعتی مقاصد کے حصول کی راہ میں آگے بڑھ سکیں، باہمی تعاون کی اس پالیسی کے نتیجہ میں جامعہ کے مالی مسائل کو حل کرنے میں بھی مدد ملے گی، اور جماعت کے تمام افراد اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے۔

دہلی میں اہل حدیث منزل کو مرکزی جمعیۃ اہل حدیث کے نام منتقل کرنے کی تجویز جامعہ کی مجلس نے بہت پہلے منظور کر دی تھی، اس مجلس میں جامعہ کے ناظم اعلیٰ نے اعلان فرمایا کہ جامعہ سلفیہ اہل حدیث منزل کے اپنے حصہ کو جمعیۃ اہل حدیث کے نام وقف کرتا ہے، اس سلسلہ میں جو ضروری کارروائی ہوگی اسے ناظم اعلیٰ صاحب انجام دیں گے۔ اس اعلان کے بعد جمعیۃ کی طرف سے جامعہ کا شکریہ ادا کیا گیا، اور باہمی تعاون کی مزید تقویت پر زور دیا گیا۔

یہ اجلاس محترم مولانا عبدالرؤف رحمانی جھنڈانگری صاحب کی دعا پر اختتام پذیر ہوا۔

جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) بنارس
میں
۲ روزہ صحافتی مذاکرۂ علمیہ

اسلامی صحافت کو مفید و مؤثر، تعمیری اور بامقصد بنانے کی خاطر جماعت اہلحدیث ہند کی دینی و ثقافتی و دعوتی مرکزی درسگاہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دار العلوم) نے مورخہ ۲/۳ نومبر ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ و سہ شنبہ کو ایک مذاکرہ علمیہ (سیمینار) کے انعقاد کا اعلان کیا تھا۔ جو ایک اندازے کے مطابق اپنی نوعیت کے اعتبار سے کم از کم ہندوستان کی سطح پر پہلا قدم تھا۔

اعلان کے مطابق وقت مقررہ پر ۲ نومبر ۱۹۹۲ء ۱۰ بجے صبح ایک افتتاحی تقریب سے مذکورہ سیمینار شروع ہوا۔ اس کے مسلسل دو دنوں تک چار نشستیں منعقد ہوئیں جن میں مختلف مقامات سے تشریف لائے ہوئے متعدد دینی و ثقافتی جرائد و رسائل کے مالکان و مدیران نے شرکت کی اور تبادلۂ خیال میں بھرپور حصہ لیا۔

مذاکرہ میں شرکت کرنے والے مہمانان گرامی

خطیب الاسلام مولانا عبد الرؤف رحمانی صاحب	مہمان خصوصی
ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب	ایڈیٹر ماہنامہ صوت الامۃ (عربی) بنارس
مولانا عبد الوہاب حجازی صاحب	ایڈیٹر ماہنامہ محدث بنارس
مولانا عبد الوہاب خلجی صاحب	چیف ایڈیٹر ہفت روزہ جریدہ ترجمان دہلی
جناب محمد سلیمان صابر صاحب	ایڈیٹر جریدہ ترجمان دہلی
مولانا عبد اللہ مدنی صاحب	چیف ایڈیٹر ماہنامہ نور توحید نیپال
مولانا عبد المنان سلفی صاحب	" " "
مولانا جمیل احمد صاحب	چیف ایڈیٹر ماہنامہ آثار مئو

۹۔ مولانا محمد احمد اثری صاحب — ایڈیٹر ماہنامہ آثار مئو
۱۰۔ مولانا رفیق احمد سلفی صاحب — ایڈیٹر ماہنامہ التوعیہ دہلی
۱۱۔ مولانا عبدالواحد مدنی صاحب — مندوب سہ ماہی اعتدال ڈومریا گنج سدھارتھ نگر
۱۲۔ مولانا شکیل احمد سلفی صاحب — ایڈیٹر پندرہ روزہ الہدیٰ دربھنگہ
۱۳۔ مولانا عبدالواجد فیضی صاحب — سب ایڈیٹر ماہنامہ نوائے اسلام دہلی
۱۴۔ جناب کاکا سعید صاحب — سکریٹری جامعہ دارالسلام عمرآباد
۱۵۔ ڈاکٹر عبداللہ جولم نیپالی صاحب — مندوب ماہنامہ راہ اعتدال عمرآباد
۱۶۔ مولانا شہاب الدین مدنی صاحب — سب ایڈیٹر سہ ماہی ترجمان السنہ بریلی
۱۷۔ ڈاکٹر شمس الحق عثمانی صاحب — مندوب اصلاح سماج (ہندی) دہلی
۱۸۔ مولانا ابوالکلام احمد صاحب — چیف ایڈیٹر ماہنامہ الرحیق دہلی
۱۹ — مندوب ماہنامہ الاسلام دہلی
۲۰ مولانا فضل الرحمٰن صاحب — ہفتہ وار بنکر پردکتا (ہندی) مئو

افتتاحی تقریب جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب وکیل جامعہ سلفیہ حفظہ اللہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی نظامت کے فرائض جناب مولانا عبدالوہاب خلجی صاحب، ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند انجام دے رہے تھے۔ تلاوت کلام پاک اور حمد باری تعالیٰ کے بعد ناظم جلسہ نے اپنے افتتاحی کلمات میں مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مذاکرہ علمیہ کے اغراض ومقاصد کی وضاحت کی۔ صحافتی میدان میں علمائے سلف کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے وقت حاضر میں جماعت وملت کو درپیش مختلف چیلنجوں کی جانب اشارہ کیا اور بتلایا کہ ان چیلنجوں کا صحافت کے توسط سے کس طرح مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ اسلامی صحافت کی بعض کمزوریوں کو واضح کرتے ہوئے ان وسائل وذرائع کی جانب بھی اشارہ کیا جن کو بروئے کار لاکر ان کمزوریوں کا ازالہ کیا جاسکتا ہے۔

افتتاحی کلمات کے بعد وفود نے اپنے تاثرات پیش فرمائے۔ اور تمام لوگوں نے اپنے تاثراتی کلمات میں جامعہ سلفیہ کے اس اقدام کو سراہا۔ اور اسے وقت کی ضرورت قرار دیا، موجودہ دور میں اسلامی صحافت کو منظم اور معیاری بنانے پر زور دیتے ہوئے اور اپنے اپنے انداز میں اس کے طرق ووسائل کا ذکر کرتے ہوئے ہر ایک نے ایک عظیم صحافتی کانفرنس کے انعقاد کو ضروری قرار دیا جو کم از کم اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ ہر ایک کے دل میں یہ احساس پایا جاتا ہے کہ ہماری صحافت کے اندر کچھ کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ جن کا ازالہ از حد ضروری ہے۔

اخیر میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب نے مہمانان گرامی کو خوش آمدید کہا اور جامعہ کی
از پر لبیک کہہ کر جن مدیران و مالکان جرائد و رسائل نے زندگی اور حرکت کا ثبوت دیا ان کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے
ئے مذاکرہ علمیہ کو اگلے مرحلہ کے لیے تمہید اور پیش خیمہ قرار دیا موصوف نے مذاکرہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے
ضح کیا کہ کس طرح جامعہ کے ذہن میں اس صحافتی مذاکرہ کی بات آئی اور اس سلسلہ میں اس نے کیا کیا تدابیر اختیار کیں۔
ی طرح موصوف نے اپنے صدارتی کلمات میں اسلامی صحافت سے متعلق غور طلب امور کی نشاندہی کرتے ہوئے مرکزی جمعیت
ہلحدیث ہند کے اس منصوبہ کیجانب بھی اشارہ کیا جسے جمعیت نے ملک کی مسلم صحافت کی تہذیب و رہنمائی کے لیے تیار
یا ہے۔

صدارتی کلمات کے بعد افتتاحی تقریب کے اختتام کا اعلان کیا گیا اس کے بعد چار نشستیں ہوئیں جن میں اسلامی صحافت
ے متعلق متعدد مقالات پڑھے گئے اور کھلے ذہن کے ساتھ مختلف موضوعات پر مفید تقاش اور بحث و مباحثے ہوئےکہایک
نشست میں تجاویز کمیٹی کی جانب سے تجاویز و قرار داد کا ایک خاکہ پیش کیا گیا جو بارہ دفعات پر مشتمل تھیں۔ ان میں ہر ایک
بند پر مدیران جرائد و رسائل نے کھل کر تبادلۂ خیال کیا اور اختتامی نشست میں جو دوسرے دن بعد نماز مغرب منعقد ہوئی تمام
شرکاء نے پیش کردہ تجاویز کو مختصر تبدیلیوں کے ساتھ منظور کر لیا منظور کردہ تمام تجاویز اسلامی صحافت کو با مقصد و معیاری
بنانے میں ممد و معاون ثابت ہوں گی۔ انشاء اللہ، ان میں سب سے اہم تجویز مادی پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے اردو
ہندی میں ایک ایسے روزنامہ یا سہ روزہ اخبار کا اجراء ہے جو ملت کے مسائل سے گہری دلچسپی کے ساتھ اسلام کے پیغام کو
ہندوان وطن تک پہونچانے کا اور ہندوستانی سماج کی خدمت اور سماج کی صحیح خطوط پر تعمیر کا کام انجام دے۔

تجاویز پر عمل درآمد اور اس کے جائزہ کے لیے، اور آئندہ بڑی کانفرنس جلد از جلد منعقد کرنے کے لیے ضروری انتظامات
کے سلسلے میں ایک کمیٹی کی تشکیل بھی عمل میں آئی۔ بعدہ مہمانان گرامی کیجانب سے جامعہ کا شکریہ ادا کیا گیا۔ اور جامعہ نے بھی
اپنی آواز پر لبیک کہنے والے مہمانان گرامی کا شکریہ ادا کیا اور میزبانی میں کسی قسم کی تقصیر اور کوتاہی پر معذرت کرتے
ہوئے دعائیہ کلمات پر مذاکرہ کے اختتام کا اعلان کیا۔

جماعتی صحافت سے متعلق اس تمہیدی مذاکرہ علمیہ اور اس میں مدیران و مالکان جرائد و رسائل کی شمولیت
اور ان کے تاثرات و نظریات سننے کے بعد بہت سے مخفی پہلو ظاہر ہوئے اور ساتھ ہی کچھ خوش کن و خوش آئند
باتیں بھی سامنے آئیں جن سے مذاکرہ کی عمومی کامیابی اور اس کے نتیجہ خیز و بار آور ہونے کی ضمانت ملتی ہے خوش آئند

باتوں میں سب سے اہم یہی بات ہے کہ جملہ شرکاء کے یہاں جماعتی صحافت کی کمزوریوں کا احساس اور ان کے ازالہ او
کے بعد صحافت کو دعوت اسلام اور جماعتی کاز کے لیے صحیح طور پر استعمال کرنے کا جذبہ کارفرما تھا۔

واضح ہو کہ افتتاحی تقریب سمیت تمام نشستوں میں متعدد جماعتی شعراء حاضرین کو حمد و نعت پر مشتمل روح
و دلنشیں کلام سے نوازتے رہے۔ اسی طرح مذاکرہ کی پہلی شب (یعنی ۲ر نومبر دوشنبہ کی شب) میں ایک اجتماع عام کا بھی
اہتمام کیا گیا تھا جس میں خطیب الاسلام حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ مدرسہ سراج ال
جھنڈانگر، مولانا عبدالوہاب صاحب خلجی حفظہ اللہ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند اور مولانا عبداللہ عبدالتواب صا
نیپالی صدر مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ للبنات کی تقریریں ہوئیں۔ اس اجتماع میں بنارس و مضافات بنارس سے بے شمار لوگو
نے شرکت کی، اور علمائے کرام کی تقریروں سے مستفید ہوئے۔

مذاکرہ علمیہ میں پڑھے گئے جملہ مقالات بشمول پاس کردہ تجاویز محدث کے اگلے خصوصی شمارے میں شائع کیے جائیں
انشاء اللہ۔

(ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری)

دعاءِ صحت کی درخواست

جناب حسن منظور حسن نے اطلاع دی ہے کہ:

جماعت اہلحدیث کے بزرگ شاعر جناب شاکر گیاوی صاحب مدظلہ اس وقت سخت علیل ہیں، اٹھنے، بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں بڑی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔

قارئین کرام سے موصوف کی صحت کے لئے دعاء کی درخواست ہے۔

جامعہ سلفیہ بنارس میں اساتذہ بہار بورڈ کے تربیتی کورس کا اختتام اور اختتامی تقریب کی مختصر رپورٹ

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس میں گذشتہ وسط اکتوبر میں بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اور جامعہ سلفیہ کے باہمی تعاون سے
نے ملحق مدارس کے اساتذہ کی ٹریننگ اور عملی تربیت کیلئے ایک مختصر مدتی کورس جاری کیا گیا تھا جس میں صوبہ بہار کے مختلف
اسے منتخب اساتذہ کی ایک جماعت نے شرکت کی۔ اس عرصہ میں بحث و تحقیق، مضمون نگاری، کتب مراجع سے استفادہ اور تعلیم
ریس کی عملی مشق پر خصوصی توجہ مرکوز کرتے ہوئے ان کو متعدد بنیادی مضامین میں اساتذۂ جامعہ نے تربیتی معیار اور دقت کو
ر رکھتے ہوئے متعدد لیکچر دیئے۔ جس طرح اس کورس کا آغاز ایک مختصر اور سادہ تقریب سے ہوا تھا اسی طرح اس کا اختتام بھی مختصر
بذبات سے معمور ایک تقریب سے ہوا۔

یہ اختتامی تقریب بروز سنیچر ۱۵ر نومبر ۱۹۹۲ء بعد نماز عشاء جناب مولانا انیس احمد ندوی صاحب حفظ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ کی
مدارت منعقد ہوئی۔ تقریب کی ابتداء کلام پاک اور حمد باری تعالیٰ سے ہوئی۔ اس کے بعد صدر محترم جناب مولانا انیس احمد ندوی
ب نے ایک نہایت مختصر مگر جامع تقریر کی۔ جس میں موصوف نے رحلۂ علمیہ (علمی سفر) کی اہمیت اور اس کے فوائد پر روشنی ڈالتے
ئے بتلایا کہ طلب علم کے لیے سفر پر نکلنا محدثین اور علماء سلف کے ساتھ ساتھ انبیاء کرام کا بھی شیوہ رہا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے
نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفیق کار کے سفر کی جانب اشارہ کیا جسکا قرآن نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اخیر میں
تربیتی کورس کو بار آور اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہوئے اپنی تقریر ختم کی۔

آپ کے بعد جناب مولانا عبدالسلام مدنی صاحب حفظ اللہ استاذ جامعہ سلفیہ نے مہمان اساتذہ کو خطاب کیا۔ آیت کریمہ
ضع الموازین القسط لیوم القیامۃ۔ (الانبیاء آیت ۴۷) " اور حدیث شریف " لا یزول قدما ابن آدم یوم
لقیامۃ من عند ربہ حتی یسئل عن خمس الخ " کی روشنی میں ایک مفصل تقریر کی جس میں موصوف نے اخلاص

وللہیت، نیت کی درستگی اور اپنے اندر آخرت کا خوف پیدا کرنے پر زور دیتے ہوئے علم کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ اور علم کے مطابق عمل کرنے کی ترغیب دلائی۔ اخیر میں موصوف نے دعائیہ کلمات پر تقریر ختم کی۔

موصوف کے بعد جناب مولانا محمد ابن الحسن صاحب نے کورس میں شریک جملہ اساتذہ کی جانب سے تأثراتی کلمات پڑھکر سنائے۔ واضح ہو کہ موصوف نے اپنے تأثراتی کلمات میں ان ذہنی الجھنوں اور تفکرات کی جانب اشارہ کیا جن کے وہ خود یا ان کے رفقاء تربیتی کورس کے قیام کی ابتدائی خبروں سے لے کر جامعہ سلفیہ کی چہار دیواری میں داخل ہونے تک شکار تھے۔ جامعہ سلفیہ پہونچنے کے بعد ان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا گیا اور جس گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا گیا بقول موصوف وہ ان کے خلجانات کی مذمت کر رہے تھے۔ تربیتی کورس کی افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے موصوف نے اس کورس کے اجراء کرنے والے بہار بورڈ کے ذمہ داروں خصوصاً وزیر تعلیم جناب رام چندرن پیورو اور جناب شاہنواز احمد خان سکریٹری بہار مدرسہ بورڈ کا شکریہ ادا کیا۔ کورس کے قیام اور اسکی کامیابی پر تبصرہ کرتے ہوئے اسے نہایت بامقصد، کامیاب اور بارآور قرار دیا۔ اور کورس کی کامیابی پر جامعہ سلفیہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس کورس کی کامیابی کا سہرا جامعہ سلفیہ کے سر جاتا ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے جامعہ سلفیہ اور اسکے ذمہ داران، واساتذہ کو متعدد بار ہدیۂ تشکر پیش کیا اور کھلے لفظوں میں اس کورس سے ذاتی طور پر کافی مستفید ہونے کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ جو کچھ ہم نے اس کورس سے سیکھا ہے وہ ہمارے لیے ہمیشہ سود مند اور مشعل راہ ہوگا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جملہ مہمان اساتذہ نے فرداً فرداً تحریری طور پر جامعہ سلفیہ کے حق میں جو تأثرات پیش کیے ہیں ان میں بھی کورس کی کامیابی اور اس سے مستفید ہونے کا صراحتاً اعتراف کیا گیا ہے۔ مولانا ابن الحسن صاحب نے اپنے تأثراتی کلمات میں جامعہ کی کارکردگی پر اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی میدانوں میں جامعہ کی کارکردگی صرف قابل اطمینان ہی نہیں بلکہ قابل ستائش ہے۔ ذمہ داران جامعہ اساتذہ اور طلبہ ہر ایک کی تعریف کی۔ اخیر میں اپنے اور جملہ رفقاء کے لیے کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی دعا کرتے ہوئے اپنے تأثراتی کلمات کا اختتام کیا۔

تأثراتی کلمات کے بعد جناب مولانا عبداللہ سعود صاحب رحفظہ اللہ (نائب ناظم جامعہ سلفیہ) نے کورس میں شریک اساتذہ کے مابین اسناد تقسیم کیں۔

اخیر میں جناب ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری صاحب رحفظہ اللہ نے ایک پرمغز اختتامی تقریر کی جس میں موصوف نے متعدد اہم امور کی جانب توجہ دلائی۔ قبل ازیں مولانا ابن الحسن صاحب نے اپنے تأثرات میں جامعہ سلفیہ واہل جامعہ کے حق میں جو توصیفی کلمات کہے تھے ان کو حسن ظن پر محمول کرتے ہوئے محترم ڈاکٹر صاحب نے مولانا ابن الحسن صاحب کا شکریہ ادا کیا۔

جامعہ اور جامعہ کے جملہ متعلقین کو اسی حسن ظن کے مطابق بنانے اور اس پر قائم رہنے کی اللہ رب العزت کے حضور دعا
موصوف نے اپنے خطاب میں پیشۂ معلمی کی اہمیت و فضیلت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا کہ رشتۂ اخوت اسلامی کے بعد معلمی
پیشے نے ہی ہم سب کو یہاں اکٹھا کیا ہے۔ معاشرہ کی اصلاح و تعمیر میں معلمین کی اہمیت اور ان کی تاثیر پر روشنی ڈالتے ہوئے
بتلایا کہ معلمین کسی اچھے معاشرہ کی بناء ڈالتے ہیں، اور طلبہ کی اصلاح و تربیت کے ذریعہ معاشرہ کی خرابیوں کو دور کرنے میں
بہت زیادہ موثر رول ادا کر سکتے ہیں۔ اور اسی ضمن میں یہ بھی واضح کیا کہ معلمین کی خرابی یا بگاڑ سے حد درجہ خراب اثر
مرتب ہو سکتے ہیں۔

اس کے بعد جامعہ میں منعقدہ کورس کی اہمیت و افادیت کو واضح کرتے ہوئے موصوف نے بتلایا کہ اس کورس کے
معلمین کے مابین اتحاد و ربط کی فضا قائم ہوگی جو ہماری اور وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اس کے ذریعہ متعدد
غلط فہمیوں کے ازالے، اور مسلکی اختلافات سے قطع نظر مختلف اداروں کے مابین خیر سگالی اور تعاون کے مواقع فراہم
ہوں گے۔

کورس میں شریک اساتذہ کو جامعہ سلفیہ کا پیغام رساں قرار دیتے ہوئے موصوف نے مزید کہا کہ یہ اساتذہ جامعہ سلفیہ
کو قریب سے دیکھنے اور یہاں کے ماحول کا بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد جب اپنے مدارس میں تشریف لے جائیں گے تو ہماری
صحیح ترجمانی کریں گے جو ہمارے بارے میں صحیح نظریہ اور بہتر تاثر قائم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

اخیر میں محترم ڈاکٹر صاحب نے اس سلسلہ کو آئندہ بھی جاری رکھنے کے لیے جامعہ سلفیہ کے عزم اور اس
کے استعداد کا اظہار کیا۔ مہمان اساتذہ، جامعہ اور عامۃ المسلمین کے حق میں نیک دعاؤں کے ساتھ اپنی تقریر
ختم کی اور اسی کے ساتھ اختتامی پروگرام کے اختتام کا بھی اعلان کیا گیا۔

(ڈاکٹر رضاء اللہ مبارکپوری)

جامعہ سلفیہ کے ایک گمنام خادم کی رحلت

رفاہی اور تعلیمی اداروں کو پروان چڑھانے میں جن لوگوں کی نمایاں خدمات ہوتی ہیں ان میں اہم شخصیات کا سب کو علم ہوتا ہے اور ان اداروں کے تعلق سے بار بار ان کا نام دہرایا جاتا ہے لیکن ان نمایاں اور عظیم شخصیات کے علاوہ بہت سے ایسے مخلص اور بے لوث افراد ہوتے ہیں جن کے چہرے اور شخصیتیں لوگوں کے سامنے بہت کم آتی ہیں لیکن ان کی مخلصانہ خدمات ان اداروں کے وجود کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کے چہرے لوگوں کے سامنے نہیں ہوتے لیکن ان کی خدمات زبان حال سے ان کے اخلاص ولگن کی داستان سناتی ہیں۔

جامعہ سلفیہ جیسے عظیم مرکزی تعلیمی ادارے کو پروان چڑھانے میں اللہ تعالیٰ کی توفیق ومدد کے بعد ملک اور بیرون ملک کے بہت سے مخلصین کی خدمات کا دخل ہے، ان میں سے کچھ لوگ نمایاں ہیں لیکن کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جکے نام سے شاید بہت کم لوگ واقف ہوں، البتہ جامعہ کے لئے ان کی خدمت اور خلوص کا اثر ہر طرف محسوس کیا جاسکتا ہے، ایسی نوعیت کی ایک گمنام شخصیت الحاج عبدالرحمٰن ماما کی تھی، موصوف نے اپنی خدمات کو جامعہ کے لئے اس وقت سے وقف کردیا تھا جب کہ ادارے کا تصور ذہنوں میں ابھر رہا تھا لیکن ظاہر میں اس کا کوئی وجود نہ تھا پھر سنگ بنیاد سے لے کر تقریباً پچیس ۲۵ سال کی مدت تک وہ اس ادارے کے بے لوث خادم رہے، اساتذہ اور طلبہ کی خدمت، جامعہ کے مسائل کو حل کرنے کے لئے ذمہ داران سے ملاقاتیں اور مشورے اور جامعہ سے متعلق تمام افراد کے مسائل ومعاملات سے گہری دلچسپی ان کی خدمات کے نمایاں پہلو ہیں۔

مورخہ ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو موصوف اس دنیا سے رخصت ہوئے، اپنی زندگی کے آخری لمحات تک جامعہ کے منسوبین ومتعلقین کے ساتھ ان کی محبت وتعلق برقرار رہا۔ راقم سطور نے ۱۹۶۸ء میں جامعہ سلفیہ کی خدمت کا آغاز کیا، اس وقت سے آج تک مختلف مواقع پر میں نے مرحوم کی بے لوث خدمت کے نظارے دیکھے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے جب عرب اساتذہ جامعہ سلفیہ میں تدریس کے لئے تشریف لانے لگے تو مرحوم نے جس سلیقہ اور محبت کے ساتھ ان کی خدمت انجام دی اسے جامعہ کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

رحوم عربی زبان نہیں جانتے تھے لیکن عرب مہمانوں کے لئے انسیت و یگانگت کا جو ماحول انھوں نے قائم کیا تھا اس ہم جیسے بہتوں کی زبان دانی قربان ہو جائے گی۔ یہی وجہ تھی کہ عرب مشایخ یہاں سے جانے کے بعد اب تک بنارس کی ن چیزوں کو یاد رکھے ہوئے ہیں ان میں مرحوم کی خدمت و محبت نمایاں ہے۔

جماعتی معاملات و مسائل میں بنارس کے جن مخلص افراد نے غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ان میں الحاج عبدالرحمٰن ماحب کی شخصیت قابل ذکر ہے، مرحوم بہت زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے لیکن تبلیغی و دعوتی جلسوں کے انتظام اہتمام اور اس طرح کی دوسری جماعتی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے تھے، جماعت کے علاوہ کوکسی طرح کی کوئی ضرورت یش آتی تھی تو موصوف رضا کارانہ طور پر ان کے لئے دوڑ دھوپ کرتے تھے اور بنارس کی جماعت کے اہل خیر حضرات ے ان کے لئے ضروری تعاون حاصل کرتے تھے، ان کی خوش خلقی اور ملنساری ہر ایک کا دل موہ لیتی تھی، جامعہ ں کھانے پینے کی کوئی تقریب ہوتی تھی یا کسی جلسہ یا کانفرنس کا انعقاد ہوتا تھا تو مرحوم شب و روز محنت کرکے اسے امیاب بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں لوگوں کے اعتراضات اور تنقیدات کا نشانہ بھی بنتے تھے لیکن کبھی ان ، ماتھے پر شکن نہیں آتی تھی۔ جامعہ کی خدمت میں لگے رہنے کی وجہ سے اس کے مسائل کو حل کرنے کے سلسلہ میں ان کو ہی خاصی بصیرت حاصل تھی۔ خاکسار سے انہوں نے متعدد بار بیرون ہند جامعہ کے مفادات سے متعلق ایسی تجویزیں یش کیں جن سے ان کے اخلاص کے ساتھ ساتھ بیدار مغزی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، میں یہ چند غیر مربوط باتیں اس لئے ہرض تحریر میں لا رہا ہوں کہ جب کبھی جامعہ کی تاریخ قلم بند کی جائے تو اس گمنام خادم کی جامعہ کے لئے محنت و خلوص ر نظر انداز نہ کیا جا سکے۔ مرحوم کو ان خدمات کا حقیقی صلہ تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ملے گا جو بیحد رحیم و کریم ہے لیکن جامعہ ے تعلق رکھنے والے ہم تمام لوگوں کا فرض ہے کہ اس طرح کے گمنام مخلصین کے لئے دعائے رحمت و مغفرت کرتے رہیں۔

مرحوم نے اپنے پیچھے دو بیٹے اور کئی بیٹیاں اور ایک بھرا پُرا کنبہ چھوڑا ہے۔ میں اپنی طرف سے اور جامعہ سلفیہ ے متعلق ہر فرد کی طرف سے مرحوم کے پسماندگان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ رحوم کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں ان کو اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ان کے پسماندگان و متعلقین کو ہبر جمیل کی توفیق بخشے۔ (آمین)

جامعہ سلفیہ ایک تعلیمی و تحقیقی ادارہ ہے ان شاء اللہ یہ برابر قائم رہے گا اور اپنی علمی ضیا پاشیوں سے بنارس ر ملک کے اطراف و جوانب کو منور کرتا رہے گا۔ جو لوگ اس دینی ادارے کی خدمت کریں گے ان کا نام اللہ تعالیٰ کے علم میں

رہے گا اور وہ ان خدمات کو قبول کرکے بہترین بدلہ دے گا۔

کسی ادارے کے خادم کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے اس کو پُر کرنے کی ذمہ داری اس کے گھر اور شہر والوں پر عائد ہوتی ہے، اسی طرح دینی اداروں کی سرگرمیاں پروان چڑھتی ہیں اور ان سے استفادہ کا سلسلہ برقرار رہتا ہے۔ مرحوم کے متعلقین سے ہمیں توقع ہے کہ ان کے لئے دعائے خیر کرنے کے ساتھ ساتھ جامعہ کی خدمت کے سلسلے میں ان کے طریقے کو بھی زندہ رکھیں گے۔ واللہ الموفق۔

(غمزدہ: مقتدی حسن ازہری)

دعاءِ شفاء کی درخواست

بنگلہ دیش سے جناب محمد رفیق الاسلام نے اطلاع دی ہے کہ:

"جمعیۃ شبان اہل الحدیث بنگلہ دیش" کے بانی اور مرکزی مشاورتی کونسل کے امیر ڈاکٹر محمد اسد اللہ الغالب ۷/اکتوبر ۹۲ء کو ایک کار ایکسیڈینٹ میں شدید زخمی ہوگئے۔ ڈاکٹر غالب لاہور میں مرکز الدعوۃ والارشاد کی طرف سے ہونے والی تین روزہ عالمی کانفرنس میں بنگلہ دیش کے مندوب کی حیثیت سے خطاب کرکے اسی دن صبح کو راجشاہی واپس آئے تھے۔

قارئین کرام سے موصوف کے لئے دعاء شفاء کی درخواست ہے۔

باب الفتاویٰ

انتخاب
محفوظ الرحمن السلفی

س : برائے مسجد وقف شدہ زمین کے بعض حصے پر مسجد بن چکی ہے ، باقی ماندہ وسیع حصے پر (جہاں فی الحال درخت ہیں) مدرسہ نسواں بنوایا جاسکتا ہے یا نہیں ؟
اس مدرسہ میں حائضہ اور غیر حائضہ ہر قسم کی عورتیں ہمہ وقت سکونت اختیار کرسکتی ہیں ؟ ان طالبات کی نگرانی کے لئے مدرسین کرام کے لئے قیام گاہ بنائی جاسکتی ہیں ؟ نیز مدرسین کرام مع ازواج ان قیام گاہوں میں رہ سکتے ہیں ؟

والسلام
سائل : محمد شاہ جہاں ربیرہوم

الجواب بعون اللہ الوہاب :

جو زمین مسجد کے لئے وقف ہوچکی ہے اس میں کسی بھی قسم کا کوئی تصرف یا تبدیلی جائز نہیں کیونکہ وقف شدہ زمین (شئی) کو فروخت کرنا یا کسی کو ہدیہ دینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے جیسا کہ سنت نبوی سے ثابت ہے :

عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان عمر تصدق بمال لہ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکان یقال لہ ثمغ وکان نخلا فقال عمر یا رسول اللہ انی استفدت مالا وھو عندی نفیس فاردت ان اتصدق بہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم تصدق باصلہ لا یباع ولا یوھب ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ فتصدق بہ عمر ۔ (الحدیث)
(فتح الباری، کتاب الوصایا ۔ ۵/۳۹۲) ۔

حدیث کے مختلف طرق کو بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمرؓ کو خیبر کے اندر زمین کی شکل میں ایک مال حاصل ہوا تو وہ دربار نبوی میں پہونچ کر بولے کہ مجھ کو ایسی زمین ملی ہے جس سے بہتر کوئی مال اب تک میری زندگی میں حاصل نہیں ہوا میں اسے صدقہ کرنا چاہتا ہوں ، آپ نے فرمایا ، کہ اس کے اصل کو صدقہ (وقف) کردو جسے نہ فروخت کیا جاوے اور

نہ ہبہ کیا جائے اور نہ ہی اس پر کسی کو وارث بنایا جائے، اور اس سے جو کچھ نفع نکلے صدقہ کر دیا جائے۔

اس لئے مسجد کی موقوفہ زمین پر مدرسہ نسواں نہ بنایا جائے کیونکہ یہ صریح سنت کے مخالف ہوگا اور نہ ہی مذکورہ حدیث کی روشنی میں مدرسین کرام کے لئے قیام گاہ بنائی جائے۔

ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ زمین مذکور پر مسجد کی جانب سے عمارت بنوایا جائے اور اس کو کرایہ پر دید یا جائے اور جو کچھ نفع نکلے اس کو مسجد کے مصالح میں خرچ کیا جائے، اب اگر کوئی چاہتا ہے کہ ہم مدرسہ نسواں اس مسجد کی عمارت میں کھولیں تو کھولا جا سکتا ہے اور اس میں مدرسین کرام مع اہل و عیال قیام پذیر ہو سکتے ہیں، مگر مسجد کے آداب کا پاس لحاظ رکھا جائے اور یہ یاد رہے کہ مدرسہ نسواں کے والیوں کو مسجد کی زمین ہونے کی وجہ سے کرایہ ادا کرنا پڑے گا۔

اور اس مدرسہ میں یا کوئی بھی مدرسہ نسواں ہو اس میں حائضہ وغیر حائضہ بیک وقت قیام کر سکتی ہیں، حائضہ عورتوں کو صرف نماز کی جگہوں، مسجدوں اور عیدگاہوں سے روکا گیا ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے:

" عن ام عطية قالت أمرنا أن نخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم ويعتزل الحيض عن مصلاهن " (فتح الباری، کتاب الصلوٰۃ ۱/۴۶۶، ودیگر کتب حدیث)

حدیث کے متعدد و مختلف طرق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حائضہ عورتیں نماز کی جگہوں سے دور رہیں اور دعاؤں میں شرکت کر سکتی ہیں، اسی وجہ سے چاہے وہ مسجد ہو یا عیدگاہ حائضہ عورتیں اس میں داخل نہیں ہو سکتی ہیں، اب اگر مدرسۂ نسواں ویسے بنایا گیا ہے اور مسجد کی جانب سے عمارت بنوا کر اس کو کرایہ پر نہ دیا گیا تو یہ عمل شریعت مطہرہ کے خلاف ہوگا، مسلمانوں کو شریعت کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرنا چاہیئے۔

واللہ أعلم بالصواب

بدیع الزماں حفیظ اللہ، ت ۲

جامعہ سلفیہ، بنارس

الجواب صحیح: محمد رئیس ندوی

استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

ہماری مطبوعات

نام کتاب : عالم بشریت کے لئے سیرت طیبہ کی اہمیت
تالیف : ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ، صدر و استاذ شعبۂ عربی ، دہلی یونیورسٹی ، دھلی
صفحات : ۴۵
کتابت : عمدہ ، طباعت بار دوم ۱۹۹۲ء
ناشر : ادارۃ البحوث الاسلامیہ ، جامعہ سلفیہ ، بنارس

زیر تبصرہ کتاب دراصل ڈاکٹر فاروقی صاحب کی وہ تقریر ہے جسے انہوں نے انجمن اسلام بمبئی کی دعوت پر تیار کیا تھا، بعد میں اسے افادۂ عام کی غرض سے کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن معین الدین حارث میموریل انجمن اسلام بمبئی نے شائع کیا، اور اب دوسرا ایڈیشن جامعہ سلفیہ سے شائع ہو رہا ہے۔

سیرت نبوی پر ہر زمانے میں کتابیں اور مقالات تحریر کئے گئے، اور کئے جاتے رہیں گے کیونکہ یہ ایک ایسا سدابہار موضوع ہے جس کی شادابیاں کبھی ختم نہیں ہوسکتیں۔

سیرت نبوی پر کتابیں اور مقالات مختلف نوعیت کے حامل ہیں، بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت کو موضوع بحث بنایا ہے اور بعض لوگوں نے کسی خاص پہلو کو اختیار کر کے اس پر مؤثر گفتگو کی ہے مثلاً کسی نے غزوات و سرایا کو اختیار کیا ہے، کسی نے سیاسی زندگی پر بحث کی ہے کسی نے سیرت کے اصلاحی وانقلابی پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور اس انتخاب واختیار میں زمانہ کی رعایت ملحوظ ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مقالے کو موجودہ دور کے آئین ومعاشرت کو دیکھتے ہوئے مرتب کیا ہے چنانچہ مقالہ کی ابتداء میں انہوں نے سیرت طیبہ کی جامعیت وانفرادیت کو اجاگر کیا ہے، اس کے بعد حقوق نسواں پر سیر حاصل بحث کی ہے اور مختلف ممالک ومذاہب میں عورت کی تاریخی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے یہ بتلایا ہے کہ صنف نازک

پر اسلامی شریعت نے کیوں توجہ کی اور اسلام نے عورتوں کو کیا حقوق دیئے ہیں، اس کے بعد مطلقہ کی کفالت، منشور حقوق انسانی، نظریہ مساوات کے علاوہ جوئے کی لعنت، سود و قمار شراب و زنا جیسے مفاسد کی ہلاکتوں پر سیرت طیبہ کی روشنی میں بڑی موثر گفتگو کی ہے، نیز فقراء کے ساتھ ہمدردی و تعاون، معذوروں پر توجہ اور اسلام کی نظر میں انسانی معاشرہ کی کیا حیثیت ہے ان کا سیر حاصل بحث کی ہے، مقالہ کے آخر میں خصائص مصطفوی کو اجاگر کیا ہے۔

ڈاکٹر فاروقی صاحب کے اس مقالہ سے عالم بشریت کے لئے سیرت طیبہ کی اہمیت و افادیت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور ان کے مؤثر و دلکش اسلوب سے قاری کا متاثر ہونا ضروری ہے، یہ مختصر مقالہ موجودہ دور کے لئے "بقیمت بہتر" کا مصداق ہے۔ ہر لائبریری میں سیرت نبوی کے خانہ میں اس کا وجود ہماری ضرورت ہے۔

کتاب کی ان خوبیوں کے ساتھ ہی ہمیں افسوس ہے کہ اس میں کتابت میں چند غلطیاں رہ گئی ہیں، مثلاً ص ۱۲ پر آیت کریمہ: "واذا الموودۃ ..." میں "د" پر فتحہ کے بجائے کسرہ ہے۔ اسی طرح ص ۱۷ پر آیت کریمہ "وزوجك الجنة ..." میں زوج کی جیم پر فتحہ ہے جبکہ ضمہ ہونا چاہئے۔ پھر ص ۲۲ پر آیت کریمہ: "یا ایہا الناس اتقوا ربکم ... الخ" میں "بَثَّ مِنہا" ہے جبکہ منہما ہونا چاہئے۔ اسی طرح ص ۲۸ پر "اَنْقَذَ" ذ کے ضمہ کے ساتھ ہے حالانکہ صحیح فتحہ ہے۔ آیتوں کے علاوہ بھی کتابت کی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں، ہمیں امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس پر توجہ دی جائے گی۔

اللہ ہم سب کو سیرت طیبہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !

(محفوظ الرحمن مشتاق احمد السلفی)

ہماری نظر میں

نام کتاب : بسم اللہ کے فضائل واحکام

ضخامت : ۱۱۶ صفحات

ملنے کا پتہ : جمعیۃ اہل حدیث، ۱۱۶ سوداگر محلہ، بھیونڈی ۴۲۱۳۰۲ تھانہ مہاراشٹر۔

اسلامی عبادات میں بہت سے اعمال وافعال اور اوراد و وظائف کا تعلق فضائل و مثالب سے ہے، شریعت نے ان اعمال کی انجام دہی کیلئے امت مسلمہ کو انتہائی ترغیب و تحریص دلائی اور اسکے کرنیوالے کو بیش از بیش اجر وثواب سے سرفراز کرنے کا وعدہ کیا۔

زیر تبصرہ رسالہ کا موضوع بسم اللہ کے فضائل واحکام ہے، یہ کتاب موضوع کے لحاظ سے منفرد ہے، اس کی تحریر و ترتیب دور حاضر کی مناسبت سے تحقیق و تمحیص اور مستند کتابوں کے حوالجات سے کی گئی ہے۔

بسم اللہ سے متعلق متعدد شریعت کے احکامات، اسکے پڑھنے کی فرضیت و فضیلت اور برکت (کن کن مقامات اور کس موقع پر وارد ہے) کی تفصیل ہے، اور اس سلسلہ میں جمہور محدثین، فقہاء کرام اور علماء سلف کے اقوال کا تذکرہ اور راجح مسلک کی تصریح موجود ہے، غرض ہر ناحیہ کی قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس کی وضاحت آیات اور متعدد احادیث پیش کرکے الگ الگ سرخی قائم کرکے کی گئی ہے، پھر ان احادیث سے جو مسائل و فوائد مستنبط ہوتے ہیں اس کا بھی بیان ہے۔

اس ضمن میں سنت نبوی کے خلاف معاشرہ میں پائے جانے والے افعال کی تردید اور اس کی بابت موضوع احادیث جن کا چلن ہو چکا ہے، دلائل سے بے بنیاد ثابت کیا گیا ہے، اخیر میں ۷۸۶ کا بسم اللہ کی جگہ استعمال بھی غلط ہے اور یہی صحیح ہے اور یہ کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم مکمل پڑھنا چاہیے۔ کتاب پر از معلومات اور قابل مطالعہ ہے۔

رسالہ کے مؤلف برادر مکرم مولوی انصار زبیر محمدی ہیں موصوف نے اپنی اس تحریر کو جامعہ محمدیہ مالیگاؤں کی سند فضیلت کے حصول کے لئے مقالہ کی شکل میں بزبان عربی پیش کیا تھا جسکا اردو ترجمہ بزبان مؤلف کتابی صورت میں افادۂ عام کی غرض سے جمعیت اہلحدیث بھیونڈی نے شائع کیا۔ کتابت وطباعت لائق قبول ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کو مزید قلمی خدمت کی توفیق بخشے اور اس کاوش کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین۔ ع ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

(امتیاز احمد سلفی)

DECEMBER 1992 Vol. X • No. XII

MOHADDIS

THE ISLÁMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

اعلان

جامعہ سلفیہ بنارس کا فاکس نمبر : 322116

تبدیل ہوکر نیا فاکس نمبر : 323980 ہوگیا ہے۔

جامعہ کا فون نمبر : 322116 / 320958

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Edited by: A. W. Hijazi.
Printed at Salafia Press, Varanasi.